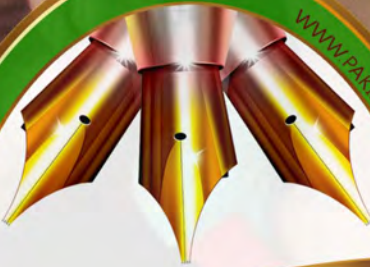


خواتین کے لیے خاص مختار انٹرنیٹ آڈیو

آآنچل

aanchalpk.com aanchalnovel.com



WWW.PAKISTANIPOINT.COM

www.pakistanipoint.com

پاکستانی پوائنٹ

اردو ادب کے بہترین ویب سائٹ

ایک رابطہ ہیں

زیبائے اسلام
شہزادہ احمد علی
قیصر اکبر
سعید شاہ
طاہر احمد علی
جوہر احمد
روشن احمد

بانی مرکز
مدیر
نائب مدیر
معاونین
مدیران

جلد 39
شمار 08
نومبر 2017

اشتراکات اور دیگر معلومات
0300-8264242

آنچل


رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹر
رکن چیف آف کامرس

aanchalpk.com

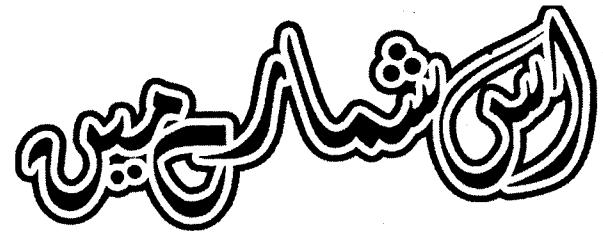
aanchalnovel.com

www.aanchalpk.com/blog

onlinemagazinepk.com/recipes

 /Naeyufaq Aanchal &
Hijab official group

 /women.magazine



ابتدائیہ

سرگوشیاں مدیرہ 14

حمد ریاض حسین قمر 15

لعت صابر 15

در جواب ال
مدیرہ
16

دانش كده

الکوتر مشتاق احمد قریشی 21



ہمارا آنچل

آسیہ عروج / ازین دلبر

25 میہ ۱۸۸۰ء

۱۰۰

سلسلہ وار ناول

بریں زلف لے سر ہوئے تلک انرا صغیر احمد 71 جینا مغرب، منامشرو شبنہ گل 221

پبلشر: مشتاق احمد تریشی پرنسٹر، جمیل حسن، ابن حسن پرنٹنگ پریس

ہالی انڈیئم کراچی دفتر کا پتہ: 7 فریڈ پیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400۔

ہومیوکارنر طلعت نظامی 245 یادگار لمحے جویریہ الک 268

۲۷۲ شهاب‌الامیر

212

پیش مقابلہ طلعت آغاز 249 ہم سے پوچھیے شاملہ کاشف 281

252 آ کا حقیقت ^ب ^ب 284 شمیر

یوں کا سید روین احمد 252 آپ سے مجید رضا 284

نہ ند خمال ایمان و قار 254 گامی بابیں حنا احمد 289

۲۶۰ کیند

000 فرین سریں 200 ۱۰۰ ۲۰۰

031 2569877415

ثابت کایہ: ”آنخپل“ پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200، فون: 021-35620771/2

021-35620771 کے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز۔ ای میل @aanchal.com.pk

”حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑائیں کرتا میں اس کے لیے جنت میں گھر کا خائن ہو۔“
(سنن ابی داؤد)

گھسیٹیں مدیرہ

استقام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نومبر ۲۰۱۷ء کا آئجل حاضر مطالعہ ہے۔

ماہ محرم اپنی تمام تر عقیدت و احترام کے ساتھ گزر گیا اللہ سبحان و تعالیٰ کا صد شکر ہے کہ اس ماہ مبارک میں کوئی بڑا غم آگیا معاملہ پیش نہیں آیا محرم کی تمام مجالس و محافل و طن عزیز میں ہر جگہ ہر طرف مکمل سکون و اطمینان کے ساتھ منعقد کی گئیں، اللہ سبحان و تعالیٰ کرے کہ وطن عزیز ہمیشہ اس دیر سکون رہے اور اتحاد بین المسلمین کی فضا ہمہ قائل رہے آمین۔
وطن عزیز میں ہر طرف سیاسی بے چینی اور پھل کا سال ہے ہر آنے والا لمحہ بے چینی و بے اعتمادی لیے چلا آ رہا ہے تمام چھوٹی بڑی سیاسی جماعتیں اپنی ذیلی اپنا راگ الاپ رہی ہیں کہیں سے عوامی فلاح و بہبود کی کوئی ہلکی سی بھی آواز نہیں سنائی دے رہی عوام غربت، بے روزگاری اور سب سے بڑھ کر مہنگائی کی جلی میں پس رہے ہیں کہیں کوئی شتوئی نہیں۔ ہر طرف کرپشن، بدعنوانی کے معریت نے اپنے نچے کا زہ رکھے ہیں، نہ بلدیاتی نہ ترقیاتی کام ہو رہے ہیں ہر کوئی اپنی ذمہ داری پوری نہ کرنے کا الزام اپنے مخالفین پر ڈال کر عوام کو بے وقوف بنارہا ہے خیر یہ تو کبھی حالات حاضری کی بات اب چلتے ہیں اپنے آپ کو چل کی جانب۔
تمام قاری اور لکھاری، بہنوں کا تہہ دل سے شکر یہ ادا کرتی ہوں کہ ہر ماہ کی طرح اس ماہ بھی بہت سارے محبت بھرے خطوط ملے اور اس میں، بہنوں نے نہ صرف اپنی دلچسپی و پسندیدگی کا اظہار کیا بلکہ مفید مشوروں سے بھی خوب نوازا۔ میری اور میری ساتھیوں کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ آپ کے محبت ناموں سے ملنے والی حوصلہ افزائی اور پسندیدگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے مزید بہتر سے بہترین کی جستجو کرتے رہیں آپ کی پسند اور تسلی ہی ہمارا بے حد قیمتی سرمایہ ہے ان شاء اللہ ہمیں ہر قدم آپ اپنے قریب اور ساتھ پائیں گی۔ ہمیں یہ قوی امید ہے کہ آپ، بہنوں کا بھرپور تعاون ہمیں ہمیشہ حاصل رہے گا ان شاء اللہ آپ کی رائے آپ کے مشورے ہمارے لیے نہ صرف حوصلہ افزائی کا باعث ہوتے ہیں بلکہ ہمیں آگے اور آگے بڑھنے کا حوصلہ اور رہنمائی بھی فراہم کرتے ہیں اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کا تعاون آپ کی محنتیں یوں ہی برقرار اور قائم رکھے آمین آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت دیجیے آپ کے محبت ناموں کا انتظار رہے گا۔

نوٹ: حجاب کا نومبر کا شمار سالانہ نمبر ہوگا تمام بہنیں جلد از جلد اپنی نگارشات ارسال کر دیں ”دوست کا پیغام آئے“ سلسلہ آپ نے شوق کو مد نظر رکھتے ہوئے حجاب میں بھی شروع کیا جا رہا ہے اس سلسلے کے لیے اپنے پیغامات ارسال کر سکتے ہیں۔

اس ماہ کے ستارے

نبیلہ ابرار جابطہ، عنصر مغفل، شبیہ نگار، ام ایمان قاضی، بحر شفا، فاطمہ، رافعہ ملک، سمیرا احمد رفیق۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

حکیم

سچے دل سے جھک گیا جو بھی خدا کے سامنے

سرخرو وہ ہو گیا ہے کبریا کے سامنے

وہ کبھی مشکل میں گھبراتا نہیں ہے بالیقین

جس نے سمجھا ہے تری ہستی کو رب العالمین

لفظ کن سے جس نے پیدا کر دیا سارا جہاں

ہے وہی ہستی یقیناً خالق کون و مکاں

ظلمتوں کی کوکھ سے پیدا کرے وہ نور کو

پھر اجالوں پر کرے حاوی شب و دیور کو

ان فضاؤں میں پرندوں کو اڑاتا ہے وہی

گلشن ہستی میں پھولوں کو کھلاتا ہے وہی

چل نہیں سکتی ہوا اس کی اجازت کے بغیر

آدمی انسان نہیں اس کی عبادت کے بغیر

وہ قمر سب کا خدا ہے مالک ارض و سما

اس نے اس دنیا کی ہر اک چیز کو پیدا کیا

نعتیں

اے سبز گنبد والے منظور دعا کرتا

جب وقتِ نزع آئے دیدار عطا کرتا

اے نور خدا آ کر آنکھوں میں سما جانا

یا در پر بلا لینا یا خواب میں آ جانا

اے پردہ نشیں دل کے پردے میں رہا کرتا

جب وقتِ نزع آئے دیدار عطا کرتا

میں قبر اندھیری میں گھبراؤں گا جب تجھا

امداد میری کرنے آ جانا ذرا شاہا

روشن میری تربت کو لٹہ ذرا کرتا

جب وقتِ نزع آئے دیدار عطا کرتا

مجرم ہوں جہاں بھر کا محشر میں بھرم رکھنا

رسوائے زمانہ ہوں دوزخ سے بچالینا

مقبول دعا میری محبوب خدا کرتا

جب وقتِ نزع آئے دیدار عطا کرتا

چہرے سے ضیاء پائی ان چاند ستاروں نے

اس در سے شفا پائی دکھ درد کے ماروں نے

آتا ہے انہیں صابر ہر دکھ کی دوا کرتا

جب وقتِ نزع آئے دیدار عطا کرتا

صابر صاحب

ریاض حسین قمر

ادب کے مدیرہ

رفاقت جاوید..... اسلام آباد

ڈیر رفاقت! شادو! یاد رہو! آپ کی علالت اور بیماری کے متعلق سکر بے ساختہ دعا گو ہوئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کی تمام تکالیف دور کرے آمین۔ بے شک صحت و تندرستی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اور جب اس نعمت سے انسان محروم ہوتا ہے تو اس کی قدر بخوبی جان پاتا ہے۔ ایسے حالات میں اپنا بھرپور خیال رکھیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ تمام بیماروں کو شفاء کا ملکہ عطا فرمائے آمین۔

نازیہ کنول نازی..... ہارون آباد

ڈیر نازی! سدا سہا کن و یاد رہو! آپ کی علالت کے متعلق جان کر بے حد دکھ ہوا! اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کو جلد صحت و تندرستی عطا فرمائے مع آپ کے بچوں کے اور مشکل کی ان گھڑیوں میں آپ کو آسانی عطا فرمائے آمین۔ بے شک چھوٹے بچوں کے ساتھ گھریلو ذمہ داریوں میں الجھ کر انسان اپنی ذات سے غافل ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی اپنا خیال رکھیں آپ کے قارئین سے بھی آپ کے لیے دعائے صحت کی اپیل ہے۔ اسی علالت کے سبب نازیہ اس بار قسط بھی نہیں لکھ سکیں امید ہے آئندہ ماہ آپ رو بہ صحت ہو کر اس ننھی کو دور کر دیں! اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی والی عمر دراز عطا فرمائے آمین۔

سویرا فلت..... کراچی

ڈیر سویرا! خوش رہو! والدین اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے سب سے اہم نعمت ہیں جنہیں ہم کبھی کھوتا نہیں چاہتے یا ان کے حوالے سے کوئی منفی سوچ کبھی ذہن میں آنے نہیں دیتے لیکن دنیائے فانی میں زندگی کی حقیقت بھی مختصر ہی ہے یہاں سے سب نے ہی اپنی باری پر چلے جاتا ہے۔ آپ کے والد کی رحلت کا جان کر دکھ پہنچا بے شک والد کا روپ گھنے سائے کی مانند ہوتا ہے جو گرم و سرد ہوا سے بچاتے ہماری پرورش کرتے ہیں۔

آپ کی اس محرومی کا دکھ میں جان سکتی ہوں لیکن پھر بھی صبر کا دامن تھامے رکھیں اور ان کے لیے دعا گو رہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کے والد کے درجات بلند فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

نادیہ احمد..... دہلی

عزیزی نادیہ! شاد و یاد رہو! آپ کی جانب سے ارسال کردہ خوب صورت کتابی تحفہ بعنوان ”وہ نہیں ملا تو ملال کیا“ موصول ہوئی سب سے پہلے تو دوسری کتاب کی اشاعت پر ڈھیروں مبارک باد۔ آپ یونہی کا میاں بی و ترقی کی منازل طے کرتی جائیں۔ آسمان ادب کے درخشاں ستاروں میں آپ کا نام سدا جگمگا رہے آمین۔ جہاں تک کتاب کی بات ہے تو ہمارے قارئین کے لیے ایک خوب صورت اضافہ ہے چار ناولز پر مبنی یہ کتاب جن میں سے دو آپ ہمارے ادارے کے توسط سے پڑھ چکے ہیں جن میں ایک ”اسکیڈل“ اور دوسرا ”کتنے مہتر پھرنے“ شامل ہیں۔ آپ کے دیگر دو ناول بھی دلچسپی اور انفرادیت میں اپنی مثال آپ ہیں امید ہے یہ کتاب علم و ادب سے شغف رکھنے والوں کے لیے ایک بہترین اضافہ ثابت ہوگی۔

مسز نگہت غفار..... کراچی

ڈیر نگہت! شاد و یاد رہو! آپ کی تحریر دمیر کے رنگوں کو بھی خود میں سمونے ہوئے ہے۔ محبت روایات اور معاشرتی انداز کا خوب صورت استخراج پیدا کیا ہے جہاں چاہت آخری دم تک نظر آتی ہے اور کہانی اس بات کا اعلاہ کیے ہوئے ہے کہ.....

”ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں“

بہر حال یہ تحریر جلد لگ جائے گی۔

فریدہ فری..... لاہور

عزیزی فری! مبتدی رہو! آپ کے بیٹے کے حادثے کی خبر سن کر دل بہت رنجیدہ ہوا! اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہر کسی کو ان ناگہانی آفات آلام و مصائب سے دور رکھے یقیناً اس وقت آپ اپنے بیٹے کے لیے متشکر ہوں گی ان مشکل گھڑیوں میں ہماری دعائیں آپ کے ہمراہ ہیں جلد آپ

کا نور نظر پہلے کی طرح صحت یاب ہو کر آپ کے گھر کی رونق بن جائے گا قارئین سے بھی فریدی فری اور ان کے بیٹے کے لیے دعائے صحت کے ملتیں ہیں۔

ملیا سمیعون..... انٹ

ڈیر ملیا! سدا خوش رہیں! آپ کی تحریر ہمیں موصول ہوئی ہے ان شاء اللہ باری آنے پر پڑھنے کے بعد اپنی رائے سے آگاہ کر دیں گے۔

صبا یونس قریشی..... ملتان

ڈیر صبا! سدا مسکراؤ! آپ کی ارسال کردہ تمام تحریریں ہمارے پاس محفوظ ہیں اور ”شرعی حق“ اور ”رشتے“ بھی قبولیت کا درجہ حاصل کرنے میں کامیاب رہی ہیں پہلے ان فسانوں کا نمبر آئے گا اور اس کے بعد آپ کے ناول کی طرف برہمیں گے۔ آپ اسی طرح اپنا کلمی سفر جاری رکھیں۔ ہم تک آپ کا ناول پہنچ گیا ہے تو ان شاء اللہ ایک روز شائع بھی ہو جائے گا۔

عائشہ اختر بٹ..... سرگودھا

ڈیر عائش! سدا شاد رہو! آپ کی ارسال کردہ تینوں تحریریں پڑھ ڈالیں جن میں سے آپ کی ایک تحریر ”115“ منتخب ہوگئی ہے لیکن اس کا نام تبدیل کر کے ”الونگی ایجاڈ“ منتخب ہوا ہے بانی و تحریریں کچھ خاص تاثر قائم کرنے میں ناکام ٹھہریں۔ بے شک زندگی کی حقیقت ہے لیکن کہانی میں دلچسپی کا عنصر نہیں ہے اس لیے معذرت۔ آپ انٹرویوز کر لیں اور سوالات ایسے رکھیے گا جن سے شخصیت کا جامع اور مکمل تعارف سامنے آسکے یہ انٹرویوز آپ ارسال کر سکتی ہیں بمع تصویر۔

صدف بتول..... نامعلوم

ڈیر صدف! جگ جگ جیو! آپ کی ارسال کردہ تحریر ”خواب سفر“ پڑھ ڈالی، تحریر کچھ خاص تاثر قائم کرنے میں ناکام ٹھہری وچ موضوع کا چناؤ اور انداز تحریر کی کمزوریاں غالب رہیں۔ ابھی مزید محنت کی ضرورت ہے اور ایسے میں قسط وار لکھ کر محنت کا ضیاع مت کریں بلکہ اچھا لکھنے کے لیے اولین شرط مطالعہ کا وسیع ہونا ہے اس پر توجہ دیں امید ہے ان باتوں سے آپ کو سیکھنے کو ملے گا اور کوشش جاری رکھیں گی۔

تمنا بلوچ..... ڈی آئی خان

ڈیر تمنا! سدا ہنسی رہو! آپ کی ننھی پری کی تصویر ہمارے پاس محفوظ ہے اگر اسکیں ہو جائی تو ضرور لگاتے اس لیے معذرت آپ کی شادی کی سالگرہ ہے تو ہماری طرف سے آپ کو پیشگی شادی کی سالگرہ مبارک! اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس خوشی کے موقع پر آپ کا دامن بہت سی خوشیوں سے بھر دے اور نیک و صالح اولاد عطا کرے آمین۔ آپ کی نگارشات بھی جلد لگ دیں گے۔

عائشہ رحمن ہنی..... ریالی، مری

ڈیر عائشہ! آ یاد رہو! مصروفیت کے باعث جواب نہ ملے تو ناراضگی کیسی۔ طاہر صاحب کو دن بھر میں موصول ہونے والی کال و میسجز کی کوئی تعداد نہیں بھربات آپ کے شکر کی گئی آپ خود کسی بک اسٹال سے معلوم کر لیں خیر آپ آچکل و حجاب کی سالانہ خریدار بننا چاہتی ہیں تو اس کا طریقہ کار ہر ماہ آچکل میں شائع کیا جاتا ہے اس پر نظر ثانی کرتے رقم مئی آرڈر کر دیں۔ دوسرے ماہ ہی آچکل و حجاب آپ کے دروازے پر ہوں گے بشرط کہ ایڈریس مکمل ہو تحریر کے حوالے سے کوشش جاری رکھیں ان شاء اللہ کبھی یہاں بھی نام ہوگا۔ شاعری متعلقہ شعبے میں بیج دی ہے اگر معیاری ہوئی تو منتخب ہونے کے بعد اپنی جگہ بنالے گی امید ہے ناراضگی دور ہوگئی ہوگی۔

سلمیٰ عنایت..... کھلا بٹ ٹافون شب

ڈیر سلمیٰ! جیتی رہو! آپ کی والدہ کے متعلق جان کر خوشی ہوئی کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انہیں صحت و تندرستی عطا فرمائی اور دونوں سے بھی چھٹکارا مل گیا اسی لیے تو بڑے بوڑھے کہتے ہیں تندرستی ہزار نعمت ہے اور ان ہزار نعمتوں کا ہمیں اصل ادرار کہ تب ہی ہوتا ہے جب ہم صحت و تندرستی سے محروم ہو کر دوائیوں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں! اللہ سبحانہ و تعالیٰ تمام مریضوں کو شفاء کا ملکہ عطا فرمائے آمین۔ آپ کی یہ بے انتہا محبت اور خلوص خود پر بے حد فخر محسوس ہوا کہ آپ تہجد کی نماز اور دعاؤں میں بھی ہمارے لیے دعا گو رہتی ہیں! اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کی سب دعاؤں کو شرف قبولیت بخش دے اور آپ کے حق میں بہتری کرے آمین۔

نجم انجم اعوان..... کراچی
ڈیر نجم! اسم باسکی بن کر جگمگانی رہوئے گھر میں شغل

ہونے کی مبارک باد غالباً مصروفیت میں دینا بھول گئی ہوں گی بہر حال ہمارے اور آپ کے رہنے کو یہ چند الفاظ مضبوط تو ضرور کرتے ہیں لیکن ان کے بغیر بھی ہمارا رشتہ استوار رہے گا بعض اوقات دیر سویر اور تاخیر ہو جاتی ہے آپ کے بچوں کی علالت کے متعلق جان کر دکھ ہوا اللہ سبحان و تعالیٰ ہم سب کو اس بچن کو نیا جیسے موذی مرض سے محفوظ رکھے آج کل ہر کوئی اس وباء میں گھرا ہوا نظر آتا ہے۔ سالانہ خریدار بننے کا طریقہ دہی ہے جو آپ کو فون پر بتایا گیا ہے اس طرح ہر ماہ گھر بیٹھے پرچہ ملتا رہے گا۔ جہاں تک ناراضگی کی بات ہے تو ہماری طرف سے کوئی ناراضگی نہیں۔ امید ہے آپ بھی ہماری مصروفیت کو مد نظر رکھتے اس چھوٹی سی بات کو نظر انداز کر دیں گی۔

کوثر ناز..... حیدر آباد

ڈیر کوثر! جیسی و مسکرائی رہو حیدر آباد شہر سے شرکت کرنے والی اپنی پرانی قاری و لکھاری کو ہم ہرگز نہیں بھولے آپ کی تمام تحریریں بھی ہمارے پاس محفوظ ہیں بے شک حجاب کی اشاعت کی اہم وجہ اس شکوے کی تلافی اور آپ کی ناراضگی کو دور کرنے کا ہی تھا لیکن ہر ماہ آپ بہنوں کی کثیر تعداد میں کہانیاں موصول ہوتی ہیں اور اسی حساب سے منتخب بھی ہوتی ہیں۔ کوشش یہی ہوتی ہے کہ باری آنے پر سب کو موقع دیا جائے اور جہاں تک بعض لکھاریوں کے جلد شائع ہوجانے کی بات ہے تو وجہ ہے کسی بی خاص موقع یا تہوار پر لکھنا یا پھر قارئین کی ڈیمانڈ کے مطابق لکھنا اگر ہمارا لکھاری ہمیں وہ چیز دے گا جس میں دلچسپی، انفرادیت اور گفتگو کا پہلو ہوگا اور سب سے بڑھ کر قارئین کی پسند کے مطابق ہوگا تو ایسے لکھنے والوں کو ہم جلد لگائیں گے وہ بھی صرف قارئین کی پسند پر۔ امید ہے اس تفصیلی جواب سے کفایت مٹ جائے گی بہر حال آپ کی تحریر جلد لگانے کی کوشش جاری ہے دیگر سلسلوں میں شرکت کرنی رہا کریں یوں غیر حاضری اچھی نہیں ہوتی۔

صباحت سلیم..... کراچی

ڈیر صباحت! سدا خوش رہو! آج کل اور آپ کے دیرینہ ساتھ کے متعلق جان کر خوشی ہوئی آپ نے جو نظم بھیجی ہے وہ متعلقہ شعبے میں بھیج دی گئی ہے اگر معیاری ہوئی تو اصلاح کے عمل سے گزر کر لگ جائے گی آپ

شاعری کے علاوہ دیگر سلسلوں میں بھی شرکت کر سکتی ہیں۔
صائمہ سکندر سومرو..... حیدر آباد
ڈیر صائمہ! سدا سہان رہو! آپ کی بچی کی شراوتوں کے متعلق جان کر اچھا لگا۔ چھوٹے بچے اسی طرح سب کو اپنی طرف نہ صرف متوجہ رکھتے ہیں بلکہ گھر کی اصل رونق اور چہل پہل بھی انہی کے دم سے ہوتی ہے اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو مزید خوشیاں عطا کرے آمین۔

شازیہ الطاف ہاشمی..... شجاع آباد
ڈیر شازیہ! سدا مسکراؤ! سب سے پہلے تو بھئی گڑیا کی آمد پر ڈھیروں مبارک باد اللہ تعالیٰ نے ماں جیسے عظیم رے پر ایک بار پھر سے فائز کر دیا بے حد خوشی ہوئی بے شک تین ماہ کی بچی اور دونوں بچوں کے ساتھ بہت مصروف ہوں گی ان مصروف گھڑیوں میں سے وقت نکال کر آپ نے شرکت کی بے حد خوشی ہوئی۔ آپ آج کل فیملی کا حصہ ہیں اس لیے بھولنے والی بات تو نہیں آپ کی تحریریں ہمارے پاس محفوظ ہیں جلد اشاعت کا مرحلہ بھی طے کر لیں گی آپ کی دوست شمشاد ملک کو بہت سی دعائیں اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو مزید خوشیاں عطا کرے آمین۔

ارم کمال..... فیصل آباد
ڈیر ارم! سدا سہان رہو! نہیں جناب کیسی چٹکی کیسی ناراضگی! کیا شکوہ کیسی شکایت! آج کل مصروفیت کی گھڑیوں میں فرصت کے لمحات کم ہی میسر آتے ہیں۔ شب و روز کیسے تو اتارے گزرتے جا رہے ہیں کچھ خبر نہیں اسی وجہ سے بعض اوقات سب ہمیں شریک نہیں ہو پائیں بہر حال آپ ہماری ریگولر قارئین میں سے ایک ہیں جن کی کی ہمیں بھی بے حد محسوس ہوتی ہے۔ آپ کی بچی کے متعلق جان کر خوشی ہوئی اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو بہت سی خوشیاں عطا کرے اور بچی کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔

تبسم شہزادی..... جڑانوالہ

ڈیر تبسم! اسم یا سہمی بن کر سدا مسکرائی رہو! جہوں اور رحمتوں کی خوشبو میں بسا آپ کا نامہ محبت موصول ہوا۔ دوست کا پیغام سلسلہ میں ہر ماہ کثیر تعداد میں پیغامات موصول ہوتے ہیں جبکہ آپ سب کو علم ہے کہ صفحات کی تعداد مخصوص ہوتی ہے اور اسی میں رہ کر سب کے پیغام

شائع کرنا بے حد دشوار ہے اس لیے آپ ہمیں اس شکوہ کو ہر اتناں ہیں بہر حال آپ کا پیغام جلد شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔ نیرنگ خیال میں اصلاح شدہ شاعری پیسے ہمارے پاس آتی ہے ویسی ہی لگادی جاتی ہے آپ کی شاعری بھی جلد لگانے کی کوشش کریں گے دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

افرا حفیظ..... کے ٹی ایس ہری پور
بیاری افرا! مسکرائی رہو! آپ کا آرٹیکل دسمبر کے حوالے سے تھا پڑھ کر منتخب تو کر لیا ہے البتہ حجاب یا آج کل کہاں لگے گا اس کا جواب کل از وقت ہوگا بہر حال اگر دسمبر کے آج کل میں نہ ہوا تو حجاب میں تو ضرور ہوگا یہ بات یقینی اور طور پر طے شدہ ہے امید ہے اب انجمن نہیں رہے گی حجاب اور آج کل کی پسندیدگی کا شکریہ۔ اللہ آپ کے قلم میں مزید ترقی و وسعت عطا فرمائے آمین۔

حازبہ عباسی..... مری
ڈیر حازبہ! سدا آباد رہو! آپ کی بے انتہا محبت و خلوص کے ہم قدم دروان ہیں دعاؤں میں یاد رکھتے ہر جزاک اللہ۔ دوست کا پیغام سلسلہ میں وہی مسئلہ درپیش ہے کہ پیغامات کی تعداد بہت زیادہ ہے جبکہ صفحات کی تعداد محدود لگتا ہے اب حجاب میں بھی اس سلسلے کا آغاز کر دینا چاہیے تاکہ آپ بہنوں کا یہ گلہ دور ہو سکے بہر حال آپ کا پیغام اس بار شامل ہو گیا ہے مبارک باد قبول کیجیے۔

ساریہ چوہدری..... ڈوگہ گجرات
بیاری ساریہ! جگ جگ جیو سب سے پہلے تو ہماری جانب سے مبارک باد کہ آپ کی تحریر پونیورسٹی کے میگزین میں شائع ہوئی۔ رہی ہمارے پاس سے رو ہونے کی بات تو تحریر کا موضوع اور آپ کا انداز اس کی گرفت میں کمزور تھا جس کی بنا پر وہ قبولیت کا درجہ نہ پاسکی اور پھر پونیورسٹی میگزین اور دیگر رسائل میں فرق تو ہے جب ہی مصنفین ان رسائل کو زیادہ ترجیح دیتی ہیں تاکہ پونیورسٹی میگزین کو۔ آپ دل برداشتہ ہونے کے بجائے محنت جاری رکھتے ہوئے اپنی دوسری تحریر ارسال کر دیں۔

صدف مہر..... سرگودھا
گڑیا صدف! جگ جگ جیو! آپ کی تحریر ”تن بیج من سچا“ اور ”میرا اقبال“ موصول ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ

ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے ناکامی سے دل برداشتہ ہونے کے بجائے امید کا دامن تھامتے ہوئے کوشش جاری رکھیں اور اسی طرح منفرد موضوع کا انتخاب کریں اور مثبت پہلو کو بھی سامنے رکھیں تاکہ آپ کے ساتھ تحریر کا اختتام پڑھتے ہوئے قاری بھی مطمئن ہوں! امید ہے ان باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تحریر ارسال کریں گی۔

فہمیدہ غوری..... کراچی
ڈیر فہمیدہ! سدا سہان رہو! ”اب بچھٹائے کیا ہوت“ کے عنوان سے آپ کی تحریر موصول ہوئی ہلکا ہلکا موضوع اور گفتگو تحریر لیکن یہ گفتگو پہلے کے مقابلے میں کچھ کم گلی آپ اسی طنز و مزاح کے انداز میں لکھیں۔ قارئین آپ کو اس روپ میں زیادہ سراہتے ہیں یہ تحریر حجاب میں لگ جائے گی لیکن اس سندھ موضوع کے چناؤ میں قارئین کی پسند اور ہماری تجویز کو پیش نظر رکھیے گا اسی بناء پر ”شاہ گل“ کے لیے معذرت اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کے قلم میں مزید چٹکی عطا کرے آمین۔

فرحین ناز طارق..... نامعلوم
ڈیر فرحین! شاد آباد رہو! آپ کی تحریر ”شب یلدا“ پڑھ ڈالی محبت کے موضوع پر لکھی یہ تحریر جس میں بہت سے اسرار بھی ہیں اور بہت سے انکشافات بھی لیکن بعض جگہ کہانی پر گرفت کمزور ہوتی محسوس ہوئی اس لیے اس کا مہابی کے بعد مزید محنت کو اپنا شعار بناتے کوشش جاری رکھیں۔ یہ تحریر حجاب میں شامل ہو جائے گی۔

ماہم نور انصاری..... حیدر آباد
ڈیر ماہم! سدا آباد رہو! آپ کی تحریر ”عزت وقار زیست“ پڑھ ڈالی معاشرے کی حقیقت اور گداگری کی مذمت پر روشنی ڈالتی ہے تحریر لیکن کہانی میں انفرادیت نہ ملتی وہی بات جس سے ہر کوئی آشنا ہے آپ بہت بہتر انداز میں لکھ سکتی ہیں اس لیے اس کے لیے معذرت۔ کچھ مزید اچھا لکھیں البتہ آرٹیکل حجاب کی زینب بن جائے گا۔

زرقا بھٹی..... جناب نگر
ڈیر زرقا! سدا خوش رہو! آپ کی دو تحریروں میں سے ایک افسانہ ”وہ ایک نظر“ پڑھا حجاب کے لیے منتخب ہو گیا ہے جبکہ دوسرا بھی جلد پڑھ کر اپنی رائے سے آگاہ کر دیں

داش کدہ

مشاق احمد قریشی

ترجمہ اگر ہم اس قرآن کو کبھی پہاڑ پر اتارتے تو دیکھتا کہ خوف الہی سے وہ پست ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ (سورۃ العنکب ۲۱)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنی عطاء کا ذکر فرما کر اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت و ادراک کا اظہار فرما رہا ہے کہ ہم نے اپنے محبوب کو کتنا قوی کتنا ادراک فہم عطا کیا۔ وہ اتنا عظیم ہے کہ پہاڑ جواپنی تختی و مضبوطی میں دنیا میں سب سے زیادہ ہے وہ بھی میرے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت و ادراک کے سامنے بالکل پست ہے اگر ہم قرآن کو اتارنے کے لیے پہاڑ میں بھی ہم وادراک پیدا کر دیتے وہ صلاحیت جو ہم نے انسان میں رکھی ہے وہ بھی پیدا کر دیتے تو قرآن حکیم کی بلاغت و فصاحت قوت و استدلال اور وعظ و تہذیب کے ایسے پہلو ہیں جنہیں سن کر پہاڑ بھی باوجود اپنی تختی اور وسعت و بلندی کے خوف الہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ اس آیت مبارکہ میں خطاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ قرآن مجید نازل کیا جو ایسی عظمت و شان کا حامل ہے کہ اگر ہم اسے کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا لیکن یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا احسان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا قوی اور مضبوط کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز (قرآن حکیم) کی قوت کو برداشت کر لیا جس کی طاقت پہاڑ میں نہیں ہے۔ (فتح القدیر) یہ آیت مبارکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ہر فرد کے سمجھنے کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو عقل و فہم کی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں تاکہ وہ قرآن حکیم کے مواعظ سے نصیحت حاصل کریں اور تافریاتوں سے اجتناب کریں یہاں عام انسانوں کے لیے نصیحت ہے انہیں سمجھا دیا جا رہا ہے کہ وہ کلام الہی کو خوب سمجھ لیں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح پیروی کریں اور رحمت اللعالمین کی رحمت کے سائے میں اپنی آخرت کا سامان کر لیں۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا انعام عام ہے کہ انہوں نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کچھ عطا کر کے مبعوث فرمایا جو اس سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کیا گیا۔ ایک اور بڑی عظیم الشان نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہونے والی معراج کی سعادت ہے۔ یہ انعام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر ایک مریض تاج کی مانند چمکتا دمکتا نظر آتا ہے۔ ایسا تاج جو تمام انبیاء السلام سمیت تمام تاریخ انسانی کے کسی اور فرد کی حیات و سیرت میں نظر نہیں آتا۔ اس کا ذکر اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں سورۃ بنی اسرائیل کے آغاز میں فرمایا ہے۔ معراج کا واقعہ درحقیقت تاریخ انسانی کے ان بڑے اہم واقعات میں سے ہے جنہوں نے زمانے کی رفتار ہی بدل ڈالی اور تاریخ پر اپنا مستقل اثر چھوڑا ہے۔ یہ یقین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ ترجمہ پاک ہے وہ (اللہ تعالیٰ) جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے اس لیے کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض مشاہدے دکھائیں یقیناً اللہ تعالیٰ ہی خوب سننے دیکھنے والا ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل ۱)

محبت کی حقیقت محبت اور یقین کا سفر میں پاکستان ہوں
آوارہ عورت رشتن گل لالہ کیا ہوتا ہے پیار آشنائی کی
جموئی گرم انڈے اشرہ سحر و دیدہ گریاں حرام حلال میں فرق
ہمارے رنگ آج کل کے رنگ دور کی دنیا لغزش آنکھوں سے
اوجھل اپنے کامیاب شادی اظہار فسون میرا اقبال آدمی
ادھوری محبت دیا جلائے رکھنا ایک حقیقت کاچ کی گڑیا دوستی
اور محبت لمحے کی زنجیر عید تیرے سنگ آئی بلائے جان نیا سال
نئی بڑھائی مغربی رنگ گڈی کی لوستوری رشتہ احساس کا
آرٹیکل شاہ گل ہم سفر محبت تو نہال ہم ٹوٹ گیا نصیب
انوکھی لڑکی من سچا سچا سال نو سے پہلے عورت سائے کی
مٹلاشی آج کل اوڑھ کر ملتا تو مجھے نصیب سے بھوکے نہیں سوسن
گئے خدا اور میں! اصول رشتے آدمی ادھوری محبت میرا اقبال
اظہار فسون کامیاب شادی کاچ کی گڑیا قصہ تمام پردہ
رشتے دلوں کے اسے روکتے بھی تو کس لیے پیار محبت اور
یقین کا سفر جیتا نہیں پیار کے بن مشعل راہ صاحب عزت
دلہیز ہر رانی محتاج نہیں ہوتی راجا کی۔

نمرہ شوکت علی قاسم پورہ لاہور
کینت

ڈیئر مٹرہ! خوش رہو! آپ کی تحریر ”لمحے کی زنجیر“
موصول ہوئی! پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی
صلاحیت موجود ہے لیکن بے جا طوالت اور غیر ضروری
باتیں تحریر کو کمزور کر رہی ہیں بہتر ہے کہ پہلے مختصر موضوع پر
محنت جاری رکھیں ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں جب آپ
اپنی تحریر پل و قباب کے صفحات پر دیکھ سکیں گی۔

ماریہ طفیل پارس جکوال
ڈیئر ماریہ! سدا ہستی مسکرائی رہو ”محبت فاتح عالم“
کے عنوان سے آپ کی تحریر موصول ہوئی! ہلکے ہلکے اور گفٹ
انداز میں لکھی یہ تحریر ایک خوشگوار اضافہ ثابت ہوئی لیکن
کہانی لکھنے کے دوران ڈائلاگ لکھتے وقت خیال رکھیں۔
ہر کردار کا مکالمہ الگ لائن اور انوائڈ کا مکالمہ لگا کر شروع کریں
اور جملے کے اختتام پر ڈیلیش اور انوائڈ کا مکالمہ ضرور لگا لیں اور
دوسرے کردار کے لیے مکالمے میں دوسری لائن سے لکھیں
تاکہ دونوں کی بات چیت الگ واضح ہو سکے اس تحریر میں
بہت گزربڑ ہے اس لیے کافی محنت کرنی پڑے گی۔ (بہتر
ہے کہ آپ کہانی لکھنے سے پہلے ڈائجسٹ کی کسی کہانی کا
بغور مطالعہ کر لیں) امید ہے آئندہ اس بات کو ملحوظ خاطر
رکھیں گی خوش رہیں۔

رافعہ گلزار نامعلوم
ڈیئر رافعہ! جیتی رہو! آپ سے التماس ہے کہ آپ
فوری طور پر دفتر سے رابطہ کریں۔

فتبل اشاعت:
سفید لباس شب پیدا آگ جنگل جگنو محبت فاتح عالم
خواب ریزہ ریزہ سرکاری اسکول انوکھی ایماڈ بنام دبیر
مظلوم مسلمان تیرے کو سچے کی آخری شب اگلے گھر بچلے
گھر پہانے خواب خوشیوں کے رنگ میں تو مگر کبھی میری
جان بچے چاہوں گا ادھوری بات اب بچھتا ہے کیا ہوت
قائد کا پاکستان ٹوٹ گیا کھلے جب سوچ کے در۔

فتبل اشاعت

مصنفین سے گزارش
☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی
ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں
اور اس کی فوٹو لگا کر اسے پاس رکھیں۔
☆ قطر و اندول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل
کرنا لازمی ہے۔
☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر
ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔
☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے
نا قابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔
☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔
☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط
تحریر کریں۔
☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر جرحہ ڈاک کے ذریعے
ارسال کیجئے۔ 7، فرید جیمیر زعبد اللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا ذکر فرمایا ہے جو ناصر ف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔ اس آیت مبارکہ میں بھی واقعہ معراج دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل جوئی و تسلی کا ذریعہ ہی ہے کیونکہ جس روز اللہ کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اہل مکہ اور قریش کو دعوت حق دی تھی اسی روز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دشمنان حق اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور ہر طرف سے مصائب و آلام کا سیلاب اُٹھ آیا تھا اور ہر روز رنج و غم میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ شہادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دسویں سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیق و مہربان سرپرست چچا ابو طالب وفات پا گئے۔ ابھی اس صدمہ سے گویا وہ وقت نہیں گزر رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مونس و ہمدم رفیقہ حیات ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسی سال اس جہان فانی سے کوچ فرمایا۔ (ابن القبر کے مطابق مقلطہ اور محصور کی خاتے کے بعد شعیب سے نکلنے کے چھ ماہ بعد ہوئی اور ان کے تین دن بعد ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا جبکہ ابن سعد لکھتے ہیں ابوطالب کی عمر انتقال کے وقت اسی برس تھی ان کے ایک مہینہ پانچ دن بعد ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وفات پا گئی اس وقت ان کی عمر ۶۵ برس تھی۔ حکیم بن حزام کے حوالے سے بلاذری نے ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ وفات سن ۱۰ رمضان ۱۰ بعد بعثت نبوی لکھی ہے) اس سے قبل آپ کے دونوں صاحبزادے یکے بعد دیگرے کسی میں وفات پا گئے تو ان کا نکاح حادوں پر اہل مکہ کو ذرا رنج نہ ہوا بلکہ انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور خوشی کے شادیاں بچائے اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ان کا لڑکا تو کوئی رہا نہیں جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا میں نہیں رہیں گے تو یہ سلسلہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اس طرح انہوں نے اپنے اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ اہل مکہ کے لیے یہی رویوں ماحول اور حالات سے مایوس ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشریف لے گئے کہ شاید وہاں کے لوگ دعوت حق کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ لیکن وہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظالمانہ اور بے ہمانہ سلوک اختیار کیا گیا اس نے سابقہ رنجوں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ ان حالات میں جب ہر طرف سے یہ ظاہر مایوسی تاامیدی کا سامنا ہو رہا تھا تب رحمت الہی نے اپنی عظمت و کبریائی کا مشاہدہ کرانے کے لیے اپنے محبوب بندے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم بالا کی سیر کے لیے بلا لیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طبیعت پر جو تگ و زار کا غبار محسوس فرما رہے ہیں اسے دُور کر دیا جائے اگر غور و فکر کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سفر معراج کے لیے اس سے موزوں وقت کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ (معراج کا واقعہ و اقدی کے مطابق جسے ابن سعد نے نقل کیا ہے ۱۲ رمضان المبارک ۱۲ بعد بعثت نبوی یعنی ہجرت سے اٹھارہ مہینے پہلے پیش آیا۔ ابن سعد کے حوالے سے یہی ایک اور روایت ہے جس میں معراج کا واقعہ تاریخ الاول بعد بعثت یعنی ہجرت سے ایک سال قبل بیان کیا ہے۔ یعنی نے موسیٰ و بن عقبہ اور انہوں نے امام زہری کے حوالے سے معراج کی ہی تاریخ بیان کی ہے)

سبب حسن، صحیح کا مصدر ہے اس کے معنی تسبیح یعنی پاکی بیان کرنے کے ہیں امام سیوطی الا لقان میں لکھتے ہیں سبب حسن (اللہ پاک ہے) اور سبحان الذی اسریٰ پاک ہے وہ ذات جو لے گیا۔ سبب حسن اللہ یعنی کہ میں اللہ کی برکت سے تہذیب اور برأت کرتا ہوں۔ اسریٰ کے معنی رات کو لے جانا اور "لیل" اس لیے استعمال ہوا تاکہ رات کی قلب واضح ہو جائے اس لیے وہ نکرہ ہے۔ یعنی رات کے ایک حصے میں یا کچھ حصے میں۔ تقریباً چالیس راتوں کا طویل ترین سفر پوری رات میں بھی نہیں بلکہ رات کے ایک قلیل حصے میں طے ہوا۔ یہاں واقعہ معراج کو انتہائی اختصار سے پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں ویسے تو یہ مسافت بہت طویل ہے اس پر محققین نے بہت کچھ اور بہت سا حرج کر لیا ہے۔ اس سفر میں پیش آنے والا ہر واقعہ بلاشبہ اپنی جگہ بڑا عجیب و غریب ہے۔ سفر معراج کا واقعہ ہجرت سے ایک سال قبل اور بعض روایت

کے مطابق اٹھارہ ماہ پیش آیا۔ اس سفر مبارک کے بارے میں مسلمانوں کا ایک گروہ اس بات سے انکار کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی طور پر ہوئی۔ وہ اسے حلیہ خواب سے تعبیر کرتے ہیں۔ معراج جسمانی تھی یا روحانی اس سلسلے میں بڑی تفصیلی بحث کتب میں موجود ہے۔ جبکہ اہل مکہ کفار قریش اس کا مستحکم اڑاتے اور اس کی تکذیب کرتے اور ثبوت طلب کرتے تھے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اُس توسط سے پوری مسلم امت پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام بھی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور علم و دانائی اہل ایمان پر آشکارہ کرنے کے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سفر معراج کرایا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے ہجرت سے قبل جو آیات قرآنی آپ پر نازل کی گئیں اُن کی تعداد ۶۵ ہیں اور وہ سب کی سب اللہ کی وحدانیت اللہ کی قوت و حکمت و اقتدار سے متعلق ہیں یہی وجہ ہے کہ کئی اور مدنی سورتوں کا پس منظر طرز بیان اسلوب و آہنگ ایک دوسرے سے مختلف ہے کئی سورتیں عموماً اصولی تعلیمات پر مشتمل ہیں ان میں زیادہ زور عقائد اور اخلاق پر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ان میں جو حیدر رسالت آخرت، تقویٰ، صبر و ثبات، فداکاری، اتفاق فی سبیل اللہ اور حق سے منہ موڑنے والوں کا انجام اس کی مثالیں کفار و مشرکین کے الزامات کے جوابات بڑی خوبصورتی اور خوبی سے دی گئی ہیں۔ یہ تمام سورتیں مختصر اور پر جوش ہیں ان میں چھوٹے چھوٹے جملوں میں مطالب ادا کئے گئے ہیں اور ان میں پوری انسانیت کو مخاطب کیا گیا ہے۔

چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علی نمونے کے طور پر بھی ہر چیز کا مشاہدہ کرنا تھا اور قرآن حکیم میں آگے آنے والی آیات جن میں لوگوں کو تائید الہی سکھانے اور سمجھانے تھے اور اُن کو نہانے کی سزا سے اور سامنے کی جزا سے آگاہی کے ساتھ ساتھ خوف بھی پیدا کرنا مقصود تھا۔ جنت و دوزخ اور ہر اعمال کی تفصیلی جزا و جزا کا ادراک بھی کرنا تھا۔ جن کا ذکر اس سفر معراج کے بعد قرآن حکیم میں آیا۔ وہ تمام واقعات و اعمال جن کا ذکر قرآن حکیم میں آیا اللہ تبارک و تعالیٰ نے سفر معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم دید کر کے اس پر آپ کو گواہ بھی بنادیا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں سورۃ الاحزاب کی آیات ۳۵ اور ۳۶ میں کہا گیا ہے۔ ”اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم کو گواہ اور خوش خبری دینے والا ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا ایک روشن گرافٹ بنا کر بھیجا ہے۔“ اس سے بھی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کا سفر ان کے پورے ہوش و حواس اور توانائیوں کے ساتھ کرایا۔ تاکہ جب آپ اس سفر کی تفصیل سے اہل مکہ اور کفار قریش کو گواہ کریں تو وہ اس پر اپنے رد عمل کا فوری اظہار کریں اور پھر جب وقتاً فوقتاً وہ تمام باتیں جو سالوں بعد قرآن حکیم کی آیات کے ذریعے ان تک پہنچیں تو وہ ذہنی طور پر پہلے سے تیار ہوں اور ان کی صداقت پر انہیں کوئی دوسرا شک و شبہ نہ رہے۔ آیات قرآنی احکام الہی کی ہیبت و قوت اُن پر طاری ہو جائے اور قرآنی احکام کی چشم دید گواہی کا احوال وہ پہلے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر معراج میں سن چکے تھے۔ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن احادیث مبارکہ کا ایک جامع خلاصہ پیش کر دیا جائے جن میں معراج رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حیرت انگیز سفر کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں اور یہ بھی کہ معراج سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو پیغام اللہ کی جانب سے سلا تھا وہ دنیا کے سامنے کس طرح پیش کیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مصعب بن عمیر نے تقریباً بارہ سال گزرے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارکہ اس وقت پانچ برس کی تھی۔ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم حرم کعبہ میں استراحت فرما رہے تھے کہ اچانک حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار کیا اور یم غنودی کے عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہ زمزم پر لے گئے۔ وہاں حکم الہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کر کے آب زمزم سے دھویا اور علم برداری

دانائی اور ایمان و یقین سے بھر دیا۔ (بخاری) مسلم مسند احمد حاکم ابن جریر ابن ابی حاتم طبرانی راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے لیے ایک سفید رنگ کا جانور براق پیش کیا گیا جو قدم میں گوگرد سے بڑا تھا اور نچر سے کسی قدر چھوٹا جو برق کی رفتار سے چلتا تھا براق کا لفظ برق (بجلی) سے ماخوذ ہے اس کی رفتار برق کی مانند تھی اس لیے اسے براق کہا گیا محققین کے مطابق اس کی رفتار ایک لاکھ چھاسی ہزار میل فی سیکنڈ تھی۔ اس کا ہر قدم حد نگاہ پر پڑتا تھا۔ (جہاں تک ہماری نگاہ کام کرتی ہے یعنی نئی آنکھوں سے ہم چاند سورج ستارے دور دور تک دیکھ سکتے ہیں۔ اس سے براق کی رفتار کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اسے ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ آج جو مصنوعی سارے خلا میں بھیجے جاتے ہیں ان سے بھی کہیں زیادہ اس کی رفتار ہے) اسی نسبت سے اس کا نام براق تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس پر سوار ہونے لگے تو وہ چکا جس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اسے چھکی دے کر کہا۔ ”دیکھ کیا کرتا ہے“ آج تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑی شخصیت کا کوئی انسان تجھ پر سوار نہیں ہوا۔“ اس پر براق شرمندہ ہو کر پسینے پسینے ہو گیا۔ (مسند احمد ترمذی ابن حبان ابن جریر ابن اسحاق ابن سعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے تو وہ چلا حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلے (ابن جریر بیہقی نسائی حاکم ابن ابی حاتم طبرانی بزار اور ابن سعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سفر کی پہلی منزل مدینہ منورہ کی تھی جہاں اتر کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا اس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے آئیں گے دوسری منزل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طور سینا کی تھی جہاں اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری منزل بیت اللحم کی تھی جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے چوتھی منزل پر بیت المقدس تھا جہاں براق کا یہ سفر ختم ہوا۔ واقعات معراج میں سواری یعنی براق کا استعمال سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یہ سفر جسمانی تھا اور خود سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت جو سفر معراج پر سند ہے اس میں اللہ تعالیٰ خود فرما رہا ہے۔ ”پاک ہے وہ ذات جو اپنے بند کے کورات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا اور سورۃ میں عبد کا استعمال اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کو روح مع لکھنہ یہ سفر کرایا گیا۔ ورنہ تو لفظ عبد کی جگہ روح یا اس کے مماثل کوئی لفظ استعمال کیا جاتا۔ ایسی برق رفتار سواری کا سوار بھی ایسا ہی قوی اور مضبوط ہونا چاہیے جب ہی تو ایک کڑور گیارہ لاکھ ساٹھ ہزار فی گھنٹہ رفتار رکھنے والی سواری پر سفر کر سکتا ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت اور مضبوطی کا اظہار اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت ۲۱ میں بیان فرمایا ہے۔ ”اگر ہم اس قرآن کی کسی پہاڑ پر اتارتے تو تو دیکھتا کہ وہ خوف الہی سے پست ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ اس سے بھی یہ بات واضح اور ثابت ہو جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود مکمل جسمانی طور پر یہ سفر معراج فرمایا اس کے علاوہ بھی اگر ذیل کی احادیث مبارکہ پر غور کیا جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے اللہ کے لیے سب کچھ کرنا ممکن ہے اللہ جو صرف اپنے ارادے سے سب کچھ کر سکتا ہے۔

(جاری ہے)



مشعل

ملیحہ احمد

آسیہ عروج

پیارے پیارے آپ چل پڑھنے اور سننے والوں کو مابدولت آسیہ عروج کا پیار بھر اسلام۔ السلام علیکم کیسی ہو دوستو! یقیناً حمرے میں ہوں گی ہر ماہ اپنی دوستو کا تعارف پڑھتی ہوں سوچا کیوں نہ اس بار آپ لوگوں سے اپنا تعارف ہی کروادوں۔ نام آسیہ پیار سے سب عاشق کہتے ہیں ماشاء اللہ سے میرے پانچ بھائی ہیں اور چار بہنیں ہیں میرا نمبر چھٹا ہے۔ امی ابو اور بہن بھائیوں سے بہت پیار ہے بھائی منظر اور بابر بھائی اودا پی ساجدہ آپ راشدہ اور فرزاند کی شادی ہو چکی ہے۔ جاوید بھائی عمران بھائی کی (اور میری) منگنی ہو چکی ہے۔ بابر بھائی اور بھابی خالدہ کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے جو کہ سب کے بہت لاڈلے ہیں آپ سب دوستیں بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بھائی منظر اور بھائی عصمت کو اولاد سے نوازے اودا پی ساجدہ راشدہ کے لیے بھی پلیز اور فرزاند کی پیاری سی بیٹی ہے سعد یہ جو کہ دو ماہ کی ہے آپ بھی سوچ رہے ہوں گے یہ تو اپنے گھر والوں کا تعارف کروا رہی ہے بیٹائی چلوں کہ میرا تعارف تو میرے گھر والوں سے مکمل ہوتا ہے۔ اب بات ہو جائے کچھ اپنے بارے میں کلرز میں بلیک سی گرین پر پل پسند ہے۔ جیلری میں سب کچھ ہی اچھا لگتا ہے شادی بیاہ ہو تو ویسے تو سادگی اچھی لگتی ہے خوشبو میں گلاب اور چمکی کی خوشبو اچھی لگتی ہے اور بہت زیادہ حساس ہوں۔ کسی کا دکھ برداشت نہیں کر سکتی کہانیوں میں جب حکمتیں ساسین ہو تو رونا آ جاتا ہے۔ فارغ وقت میں میری بہترین تفریح ڈائجسٹ پڑھنا ہے گرمیوں کی لمبی دوپہروں میں اور سرویوں کی لمبی اور ٹھنڈی راتوں میں رسالے پڑھنا بہت پسند ہے۔ آپ چل میرا پسندیدہ رسالہ ہے ہر ماہ آپ چل کا شدت سے انتظار رہتا ہے ہماری اصلاح کے لیے یہ

رسائل جو ہیں جن سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں یہ اسٹوریز ہمیں سکھاتی ہیں کہ ہمیں زندگی کس طرح گزارنی چاہیے کون سی بات ہماری زندگی پر اچھا تاثر ڈالے گی۔ پسندیدہ رائٹر تو بہت ساری ہیں کسی ایک کا نام لکھوں تو نا انصافی ہوگی۔ شاعری کی جنون کی حد تک دیوانی ہوں نازیہ کنول نازی اور وحی شاہ پروین شاکر کی شاعری بہت زیادہ پسند ہے۔ ہم لوگ گاؤں میں رہتے ہیں اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے گھر میں ہر وہ سہولت موجود ہے جو کہ شہر میں ہوتی ہے۔ زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ گھر میں امی ابو اور اکرام بھائی ہوتے ہیں اور میں بھی چاروں بھائی اپنے کام کے سلسلے میں دوسرے شہروں میں ہوتے ہیں۔ جب سب بہن بھائی آتے ہیں تو عید کا ساں لگتا ہے۔ 21 سال پہلے اس دنیا میں تشریف لائی مارچ کی 3 تاریخ کو تعلیم اپنی خاص نہیں۔ میری بیسٹ فرینڈ ز بشری شازیہ صبا اور میری آپنی ساجدہ بھی ہے جس سے میں اپنے دل کی ہر بات کہہ دیتی ہوں اور تمام کزن شبانہ شائلہ نازیہ ماریہ ارے سب کے نام لکھوں گی تو بہت لمبا ہو جائے گا سب سے بہت اچھی بیٹی ہے اور میں کوئٹہ بہت اچھی کر سکتی ہوں سب کہتے ہیں۔ گھر کا کام میں خود کرتی ہوں امی کو نہیں کرنے دیتی کوئی مجھ سے جھوٹ بولے تو برداشت نہیں ہوتا میں چاہتی ہوں جیسے میں ہر ایک سے مخلص ہوں ایسے ہی سب ہوں۔ آج تک کسی کا برا نہیں چاہا اور جب غصہ آتا ہے تو کوشش کرتی ہوں کہ کنٹرول کر لوں اور نہ کروں تو چیزوں پر نکالتی ہوں اور کھانے میں ویسے تو ہر چیز کھا لیتی ہوں لیکن جو فوڈ ہے چار گوشت شملہ مرغ بریانی پیٹھے میں کسر پز پسند ہے اور امبر گل تم سے یہ کہنا چاہوں گی کہ تمہاری امی کی وفات کا مجھے بے انتہا دکھ ہوا اللہ تعالیٰ تم کو صبر عطا فرمائے پاکستانی ڈرامے شوق سے دیکھتی ہوں ہم کی وی پر فرحت اشتیاق کو دیکھا آپ فرحت آپ بہت اچھی لک رہی تھیں۔ مجھے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ان کی احادیث سے بے انتہا پیار ہے آخر میں بس یہ ہی کہنا چاہوں گی کہ اپنے ماں باپ اور

سکریٹ گمشدہ فاخرہ گل

ہوں اب آپ کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں تھک گئی ہوگی اجازت چاہتی ہوں۔ نازیہ کنول بہت اچھا سقتی ہیں دعا کیجئے گا کہ میں بھی آپ کی طرح لکھ پاؤں بہت جلد میری کتاب (ایک درد ہے میرے دل میں) شائع ہونے والی ہے پڑھنا مت بھولے گا اجازت اللہ حافظ۔

سیدہ رقیہ اسماعیل شاہ

السلام علیکم نوآل ریڈرز اینڈ رائٹرز ارے بھی آپ سب لوگ ایک سادہ دل لڑکی سے متعارف ہونے کے لیے تیار ہیں (جی) چلیں پھر ٹھیک ہے تیار ہو جائے۔ نام تو ہم آپ کو بتا ہی چکے ہیں باقی رہ گئی پیدائش تو میں 13 نومبر 1993ء کو اس دنیا میں وارد ہوئی اور اپنے ماما پاپا کی اتنی لاڈلی ہوں کہ جینٹیں بے چار بھائی اور ایک بہن ہے پہلے تو میں اکلوتی تھی مگر بھلا ہو چھوٹی طوبی! لیکن کا جس نے سب سے آخر میں آ کر میرے اکلوتے پن کو ختم کر دیا اور اب ماما پاپا کا لاڈ زیادہ وہ بنو رہی ہے اس سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہماری اہمیت ختم ہو گئی ہے نہیں ابھی ہماری اہمیت تو بھی اول روز کی طرح برقرار ہے اور ان شاء اللہ رہے گی۔ چھ بہن بھائیوں میں میرا نمبر تیسرا ہے مجھ سے بڑے دو بھائی ہیں اور دو بھائی اور ایک بہن مجھ سے چھوٹی ہے۔ انجکیشن ہے میری میٹرک اس کے بعد عالمہ کے کورس کا دوسرا سال ہے میرے پاپا کی خواہش تھی یہ سواس خواہش پر عمل درآمد جاری ہے۔ آچل از مانی فیورٹ ڈائجسٹ آنٹی فرحتہ آراء کی جدائی ناقابل برداشت ہے لیکن ان شاء اللہ ہمارے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ بہاد پور سے آگے زمانہ ہے جہاں میں رہتی ہوں اور مجھے اپنے شہر سے بہت پیار ہے چلیں بھی بات ہو جائے کچھ پسند ناپسند کی تو جناب کھانے میں مجھے مسور کی دال اور چاول اور چائیز رائس بھی بہت پسند ہیں اس کے علاوہ بھنڈی از مانی فیورٹ ڈش۔ ڈریسر مجھے رواج کے مطابق اچھے لگتے ہیں لیکن اس میں بھی سادگی ہونی چاہیے نہ کہ بے حیائی ویسے ماما مجھے سادھی پہننے نہیں دیتیں چلیں کوئی بات نہیں۔ شادی زندہ باد شادی کے بعد بہن لیں گے ان



آگہی کا عذاب باقی ہے
کھل گئی آنکھ خواب باقی ہے

وقت منتلی تھا اڑ گیا کب کا
ڈاری میں گلاب باقی ہے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

اجیہ ڈاکٹر کی بات پر دنگ رہ جاتی ہے اسے سمجھ نہیں آتی کہ وہ یہ خوش خبری کس سے شیئر کرے ایسے میں وہ جلد از جلد اریش سے رابطہ کرنا چاہتی ہے اور اس کے لیے گھر پہنچنا لازمی ہوتا ہے لیکن ڈاکٹر اسے فی الحال جانے نہیں دیتی، غزنی حنین کے ذریعے اریش کے تمام ڈاکومنٹس حاصل کرتا ہے اور آخر میں یہ بات اس کے لیے بے حد حیران کن ہوتی ہے کہ یہ اریش اجیہ کا شوہر ہے اریش کو اپنے سامنے دیکھ کر غزنی بدلے کی آگ میں جلنے لگتا ہے دوسری طرف شرمین کے لیے بھی یہ خبر کس انہونی سے کم نہیں ہوتی ایسے میں وہ فوراً اریش کی ممی کو بتاتی ہے کہ اسے اریش کا علم ہو گیا ہے اریش کی ممی اس کی بے حد ممنون نظر آتی ہیں مافس میں اریش شرمین سے نہیں مل پاتا اور وہ خود بھی اس کے سامنے آنے سے کتراتے ہیں۔ اریش کے لیے چند گھنٹے بعد کا سفر بہت سی مشکلات لے کر آتا ہے اجیہ کو سمجھانا اور اس سے رابطہ کرنا بے حد دشوار لگتا ہے ایسے میں وہ اپنے گھر جا کر اپنی ماں کو تمام صورت حال بتانا چاہتا ہے لیکن وہاں موجود سکندر صاحب کو دیکھ کر اور ان کی عامیانہ گفتگوں کو اسے اپنی ماں پر بے حد غصہ آتا ہے جو چپ چاپ اس شخص کی بات سن رہی تھیں وہ ان سے ملے بغیر واپس گھر لوٹ جاتا ہے جہاں اجیہ ابھی تک لوٹ کر نہیں آئی، غصے میں وہ اجیہ کا فون بھی توڑ ڈالتا ہے اور غزنی کی جلدی جلدی سامان سمیٹتے سفر کے لیے روانہ

اب آگے بڑھیے

باجھ ارادہ اور کوئی
جھوٹا وعدہ اور کوئی

ہم جیسا کیا دیکھا ہے؟
تم نے سادہ اور کوئی
دل میں سارا کھوٹ ہی کھوٹ
تن میں لبادہ اور کوئی
لٹکے تھے ہم اپنے گھر سے
کر کے ارادہ اور کوئی
آخر کس امید پر مانگیں
امجد وعدہ اور کوئی

سکندر صاحب نے ہمیشہ ہی تمام گھر والوں کی امیدوں کے برعکس کام کیا تھا اکثر اوقات ہی ایسا ہوتا کہ ان سے توقع کسی اور عمل کی ہوتی اور ان کے افعال کوئی اور آئینہ دکھارے ہوتے لیکن پہلے ان کے والدین ان کی ہر بات کو نظر انداز کرتے چلائے تھے اور ان کے دنیا سے جانے کے بعد ان کے بڑے بھائی نے بھی والدین ہی کی روش اختیار کیے رکھی وہ ہمیشہ انہیں چھوٹا بھائی ہونے کا فائدہ دیتے چلائے تھے لیکن یہ سب تک کا معاملہ تھا جب تک سارے معاملات ان تک محدود تھے لیکن اب اولاد کا وقت تھا اور ویسے بھی جب اولاد اپنے قد کے برابر آنے لگے تو ان کی رائے کو اہمیت دینی ہی پڑتی ہے کسی بھی کام کے لیے پاس بٹھا کر مشورہ بھی کیا جاتا ہے اور یہی باشعور اور سمجھدار والدین کی نشانی بھی ہے۔

اور ابابا کا بھی یہی طریقہ تھا گھر کا کوئی بھی اہم معاملہ ہوتا وہ نہ صرف ماں بلکہ غزنی کے سامنے بھی تمام معاملہ رکھتے اور ان دونوں کے مشورے کے بعد ہی کوئی بھی فیصلہ عمل میں لاتے لیکن آج جب ماں نے سکندر صاحب کی خواہش ان تک پہنچائی تو پہلے تو وہ خود مجھو نچکاڑے لگے کہ آخر یہ کیسی بات کی ہے انہوں نے پھر بہن، پیاز چھٹی ماں کو مخاطب کیا۔

”آپ کو یقین ہے کہ سکندر نے یہ بات مکمل سنجیدگی سے ہی کی تھی؟“ وہ ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر سکندر صاحب سے سمجھداری کی امید لگائے بیٹھے تھے۔
”یقین کیوں نہ ہو مجھے یہ سب کچھ انہوں نے حنین

کے سامنے ہی تو کہا تھا اور پھر میرا ان کے ساتھ کون سا مذاق کا رشتہ ہے کہ وہ یوں بیٹھے بٹھائے مجھے لطیفے سنانے لگ جائیں گے۔“

”اوہو بیگم صاحبہ میں نے ایسا کب کہا؟“ لہجے میں شکستگی سموئے انہیں اپنی بات کی وضاحت دینی پڑی تھی۔
”بھئی دراصل مجھے ہرگز بھی سکندر سے اس حد تک بے حسی کی امید نہیں تھی کہ بیوی زندگی موت کی جنگ لڑنے اسپتال میں بڑی ہو اور وہ اس بات پر اصرار کرنے لگے کہ اس کی بیٹی کی رخصتی ہو جانی چاہیے۔“

”ہمم..... کہتے تو آپ ٹھیک ہی ہیں اور اس وقت جو تاثرات حنین کے چہرے پر میں نے دیکھے تھے آپ یقین کریں میرا دل کٹ کر رہ گیا تھا کیا سوچتی ہوگی وہ کہ اس کے ابا اب اسے ایک بوجھ کی طرح سر سے اتار پھینکنا چاہتے ہیں اور خود اپنے منہ سے کہہ رہے ہیں کہ بہن اب جتنی جلدی ہو سکے اسے لے جاؤ۔“ ماں اپنے کام میں مصروف رہ کر بولیں۔

”ویسے میں یہ سوچتی ہوں تو دل میں شدید گھٹن کا احساس ہوتا ہے کہ کتنی بد نصیب ہوتی ہیں وہ بیٹیاں جنہیں اپنے باپ کی محبت اس کا سہارا اور اعتماد ہی میسر نہ ہو۔“

ماں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔
ان کی اپنی تو کوئی بیٹی نہیں تھی لیکن آخر وہ خود بھی تو کسی کی بیٹی تھیں اور بیٹیوں کے جذبات اور احساسات خوب سمجھتی تھیں یہی وجہ تھی کہ اب تک ان کے ذہن کے پردے سے حنین کے چہرے پر موجود ان تاثرات کا نقش نہیں اترتا تھا جو سکندر صاحب کی بات سنتے ہی فوری طور پر اس کے چہرے پر ابھرے تھے اور وہ لمحات ایسے تھے کہ جب انہیں حنین سے محبت محسوس نہیں ہوتی تھی بلکہ اس پر ترس آتا تھا اس کے لیے دل میں ہمدردی بھی پیدا ہوتی تھی۔

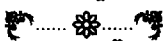
محبت پر رحم غالب آ گیا تھا..... اور تب انہوں نے اپنے دل میں عہد بھی کیا تھا کہ وہ اپنے جیتے جی حنین کے چہرے پر یہ تاثرات دوبارہ کبھی بھی آنے نہیں دیں گی۔

کی حسرتیں اور جائز خواہش تک لپیٹ کر دے دی جائیں۔ کچھ اللہ کا خوف بھی ہے آپ کے بھائی کو کہ نہیں ہونہ ساری عمر گزر گئی مگر اب تک ان کا مزاج نہ بدلا دنیا کے لیے بہترین اور گھر والوں کے لیے بدترین۔ اماں کو بہت کم ہی غصہ آتا تھا لیکن آج جو غصہ آیا تو اتارنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا اور اس کی وجہ جنین کے وہ تاثرات تھے جو انہوں نے رخصتی کی بات پر اس کے چہرے پر دیکھے ابا کچھ دیر گہری سانس لے کر لب بھینچے انہیں دیکھتے رہے پھر کچھ سوچ کر بولے۔

”میرا تو خیال ہے کہ اگر سکندر خود کہہ رہا ہے کہ جنین کی رخصتی کر دی جائے تو ہمیں فوراً اس کی بات مان لینی چاہیے ڈھول ڈھکے کے بغیر بھی تو یہ کام ہو سکتا ہے اور ویسے بھی نکاح بھی پہلے وہیں اسپتال میں ہوا تھا تو رخصتی بھی وہیں سے کرالیں گے بڑی خاموشی اور سادگی سے اس کے بعد اگر جنین چاہے جو کہ یقیناً وہ چاہے گی تو یہاں سے روز اپنی ماں کے پاس اسپتال جا سکتی ہے۔“

”ہاں میرا بھی یہی خیال ہے بس سکندر یہ چاہتا ہے کہ کسی طریقے سے اس پر سے یہ ذمہ داری ختم ہو اور پھر بے شک وہ اسپتال میں دن میں بیٹھنے بارات کو تو اسے کسی قسم کی فکر نہ ہو۔“ اماں غصے اور یہی ابھی کچھ دیر اور رقرار رہی تھی۔

”تو بس ٹھیک ہے غزنی کے آنے کا انتظار کرو مجھے امید ہے کہ وہ ہماری رائے کا احترام کرے گا اور اگر اسے کوئی اعتراض نہ ہوا تو میں تو کہوں گا کہ آج ہی جنین کو گھر لے آیا جائے باقی اگر اپنے چاؤ پورے کرنے بھی ہوں تو بعد میں آرام سے ولیمہ پر کر لیں گے۔“ وہ دونوں ایک بات پر متفق ہو چکے تھے اور اب غزنی کے انتظار میں تھے کہ وہ آ کر ان کی رائے کو فیصلے کی شکل دے۔



ابھی تو رت بدلتی تھی ابھی تو پھول کھلتے تھے
ابھی تو رات ڈھلتی تھی ابھی تو زخم سلتے تھے
ابھی تو سر زمین جاں پر اک بادل کو گھرنا تھا

”بیگم صاحبہ پہلے ایک بات تو آپ مجھے یہ بتائیں ناں کہ یہ جو آپ کی آنکھوں میں، میں اپنی ان گناہگار آنکھوں سے آنسو دیکھ رہا ہوں تو ان کا سبب سکندر ہے یا پھر یہ پیاز؟“ انہوں نے اٹھ کر ٹیبل سے ٹشو لیا اور انہیں پیش کر دیا۔

”میں اس وقت بہت سنجیدہ ہوں۔“ ان کے ہاتھ سے ٹشو لے کر آنسو صاف کرتے ہوئے وہ بولیں۔

”میں سمجھ سکتا ہوں، لیکن خیر مذاق تو میں بھی نہیں کر رہا ناں بلکہ میں اسی متعلق سوچ رہا ہوں کہ آخرا ب کیا کرنا چاہیے؟“ اماں پیاز کاٹ چکی تھیں اور ان کی خوشبو پھیلنے لگی تھی ابا نے قریب رکھی پلیٹ سے انہیں دھکتے ہوئے کہا۔
”آپ کا کیا خیال ہے کیا ہم ان حالات میں جنین کی رخصتی کرائیں گے تو کچھ غیر مناسب تو معلوم نہیں ہوگا۔ آخر ہم کس کس کو بتاتے پھر میں گے کہ یہ رخصتی تو خود دلہن کے والد کے اصرار پر کی جا رہی ہے۔“ وہ موضوع کی طرف آتے سنجیدگی سے بولے۔

”میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اس طرح کا کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے غزنی سے مشورہ کر لینا چاہیے کیونکہ اس کی رائے کے بغیر ہماری اس سوچ بچار کا تو کوئی فائدہ ہی نہیں۔“ ابا سر ہلاتے ہوئے اماں کی بات سے متفق نظر آئے۔

”مگر حیرت کی بات یہ بھی ہے کہ آج سکندر سے میری ملاقات ہوئی تھی اس نے مجھ سے تو ایسا کوئی بھی ذکر نہیں کیا۔“

”آپ دونوں کہاں ملے۔“ اماں گردن ان کی طرف موڑ کر مکمل متوجہ ہوئیں۔

”مشفق صاحب کے اسپتال میں کچھ رقم عطیہ کرنے آیا تھا کہ کسی غریب کا علاج ہو جائے۔“

”ہونہ یہ تو شروع سے عادت ٹھہری کہ بے شک اپنے گھر والے دس روپے کو ترس رہے ہوں مگر باہر امداد کے طور پر ہزاروں بھی دیتے ہیں ارے میں تو کہتی ہوں کیا فائدہ ایسی خیرات یا صدقے کا جس میں اپنے گھر والوں

ابھی تو وصل کی بارش میں ننگے پاؤں پھرنا تھا ابھی تو کشتِ غم میں اک خوشی کا خواب ہونا تھا ابھی تو سیکڑوں سوچی ہوئی باتوں کو ہونا تھا ابھی تو ساحلوں پر اک ہوائے شاد چلتی تھی ابھی جو چل رہی ہے یہ تو کچھ دن بعد چلتی تھی واقعی ابھی تو بہت کچھ ہونا باقی تھا وہ سب کچھ جو ابھی اجیہ کے خیال میں تھا اور جواب تک اس کی زندگی میں نہیں ہوا تھا ابھی تو وہ سب بھی ہونا تھا جو اس کی خواہش تھی لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہو سکا تھا اسے اپنا آپ اس مسافر کی طرح لگ رہا تھا جس سے اذانِ سفر چھین لیا جائے منزل پر پہنچنے سے پہلے پہلا قدم اٹھاتے ہی۔ اسے اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ اس نے ارش سے نکاح کی حامی اس کا ایشیئس دیکھ کر بھری تھی لیکن یہ بھی تو ایک زندہ بچ تھا کہ عین اس روز جب وہ صرف اس کی خاطر اپنی می کو چھوڑ آیا عیش و عشرت کی زندگی کی پروانہ کی اور رو بھی سوچی کھا کر اس کے ہی ساتھ رہنا گوارا کیا تب اجیہ کے دل سے بھی آسائشوں کی جاہ نکل گئی تھی اور ارش کی محبت نے یوں اپنی حیثیت واضح کی کہ پھر اس کے دل میں کوئی طلب ہی باقی نہ رہی وہ اس ٹوٹے پھوٹے گھر میں وال کے ساتھ بھی بے حد خوش اس لیے تھی کہ اس کے ساتھ ارش تھا ارش کی محبت نے اسے دنیا کی ہر چیز سے بے گناہ ہی تو کر دیا تھا کہ کوئی خواہش ہی نہ رہی وہ جانتی تھی کہ نت نئے کپڑے جوتے وہ انورڈ نہیں کر سکتی تو اس نے بھی سوچا بھی نہیں کہ کبھی ان چیزوں کی شاپنگ کرے اس کے لیے یہ سب چیزیں اب ثانوی اور نہایت عام سی حیثیت اختیار کر چکی تھیں کیونکہ اس کی کشش کا محور مرکز اب صرف اور صرف ارش تھا حالات جتنے بھی ٹھن کیوں نہ ہوں وہ ارش کے ساتھ پوری عمر گزارنے پر تیار تھی لیکن یوں اچانک کچھ بھی بغیر بتائے ارش کا چھوڑ جانا اپنی روزمرہ کی تمام اشیاء لے جانا اور یہاں تک اپنے اور اجیہ کے درمیان رابطے کا ایک واحد ذریعہ اس کا موبائل فون بھی توڑ دینا اور پھر سونے پر سہاگر شرمین کا آ کر حقیقت سے پردہ اٹھانا یہ سب اجیہ کے دماغ کو بہت

زیادہ الجھنا رہا تھا وہ اس بات پر تو کسی بھی صورت یقین نہیں کرنا چاہتی تھی کہ ارش نے اس کے ساتھ کسی قسم کا کوئی دھوکہ کیا کیونکہ اس کی روشن شفاف آنکھوں میں اجیہ نے کبھی کوئی دھوکا کوئی منافقت تو دیکھی ہی نہیں تھی ارش کی باتوں میں اسے کبھی بھی ایسا نہیں لگا تھا کہ وہ یہ سب کچھ اوپری دل سے کہہ رہا تھا بلکہ لینے والے تو کچھ اور ہی ہوتے ہیں اجیہ کا دل کیسے مانتا کہ ارش نے صرف اور صرف شرمین کی خاطر اس سے بدلہ لینے کے لیے پہلے اس سے محبت پھر شادی اور پھر اس کے ساتھ یوں اس چھوٹے سے گھر میں رہنے کا ڈرامہ رچایا اس کا دل کسی بھی طور شرمین کی باتوں پر یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ لیکن آخر وہ کیا کرتی..... کس سے پوچھتی کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کون سا ہے؟ ارش کے حق میں دلائل دیتے اپنے دل کی صفائیوں پر کس سے صداقت کی مہر لگوانی اور پھر اب..... زندگی کے اس موڑ پر جبکہ اتنے مشکل دن گزارنے کے بعد اسے ایک مکمل اور بھرپور خوشی ملی تھی وہ ماں بننے والی تھی لیکن اس خوشی کو بھی لہجوں میں گن گن لگ گیا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طور کہیں سے بھی ارش کو ڈھونڈ نکالتی اور اسے سارا قصہ سنا کر کچ اور جھوٹ کا فیصلہ کرنے کا کہتی لیکن ایسا کیسے ممکن ہوتا؟ اس کے سامنے تو کوئی بھی ایسا ذریعہ نہیں تھا جس کے ذریعے وہ ارش کو ڈھونڈتی یا جس کی بدولت وہ ارش سے رابطہ کرنے کی پوزیشن میں ہوتی ذرائع اور وسائل دونوں طرف سے وہ خالی ہاتھ تھی نہ تو ہاتھ میں چند روپے تھے کہ آسرا ہوتا اور اگر بالفرض ایسا ہوتا بھی تو بھلا وہ کیا کرتی کہاں جاتی کس سے مدد مانگتی اور ارش کو کیسے اپنی آنکھوں سے دیکھ بانی۔ شرمین کے جانے کے بعد اپنے بیڑ پر بیٹھی اجیہ کافی دیر سے ٹھنوں پر ٹھوڑی رکھے اسی سوچ میں غم تھی ایسا لگتا جیسے کسی ایسی فلمی میں آ نکلی ہے جو ہر سمت سے بند ہے جس سے کسی بھی جانب کوئی رستہ نکلتا ہی نہیں بلکہ سامنے جانے کی بھی کوئی صورت حال نہیں اسے میں دیکھنے والوں

کو شاید یہی لگتا کہ ایسی صورت میں بہترین واپس مڑ جانا ہے لیکن اگر وہ واپس مڑتی بھی تو کہاں، کون ایسا ہوتا جو اسے اپنے پاس رکھتا یا محبت سے اسے قبول کر لیتا۔ پہلا خیال اسے می کا ہی آیا تھا لیکن خواب اور خیال دونوں ہی آزادرو ہیں کچھ بھی اور کسی سے بھی منسلک ہو سکتے ہیں اسے لگتا جیسے وہ اس کے ماں بننے کی خوشی سے محروم جائیں گی کہ وہ دادی بننے والی ہیں لیکن یہ صرف اور صرف ایک خیال سے بڑھ کر نہیں تھا کیونکہ جانتی تھی کہ اس کی جیب خالی ہے اور می کا دل اگر شرمین کے مطابق یہ سارا ڈھونگ رچایا ہی شادی کے لیے گیا تھا تو پھر بھلا انہیں اس بچے کی کیا خوشی ہوتی اور خود اجیہ تو وہ یوں بھی رو کر چکی تھیں دوسری صورت میں اس کا میکہ بھی ایک آپشن ہو سکتا تھا لیکن وہ میکہ واپس جانے کا تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی اسے یقین تھا کہ میکہ جانے کی صورت میں اگلے ہی لمحے اس کی موت سکندر صاحب کے ہاتھوں یعنی می۔ ویسے بھی وہ ان بد نصیبوں میں سے تھی جنہیں میکہ کا مان نہ بھی شادی سے پہلے ملا اور نہ ہی بھی بعد میں وہ لڑکیاں اور ہی ہوتی ہوں گی جو میکہ کے نام پر سر اٹھا کر بات کرتی ہیں سکندر صاحب کی طرف سے وہ اعتماد تو اسے بھی ملا ہی نہیں تھا جس کی بنا پر وہ کسی بھی مشکل وقت میں میکہ کے بارے میں سوچتی وہاں کارخ کرتی، ویسے بھی شادی کے بعد میکہ لڑکیوں کی وہ محفوظ پناہ گاہ ہوتی ہے جہاں وہ سسرال میں پیش آنے والے کسی بھی ناخوشگوار واقعے یا نامساعد حالات کے بعد فوری طور پر داخل ہو جانے کا سہوچی ہیں لیکن پھر بھی ہر لڑکی کی قسمت میں یہ محفوظ پناہ گاہ نہیں ہوتی اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ پناہ گاہ تو ہوتی ہے لیکن وہاں کوئی حفاظت کرنے والا نہیں ہوتا ایسی لڑکیاں تو پھر ڈرتی ہی رہتی ہیں سسرال کے ناخوشگوار حالات سے جسکے کے ناخوشگوار حالات کے درمیان۔ اجیہ شاید کبھی ہی دیر اپنے خیالات میں کھوئی رہتی کہ اچانک اسے دروازے پر کھٹکنا محسوس ہوا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی بہت دھیمی آواز میں مگر مسلسل اس کے گھر

کے دروازے پر دستک دے رہا ہے غیر محسوس طریقے سے اجیہ اپنے آپ میں مزید سڑگئی تھی دونوں بازوؤں سے خود کو پہلے سے زیادہ مضبوطی سے جکڑا اور ان انتہائی حساس ہو کر جیسے دروازے پر ہی لگ گئے تھے۔ آج سے پہلے تک تو اسے ہمیشہ یہی شکوہ ہوا کرتا کہ ہلک جھپکتے ہی رات کیوں گزر جاتی ہے سارا سارا دن تو وہ ارش کے انتظار میں وقت شمار کرتی رہتی اور وقت انتہائی سست رفتار سے گزرتا لیکن جیسے ہی ارش گھر میں داخل ہوتا تو ایسا لگتا جیسے وقت کو پر لگ گئے ہوں صرف ان کے کھانا کھانے اور معمولی سی بات چیت کے دوران ہی آدمی رات بیت جاتی اسے ہمیشہ ہی ارش کے ساتھ گزارے گئے وقت کے مختصر ہونے کا شکوہ ہوتا یہی حال ارش کا بھی تھا ہمیشہ یہی کہتا۔ ”سارا دن تو وقت گزرتا ہی نہیں اور جیسے ہی گھر میں داخل ہوتا ہوں وقت بھی دوڑنے لگتا ہے اتنے دن ہو گئے ہیں ساتھ رہتے لیکن آج تک تم سے جی بھر کر باتیں ہی نہیں کیں، جنہیں آکھ بھر کبھی دیکھا ہی نہیں یہ وقت بھی ناں تمہاری دوسری ساس ثابت ہو رہا ہے۔“ وہ ہنستے ہوئے کہتا۔ ”ساس۔“ وہ نا بھی سے مسکراتے ہوئے پوچھتی۔ ”ہاں بھئی آج کل ساسوں کا دل کہاں چاہتا ہے کہ ان کا بیٹا ان کی بہو کے ساتھ بہت سارا وقت گزارے۔“ ”ہاں تمہیں تو جیسے بڑا تجربہ ہے ناں اور ویسے ایک بات کہوں ارش اگر تم مائنڈ نہ کرو تو.....“ اس کے چپ ہوتے ہی ارش سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا اور وہ بات جاری رکھی۔ ”می کی بچہ بہت اچھی ہے وہ عام ساسوں، جیسی کبھی بھی ثابت نہ ہوتی لیکن بس شاید انہیں دکھ اس بات سے پہنچا کہ تم نے ان کے علم میں لائے بغیر اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کر لیا اور اس بات کے لیے وہ ذہنی طور پر تیار ہی نہیں تھیں۔ شاید کوئی اور بھی عورت ان کی جگہ ہوتی تو اس کا بھی رد عمل یہی ہوتا جو ان کا تھا اس لیے پلیز ان کے لیے اپنے

دل میں کبھی بھی کوئی غلط بات نہ لانا۔“

”بھئی یہ دنیا کی پہلی بہو ہے جو شوہر کے سامنے اپنی ساس کی حمایت میں بول رہی ہے۔“ وہ ہنستا۔

”اور نہ صرف یہ کہ بول رہی ہے بلکہ شوہر کو اس بات پر اکسا بھی رہی ہے کہ وہ اس کی باتوں کو سو فیصد درست مانے، سچ مانے اور انہیں حقیقت تسلیم کرے۔۔۔۔۔ مجھے لگتا ہے اربش جیسے ہم سب ہی حالات کے ہاتھوں کھلونا بنے ہوئے ہیں کیونکہ تم بھی تو میری پسند کے خلاف انہیں بتائے بغیر اتنا بڑا فیصلہ کرنے کے حق میں نہیں تھے ناں۔۔۔۔۔ تم تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتے کہ کبھی اپنی زندگی میں کوئی ایسا کام بھی کرو گے جو ان کی پسند اور مزاج سے متصادم ہو لیکن تمہیں پھر بھی کرنا پڑا اور وہ بھی صرف اس لیے کہ حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہ تھا۔“ بات کرتے کرتے اجیہ نے سر جھکایا اور دووں ہتھیلوں کو آپس میں گر رکنے لگی۔

اربش نے مکمل خاموشی سے اسے بات کرنے کا بھرپور موقع دیا۔

”اور میں۔۔۔۔۔ ہونہ میں نے کب ایسا چاہا تھا کہ مجھے گزارنے کے لیے ایک ایسی زندگی ملے جس میں کوئی بھی میرے قریب نہ ہو میں سب سے بات بھی کرنے کو ترسنا کروں باوجود اس کے کہ میں بھرے پرے گھر میں رہنے کی خواہش مندگی میں چاہتی تھی کہ شادی کے بعد ایسی زندگی گزاروں جو میری پہلے والی زندگی کا میری محرومیوں کا ازالہ کر دے لیکن دیکھ لو اپنی زندگی کی تو محرومیاں کیا ہی ختم ہوئیں میں نے تمہاری زندگی سے بھی سب کچھ چھین لیا۔“ اربش نے اجیہ کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک دیکھی تو فنی میں گردن ہلا کر کچھ کہنا چاہا مگر اجیہ نے اپنی بات جاری رکھی۔

”میں باپ کے پیار کو ترسی تو اب میری وجہ سے تمہیں ماں کے پیار کو ترسنا پڑ رہا ہے، میں اپنی زندگی میں معاشی طور پر کمزور رہی تو تمہاری زندگی میں آئے ہی نہیں بھی خالی ہاتھ کر دیا میں ایسا کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن دیکھ لو

حالات نے ایسا کھیل کھیلنا کہ میں سمجھ ہی نہیں پائی کہ جن کے مقدر میں ہمیشہ کے لیے شکست لکھ دی گئی ہو وہ کسی بھی طریقے سے اس ہار کو جیت میں نہیں بدل سکتے اور شاید میں نے اپنے مقدر سے لڑنے کی کوشش کی تھی جس کی سزا نہ صرف مجھے ملی بلکہ میرے ساتھ ساتھ ناکردہ گناہ کی سزا تم بھی بھگتتے پر مجبور ہو۔ میں ان تمام حالات کی وجہ سے تم سے پھر معافی چاہتی ہوں اربش۔۔۔۔۔ آج میری وجہ سے تم صرف روزگار کی تلاش میں سڑکوں پر دھکے کھانے پر مجبور ہوا اگر میرے پاس وقت کو لوٹانے کا اختیار ہوتا تو یقیناً کرو کبھی تمہاری زندگی میں شامل نہ ہوتی اور کبھی تمہیں در بدر نہ ہونے دیتی۔“ اجیہ کو احساس تھا کہ وہ صرف اس کی وجہ سے یہ مشکل زندگی گزارنے پر مجبور ہے لہذا دل کی بات کہہ دی تو کچھ دیر بعد اربش بولا۔

”ہم دونوں میں فرق ہی تو اسی سوچ کا ہے ناں تمہارے پاس اگر وقت لوٹانے کا اختیار ہوتا تو کبھی میری زندگی میں شامل نہ ہوتیں لیکن یقیناً کرو اجیہ کہ اگر میرے پاس وقت لوٹانے کا اختیار ہوتا تو میں پھر بھی زندگی گزارنے کے لیے تمہارا ہی انتخاب کرنا چاہتا چاہے اس کے لیے مجھے کتنی ہی دشوار زندگی کا سامنا کرنا ہوتا۔“ اجیہ نے سامنے بیٹھے اربش کی آنکھوں میں دیکھا۔

وہ جانتی تھی کہ وہ سچ کہہ رہا ہے اسے اس کے الفاظ کی صداقت پر کبھی بھی شک نہیں رہا تھا یہی وجہ تھی تو تھی جس نے اجیہ کے لیے روپیہ پیچھے نہیں اور آسائشیں سب کو نچلے درجے پر رکھ کر نہایت عام اور اربش کی محبت کو اپنی انتہائی خاص کر دیا تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ جس دامن میں محبت ہو وہی اس دنیا کا امیر ترین اور خوش نصیب شخص ہے اور یہ دولت حاصل کرنے کے بعد اب حقیقتاً اس کے دل سے روپے پیسے کی خواہش ختم ہو گئی تھی۔

”مجھے تم سے کوئی بھی شکوہ اس لیے نہیں ہے کہ یہ سب ہمارے ساتھ اسی طرح ہونا چاہیے تھا ہو سکتا ہے مگر ہمارے ساتھ یہ سلوک روا نہ رکھتیں تو ہم ایک دوسرے کے لیے اتنے قریب نہ آتے، ہم ایک دوسرے یوں شدت سے

محبت نہ کر پاتے جس طرح اب کرتے ہیں خوشی کے لمحات کی دوستی انسان بھول سکتا ہے لیکن مشکل وقت کا ساتھ مرتے دم تک یاد رہتا ہے اور تم دیکھ لو کہ ان مشکل حالات نے ہمیں جتنا ایک دوسرے کے نزدیک کیا اتنا ہم عام حالات میں شاید ہو ہی نہ پاتے۔“

اور اربش کی بات سے تو جیسے اجیہ کے دل پر لگی گرہ کھل گئی وہ واقعی قدرت کا کھیل اب کبھی بھی اور اسے یوں لگا جیسے سکون کی ایک ان دیکھی لہر ہے جو اس کے اندر اترتی ہی چلی گئی ہے اپنے حالات اور مقدر سے کیے جانے والے شکوے بھی ختم ہو گئے تھے وہ اب سمجھ گئی تھی کہ واقعی اسے یہ وقتی پریشانی دے کر ہمیشہ کے لیے اربش کی محبت عطا کر دی گئی تھی اور ایسا ہی تو تھا کہ اربش کی حقیقی محبت تو اس کے دل میں جا گئی تھی جب اس نے دیکھا کہ اربش صرف اس کی محبت میں اس کی خاطر ہر قسم کی آسائشوں اور دولت کو ٹھوکر مارتا آیا ہے۔

محبت کیا ہوتی ہے یہ تو اجیہ کو پتا ہی تب لگا تھا کہ وہ جن آسائشوں اور دولت کے لیے اربش سے شادی کر رہی ہے وہ تو محبت کے مقابلے میں ذرہ برابر اہمیت نہیں رکھتیں اور اگر آتے ہی اسے وہ سب مل جاتا جس کی خاطر اس نے اربش کو چنا تھا تو اربش کا مقام اس کے دل میں نہایت عام سا ہوتا جبکہ اب اربش اس کے لیے سب کچھ تھا اور اس کی محبت نے اجیہ کے دل سے دنیاوی خواہشیں تک نکال پھینکیں تھیں۔

”جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں تمہیں کسی بھی قسم کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں، تم پر آنے والی ہر مصیبت اور پریشانی پہلے مجھ پر سے ہو کر گزرے گی جیسے تم۔“ اجیہ کی ٹھوڑی پکڑ کر خنسنے بچوں کی طرح اربش نے اس سے پوچھا تو وہ مسکرائے گی۔

”اور میری سے دوری کا معاملہ ہو یا تمہارے گھر والوں سے ملاقات کا میں ان شاء اللہ سب کچھ بہترین طریقے سے طے کر لوں گا تم بس کسی بھی معاملے میں پریشان نہ ہوا کرو بس مجھے تھوڑا سا وقت دو پھر دیکھنا تم جو چاہو گی وہی

ہوگا بس تم مجھ پر اعتبار کرو اور اپنی ساری فکریں پریشانیاں مجھے سونپ کر بے فکر ہو جاؤ۔“ اربش نے اس کا ہاتھ تھام کر یقین دلایا تھا اور واقعی وہ اس کی باتوں پر بچوں کی طرح خوش ہو گئی۔

لیکن اب تو سب کچھ متضاد تھا اچانک ہی اسے محسوس ہوا کہ دروازے پر ہونے والی دستک اب تیز ہونے لگی ہے۔

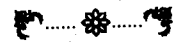
”اس وقت کون ہو سکتا ہے؟“ وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے خود سے سوال کیا۔

”اس گھر میں اس کی موجودگی کے بارے میں شرمین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا اور بھلا شرمین یوں رات گئے دوبارہ اس کے پاس کیوں آئے گی؟ محلے میں کسی کے ساتھ بھی اس کے تعلقات نہیں تھے اس لیے اس سوال کا بھی امکان نہ تھا کہ شاید اہل محلہ میں سے کوئی ہو اور پھر اگر ہو بھی تو یہ وقت ایسا تھا کہ کوئی بھی کسی کے گھر دستک نہ دیتا اور پھر ایک دوسرے نہیں یوں آہستہ آہستہ مسلسل اور پرسرا۔۔۔۔۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ بیو کی طرح آنکھیں بند کر لے خاموش رہ کر بیٹھی رہے اس وقت تک جب تک کہ کوئی زور دار طریقے سے دروازہ نہ بجائے یا کسی طریقے سے اندر آنے کی کوشش نہ کرے لیکن یہ خیال آتے ہی اس نے رد کر دیا تھا اور اٹھ کر دروازے کے قریب جانے کا فیصلہ کیا تاکہ پوچھے کہ اس وقت کون ہے اور دروازہ کیوں بجا رہا ہے۔ کچھ بعد دروازے کی دستک کی طرف دھیان جاتے ہی وہ بھول گئی کہ وہ ابھی چند لمحوں پہلے کسی وجہ سے پریشان تھی اس وقت اس کی مکمل توجہ دروازے کی طرف گئی ذہن میں کئی طرح کے خیال آ رہے تھے۔

”ہونے کو کچھ بھی ہو سکتا تھا وہ اس وقت گھر میں اکیلی ہے اگر اس کے ساتھ کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا تو کسی کو ترس بھی نہیں ہوگی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا نہ ہی اہل محلہ کسی کو اطلاع کر پائیں گے وہ کون ہے کہاں سے آئی ہے اس کے والدین کہاں ہے شوہر کہاں ہے کوئی اس کے بارے

میں کچھ بھی تو نہیں جانتا تھا حتیٰ کہ اس کا نام بھی نہیں۔ ایسے میں اگر اس کے ساتھ کچھ ہوا تو کیا وہ یہاں یونہی لا وارٹوں کی طرح بڑی رہے گی؟" یہ سوچ ذہن میں آتے ہی وہ کانپ گئی تھی۔

اس کے ساتھ ہی باہر ہوتی دستک کی آواز جو پہلے دھبی تھی اب تیز ہونے لگی دروازہ بجانے کا انداز بھی عام نہ تھا ایسا لگتا جیسے دروازہ بجاتے جانے کوئی بندہ چالی یا کوئی اور چیز دروازے کی سطح پر پھیرنے لگتا خوف اور پریشانی سے اجبیہ کو اپنا خون خشک ہوتا محسوس ہوا ہاتھ پاؤں بھی سرد ہو چلے تھے اٹھ کر دروازے تک جانے نہ جانے یہی سوچتے ہوئے کچھ وقت بیتا اور ساتھ دستک مدہم ہونے لگی تو اسے احساس ہوا کہ وہ آج صبح سے ہی بھوکے ہے لیکن کچھ بھی کھانے کی کوئی طلب جاگی نہ خواہش البتہ خوف سے اس کی زبان خشک ہو رہی تھی لہذا ہمت کر کے پاؤں پیڑ سے نیچے اتارے سلیپر زپہنہ اور کمرے سے باہر نکل۔ ہلکی زرد روکی دیتا بلب صحن کو مزید پراسرار بناتا تھا ایک طرف رمی اینٹوں اور ریت میں اسے پوں لگا جیسے کوئی شخص چھپا بیٹھا ہے یہ سب اس کا وہم تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ اسے صحن میں موجود ایک چیز سے خوف محسوس ہو رہا تھا ایسا لگتا جیسے ابھی کئی گئی چیز کے پیچھے سے کوئی نکل آئے گا بشکل تھوک ٹپکتی وہ چکن تک پہنچی گلاس میں پانی ڈالا اور جیسے ہی گلاس لے کر پلٹنے لگی تو پیر ونی دروازے کے باہر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا دروازہ کیونکہ زمین سے معمولی سا اوپر تھا اس لیے نیم تاریکی میں اسے دروازے کے بالکل ساتھ لگے دو سائے محسوس ہوئے لیکن اس سے پہلے کہ وہ غور سے دیکھتی ایک دم دوبارہ سے دروازہ بجنے لگا اور اچانک چونکنے پر اس کے ہاتھ سے گلاس بھی زمین پر جا کر اٹھا۔



جس دن سے اریش ان سے روٹھا تھا اور انہوں نے اسے اجبیہ سمیت گھر سے نکالا تھا تب سے وہ ایک ہل کے لیے بھی سکون حاصل نہیں کر پائی تھیں جذبات اور غصے

میں آ کر اسے نکال تو دیا تھا اور یہی سوچا تھا کہ تازہ نعم اور عیش و عشرت میں پلا بڑھا اریش دو چار دن حالات کے تھیرے کھانے کے بعد پھر واپس آ جائے گا لیکن ماں ہونے کے باوجود وہ اس معاملے میں غلطی ثابت ہوگئی تھیں اور وہ درست اندازہ نہ لگا پائی جس کا نتیجہ مستقل پریشانی کی صورت میں سامنے آیا اور پھر ایک پریشانی نے یکے بعد دیگرے کئی پریشانیوں کو جنم دیا اور وہ بھونچکا سی ہو کر رہ گئیں۔ وہ ان معاملات اور اس طرح کے حالات کی تو عادی ہی نہیں تھیں نہ ہی ان کی فطرت میں لڑائی جھگڑا تھا ان کی زندگی اسکول سے گھر اور گھر سے اسکول تک ہی محیط تھی لیکن اب اجبیہ کی ان کی زندگی میں آمد کے ساتھ ہی سب کچھ بدل کر رہ گیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ اجبیہ کو ہی ان تمام معاملات کی ذمہ دار سمجھتی تھیں اور پھر صرف یہی نہیں بلکہ وہ تو اجبیہ کو اپنی بھانجی کی صورت میں بھی قبول نہیں کر پاری تھیں، بہن کی محبت اپنی جگہ لیکن وہ لڑکی جوان کے اور اریش کے درمیان فاصلے پیدا کرنے کا سبب بنی جس نے ان کے لاڈ لے اور فرماں بردار بننے کو ان کے مد مقابل لا کھڑا کیا وہ اسے بھلا کیسے معاف کر سکتی تھیں یہی وجہ تھی کہ وہ بہن کو ایک نظر دیکھنے ان سے ملنے کو تو ترپ رہی تھیں لیکن اجبیہ کو دیکھنے کی بھی روداد نہ تھیں۔

"شرمین! کی نہیں ابھی تک۔" بوا کی نظریں لاڈلے کے اندرونی دروازے اور سماعت اطلاعی گھنٹی پر مرکوز تھی خود بھی شرمین کے ہی انتظار میں تھیں وہ یہ جان لینے کو بے تاب تھیں کہ اریش اس وقت کہاں ہے اور وہ اسے کب مل سکیں گی گلے لگا سکیں گی اتنے دنوں بعد آخر وہ اسے کب جی بھر کر دیکھ سکیں گی۔

"میں خود بچپن ہوں بوا اس شاید آتی ہی ہوگی۔"

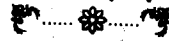
"اللہ بھلا کرے شرمین کا جس نے ہم پر اتنا بڑا احسان کیا۔" بوائے دل سے شرمین کو دعا دی۔

"واقعی آپ نے سچ کہا لڑکی ہمارے لیے تو فرشتہ بن کر ہماری زندگی میں داخل ہوئی ہے اس کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی بوا اس نے مجھے بن مول کے خرید لیا

ہے۔" ممی کی آواز احساس تشکر سے ہنسنے لگی تھی۔

"بس دیکھ لو یہ دنیا ابھی اچھے لوگوں سے خالی نہیں ہوئی اور شرمین کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوتا ہے۔" ممی نے مسکرا کر گردن ہلاتے ہوئے ان کی بات کی تائید کی۔

"میں نے شرمین کے پسندیدہ کوٹنے پکائے ہیں آئے گی تو خوش ہو جائے گی لیکن اب بس آج ہی جائے یقین مانو مجھ سے تو انتظار ہی نہیں ہو رہا کہ کب وہ آئے اور آ کر ہمیں بتائے کہ اریش کہاں ہے پھر ترمس دیکھنا مجھے ایک باریہ معلوم ہو جائے کہ وہ ہے کہاں پھر تو میں اسے خود جا کر واپس لاؤں گی۔" بوا مستقبل غریب کے تمام منصوبے بنا چکی تھیں اور اب وقت تھا کہ گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا نہ جانے مانمن نہ پائے رفیق والی صورت حال سے گزرتی بوا کو اب کسی طریقے چننا آتا دکھائی نہ دیا تو اٹھ کھڑی ہوئیں اور پردہ ہٹا کر کھڑکی کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئیں ابھی انہیں کھڑکی سے بیرونی گیٹ پر نظریں جمائے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ اطلاعی گھنٹی کی آواز پر دونوں چونکی تھیں بوا گیٹ کھولنے لگیں تو ممی سے بھی رہا نہ گیا اور وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے ہوئیں۔



ایئر پورٹ پر ایک ہجوم تھا جواب آہستہ آہستہ چھٹ چکا تھا جانے والے مسافروں سے زیادہ انہیں اوداع کہنے والے لوگ تھے ہاتھوں پر مہندی لگے زرق برق لباس پہنے کچھ لڑکیوں کو تو دیکھنے سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ شادی کے بعد اب پہلی مرتبہ بیرون ملک جا رہی ہیں کچھ فیملیز تھیں اور کچھ تنہا اپنا ٹیک یا ایئر ٹکٹ ایئر پورٹ کے اندرونی حصے میں ایک قطاری صورت داخل ہو رہے تھے۔ اریش اپنے گروپ کے ساتھ ہی تھا وہ سب ایک دوسرے سے بات چیت میں مصروف تھے بورڈنگ کے لیے قطار میں کھڑے ساری باری کا انتظار کر رہے تھے مگر اریش کو ان کی باتوں میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی نہ ہی اس نے باقی سب کی طرح اپنا تعارف کرنا ضروری خیال کیا تھا۔ ویسے بھی اس کے حالات باقی تمام سے مختلف تھے وہ سب

اپنے اپنے گھروں سے ہنسی خوشی بہتر مستقبل کے لیے جانے کتنی ہی دعاؤں کے حصار میں نکلے تھے جبکہ وہ آتے ہوئے اجبیہ سے ملنا تو دور اسے بتا بھی نہیں پایا تھا اور پھر وہ رہ رہ کر خود کو کوتا کہندہ اس وقت غصے میں موبائل توڑتا اور نہ آج اس صورت حال کا سامنا ہوتا کم از کم وہ اجبیہ سے بات تو کر لیتا۔ اب جب تک حسن کا اجبیہ سے رابطہ نہ ہوتا وہ پتا نہیں کیا سوچے گی کتنا پریشان ہوگی دعا کے نام پر اریش کے پاس ایک لفظ تک نہ تھا البتہ ممی کی طرف سے بدگمانی ضرور بڑھ گئی تھی وہ جانتا تھا کہ آج کی رات حسن کا کراچی لوٹنا مشکل ہے لیکن اس کی خاطر وہ کل تک اجبیہ کو تمام صورت حال سے آگاہ کر کے اس سے بات بھی کر دے گا لیکن اجبیہ پریشان ہے اور پریشانی کی وجہ خود اریش ہے یہ خیال ایسا تھا جو اسے مزید پریشان کر رہا تھا۔

گہری سانس لے کر خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش میں اس نے چاروں طرف نظر دوڑا کر یونہی لوگوں کو دیکھا اس کے ساتھ آنے والے سب لڑکوں کی بورڈنگ ہو چکی تھی غزنی ابھی تک ایئر پورٹ کے اندرونی حصے سے دور اس مقام پر کھڑا تھا جہاں سے اسے بورڈنگ کراتے افراد با آسانی نظر آ رہے تھے۔ اس کی ٹریول ایجنسی کے تھرو جانے والے سب لڑکے بورڈنگ ہو جانے پر اسے اوکے کا میج سینڈ کر رہے تھے کہ یہ ہی اس کی ہدایت تھی اب انہیں فلائٹ کا انتظار تھا سو سب ایک ساتھ ایئر پورٹ میں بنی انتظار گاہ کی طرف چل دیے جبکہ اریش ابھی کاؤنٹر پر ہی موجود تھا۔

"نام کیا ہے آپ کا؟" کاؤنٹر کے اس پار بیٹھی خاتون نے پاسپورٹ پر لگی تصویر کو بغور دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

"اریش....." اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"پہلی مرتبہ جا رہے ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"ساتھ کون ہے فیملی ممبر ہیں۔"

"جی نہیں مائیکلا ہوں۔"

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

آنچل ناول

(ایک ساتھ منگوانے پر)

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دلچسپ پرفارمنس دینگے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 700 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

7000 روپے

میدل ایسٹ، ایشیائی، افریقہ، یورپ کے لیے

6000 روپے

رقم ڈیماڈ ڈارٹ، مینی آرڈر، مینی گرام
ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔
مقامی افراد دفتر میں نقد ادائیگی کر سکتے ہیں۔

رابطہ: طاہر احمد قریشی 0300-8264242

نئے آف گروپ آف پبلی کیشنز

کسٹمر سروس: 7-فری چیئر نمبر عبد اللہ بادل و دیگرانی
فون نمبر: 922-3562077/2

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
circulationngp@gmail.com

اتنی بڑی سازش کر گیا مجھے واقعی کچھ بھی معلوم نہیں۔ لاکھ روپے کے باوجود بھی وہ نہیں سمجھ پارہا تھا کہ اس سے دشمنی کرنے والا شخص کون ہے کیونکہ اس کے تو آج تک کسی سے بھی برے تعلقات بنے ہی نہیں جتنے لوگوں کو وہ جانتا تھا سب کو انتہائی اچھی طرح پہچانتا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو اتنی گری ہوئی حرکت کرے اور پھر وہ تو سب سے ہی بہت اچھے انداز سے ملتا جلتا تھا۔ حد تو یہ تھی کہ اس وقت کوئی ایسا نام تک ذہن میں نہیں آ رہا تھا جس پر وہ شک کر سکتا اور پھر وہ تو گھر سے نکلنے کے بعد کہیں اتنا رکا ہی نہیں تھا کہ کوئی یوں اس کے ساتھ اتنی بڑی حرکت کر جاتا۔

”صرف آپ ہی نہیں میرے بھائی، ہر ملزم ایسا ہی کہتا ہے سب کے چہروں پر ایسی ہی بے چارگی ہوئی ہے سب بونکی اٹھا یقین دلانے کی سرتوڑ کوششیں کرتے ہیں لیکن یقین کرو کہ ہم اب اتنے پاگل بھی تو نہیں ہیں کہ سب کا یقین کر لیں۔“ بات ختم کر کے دونوں آفیسرز نے فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھا جبکہ اربش حیرت اور افسوس کے مارے چپ سا ہو گیا تھا آخر کیا کرتا کیا کہتا کہ یہ پیکٹ آفیسر نے اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے پیکٹ سے نکالا لہذا وہ اربش کو مجرم سمجھنے میں حق بجانب تھا اور اربش بے تصور ہونے کے باوجود اب گناہ گار بنانے کے سامنے کھڑا تھا اور سب سے پہلا خیالی جو اس کے ذہن میں آیا وہ یہی تھا کہ ”اب اجیہ کا کیا ہوگا؟“ منشیات فروشی ایک سنگین جرم تھا اور اس جرم کی سزا کیا ہوگی اس کی نوعیت سے بھی وہ بخوبی آگاہ تھا اور پھر امید کی کوئی ایک بھی ایسی کرن نہیں تھی جس پر انحصار کیا جاسکتا۔

آفیسرز اپنی کارکردگی پر خوش تھے اور حکام کو اطلاع دینے کے لیے ان سے رابطہ کرنے کی کوشش میں تھے جبکہ اربش کا ذہن اس وقت ایک خالی مگر سیاہ سیلیٹ کی مانند تھا اجیہ کے علاوہ کوئی سوچ کوئی خیال اس کے ذہن میں نہیں آئی تھی اور وہ یہ بات بھی بخوبی سمجھتا تھا کہ اس کے علاوہ اجیہ کا اب بھری دنیا میں کوئی نہیں وہ اب یہاں سے

”فکر نہ کریں میرے ساتھ چلتے جائیں ابھی آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔“ مراد آفیسر کے کہنے پر وہ ایک بار پھر اس کے ساتھ چلتے لگا وہ خدشات کا شکار ہو رہا تھا لیکن اس سے پہلے کہ کسی نتیجے پر پہنچتا آفیسر ایک کمرے میں داخل ہوا اور ایک کاؤنٹر پر اس کا تمام بیک خالی کرنے لگا ویسے بھی اس کے بیک میں کوئی بہت زیادہ سامان تو تھا نہیں بس ایک دو چیزیں نکالنے کے بعد ہی سیاہ شاپر میں لپٹی کوئی چیز اپنے بیک سے نکلی دیکھ کر اربش کے جیروں تلے سے جیسے زمین ہی نکل گئی اور اس سے پہلے کہ آفیسر اس سے کچھ پوچھتا وہ خود راسے بولا۔

”یہ..... یہ کیا ہے؟“

”یہی تو آپ سے پوچھنے کے لیے میں آپ کو یہاں اس کمرے تک لایا ہوں۔“ آفیسر نے ہاتھ میں وہ پیکٹ لے کر وزن کا اندازہ کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ اپنے کام میں مصروف ایک اور آفیسر بھی کمپیوٹر کے سامنے سے اٹھ کر ان کے قریب چلا آیا۔

”لیکن یہ پیکٹ تو میرا نہیں ہے۔“

”بیک کس کا ہے۔“

”بیک تو ظاہر ہے کہ میرا ہے لیکن آپ میرا یقین کریں کہ یہ پیکٹ میرا نہیں ہے۔“

”بھی بیک آپ کا ہے تو پھر بیک میں موجود ہر چیز آپ کی ہی ہوئی ناں میں نے آپ کے سامنے ہی بیک کھولا ہے لہذا آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں نے اس میں یہ پیکٹ رکھا۔“

”نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“ اربش حیرت زدہ تھا کہ بیک تو ہر وقت اس کے ہی پاس تھا پھر بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی اس میں یہ پیکٹ رکھ گیا ہو اور اسے پتا بھی نہ چلے۔

”کب سے کہہ رہا ہوں یہ کام؟“ آفیسر نے پیکٹ پر سے سیاہ شاپر ہٹایا تو سفید پاؤڈر بالکل سامنے نظر آ رہا تھا۔ ”لیکن آپ میرا یقین کریں مجھے نہیں معلوم کہ یہ پیکٹ کہاں سے آیا کس نے رکھا کون میرے خلاف

”لیج میں کیا جاپ کے پاس؟“
”صرف ایک بیک۔“ اربش نے اپنے بیک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔
”ہینڈ کیڑی کریں گے یا بیک کرنا ہے۔“
”ہینڈ کیڑی۔“

”کتنا وزن ہے اس کا؟ اور اس میں کوئی چھری بلیڈ یا کوئی اور اس طرح کی چیز تو نہیں؟“ خاتون آفیسر نے ایک نظر بیک کو دیکھا۔
”جی نہیں، بالکل بھی نہیں۔“
”اس میں کیا ہو یہ۔“

”روزمرہ کی چند چیزیں اور کپڑے۔“ وہ خاتون کی اس جرح پر زنج ہو رہا تھا لیکن جانتا تھا کہ حالات اور سیکورٹی کے پیش نظر سب اس کے فرائض میں شامل تھا اسی لیے بڑے آرام اور دل سے تمام سوالات کے جوابات دیتا رہا۔
”کوہ کے اسے ذرا ہیلت پر رکھیں اور یہ ٹیک لے کر اسے لگا لیں۔“

ہدایات کے عین مطابق اربش نے اپنا بیک لیج ہیلت پر رکھا اور ٹیک کے ساتھ لگی لاسٹک کی گرہ بنانے لگا تاکہ بیک پر لگا سکے۔

”یہ بیک واقعی آپ کا ہے؟“ خاتون نے ساتھی آفیسر کو اشارے سے بلا کر اسکرین کی طرف متوجہ کیا اربش اسکرین نہیں دیکھ پایا تھا کیونکہ اس کا رخ مسافروں کی طرف تھا آفیسر نے مسکراتے ہوئے کاؤنٹر پر بیٹھی خاتون کو شاباشی دی۔

”جی ہاں میرا ہی ہے۔“ وہ ان کے انداز پر چٹکا۔
”آپ ذرا میرے ساتھ آئیے۔“ مراد آفیسر نے اس کا بیک اٹھایا اور اسے اپنے ساتھ چلتے کا کہا خاتون آفیسر قطار میں کھڑے باقی مسافروں کے کاغذات چیک کرنے لگی تھی کچھ ہی قدم چلتے کے بعد اربش سے رہانہ گیا تھا سو وہیں رک گیا۔

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں اور آخر اصل معاملہ کیا ہے۔“

ان لوگوں سے کروائی اور اب اسے اپنی زندگی میں بہتری کی امید صرف اور صرف انہی سے ہے۔

”تم فکر نہ کرو میں ہوں ناں اور میرے ہوتے ہوئے تمہیں اپنے بارے میں کچھ بھی سوچنے یا فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ ذرا تنگ دم میں داخل ہوتے ہوئے می نے اسے حوصلہ دیا۔

”تمہیں پوچھنی تھی..... اسی لیے تو میں آپ کو اپنی ماں صرف کہتی نہیں سمجھتی تھی ہوں کیونکہ جانتی ہوں کہ اللہ کے بعد اب آپ ہی میری سرپرست ہیں۔“ وہ اسی صوفے پر بیٹھی جس پر می بیٹھی تھیں اور دانستہ ان کے قریب بیٹھ کر لاڈ سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

”اچھا شرمین تم کچھ بتانے والی تھیں ارش کے بارے میں۔“ بولے اب مزید صبر نہ ہوا تو پوچھ لیا۔

”میں نے خاص تمہارے لیے آج زکسی کو فٹے پکائے ہیں لیکن پہلے تم جو بات کرنا چاہ رہی تھیں وہ کر لو تو مل کر کھانا کھاتے ہیں۔“

”اگر وہاں بھانڈا باد“ اس نے خوشی سے نعرہ لگایا۔

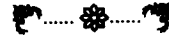
”کیا معلوم ہوا ہے ارش کے بارے میں کہاں ہے وہ؟“ می نے بے تابی سے پوچھا۔ ”اسی شہر میں ہے می اور ایک چھوٹے سے ٹھک ڈربہ نما گھر میں اجیہ کے ساتھ رہ رہا ہے۔“

”ڈربہ نما گھر میں.....؟“ می کی حیرت اداسی کی چاند میں لپٹی ہوئی تھی۔

”جی ہاں می آج کل جاب کے لیے سڑکوں پر دھکے کھا رہا ہے ایک جگہ معمولی سی نوکری ملی تھی لیکن کی بات پر تکرار کے بعد وہاں سے نکال دیا گیا دونوں میاں بیوی یوں سمجھیں کہ ایک وقت کا کھاتے ہیں تو دوسرے وقت بھوکے رہتے ہیں آپ کا دل دکھانے کی خوب سزا بھگت رہا ہے وہ۔“ شرمین نے مزید بوجھا چڑھا کر تمام حالات بیان کیے جس پر می سمیت ہوا کا بھی دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکولیا تھا۔

وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں کہ ایک وقت ایسا آئے گا

کب باہر نکل پائے گا وہ نہیں جانتا تھا اجیہ کی خاطر تیز بھاگنے کی خواہش میں پہلے ہی قدم پر ٹھوکر کھا کر گر جانے والا ارش شاید یہ بات جانتا تھا کہ سفر جتنا بھی دشوار ہو راستے جتنے بھی ٹھن ہوں اور منزل کتنے ہی فاصلے پر کیوں نہ ہو کامیابی انہی کا مقدر بنتی ہے اور قریب انہی کے قدم چومتی ہے جن کے زور راہ میں والدین کی دعائیں شامل ہوں اور والدین کی دعاؤں کے بغیر شروع کیا جانے والا زندگی کا سفر ہمیشہ کسی نہ کسی طرح بے برکتی کا ہی شکار ہوتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ وہ آنے سے پہلے می سے ملنے اور ان سے معافی مانگنے بھی گیا تھا لیکن شاید ابھی اسے چند مزید آزمائشوں سے گزرنا ہوتا تھا۔



”آؤ..... آؤ شرمین..... بھی آج تو تم نے ہم دونوں کو انتظار کی سولی پر ہی لٹکا دیا تھا۔“ بوائے بڑی ہی خوش دلی سے گیت کھولتے ہوئے شرمین کو دیکھ کر کہا تو وہ مسکرائی۔

”واہ بھی میری قسمت آج تو میرا اس شدت سے انتظار ہو رہا تھا۔“ بوائے سامنے سے ہٹ کر اسے اندمانے کی جگہ دی اور گیت دوبارہ بند کر دیا۔

”اگر تم یہ جان جاؤ کہ تمہارا اس دل میں مقام کیا ہے تو یقین مانو زنگ کروانی قسمت پر۔“ عقب سے آئی می نے شرمین کی بات سن کر کہا۔

”مجھے اپنی قسمت پر فخر ہے می کیونکہ یہ قسمت ہی تو ہے جس نے مجھے آپ جیسے اچھے لوگوں سے ملوایا ورنہ جب تک میں آپ سے نہیں ملی تھی خود اپنی ہی زندگی سے بیزار ہونے لگی تھی اس پر بھائی بھائی کے منہ رویے تو یوں سمجھیں مجھے خود کشی پر بھی مجبور کر دیا تھا۔“ ان تینوں کے چہرے پر خوشی کے تاثرات تھے اور وہ مسکرائی ہوئی ذرا تنگ دم کی طرف بڑھ رہی تھیں کہ ہمت کی طرح شرمین نے اپنی مظلومیت کا دکھنا روٹنا ضروری سمجھا وہ اکثر اوقات می اور بوا کے سامنے یہ بات باور کرانی رہتی تھی کہ بھائی اور بھائی اسے ایک بوجھ سمجھتے ہیں اور وہ زندگی کا خاتمہ کرنے کا سوچ رہی تھی جب اللہ نے مدد کے طور پر اس کی ملاقات

جب اسنے لوگوں کو نوکری دینے والا ارش خود نوکری کی تلاش میں دھکے کھاتا پھرے گا۔ شرمین کو لگا تھا جیسے می ارش کی اس حالت کو اس کی سزا کے طور پر تعبیر کریں گی لیکن ایسا کچھ نہ ہوا کیونکہ شاید وہ نہیں جانتی تھی کہ ماں ہی ایک ہستی ہے جو اولاد کی تمام تر غلطیوں کو تاپیوں اور نافرمانیوں کے باوجود اس سے پیار کرتی ہے اسے اپنی آغوش میں لینے کو بے تاب رہتی ہے اور درگزر کرنے کو ہر لمحہ تیار رہتی ہے۔

”ممی..... ارش کو آپ کا دل دکھانے کی سزا ملی ہے شاید۔“ شرمین کی بات پر ممی نے تڑپ کر اسے دیکھا۔ ”اللہ نہ کرے شرمین، ایسا نہ کہو کہ ممی اسے کوئی سزا ملے بلکہ میں اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتی ہوں کہ اس پر آتی تمام مشکلات مصیبتیں اور مسائل سب دور ہو جائیں۔“ ممی نے بڑے ہی دل سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جس پر بوانے آمین کیا۔

”واقعی ممی ماں ہو تو آپ جیسی کہ ذرا سی ارش پر مشکل کیا آئی فوراً سے ہی دل موم ہو گیا۔“ شرمین نے ستائش سے انہیں دیکھا۔

”میں نہیں شرمین ساری مائیں ایسی ہوتی ہیں اور میں تو اپنے رب کے ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتی ہوں کہ اے مالک میں نے ارش کو دل سے معاف کیا تو بھی اسے معاف فرما کر اس کی زندگی کی تمام مشکلات دور فرما دے آمین۔“

”ہم..... آمین۔“ شرمین نے گہری سانس لیتے ہی ان کے ہاتھ پر چھکی دے کر انہیں اپنے ساتھ کا احساس دلایا اور ساتھ ہی موبائل کی روشن ہوتی اسکرین پر غزنی کی طرف سے نمودار ہونے والا منیج پڑھ کر تو جیسے اس کے چہرے کی چمک میں انوکھا ہی اضافہ ہوا کن اکھیوں سے بوا اور می کا چہرہ دیکھا اور گفتگو جاری رکھنے کے لیے مزید الفاظ ترتیب دینے لگی۔

”اس ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی گزارتے ارش سے اجیہ نے تو شادی ہی دولت کے لیے کی تھی ماں کی اور جب یہ

سب اسے حاصل نہ ہوا تو مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ دن رات ارش کو تنگ کرتی رہتی ہے آپ کے نام کے طعنے دیتی ہے اور اسے کسی بھی قیمت پر مکمل سہولیات والی زندگی حاصل کرنے کے لیے اسے سکون کا سانس تک نہیں لینے دیتی ارش واقعی اس سے شادی کر کے بھنس گیا ہے۔“

”ہائے میرا بچہ اس اجیہ نے اس کی محبت کی بھی قدر نہ کی کہ اس کی خاطر وہ کیسے اپنی آرام دہ زندگی کو لات مار گیا۔“ ارش کے بارے میں اگر کوئی خیر کی خبر ملتی تو بھی کوئی بات تھی لیکن اس کی مشکلات کے بارے میں جان کر تو ممی کا کلیجہ منہ کٹانے لگا تھا۔

”لیکن شرمین..... سب باتیں تمہیں کیسے معلوم ہوئیں۔“ بوا اجیہ سے مل چکی تھیں اس کا گھر دیکھا تھا اس کی اسی سے بات چیت ہوتی تھی اور انہیں ایسا ہرگز نہیں لگا تھا کہ اجیہ کوئی لاچلی لڑکی ہے جو صرف روپے پیسے کی خاطر ارش کو مسلسل ذہنی تشدد کا نشانہ بناتی ہوگی۔

”اسی محلے میں بلکہ اس کے گھر کے سامنے ہمارے دفتر کی صفائی کرنے والی عورت رہتی ہے۔“ شرمین نے جھوٹ گھڑا۔ ”وہ بتا رہی تھی کہ ان کے گھر سے اکثر لڑائی جھگڑے کی آوازیں آتی ہیں جن میں ہمیشہ گھر سے باہر آتی آواز اجیہ ہی کی ہوتی ہے جو ان باتوں پر چلا رہی ہوتی ہے اور میری اجیہ سے ملاقات بھی ہوتی ہے۔“

”کیا تم اجیہ سے ملی ہو؟ ارش بھی تھا وہاں اس سے بھی مل سکی ہو کیا؟“ یہ جان کر کہ ارش کے گھر کا پتا شرمین کو معلوم ہے اب ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فوراً جا کر اس سے ملیں اور اسے بتائیں کہ اس کے بغیر انسان کے گھر میں کوئی رونق باقی رہی ہے نہ زندگی میں۔

”جی ممی..... میں ان کے گھر گئی تھی اجیہ سے ہی ملی ارش موجود نہیں تھا۔“

”مجھے بھی لے چلو وہاں شرمین میں وہاں بیٹھ کر ارش کے آنے کا انتظار کروں گی اور اس سے مل کر ہی سکون پاؤں گی۔“

”ممی اس وقت تو رات ہو گئی ہے دیر سے گھر گئی تو

بھائی غصہ کرے گا اسی لیے ایسا کرتے ہیں کہ میں صبح آفس جانے سے پہلے یہاں آ جاؤں گی اور پھر ایک ساتھ چلیں گے۔“ اسے اندازہ تھا کہ اب ممی اسی وقت جانے پر اصرار کریں گی اس لیے فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور شلڈر بیگ بھی اٹھا لیا۔

”ارے رکو تو سہی کھانا تو کھا لو۔“ ناچاچے ہوئے بھی ممی انہیں ورنہ بددلی اس قدر تھی کہ بات کرنے کو بھی جی نہ مانا۔

”نہیں بوا پہلے ہی میں آج اجیہ اور ارش کو ڈھونڈنے کے چکر میں تنگ کر چور ہو چکی ہوں۔“ اب وہ جلد از جلد ان کے گھر سے نکلنا چاہتی تھی کیونکہ غزنی نے اسے کوئی خوش خبری دینے کے لیے جلد از جلد فون کرنے کا کہا تھا۔

”جھما تم ایک منٹ رکو میں تمہارے لیے کھانا پیک کر کے لے آتی ہوں گھر لے جاؤ وہاں آرام سے کھا لینا۔“ بوا بڑی برق رفتاری سے پچن کی طرف گئیں تو وہ ممی کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

”ارش کو آپ سے ملوانا میری ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کے لیے مجھے کچھ بھی کرنا پڑا کوئی بھی قدم اٹھانا پڑا تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گی بس آپ پریشان نہ ہوں۔“ ”اللہ تمہیں خوش رکھے۔“ ممی نے اسے گلے لگا کر اللہ حافظ کہا۔

بوانے اس کے لیے زکسی کو فٹے پیک کر دیے تھے جو اسے اپنے ساتھ لانے پڑے ممی کی طرف سے گھر چھوڑنے کے اصرار کے باوجود اس نے انہیں زحمت نہ کرنے کا کہا اور خود گیٹ سے باہر نکل آئی جہاں موٹر سائیکل پر بیٹھا غزنی اس کا ہی انتظار کر رہا تھا شرمین نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور بڑے مزے سے موٹر سائیکل پر اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔ چند ہی لمحوں میں وہ دونوں سڑک پر جاتی تھی لائٹوں کا حصہ بن چکے تھے۔

اکیلے گزرنے والی صرف ایک رات ہی کس قدر طویل

ہو سکتی ہے اس بات کا اندازہ اجیہ کو بہت اچھے طریقے سے ہو گیا تھا لیکن پھر بھی وہ یوں کسی کو بھی اجازت نہیں دے سکتی تھی کہ اسے اکیلے ہونے کی بنا پر ہراساں کرے لہذا باوجود اس کے کہ وہ سخت خوف زدہ تھی مگر اس نے دروازے تک جانے کا فیصلہ کیا کہ دیکھے اور صبح محلے میں کسی سے شکایت بھی کرے کیونکہ شگ گلی میں سارے کم آمدنی والے ہی رہائش پزیر تھے مگر سبھی شریف لوگ تھے گلی میں کوئی فضول بات آج تک اجیہ اور ارش نے نوٹ نہیں کی تھی دروازے پر ہونے والی دستک اب تک ختم چکی تھی۔ لہذا بڑی مشکل سے خود کو کھینچے ہوئے پہلے تو اس نے محن کا زرد بلب بند کیا تاکہ باہر سے کوئی اسے نہ دیکھ سکے اور پھر چاند کی بکھری روشنی میں دبے قدموں دروازے کے پاس پہنچی اور دائیں سائیڈ کی جھری پر آ کھ لگادی اور یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس کے دروازے کے سامنے دوسرے سے کتے جو فقاہت کے باعث شاید بھوک بھی نہیں پارے تھے موجود تھے جو تھوڑی تھوڑی دیر بعد دروازے پر بھی آہستہ اور کھمی زور سے پچنے مارنے لگتے جنہیں اجیہ کوئی پر اسرار دستک سمجھنے لگی تھی۔

یہ مسئلہ حل ہوتے ہی اجیہ کو بھوک اور فقاہت کا احساس ہونے لگا تھا لیکن اس کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا کہ کچن سے کوئی چھوٹی موٹی چیز لے کر کھالے جیسے پیسے کرے تک پہنچی تو اس کے ذہن میں یہ سوال گردش کر رہا تھا کہ اگر کبھی کوئی شخص رات کے وقت اسے تنہا جان کر گھر میں داخل ہو جائے دستک دینے کی زحمت کیے بغیر دیوار ہی بھلا لنگ کر آ جائے تو وہ کیا کرے گی؟ یہ سوال ذہن میں آتے ہی جو پہلی سوچ اس کے ذہن میں آئی وہ یہی تھا کہ اسے صبح ہوتے ہی یہ گھر چھوڑ دینا چاہیے لیکن پھر اس کے بعد وہ جائے گی کہاں غیادی اور سب سے اہم سوال تو یہی تھا جس کا جواب بہت دیر سوچنے کے بعد صرف اور صرف دارالامان ہی کی صورت میں ملا کیونکہ آج کل جس طرح کے حالات تھے وہ کسی بھی طور اکیلے رہنے کا رسک نہیں لے سکتی وہ بھی اس طرح کے محلے میں جہاں کوئی اس کا

جانے والا یا ہمدرد بھی نہیں تھا۔

وہ رات اس کی زندگی کی مشکل ترین رات تھی جو اس نے جاکتے ہوئے گزاری اور تمام رات ذہن میں اربش سے ہونے والی پہلی ملاقات سے لے کر صبح ہونے والی آخری ملاقات تک کے مناظر گھومتے رہے اس کی ایک بات اچیر کو یاد رہی تھی اور اس نے بہت کوشش بھی کی کہ اس کی کسی ایک بات پر ہی شک کرے اور اسے بنیاد بنا کر یہ سوچے کہ واقعی اربش اسے چھوڑ کر جا چکا ہے وہ اس سے بدلہ لینا ہی چاہتا تھا اور کام ہو جانے کی صورت میں اس نے ممکن اتارنے کے لیے بیرون ملک کی اڑان بھری تھی اپنی آنکھوں سے اربش کے بیرون ملک جانے کے دستاویزات دیکھ لینے کے باوجود جانے کیوں وہ یہ بات ماننے کو تیار ہی نہ تھی کہ اربش نے اسے دھوکا دیا ہے، جتنی مہربانی نے اس طرز پر سوچنا جاہل دل نے مخالفت کی اور تب اس نے دل اور دل کی تمام تر دلیلوں کے کٹے ہار مان لی۔

ثبوت ہونے کے باوجود وہ اسے مجرم قرار نہیں دے پاتی تھی۔ لہذا تمام تر ہمت جمع کر کے ابھی اور اپنے کپڑے اور بنیادی ضرورت کی چند چیزیں اسی انٹیچی میں ڈالیں تو دل اربش کا تصور کر کے رو دیا۔ یہ سب اچیر نے کب سوچا تھا کہ ایسا ہوگا وہ تو اربش کے ساتھ پوری زندگی گزارنے کی خواہش مند تھی اس نے تو کبھی کسی چیز کی فرمائش یا خواہش تک اربش سے نہیں کی تھی پھر آخر وہ کیوں چھوڑ گیا اسے اور وہ بھی اس کا کوئی بھی قصور کوئی غلطی بتائے بغیر۔

یہ اور بات کہ دشمن میرا ہے آج مگر وہ میرا دوست تھا کل تک اسے برا نہ کہو نہ جانے کون سی مجبوریوں کا قیدی ہو وہ ساتھ چھوڑ گیا ہے تو بے وفا نہ کہو اچیر کے دل کی عدالت نے اربش کو مجرم قرار نہیں دیا تھا مگر اچیر اس سے سخت نفاسی جو اسے دنیا کے تھپڑے کھانے کے لیے بھوکے شیر جیسے حالات کے سامنے ڈال گیا تھا ہر ہلکی روٹی ہونا شروع ہوئی تھی مشکل اس نے اپنا

انٹیچی بیڈ سے اٹھا کر پیچھے رکھا جو کہ بہت وزنی نہیں تھا لیکن کل سے بھوکا ہونے کی وجہ سے اس میں اتنی بھی توانائی نہیں بچی تھی کہ بھولت سے انٹیچی ہی رکھ پاتی اس پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ انٹیچی میں پیسے لگے تھے جس کی وجہ سے وہ آرام سے اسے لے کر جا سکتی تھی۔

گھر سے نکلنے سے پہلے اس نے بڑی سی چادر میں خود کو چھپایا بھیگی ہوئی نظروں سے آخری مرتبہ دروازہ دیکھے جہاں اس نے اربش کے ساتھ اپنی زندگی کا قیمتی وقت گزارا تھا صحن میں بڑی اینٹیں جن پر اکثر لوڈ شیڈنگ کے دوران وہ دونوں آکر بیٹھا کرتے تھے وہ روشن دان جہاں سے آسمان کا ایک ٹکڑا ان دونوں کو دیکھا کرتا تھا وہ ہر ایک چیز سے مانوس ہو چکی تھی کہ اذان سنانے والا اور گلیوں جھپکاتے ہوئے چادر کے پلو سے آنکھیں رگڑتی وہ گھر سے باہر گلی میں آگئی وقت چونکہ صبح کا تھا اس لیے گلی میں خاموشی تھی اور یہی وہ جا تھی جہاں وہ نہیں جاتی تھی کہ لوگ انٹیچی لے کر اسے جاتا دیکھ کر کسی بھی قسم کا کوئی سوال کر رہا لہذا تیز قدموں سے چلتے ہوئے وہ بس اسٹاپ پر جا پہنچی اور یہ جانے بغیر کہ بس کہاں جا رہی ہے انٹیچی سمیت اس میں سوار ہو گئی۔

ویسے بھی وہ یہ بات پوچھتی ہی کیوں کہ بس کی منزل کون سی ہے جبکہ اس کی اپنی کوئی منزل نہیں تھی اور اب بس میں بیٹھ کر ہی اس نے طے کرنا تھا کہ اتنے بڑے شہر کے کون سے دارالامان میں اسے پناہ لینی چاہیے جہاں عزت سے سر چھپایا جاسکے چہرے کو نقاب سے ڈھانپے وہ کھڑکی سے باہر منہ کیے ہوئے تھی کہ ساتھ والی سیٹ پر ایک خاتون دو سالہ بچے کے ساتھ انٹیچی بس کے ابھی بھرنے کا انتظار کیا جا رہا تھا اور خواتین ذرا باتونی قسم کی واضح ہوئی تھیں لہذا پہلے تو بچے کے ساتھ مصروف رہیں پھر اسے مخاطب کر لیا اور پہلے اپنے بارے میں تفصیل بتانے لگیں۔

”میں مبینہ کے پہلے ہفتے ہمیشہ آتی ہوں اپنے بھائی کے پاس ہفتہ کا دن بھی ایک ساتھ گزارتا ہے تو اگر کبھی اور

پھر پیر کے روز صبح سویرے بھائی بس پر بیٹھا جاتا ہے اور میں اپنے گھر پہنچ جاتی ہوں یوں سمجھو مبینہ کے دو روز بھائی کے پاس گزار لوں تو باقی پورا ماہ اچھا گزارتا ہے یقین کرو بھائی بھانجہ دونوں اتنے اچھے ہیں کہ میں تو سارا سارا دن بھی دعا کیں دیتی رہوں تو نہ ٹھکوں۔“ وقت گزاری کے لیے اچیر کو بھی ان کا ساتھ بہترین لگا تھا جیسا سر ہلا کر اپنی دلچسپی ظاہر کرتی رہی۔ ”تم کہاں جا رہی ہو، اکیلی ہو کیا؟“

”میں وہ..... میں بھی اپنی امی کے پاس جا رہی ہوں۔“ اچیر نے مصلحتاً جھوٹ بولا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اصل بات بتا کر پھر ہمدردی بھرے الفاظ اور ترس والی نظریں برداشت کرنی رہے۔

”اچھا واہ بھئی واہ اور لگتا ہے مبینہ مھر رہنے جا رہی ہو، اسی لیے انٹیچی بھی ساتھ ہے یہ تمہارا ہی ہے ناں؟“ بات پہلے کی اور تصدیق بعد میں کرنے کا خیال آیا اچیر کو وہ ایک دلچسپ خاتون لگ رہی تھیں جن کے پاس بیٹھ کر شاید کوئی بورن ہو بس ان کی طرح طرح کی باتیں سنی ہی رہے گی۔

”جی میرا ہی ہے۔“ اور اس کے بعد خاتون نے جو بولنا شروع کیا تو اسے گھر سے لے کر خاندان والوں تک کی باتیں کرنی ہی چلی گئیں اچیر کو لگنے لگا کہ جب یہ بس رک جائے گی تب وہ بھی کسی نہ کسی طور ان کے خاندان کا ہی کوئی فرد لگنے لگے تھی اور اس نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ بس کا آنے والا اسٹاپ ہی طے کرے گا کہ اس کی زندگی کا اگلا اسٹاپ کہاں ہوگا، ان خاتون سے باتوں میں اس نے جو دارالامان کا پوچھا تھا تو وہ بھی آخری اسٹاپ کے ہی نزدیک تھا۔

لیکن ان کی باتیں سنتے ہوئے اچانک سے اچیر کو جانے کیا ہوا کہ وہ مکمل طور پر ان خاتون پر لڑھک گئی پہلے تو اس نے خوب کوشش کی کہ کسی طریقے پر اچیر ہوش میں آئے لیکن جب ایسا نہ ہوا تو وہ کھڑی ہو کر شور مچانے لگی اور ڈرائیور سے درخواست کی کہ کسی بھی زبردستی اسپتال کے سامنے اسے اتار دے۔ ڈرائیور بھی کوئی اللہ کا ایسا بندہ تھا جس کے دل میں ابھی اللہ کا خوف موجود تھا لہذا اپنے طے

شدہ روٹ میں تبدیلی کر کے بس کو اس سڑک پر ڈالی جہاں کم سے کم وقت میں اسپتال تک جاسکتا ہو سارے مسافر ڈرائیور کو سہرا رہے تھے اور اسے بتا رہے تھے کہ اگر انہیں اپنے اپنے اسٹاپ پر پہنچنے میں کچھ تاخیر بھی ہو جائے تو خیر ہے لیکن اس نے بس کو اسپتال کی طرف موڑ کر بہترین کام کیا ہے۔ چند ہی منٹوں میں بس اسپتال کے بالکل سامنے آرکی ایک مسافر برق رفتاری سے اسپتال کے اندر سے اسٹریچر لے آیا اچیر کو خواتین کی مدد سے باہر کھلا گیا اور پھر اسٹریچر پر لیٹایا گیا۔ وہ ابھی تک بے ہوش تھی مسافروں کو کچھ خبر خاتون نے اس کا انٹیچی بھی اترا دیا اور اسٹریچر کے ساتھ کھینچی ہوئی اسپتال میں داخل ہوئی لیکن نہیں جانتی تھیں کہ اب کرنا کیا ہے اور اسٹریچر لے کر جانا کہاں ہے ابھی وہ اسپتال کے اندرونی حصے میں داخل ہو کر اس سے پہلے کہ کسی نرس کی طرف متوجہ ہوتی سامنے سے آتی جنین کو دیکھا تو لپک کر بولی۔

”بہن سنو..... میں بس میں جا رہی تھی یہ لڑکی میرے ساتھ بیٹھی تھی بے ہوش ہو گئی تو دوسرے مسافروں کی مدد سے اسے یہاں لے آئی ہوں مگر اب میں نے بھی گھر جانا ہے بس پہلے ہی جا چکی ہے اب دوسری بس پکڑوں گی وقت پر نہ پہنچ سکی تو میرے شوہر بہت پریشان ہوں گے کہ وہاں سے تو بھائی نے بٹھا دیا تھا تو پھر میں گھر کیوں نہیں پہنچ سکی ننھے بچے کا ساتھ ہے اتنی دیر یہاں وہاں آنے جانے پر یہ بیمار نہ ہو جائے اور میرا تو پہلے بھی ایک ہی بیٹا ہے شادی کے چار سال بعد ہی تو پیدا.....“ ابھی ان کی باتیں جاری تھیں کہ جنین کو کوننا پڑا۔

”ان سب باتوں سے میرا کیا واسطہ ہے آپ کیوں مجھے یہ کہانی سنارہی ہیں۔“

”صرف اس لیے کہ اسے اسپتال میں داخل کرادو باقی نرسیں خود دیکھ لیں گی۔“ ابھی ان خاتون نے اتنا ہی کہا تھا کہ کاؤنٹر پر موجود نرسز اور وارڈ بوائز متوجہ ہوئے اور اس سے پہلے کہ وہ قریب آ کر کوئی سوال جواب کرتے جس طرح بوکھلاہٹ میں جنین نے اسے داخل ہوتے دیکھا تھا

اس سے کہیں زیادہ بولکھا ہٹ کے ساتھ بچے کو سنبھالا اور منظر سے غائب ہو گئی۔

”سسر یہ لڑکی شاید بس میں بے ہوش ہو گئی تھی اور یہ خاتون کسی طرح اسے یہاں لے آئیں۔“ اس سے پہلے کہ نرس پوچھتی جین نے خود ہی آگاہ کر دیا تھا ویسے بھی وہ کافی دنوں سے اسپتال میں تھی اور تمام اسٹاف سے اس کی اچھی خاصی واقفیت ہو چکی تھی اس وقت کمرے کی صفائی کا وقت ہوا تو وہ چار پانچ منٹ کے لیے کمرے سے نکل آئی تھی۔

”اوہ مائی گاڈ لیکن اس کی کوئی شناخت وغیرہ؟“ نرس نے پریشانی سے اس کے چہرے پر بڑی چادر ہٹا کر اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا تو جیسے جین نے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ کیا واقعی اس وقت اس کے سامنے اچھی ہی ہے اور ہاں اگر وہ سو فیصد اچھی ہی ہے تو یوں اس حالت میں، جین حیرت سے منگ کھڑی تھی جب وارڈ بوائے کی آواز اس کے کانوں سے نکل گئی۔

”سسر میرا خیال ہے شناخت بعد میں معلوم کر لیں گے لیکن پہلے ضروری ہے کہ مریض کو کم از کم ابتدائی طبی امداد دی جائے ہوش میں لانے کی کوشش سب سے زیادہ ضروری ہے۔“

”سسر..... یہ..... یہ بہن ہے میری میں جانتی ہوں اسے یہ میری سگی بہن ہے۔ اچھی..... اچھی سکندر نام ہے اس کا پلیر آپ لوگ اسے خوری طور پر چیک کریں میں اس کی بہن ہوں جین سکندر۔“ اس کی بات سننے ہی اسٹریچر کو امبرجنسی کی طرف دوڑا دیا گیا تھا وارڈ بوائے نے کورڈور کے پتھوں بچ رکھے اسٹیج کو اٹھا کر کاؤنٹر پر موجود نرس کے حوالے کیا اور خود اپنی دیگر پیشہ وارانہ ذمہ داریوں کی طرف متوجہ ہوا جین البتہ اسٹریچر پر لیٹی اچھی کے ساتھ ہی تھی اور وہ سمجھ ہی نہیں پاری تھی کہ اربش جیسے امیر کبر انسان کے ساتھ شادی کرنے کے بعد اچھی اس حالت تک کیسے پہنچی اور پھر اس کا حلیہ تو کسی بھی عام مڈل کلاس لڑکی جیسا تھا

اسے دیکھ کر تو کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ ایک اونچے اور کھاتے پیتے گھرانے کی اگلی بیوی ہے۔

”کیا اچھی کی آزمائش ابھی تک ختم نہیں ہوئی۔“ اچھی کے نزدیک چہرے پر نظریں جمائے جین نے خود سے سوال کیا آنسو اس کی آنکھوں سے کسی لڑکی کی طرح مسلسل بہہ رہے تھے لیکن اس کے باوجود دل ہلکا ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اچھی کے گلے لگ کر دھاڑیں مار مار کر روئے کہ کسی طور اسے صبر آتا نرس نے فوری طور پر اچھی کا ٹمپر چر بلڈ پریشر اور شوگر کیول چیک کر کے اسے ڈرپ لگا دی تھی۔ جین اب تک اچھی کے پاس ہی تھی اور مسلسل رو رہی تھی جب ایک نرس جواب تک اس کی دوست بن چکی تھی کمرے میں آئی۔

”جین کمرے کی صفائی ہو گئی ہے آپ چاہیں تو کمرے میں جاسکتی ہیں کیونکہ ابھی میں نے آپ کے ہسپتال کو بھی کمرے میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔“ جین نے سر ہلاتے ہوئے آنسو پونچھے۔

”یہ پوچھت میری سگی بہن ہے اور اس کا نام اچھی سکندر ہے جیسے ہی اسے ہوش آئے پلیر مجھے فوراً بتا دینا۔“ اس کے انداز میں بے تاب تھی۔

”ہاں ضرور کیوں نہیں، میں خود بتانے آ جاؤں گی۔“ نرس کے کئی دینے پر وہ لب بچھنے کمرے سے نکلی تو غزنی کو بغیر دینے کے لیے بے چین تھی اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طور یہیں کھڑے کھڑے غزنی کو آواز دے کر بتائے کہ یہ دیکھو اچھی اس کے سامنے ہے اور یہ سب یقیناً اسی لیے تھا کہ وہ نہیں جانتی تھی کہ غزنی اس وقت اچھی کے معاملے میں کہاں تک انوالوہ ہے۔

ارباش اس وقت ایئر پورٹ کے اسی کمرے میں موجود تھا جہاں اسے کل لایا گیا تھا اور اب تک نہ تو کوئی کارروائی شروع کی گئی تھی اور نہ ہی مزید کسی بھی قسم کی تفتیش ہوئی تھی شام سے رات اور رات سے صبح ہو گئی تھی مگر وہ اس خالی کمرے میں چند کمپیوٹرز کے ساتھ ایک کرسی پر بیٹھا تھا کبھی

اٹھ کر کمرے میں ٹیبلٹ لگاتا اور کبھی پھر سے اسی کرسی پر بیٹھتا اس کا فون بھی لے لیا گیا تھا ورنہ کم از کم حسن کو فون کر کے اس کے کراچی بچپن کے بارے میں ہی معلوم کر لیتا اور پھر اس کے ذریعے اچھی کی خیریت کا پتا چلتا تو بے سکون ہو جاتا مگر ایسا نہ ہوا۔ اور اب یہ حالت تھی کہ اس کی کمرشید درد کر رہی تھی ساری رات اسے کوئی جگہ نہ ملی جہاں دو گھنٹی ہی ابھی گزر رہی تھی۔

وہ بالکل بھی یہ سب سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ خراس کے ساتھ ہو کیا رہا ہے۔ پہلے اس کے بیگ سے اس پیکٹ کا ٹکٹا ہی غلط پھر اس کے بعد کوئی قانونی کارروائی نہ ہونا اور پوں اسے کمرے میں بند کر دیا جانا اربش کے ذہن میں ٹھنوک شبہات پیدا کر رہا تھا۔ ابھی وہ انہی سب باتوں پر غور کر رہا تھا کہ وہی دو آفیسرز جو کل اس کے پاس تھے۔ ایک دم سے دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئے۔

”ہاں بھی کیسے ہیں آپ؟“ ایک آفیسر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“ اربش ابھمن کا ڈکار تھا اور یہ ابھمن اب اس کے چہرے سے بھی غیاں تھی۔

”کیا ہوا..... کیا ہو رہا ہے؟“ دوسرے آفیسر نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کیا۔

”پہلی بات تو یہ کہ وہ پیکٹ میرا نہیں ہے اور میں یہ بات کل سے آپ کو کئی مرتبہ بتا چکا ہوں کہ میرا یقین کیسے۔“

”جی ٹھیک ہے کر لیا یقین اور دوسری بات؟“ آفیسر مذاق کے مؤذ میں تھا جبکہ تمام رات جاگنے کی وجہ سے اربش کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

”دیکھیے میں سنجیدہ ہوں۔“

”تو ہم کون سا یہاں آج ڈرامہ کر رہے ہیں ہم بھی تو سنجیدہ ہی ہیں ناں آپ اپنی بات مکمل کریں۔“ اربش نے اس کی بات پر پناہ نہ دی اسے دیکھا مگر وہ مزید بحث کر کے معاملہ بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔

”اور دوسری بات یہ کہ تمام رات مجھے اس کمرے میں بند رکھنے کا مقصد کیا ہے پوچھ سکتا ہوں؟“

”اعتراف تمام رات بند رکھنے پر ہے یا پھر اس کمرے میں بند رکھنے پر؟“

”دیکھیں میں آپ سے درخواست کرتا ہوں خدا میرے ساتھ انصاف کیجیے میں قصور وار نہیں ہوں لیکن مجھے ذہنی اس کیس میں پھنسا یا جا رہا ہے۔“

”کون پھنسا رہا ہے آپ کو ایسا کون ہے جو آپ کو اتنے بڑے جرم میں ملوث کر رہا ہے۔“ آفیسر نے ایک نظر دوسرے آفیسر کو دیکھا اور پھر اربش کے چہرے پر اپنی نظریں مرکوز کر دیں۔

”جی تو سارا مسئلہ ہے کہ مجھے تو کسی پر شک بھی نہیں ہے کیونکہ میری آج تک کسی سے دشمنی تو دور کی بات لڑائی تک نہیں ہوئی اور اسی لیے تو مجھے سخت حیرت ہے کہ پھر ایسا کون ہے جو میرے خلاف اس حد تک جا رہا ہے۔“

”ہم..... ڈونٹ وری..... سب بہتر ہو جائے گا پہلے تو آپ ہمارے ساتھ چلیں تاکہ آپ کو کم از کم اس کمرے سے نجات ملے۔“

”لیکن کہاں؟“ وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”یہ بتانا ضروری نہیں ہے میں آپ کے چلوں گا اور آپ مجھے فالو کریں گے آپ کے پیچھے یہ چلیں گے اس لیے کسی بھی قسم کی چالاکیاں یا بھاگ دوڑ کا خیال بھی دل میں لانے کی ضرورت نہیں ہے اگر کوئی شور مچا رہا ہو تو نتائج کی ذمہ داری آپ کی ہی ہوگی سمجھے۔“ اربش کو سمجھو نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے لیکن پھر بھی اس نے صرف یہاں سے نکلنے کے خیال سے ہی خوش ہوتے گردن ہلا دی، کیونکہ یہ تو وہ خود بھی چاہتا تھا کہ کسی طور اس کا معاملہ اس کمرے سے نکل کر پولیس اسٹیشن یا عدالت تک جائے تاکہ اسے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا موقع ملے وہاں جا کر وہ کم از کم حسن سے بھی رابطہ کر سکتا تھا اور اسے تمام صورت حال بتا کر معاملہ حل کرانے کی کوشش کا بھی کہہ سکتا تھا۔ سب سے پہلے

اولاد زینہ، تھیلیسیمیا، اٹھرا کا کامیاب علاج



شہادت نمبر 1 ہمارے ہاں یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں پیدا ہوئیں چونکہ دونوں بیٹیاں -مجمرا پریشن سے پیدا ہوئیں تھیں جسکی وجہ سے ہم بہت پریشان تھے اور اولاد زینہ کی شدید خواہش تھی - میڈیا کے ذریعے معلوم ہونے پر ہم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کی خدمت میں کوٹ ادو حاضر ہوئے۔ دعا کرائی اور علاج حاصل کیا اللہ تعالیٰ کے فضل سے علاج کامیاب ہوا اور مورخہ 3 ستمبر 2016ء کو تندرست بیٹا محمد ابراہیم پیدا ہوا۔ یہ علاج کامیاب اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

تندرست بچہ محمد ابراہیم ولد ماہاں امصرتلی

فنیسیاب ماہاں امصرتلی ولد ماہاں بشیر احمد قوم ارائیں موضع ماہاں پور تحصیل دنیا پور ضلع لودھراں 0301-7571324

شہادت نمبر 2 ہمارے ہاں مسلسل 3 بیٹیاں پیدا ہوئیں اولاد زینہ کی شدید خواہش تھی - میڈیا کے ذریعے

معلوم ہونے پر حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کی خدمت میں کوٹ ادو حاضر ہوئے دعا کرائی اور علاج حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے علاج کامیاب ہوا اور مورخہ یکم ستمبر 2016 کو تندرست بیٹا ”محمد“ پیدا ہوا۔ یہ علاج کامیاب اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

فنیسیاب محمد رفیق ولد نور محمد قوم سیال بلاک ڈی ایکس گلشن اقبال رحیم یار خان

0304-7042812

تندرست بچہ ”محمد“ ولد محمد رفیق

یہ طریقہ علاج ان کیلئے ہے جن کے ہاں مسلسل بیٹیاں پیدا ہوں اور بیٹے نہ ہوں یا بچے زندہ نہ رہے ہوں یا بچے گرجھ خرابی کی وجہ سے پیٹ میں خراب ہو جاتے ہوں یا تھیلیسیمیا کا عارضہ لاحق ہو۔

نوٹ: اولاد زینہ کیلئے شدید خواہش مند حضرات جن کے بچے -مجمرا پریشن سے پیدا ہوتے ہوں اور چانسز کم باقی ہوں تو انہیں علاج درجہ اول حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور جن کے بچے زندہ نہ رہے ہوں یا گرجھ خرابی کا عارضہ لاحق ہو تو انہیں امید ہونے پر بروقت علاج حاصل کرنا ضروری ہے۔

حصول علاج کیلئے ایڈریس

مرکزی جامع مسجد چوک کالی پل جی ٹی روڈ کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ رابطہ نمبر: 0331-6002834 ہمارا مقصد صرف قرآن و سنت کی روشنی میں کامیاب طریقہ علاج سے فنیسیاب کو لوگوں کی شہادتوں و ثراٹ سے اولاد زینہ کے خواہش مند حضرات کو آگاہ کرنا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اولاد زینہ جیسی نعمت سے مستفید ہو سکیں۔ ضرورت مند انٹر نیٹ پر دی گئی تفصیلات سے بھی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

جسکا ایڈریس یہ ہے: www.facebook.com/male progeny through the means of Quran and sunnah

تحریر: طارق اسماعیل بھٹہ پریس رپورٹر کوٹ ادو

آفیسر نے کمرے سے باہر نکل کر دائیں بائیں دیکھا اور پھر بڑی ہی خود اعتمادی کے ساتھ باہر نکلا۔

ارٹھ سمیت دوسرے آفیسر نے بھی اس کی تقلید کی تھی اور وہ تینوں تیز قدموں سے چلتے ہوئے آئیر پورٹ کے پیرونی حصے تک آ پہنچے چلتے چلتے کہاں سے وہ لوگ یوں ایک دم آئیر پورٹ سے باہر نکل آئے تھے یہ ارٹھ کو اندازہ نہیں ہوا تھا۔ سامنے ہی ایک چھوٹی سی گاڑی تھی جسے کھول کر وہ خود بھی اس میں بیٹھے اور پچھلی سیٹ پر اسے بھی بٹھالیا تھا۔

”کیا ہم پولیس اسٹیشن جا رہے ہیں؟“ اس کی بات پر ان دونوں نے زیر لب مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھا اور ایک نے ڈرائیونگ شروع کرتے ہوئے عقبی شیشہ سیٹ کرتے ہوئے اسے اسدیکھا۔

”جہاں جا رہے ہیں وہ جگہ دیکھ لو گے تم بھی بس اب زیادہ سوال جواب کر کے میرا دماغ مت کھانا۔“ گاڑی میں بیٹھے ہی اس کی بات چیت کا انداز ہی بدل گیا تھا اور وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ سب کچھ جو بھی ہو رہا ہے غلط ہو رہا ہے اور قانون کا اس تمام معاملے میں کوئی لینا دینا نہیں ہے لہذا آریا پار ہونے کا سوچتے ہوئے اس کے ذہن میں یہی خیال آیا کہ چلتی گاڑی سے کود جائے تاکہ ان دونوں سے بھی نجات مل سکے۔ ابھی وہ یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ کسٹ گے بیٹھے ہوئے دونوں افراد میں سے ایک نے اپنا مکمل رخ اس کی طرف کیا اور بولا۔

”گاڑی کے پچھلے دونوں دروازے خراب ہیں اور صرف باہر سے ہی کھل سکتے ہیں اگر تم اندر سے انہیں کھول پاؤ تو یقیناً یہ ایک معجزہ ہوگا۔“ اس کی بات سن کر ارٹھ کے ذہن میں آیا مقصود یہں تو ڈر گیا تھا۔

”لیکن آپ لوگ یہ سب کیوں کر رہے ہیں میرے ساتھ، آخر میں نے آپ کا کیا لگاڑا ہے پلیز مجھے کچھ تو بتائیں کہ میری غلطی میرا قصور کیا ہے جس کی سزا مجھے دی جا رہی ہے میں نے ایسا کیا کر دیا ہے۔“

”تم بس خاموش رہو ابھی کچھ ہی دیر میں ساری آوارہ عاشقوں کی طرح دھیمی دھیمی مسکراہٹ لیوں پر

سجائے خواہ مخواہ رومانیک تاثر دینے کی کوشش میں ہلکان ہو رہے تھے۔

”لو بھئی، یہ صبح ہی صبح کہاں سے آ کر رستہ کاٹ گیا اب بس اللہ ہم پر رحم ہی کرے اور دن اچھے طرے لے کر گزر جائے۔“ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئے انہیں دیکھ کر گاڑی کے پاس ہی رکنے کو ترجیح دیتے ہوئے خود کلامی کی۔

”سکندر صاحب آپ کو پہلے بھی کہا تھا کہ اپنی عمر کا کچھ لحاظ کر لیا کریں آپ کی عمر میں یہ چونچلے انتہائی واہیات معلوم ہوتے ہیں سمجھتے آپ؟“

”سمجھ تو میں گیا ہوں لیکن جو عمر ان چونچلوں کی تھی وہ تو تم نے ضائع کرادی تو پھر اس میں قصود اور کون ہوا میں یا تم؟“ وہ تو شاید فارغ ہو کر آئے تھے اور لمبی بات چیت کے موڈ میں تھے جبکہ می جلدی میں تھیں اس لیے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولیں۔

”میں اس وقت کہیں جا رہی ہوں، بہتر ہوگا کہ آپ رستہ چھوڑ دیں۔“

”اتنی صبح کہاں جا رہی ہو؟“

”میں آپ کو بتانے کی پابند نہیں ہوں سکندر صاحب۔“ وہ ان کی ہٹ دھرمی سے مزح ہوئیں۔

”میں بھی صبح صبح اسپتال ہی جا رہا ہوں حنین اپنی ماں کے پاس اسپتال میں ہی رہتی ہے اکثر..... تو میں پھر حنین کی خیریت معلوم کرنے چلا جاتا ہوں۔“ انہوں نے بغیر می کے پوچھے خود ہی بتایا۔

”صرف حنین کی؟“

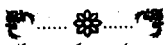
”ہاں کیونکہ اس عورت میں مجھے اول روز سے ہی کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوتی۔“

”ہمم.....“ می نے گہرا سانس لیتے ہوئے کچھ سوچا اور پھر بولیں۔

”کون سے اسپتال میں ہے حنین اور اس کی ماں۔“ جان بوجھ کر می نے اپنے لہجے میں ان دونوں ماں بیٹی کے لیے کھردرا پن نمایاں کیا تھا تا کہ سکندر صاحب کو ان کی

طرف سے کوئی ہمدردی والی فیڈنگ نہ آئے اور یہی ہوا جس کھر درے پن کے ساتھ می نے پوچھا تھا اسے بڑھ کر رکھائی سے جواب ملا تو می کو یوں لگا جیسے سارے خزانے ملنے کا دن آج ہی ہے۔

انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے ہی ذہن میں وقت کو ترتیب دیا کہ آج سب سے پہلے اریش کے گھر جا کر اس کے بعد وہ اپنی بہن سے ملنے اسپتال جائیں گی۔ البتہ اسکول کی وائس پرنسپل کو اپنے تاخیر سے پہنچنے کے بارے میں وہ رات کو ہی آگاہ کر چکی تھیں لہذا بے فکر تھیں۔ اسی دوران انہیں شرمین رکشے میں بیٹھ کر آتی نظر آئی تو سکندر صاحب کو اللہ حافظ کہہ کر وہاں سے بمشکل ہٹایا اور وقت ضائع کیے بغیر شرمین کو بھی ساتھ لیا اور گاڑی سڑک کی طرف لے آئیں۔



جب سے حنین اجیہ کو چھوڑ کر اپنے کمرے میں آئی تھی اس وقت سے مسلسل ہی دعائیں کیے جا رہی تھی، ساتھ ہی آنسو بھی جاری تھے اور دعائیں بھی اور یہ دعائیں وہ با آواز بلند کر رہی تھی کیونکہ کمرے میں آتے ہی اس نے سب سے پہلے امی کو بتایا تھا کہ اجیہ بھی اسی اسپتال میں ہے اور اسے دعاؤں کی سخت ضرورت ہے اور وہ آواز کے ساتھ دعا مانگ بھی اسی لیے رہی تھی کہ امی کم از کم دل ہی دل میں آمین کہہ دیں۔ اور اسے مکمل یقین تھا کہ امی اس کی ہر ہر دعا پر دل میں اور دل سے آمین ضرور کہہ رہی ہیں اور ماں کی دعا تو بنا کسی رکاوٹ عرش تک پہنچتی ہے وہ دونوں ہاتھ دعا کے لیے پھیلا کر اجیہ کی صحت و سلامتی کے لیے دعا مانگ رہی تھی جب جنس نے اسے کمرے میں آ کر بتایا۔

”مریض کو ہوش آ گیا ہے۔“

”اوہ میرے اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔“ حنین نے جذبات میں آ کر فوراً ہی امی کا ہاتھ چوم لیا تھا۔

”امی، میں اجیہ کو دیکھ کر آتی ہوں۔“ حنین کی بے چینی عروج پر تھی اس نے امی کے سامنے اس بات کا تو اظہار کیا تھا کہ اجیہ بھی اسی اسپتال میں ہے لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں



ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دلچسپ پرفارمنس کرینگے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 600 روپے

امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

6000 روپے

میڈل ایسٹ ایشیائی افریقہ یورپ کے لیے

5000 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ، مانی آرڈر، مینی گرام

ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔

مقامی افراد دفتر میں نقد ادائیگی کر سکتے ہیں۔

رابطہ: طاہر احمد قریشی..... 0300-8264242

نئے آف گروپ آف سبلی کیشنز

کسٹمر سروس: 7-فری چیئر نمبر: 922-35620771/2

فون نمبر: 922-35620771/2

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

circulationngp@gmail.com

میں بہت ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا اور امی کو بھی بے تھک سنا میں اور پھر بس امی کی برداشت ختم ہو گئی ان کے اعصاب مزید بوجھ نہ سہار پائے اور جواب دے گئے وہ بے ہوش ہو گئی تھیں۔

”کیا..... کیا..... کبہ رہی ہو تم حنین امی تب سے اسپتال میں ہیں؟“ اجیہ کو امی کی حالت کے بارے میں جان کر بہت صدمہ ہوا تھا اور اس کا بس چلتا تو ابھی بھاگ کر ان کے پاس پہنچ جاتی۔

”ہاں جی سے اسپتال میں ہی ہیں شروع میں تو حواس بالکل کام نہیں کر رہے تھے مگر اب ڈاکٹر کہتے ہیں کہ وہ سننے کی اور محسوس کرنے کی صلاحیت کو استعمال کر رہی ہیں لیکن اب تک آنکھیں نہیں کھول پار ہیں۔“

”مسٹر..... مسٹر.....“ حنین کی بات کے جواب میں اجیہ نے پاس سے گزرتی نرس کا دوازہ دے کر پاس بلایا۔

”کیا بات ہے۔“ وہ دوسرے بیڈ پر مریضہ کو انجکشن لگانے جا رہی تھی اس کے بلانے پر بد مزہ ہوئی جو اس کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہو رہا تھا۔

”کیا میں بیڈ پر اتار سکتی ہوں؟“

”خیریت، واش رووم جانا ہے کیا۔“

”نہیں لیکن میں چاہتی ہوں کہ آپ میری ڈرپ اتار دیں مجھے اب اس کی ضرورت نہیں ہے میں بیڈ سے اترنا چاہتی ہوں۔“

”بی بی مریض ہو تو مریض ہی رہو خود کو ڈاکٹر سمجھنے کی غلطی نہ کرو۔“

”نہیں، نہیں..... ایسا تو بالکل بھی نہیں ہے لیکن پلیز آپ میری پرابلم سمجھیں میری ماں بھی اسی اسپتال میں ہے اور سخت بیمار ہے میں ان سے ملنا چاہتی ہوں فارگاہ سیک میری ڈرپ اتار دیں۔“ وہ روپاسی ہوئی تھی اور جب سے اسے پتا چلا تھا کہ امی بھی اسی اسپتال میں ہیں تو اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ خود ہی اپنے بازو میں لگی سوئی کھینچ چھینے۔

”دیکھو، بی بی مانتی ہوں کہ تمہاری ماں بیمار ہے

”یا اللہ تیرا شکر ہے اللہ اسے جزائے خیر عطا کرے۔“

اجیہ نے دل سے اس خاتون کے لیے دعا کی۔

”لیکن اجیہ تم اور یہ سب..... تمہارے سرال والے کہاں ہیں جو تم یوں اکیلی بسوں کے دھکے کھا رہی ہو؟“ حنین کے آنسو تو ویسے بھی مشہور تھے کہ نازا راسی بات پر رونے لگتی لیکن آج تو اجیہ کو دیکھنے کے بعد واقعی اس کے آنسو نہیں رک رہے تھے اچھے لپٹی ہوئی تھی اور وہ اس پر جھک کر اس کے گلے لگ گئی تھی اجیہ نے اپنا دوسرا بازو اس کے گرد لپیٹا اور ہاتھ سے اس کی کمر سہلانے لگی۔

”پہلے تم اپنا رونا دھونا بند کرو۔ ورنہ میں بھی یہاں رونے لگ گئی ناں تو وارڈ میں موجود سب مریض گھبرا جائیں گے۔“ اجیہ اسے خاموش کر رہی تھی حنین نے سر اٹھا کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور ہٹ کر بیڈ کے ساتھ رک گئی اسٹول پر بیٹھنے سے پہلے نظر گھما کر چاروں اطراف دیکھا۔ یہ زمانہ جنرل وارڈ تھا اور واقعی تمام خواتین بڑی دلچسپی سے یہ مناظر دیکھ رہی تھیں، حنین نے اپنی آنکھیں پونچھیں اور خاموشی سے اجیہ کو دیکھنے لگی اتنے دنوں بعد اجیہ کو دیکھ کر وہ چاہ کر بھی اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹا پار تھی۔

”میرے متعلق تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے لیکن تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم یہاں اسپتال میں صبح ہی صبح کیا کر رہی ہو جو مجھ سے دیکھ لیا۔“ اجیہ کے سوال پر حنین نے چند لمحوں تک خاموش رہ کر سوچا کہ اب کیا کیا جائے وہ اسے مکمل صورت حال بتائے یا نہ بتائے۔

”بتاؤ ناں حنین تم کچھ بولتی کیوں نہیں؟“ اجیہ کی آواز سے وہ چوکی اور پھر آخر کار سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

”میں یہاں آج سے نہیں ہوں اجیہ اس دن سے اسپتال میں ہوں جس دن تم رخصت ہو کر گھر سے گئی تھیں۔“

”اس دن سے یہاں ہو، کیا مطلب ہے تمہارا کیوں اس دن سے یہاں ہو تم؟“

”دراصل تمہارے جانے کے بعد بابا جانی نے گھر

کن حالات میں اسے دیکھ کر آئی ہے۔

لہذا تقریباً بھاگتے ہوئے وہ اجیہ کے پاس پہنچی جو جنرل وارڈ کے ایک بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔ زرد چہرہ اور آنکھوں تلے حلقے یہ وہ اجیہ تو نہیں تھی جسے انہوں نے ارپش کے ساتھ رخصت کیا تھا اجیہ کو یوں کمزوری میں دیکھ کر حنین کے دل کو کچھ ہوا۔ ایک بازو پر ڈرپ لگی تھی حنین نے دوسرے ہاتھ کو جیسے ہی ہاتھ میں لیا اجیہ نے گھبرا کر ایک دم آنکھیں کھول دیں۔ اور ایسی آنکھیں کھولیں کہ بس پھر کھلی کی کھلی ہی رہ گئیں، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے یا یہ سب حقیقت میں ہو رہا ہے جذبات میں آ کر ایک دم اٹھ کر بیٹھنا چاہا تو ڈرپ کی سوئی نے چہرے کو اسے لپٹے رہنے کا حکم دیا۔

”حنین کیا یہ تم ہو.....! کیا کیا میں واقعی تمہیں دیکھ رہی ہوں؟“ خوشی اور حیرت سے اس کی آواز کانپ رہی تھی اور تقریباً ایسی کیفیت حنین کی بھی تھی۔

”ہاں اجیہ میری بہن یہ میں ہی ہوں، اللہ نے ہماری ملاقات کرانی ہے لیکن دیکھو تو کس مقام پر.....“ وہ رونے لگی۔

”لیکن تم یہاں کیوں ہو، کون سے اسپتال میں اور مجھے یہاں کون لایا؟ میں تو بس میں بیٹھی تھی ناں اور..... اور میرے ساتھ میرا اپنی کیس بھی تھا۔“ اجیہ نے اپنی کی تلاش میں ادھر ادھر نظر پڑا دوزائیں۔

”تمہارا اپنی میرے پاس ہے اور تمہیں یہاں تک ایک خاتون چھوڑ کر گئی تھیں جن کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا تم بس میں بے ہوش ہو گئی تھیں اور جب کسی طرف بچے ہوش میں نہ آئیں تو وہ تمہیں اسپتال پہنچانے پر مجبور ہو گئیں۔“

”اوہ ہاں.....“ اجیہ کو وہ خاتون یاد آ گئی تھیں اور ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ اگر وہ اسے اسپتال نہ لاتیں

اور وہیں سیٹ پر چھوڑ کر اپنے اسٹاپ پر اتر جاتیں تو کیا ہوتا پھر بنجانے وہ جس کو نظر آئی وہ بھی اسی طرح اسپتال لاتا یا نہ لاتا۔

لیکن تم خود سوچو کہ تم بھی تو ماں بننے کے عمل سے گزر رہی ہو، اگر تمہیں کچھ ہوا تو براہ راست اثر تمہارے بچے پر ہی پڑے گا۔“

”اجیہ..... کیا واقعی..... میں خالہ بننے والی ہوں؟“
جینن کے چہرے سے چند لمحوں پہلے والی اداسی دور ہو گئی تھی اور اس کا چہرہ خوشی سے یوں دمک رہا تھا کہ نرس بھی مسکرانے لگی۔

”ہاں بھی تم خالہ بننے والی ہو اس لیے اپنی بہن کو سمجھاؤ کہ اپنا خیال پہلی ترجیح کے طور پر رکھے اپنے لیے نہ سہی تو اپنے ہونے والے بچے کی خاطر ہی سہی۔“ اجیہ کا بازو محبت سے تھپتھپاتے ہوئے نرس مسکرائی اور اگے چل دی۔

”بہت بہت مبارک ہو اجیہ، اتنے سارے مشکل دنوں کے درمیان اس خوشی کی خبر نے تو سمجھو مجھے ہواؤں میں اڑا ڈالا ہے۔“ اور واقعی جینن بھی ایسی کہ جینن نے اس سے مزید کچھ بھی پوچھنے کے بجائے باقی تمام معاملات کو کسی اور وقت کے لیے موخر کر دیا۔
اجیہ بھی مسکرانے لگی تھی مگر وہ جانتی تھی کہ کچھ بھی دیر بعد جینن دوبارہ اس سے اس کے سرسراہ کے متعلق سوال کرے گی اربش کے بارے میں پوچھنے کی اور بھلا وہ اربش کے بارے میں اسے کیا بتا دے گی جبکہ وہ خود اس بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی ڈرپ کے ذریعے قطرہ قطرہ توانائی اس کے اندر اٹھنے لگی تھی مگر حقیقت تو یہ تھی کہ جینن کو دیکھنے اور اسی کو دیکھ لینے کی امید سے ہی اس کے اندر ایک نئی قوت کا اضافہ ہوا تھا وہ خود کو پہلے سے زیادہ مضبوط اور توانا محسوس کر رہی تھی اور جانتی تھی کہ آج اگر وہ خیریت سے دوبارہ جینن کے سامنے موجود ہے تو اس میں صرف اور صرف امی کی دعاؤں کی ہی طاقت ہے ورنہ نہ کراچی جیسے بڑے شہر میں جہاں انسانوں کا سمندر موجود ہو ایک بار کسی سے ٹھکر کر یوں مل جاتا بڑی بات ہے ورنہ انسانوں کے اس ہجوم میں کچھ بھڑیا صفت لوگ بھی ہر وقت تاک میں رہتے ہیں کہ کب کوئی نیا شکار ہاتھ لگے ایسے میں اگر اس کی ملاقات اس فرشتہ صفت خاتون سے ہوگی جو اسے اسپتال تک چھوڑ گئی تو پھر یہ دعاؤں کی بدولت

پیش آنے والی کوئی کرامت نہیں تھی تو بھلا کیا تھا۔

شرمین می اور بوا کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی اب اجیہ کے گھر کی طرف روانہ تھی وہ انہیں رستہ بتاتی جا رہی تھی اور می اس کی ہدایت کے عین مطابق گاڑی کا رخ موڑتی جاتیں آخر میں روڈ سے اتنے کران کی گاڑی نسبتاً تنگ ایک طرف سڑک پر چلنے لگی اور وہاں شرمین نے انہیں تھوڑی ہی دیر بعد رکنے کا کہا۔

”اب آگے گاڑی نہیں جا پائے گی ہمیں پیدل چلنا پڑے گا۔“

”اسی گلی میں رہتا ہے اربش؟“ بوائے گلی کے باہر ہی موجود کچرے کے ڈھیر پر بھینٹائی کھینوں اور پاس ہی کھیتے بچوں کو دیکھ کر پوچھا۔

”جی بوا، اسی گلی میں، بس تھوڑا سا اندر جا کے۔“ وہ بوا کے ساتھ گاڑی سے باہر آ چکی تھی می بھی گاڑی لاک کر کے ان کے ساتھ ہی آ کھڑی ہوئیں۔

”ممی، ہمیں گلی کے کچھ اندر تک جانا ہوگا اجیہ اور اربش وہیں رہتے ہیں۔“ جواب میں می اور گلی کی طرف قدم بڑھا دیے وہ یہ خاموش ہی رہیں اور گلی کی طرف قدم بڑھا دیے وہ یہ حقیقت قبول ہی نہیں کر پا رہی تھیں کہ انتہائی نفاست پسند اربش روزانہ اس کچرے کے ڈھیر کے قریب سے یوں گزر کر آتا جاتا ہوگا وہ بچپن میں بھی صفائی کا اس قدر دھیان رکھنے والوں میں سے تھا کہ کھانا کھاتے ہوئے کپڑوں پر پانی بھی گر جاتا تو اس وقت تک دو بار کھانا کھانا شروع نہ کرتا جب تک می سے اپنے کپڑے نہ بدلے لیتا، یہ بچوں کے اسکول جانے کا وقت تھا لہذا گلی میں بچوں کی آمد و رفت کی وجہ سے خوب روٹی تھی اور سبھی ان تینوں کو یوں غور سے دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی عجیب سی مخلوق ہوں۔

کچھ عرصہ دروازے پر لٹکتے پردوں کی اوٹ سے ان تینوں خوش لباس خواتین کو دیکھ کر حیرت سے سوچ میں تھیں کہ ان کی آمد گئی کے کون سے گھر میں متوقع ہو سکتی ہے اور پھر ذرا سا باہر نکل کر اس وقت تک دیکھتی جب تک کہ

سامنے سے کوئی مرد نہ آتا دکھائی دے۔ گلی کے ذرا سا اندر جا کر شرمین ایک گھر کے سامنے جا کر۔

”یہی گھر ہے اربش کا۔“ گھر کی بیرونی حالت کچھ اتنی اطمینان بخش نہیں تھی شرمین نے ذرا سا دروازے پر دباؤ ڈالا یہی تھا کہ وہ کھلتا ہی چلا گیا اور خود کچن میں داخل ہوتے ہوئے اس نے می اور بوا کو بھی اندر آنے کا اشارہ کیا۔

”گھر کیا تھا بس می کا تو دل ہی بند ہونے لگا تھا وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ اربش یہاں اس گھر میں رہتا ہوگا، یہ زیر تعمیر مکان جو ابھی مکمل بھی نہیں ہوا تھا می کے قدم تو وہیں صحن میں پڑی اینٹوں اور بجری سیمنٹ نے روک رکھے تھے ان کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کس گھر بڑھیں اور کمرے تک جاتیں انہیں معلوم تھا کہ اربش کو گھر سجانے کا کتنا شوق تھا اور گھر میں ذرا سا پھیلا سامان بھی دیکھ کر اس کے چہرے پر کیسی ناپسندیدگی کے آثار ہوا کرتے تھے اور اب یہاں اس گھر میں وہ بھلا کس دل سے رہ رہا ہوگا۔

”آخر اجیہ گئی کہاں؟“ شرمین کمرے سے نکلی تو خود کلاہی کرتے ہوئے بلند آواز میں بولی۔

بوا کچن میں رکھی ایک نمھی سی دپٹی دو پلیٹوں دو چمچوں اور پانی کی آدمی بوتل کو دیکھ کر دل گرفتہ تھیں حالات ایک شہزادے کی آن بان سے زندگی گزارنے والے اربش کو کس مقام پر لے آئے تھے وہ جو اکثر اپنی فرمائش پر بوا سے اپنی پسندیدہ چیزیں چکویا کرتا تھا اب کیا کھانا ہوگا یہ سب تو پورچی خانے کی حالت دیکھ کر ہی واضح ہو رہا تھا۔

دنیا تھیں اس موڑ پر لے آئے گی ایک دن ہنسنا تو بڑی بات ہے رو بھی نہ سکو گے بوا کا دل اس قدر بوجھل ہو رہا تھا کہ واقعی ان کی آنکھ میں آنسو بھی نہیں آ رہے تھے اور نہ ہی وہ اس وقت آنسو بہا کر می کو مزید پریشان کرنا چاہتی تھیں۔

”کیا مطلب ہے شرمین، کہاں ہے اجیہ اور اربش؟“ می نے وہیں ان بد رنگ اینٹوں کے پاس کھڑے کھڑے سوال کیا۔

”اجیہ نہیں ہے کمرے میں اور نہ صرف یہ کہ اجیہ نہیں ہے بلکہ اس کے استعمال کی کوئی بھی چیز اس وقت گھر پر نہیں ہے۔“

”مطلب.....؟“
”مطلب یہ کہ می وہ اپنا سامان سمیٹ کر کہیں چلی گئی ہے چھوڑ گئی ہے یہ گھر ورنہ ابھی کل تک وہ بھی یہیں تھے اور اس کا سب سامان بھی میں خود ہی اس سے۔“

”اور میرا اربش وہ کہاں ہے شرمین مجھے ایک بار اس سے ملو دو پلیز صرف ایک بار.....“ می اب پچھتا رہی تھیں۔

پہلے گلی پھر گھر کی حالت دیکھ کر وہ انتہائی دل گرفتہ تھیں اور خود کو الزام دے رہی تھیں کہ آج اگر اربش اتنی مشکل زندگی گزارنے پر مجبور ہوا تو اس کی وجہ صرف اور صرف وہ خود تھیں آخر کیوں ماں ہوتے ہوئے بھی انہوں نے درگزر سے کام نہ لیا اس مسئلے کا یقینی طور پر کوئی بہتر حل بھی نکل سکتا تھا پھر کیوں انہوں نے کسی اور آپشن پر غور نہ کیا جس سے بچنے کی خاطر وہ پوری زندگی تیاگ سکتی تھیں اس کی خاطر اس کی خوشی کے لیے وہ اس کی پسند پر کپڑا ماز کیوں نہ کر سیں اپنی انا کا بت اپنے ہی بیٹے کے سامنے کیوں کھڑا کر دیا اور پھر اس ساری جنگ میں کیا ہاتھ باندل نہ کوکون حاصل رہا اور نہ ہی بیٹے کو کوئی خوشی ملی صرف ان کی ضد کی وجہ سے آج چار افراد بے سکوئی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

ایک استاد کے طور پر دوسروں کو سمجھانے ہونے والی وہ یہ بات کیوں یاد نہ رکھ سکیں کہ چھوٹے تو غلطیاں کرتے ہیں کیونکہ وہ چھوٹے ہوتے ہیں اب یہ ذمہ داری تو بڑوں کے سر ڈالی گئی ہے کہ وہ ان کی غلطیوں کو اس خوب صورتی سے ہینڈل کریں کہ اس کے تمام نقصانات چھوٹوں کے سامنے یوں ظاہر کریں کہ وہ ان کے بڑے پن کو سلام کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ معاف کرنے کی صفت بھی تو بڑوں ہی کی نشانی ہے کہ جب چھوٹے اپنی کسی غلطی کے بعد سر جھکائے انہیں معاف کرنے کی درخواست کریں تو وہ دھڑکیں مت کسی قسم کے طنز و طعنوں سے پرہیز کریں

دورِ پال کی مسک نبیلہ رانا

بہت پہلے سے ان قدموں کی آہٹ جان لیتے ہیں
تجھے اے زندگی ہم دور سے پہچان لیتے ہیں
طبیعت اپنی گھبراتی ہے جب سنان راتوں میں
ہم ایسے میں تیری یادوں کی چادر تان لیتے ہیں

اچھی خاصی نیند لینے کے بعد بھی نور کی آنکھیں مارے
سستی کے مندی مندی سی تھیں۔ لیکن چائے پینی بھی
لازی تھی۔ ویسے بھی شام ہو چلی تھی۔ وہ ست قدموں سے
چلتی باہر برآمدے میں آئی جہاں اماں دو عورتوں کے ساتھ
بیٹھی آہستہ آواز میں باتیں کر رہی تھیں۔ نور کو غصہ آیا
کیوں کہ اماں کا انداز اور ان عورتوں کے چہرے دیکھ کر ہی
اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کون ہو سکتی ہیں۔ اس کے
اندازے کی تصدیق اس وقت ہو گئی جب اماں نے خود اٹھ
کر دونوں کو بیس بیس سیر کے اناج کے تھیلے بھر کر دیے اور
ساتھ ہزار ہزار کے دو ٹوٹ بھی۔ دونوں عورتوں کے
چہرے کی خوشی قابل دید تھی۔ وہ اماں کو دعائیں دیتیں گھر
سے رخصت ہوئیں تو نور پھولے منہ کے ساتھ اماں کے
پاس آئی۔
”آپ نے فضول میں دنیا جہان کے فراڈ لوگوں کو سر
چڑھایا ہوا ہے۔ آپ نے ان کے کپڑے دیکھے؟ لگ ہی
نہیں رہا تھا کہ یہ محتاج اور ضرورت مند ہیں۔ اب وقت
بے وقت منہ اٹھا کر آ جایا کریں گی۔“ اس کا موڈ بہت آف
ہو رہا تھا۔
”بیٹا انسانوں کے ظاہری حلیے سے ان کی ضرورتوں کا
اندازہ نہیں لگاتے۔“ اماں نے جواباً بڑے پیار اور رساں
سناپنی لاڈلی بیٹی کو سمجھانے کی کوشش کی۔
”اماں یہ لوگ ضرورت مندوں کا حق مارتے ہیں۔“
نور نے منہ بسور کر اپنے موقف پر قائم رہنے کا عندیہ دیا۔
”ہمیں کیا پتہ کون ضرورت مند ہے اور کون اپنی
مجبوری کے جھوٹے رونے رو رہا ہے اور ہم فیصلہ کرنے
والے کون ہوتے ہیں فلاں ضرورت مند ہے بھی کہ نہیں؟
اور کیا اللہ ہمیں ہماری ضرورت دیکھ کر نوازتا ہے؟“ اماں کو
دیہی دھمیا اور غمراہا لہجہ تھا۔
”اماں بندے کا ظاہری حلیہ دیکھ کر ہی اندازہ ہو جاتا
ہے کہ کون محتاج ہے اور کون ڈرامہ کر رہا ہے۔“ اس کی ہٹ
دھری بدستور قائم تھی۔
”نور بیٹا بعض عزت نفس رکھنے والے لوگ اپنی
ضرورت بیان نہیں کر پاتے یہ شرمساری سے ڈوب مرتے
ہیں پر کچھ بول نہیں پاتے ان کی ضرورت ان کے چہرے

اور انہیں اس حد تک برا بھلا نہ کہیں کہ پھر ضد میں آ کر یا تو
دونوں کے درمیان سے لحاظ اور ادب کا رشتہ ختم ہو جائے اور
یا پھر وہ غصے میں آ کر اس سے بھی بڑی غلطی کر بیٹھیں۔
”مجھے تو خود سمجھ نہیں آ رہا کہ اریش کہاں ہے بلکہ میں تو
اجیہ کے لیے بھی حیران ہوں میں نے خود اسے رات کو
یہاں کمرے میں بیٹھا بھی دیکھا تھا اور میں اس کے پاس
بیٹھ کر باتیں بھی کرتی رہتی تھی۔“ اجیہ غیر متوقع طور پر گھر
سے غائب ہوئی تھی اس لیے خوش شین حیرت میں تھی۔
”تم اجیہ کے لیے پریشان نہ ہو شرمین، لاریش کا بتاؤ
اور اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرو اس کے ملنے پر اجیہ کا
خود بخود پتا چل جائے گا۔“ ممی اب اریش سے جلد از جلد
ملنا چاہتی تھیں۔
اسی دوران شرمین کا فون بجنے لگا تھا پرس میں سے فون
نکال کر دیکھا تو دوسری طرف غزنی تھا ذرا سا فاصلے پر ہو کر
اس نے فون سنا اور چند لمحوں بعد ممی کے پاس آئی اس کے
چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی مگر یہ
مسکراہٹ ممی اور بوا کی آنکھوں سے چھپی ہوئی تھی ویسے
بھی جس سے ہم محبت کرتے ہیں جسے اپنا سمجھتے ہیں تو
اعتماد کی پٹی یوں آنکھوں پر بندھ جاتی ہے کہ پھر اس کا
جھوٹ بھی سچ لگنے لگتا ہے شرمین پر بھی ممی اور بوا نے اسی
طرح کا اعتماد کر رکھا تھا کہ اگر وہ دن کو رات بھی کہتی تو وہ
مان سکتی تھیں۔
”کیا ہوا، کس کا فون تھا شرمین۔“ ممی کے پوچھنے پر وہ
کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔
”مجھے نہیں آ رہا کہ بات شروع کیسے کروں ممی؟“
ٹینشن ظاہر کرنے کے لیے اس نے خواتواہ انگلیاں چٹختانی
شروع کر دی تھیں۔
”کیا بات ہے شرمین سب ٹھیک تو ہے نا؟“
”سب کچھ ٹھیک نہیں ہے ممی یہی تو مسئلہ ہے۔“ اس
نے باری باری ممی اور بوا کو دیکھا۔
”کچھ بتاؤ گی بھی یا یونہی پہیلیاں بھولاتی رہو گی؟“ بوا
نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔



اور ان کے خاموش ہونوں پہ لکھی ہوتی ہے۔ پر ظاہری حلیہ کچھ اور ہی کہانی سنارہا ہوتا ہے۔
”مجھا اماں ٹھیک ہے کرتی رہیں فراڈیوں اور نوسر بازوں پہ یقین اور کرتی رہیں ان کی ضرورت پوری۔ آپ نے اور لپانے ٹھیک لیا ہوا ہے ناں علانے بھر کے محتاجوں کا۔“ نور تیز تیز بولتی اندر چلی گئی۔

اس کے ابا کھاتے پیتے خوشحال خاندان سے تھے۔ شہر میں رہتے تھے پر گاؤں میں ان کی زرخیز سونا اگلنے والی زرعی زمینیں تھیں جن پہ مزارعے کام کرتے تھے۔ سال میں دوسرے فصل اترتی تو ان کے گھر محتاجوں کا میلہ لگ جاتا۔ چاول، گندم، دالیں جو جس کے حصے میں آتا خوشی خوشی دے دیتا لے جاتا۔

اسی پہ موقوف نہیں تھا محلے کی بے سہارا محتاج اور ضرورت مند عورتوں کا مینے بھر کے راشن کا ذمہ نور کے ابا نے اپنے سر لے رکھا تھا۔ اس کے علاوہ وہ تین یتیم بچوں کی کفالت بھی کرتے تھے۔ نور کے ابا راشد صاحب کی طرح ان کی بیوی صابرہ بھی خدا ترس اور رحم دل عورت تھی۔ اپنے گھر آنے والے ضرورت مندوں کو خاموشی سے جو بھی میسر ہوتا چپکے سے اس کے ہاتھ پہ رکھ دیتیں۔ سال کے سال راشد صاحب اپنی اور اپنے پانچ بیٹوں کی آمدنی کا حساب لگا کر جو زکوٰۃ جتنی اتنا پیسہ ان سے لے لیتے۔ بہوؤں کے پاس جو زیور تھا ہر سال موجودہ مالیت کے مطابق اس پر بھی جو زکوٰۃ جتنی ان سے وہ رقم لے لی جاتی اور پھر برابر ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی جاتی۔

نور بہت چڑنی تھی جانے کیوں اسے روتے دھوتے مجبوری بیان کرتے اپنے جیسے انسانوں کو دیکھ کر غصہ آ جاتا۔ وہ تنفر سے انہیں مانگتے والا بولتی۔ اس بات پہ ہر بار اماں اسے ٹوکتیں کہ انہیں فقیر یا مانگنے والا مت کہا کرو لیکن یہ بات نور کی سمجھ میں نہیں آتی۔ کبھی کبھی تو اسے بے انتہا غصہ آتا جب گھر کے سامنے والے میدان کی صفائی ہوتی اور کچرا اٹھانے والا ٹرک آتا تو ابا چائے کا بڑا سا قہر موس بھرا کر گھر سے لے جاتے اور صفائی کرنے والوں کو

بلا تے۔ ان کے گھر کے سامنے والے حصے کی صفائی ایک گرچن کے ذمے تھی۔ وہ بہت صبح آتا اماں سر دیوں میں اسے گرم گرم چائے کا بڑا سا گلاس اور اپنے ہاتھ سے پراٹھا کپکا کر دیتیں اور گرمی کے موسم میں دودھ اور روح افزا طے شربت سے اس کی خاطر داری کی جاتی۔ اماں کا اپنا فلسفہ تھا کہ ایسے اللہ خوش ہوتا ہے۔

راشد صاحب کے گھر مہمانوں اور آنے جانے والوں کا جھوم رہتا۔ اس بات کا بھی نور کو بہت قلق تھا کہ ”ہمارا گھر“ گھر کم اور یلوے انشیں زیادہ لگتا ہے۔“ ابا مہمانوں کے معاملے میں بہت کھلے دل کے مالک تھے۔ علانے میں ان کی بہت شہرت تھی۔ سب عزت کرتے۔ ان کے گھر کی بہو بیٹیاں جہاں سے گزرتیں لوگ احتراماً وہاں سے ہٹ کر ایک طرف ہو جاتے۔ کسی نے بری نظر سے کبھی بھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔

پتہ نہیں یہ نور کس پہ چلی گئی تھی۔ اماں کو اس بات کا بہت رنج تھا کیونکہ ان کی اولاد میں سے کوئی بھی اتنے تنگ دل والا نہ تھا جیسی نور تھی۔

☆.....☆.....☆

وقت آگے سر کا نور کی شادی ہو گئی۔ گھر میں سب سے چھوٹی اور لاڈلی مٹی بھائیوں نے الگ الگ شادی کے لیے تجھے اور پیسے دیے۔ اپنی مرضی سے اس نے ایک سے ایک مہنگی چیز خریدی۔

سرال میں اس کے کپڑوں، جوتوں اور نت نئے ہنڈ بیگز کی دھوم تھی۔ راشد صاحب نے لڑکے کی شرافت دیکھ کر نور کا رشتہ دیا تھا۔ روپے پیسے اور مالی حیثیت سے انہیں کوئی بھی غرض نہیں تھی۔ ان کے داماد ہاشم کا پورا خاندان شریف اور دیندار تھا۔ عورتیں مرد نما ز روزے کے پابند اور مذہبی تھیں۔

ہاشم سعودیہ میں ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھے عہدے پہ تھا۔ شادی کے بعد اس نے نور کو بھی اپنے پاس بلوا لیا۔ ہاشم کے ایک چچا اور خالہ کی پوری فیملی بھی برسوں سے سعودیہ میں مقیم تھی۔ نور سب سے ملنے گئی۔ اس کے کپڑے زور

پہنے اوڑھنے کا انداز دیکھ کر دل ہی دل میں سب متاثر ہوئے تھے۔

نور ہاشم کے ساتھ اچھے علاقے میں رہتی تھیں کسی بھی قسم کی کوئی تکلیف نہیں تھی، گھر پر راج تھا۔ ابا کے گھر کی طرح مہمانوں کا جھوم نہیں تھا۔ وہ خود بھی کسی کے گھر کم ہی جاتی۔ ہاشم کے چچا اور خالہ کے گھر بھی تب جاتی جب وہاں کوئی دعوت ہوئی یا جب وہ خود سے بلا تے۔

شادی کو پانچ سال گزر چکے تھے۔ ان کے دو بچے تھے۔ دونوں ہی بیٹے تھے۔ نور کو اپنی زندگی سے کوئی بھی شکایت نہیں تھی۔ اس کی اپنی ذاتی دنیا اور چھوٹی سی جنت تھی۔ سال کے سال دونوں میاں بیوی پاکستان جا کر سب سے مل آتے۔ ہر چکر میں نور کے پہنچے گئے سونے کے زیور کا الگ ڈیزائن ہوتا۔ دیواریاں، جھبھانیاں دھکتی رہ جاتیں۔ نور پہلے باپ اور پھر شوہر کے گھر میں بھی قسمت کی دھن تھی۔ ہاشم اس پہ پروانہ دار بنا رہتا۔ جو بات منہ سے نکالتی پوری کرتا۔ گھر کے کاموں کے لیے اس نے نور کو ملازمہ رکھ کر دی تھی۔

ان کا بڑا بیٹا آفاق اسی سال جدہ کے مہنگے اور اچھے اسکول میں داخل ہوا تھا۔ حالانکہ پڑھائی وہاں کی اتنی خاص نہیں تھی لیکن اسکول کا نام تھا۔ انتظامیہ خوب فائدہ اٹھا رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں سے خوشحال والدین کو لوٹ رہی تھی۔ پاکستانی کیونٹی کے لیے ایک بھی ڈھنگ کا اسکول پوری ریاست میں نہیں تھا۔ والدین بچوں کے مستقبل کی طرف سے پریشان تھے۔ لیکن مجبوری تھی اولاد کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا بھی تو ضروری تھا۔ جو تعلیم کم اور مجبوری زیادہ تھی۔

نور نے اپنے ہی علاقے میں آفاق کو گھر کے پاس ٹیوشن بھی لگوا دی تھی۔ اس کی ٹیوشن ٹیچر سمدہ پاکستانی تھی اور انڈین کیونٹی کے ایک پرائیویٹ اسکول میں پڑھا رہی تھی۔ اچھی لڑکی تھی نور سے اس کی اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی۔ سمدہ کامیاب بھی جاب کرتا تھا۔ دونوں کی تنخواہ ملا کر گزرا چل رہا تھا۔ سمدہ نور کو دیکھ کر رشک کرتی۔

”کتنی خوش قسمت ہوں آرام سے گھر بیٹھ کر کھا رہی ہوں۔۔۔۔۔ عیش کر رہی ہوں۔“

”تو تم بھی گھر بیٹھ کر کھاؤ اور عیش کرو۔“ نور زکی بہ ترکی جواب دیتی۔

”میرے میاں کی تنخواہ جب تمہارے میاں کی تنخواہ جتنی ہو جائے گی تو میں بھی جب گھر بیٹھ کر عیش کروں گی۔“ سمدہ حسرت سے کہتی تو نور صدق دل سے آمین بولتی۔

☆.....☆.....☆

نور کی طبیعت پچھلے دو ہفتوں سے خراب تھی، کبھی مٹکی تو کبھی چکڑا سے شک تھا کہ وہ پھر امید سے ہے۔ ہاشم کو بتائے بغیر وہ چپک اپ کے لیے باہر نکل گئی تو اس کے شک کی تصدیق بھی ہو گئی کہ اس کے وجود میں ایک اور زندگی بھی سانس لے رہی ہے۔ اسے اب بیٹی کی آرزو تھی۔ نور نے اپنی دانست میں یہ خوش خبری ہاشم کو سنائی تو وہ خاموش رہا۔

”کیا بات ہے۔۔۔۔۔ خوش نہیں ہو؟“ اس نے سوال کیا۔

”اے بہت خوش ہوں کسی بات کرتی ہو۔“ ہاشم نے زبردستی کی مسکراہٹ ہونوں پہ سجائی۔ لگ رہا تھا وہ اندر سے بہت الجھا ہوا تھا۔

”کیا بات ہے ہاشم۔۔۔۔۔ کیا کوئی پریشانی ہے؟“ اس سے رہا نہیں گیا تو پوچھ بیٹھی۔

”نہیں ایسے ہی آپ سیٹ ہوں۔ حرم شریف میں کریں کرنے کا جو حادثہ ہوا ہے اس نے پریشان کر دیا ہے۔“

”لیکن وہ تو پچھلے ماہ ہوا تھا اور ابھی تک آپ اس کا سوگ منا رہے ہیں۔“ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

”ہاں وہ اصل میں میرے ایک مصری کو لیک کا بھائی اس حادثے میں زخمی ہونے کے بعد چل بسا ہے تو اسی کا سوچ رہا تھا۔“ صاف لگ رہا تھا کہ ہاشم اسے ٹال رہا ہے۔

☆.....☆.....☆

پھر آنے والے دنوں میں ہاشم اور میری پریشان رہنے

لگا۔ رات بھر جاگتا اور اپنے سیل فون میں لگا رہتا۔ صبح آفس اور رات کو گھر آتا تو ایک ناقابل بیان کرب اس کے چہرے پر تحریر ہوتا۔ چھ ماہ گزرے تو نور کو تب یہ چلا کہ ہاشم کو تو چھ ماہ سے اس کی کمپنی نے تنخواہ کی ادائیگی ہی نہیں کی۔ اس دوران وہ ادھر ادھر سے ادھار لے کر گھر چلا رہا ہے۔ جب حالات بد سے بدتر ہوئے اس نے جب نور کو بتایا۔ آفاق کی تین ماہ کی اسکول کی فیس ادا نہیں ہوئی تو اسے اسکول سے فارغ کر دیا گیا۔ ہاشم نے ایک سال پہلے گاڑی قسطوں پر لی تھی۔ وہ کئی ماہ سے اس کی قسط کی ادائیگی کر رہی نہیں پار رہا تھا اسی وجہ سے کمپنی اس کی گاڑی اٹھا کر لے گئی۔ گھر کا چھ ماہ کا کرایہ بھی ہر صورت ادا کرنا تھا۔ دو ماہ بعد نور کی ڈیوری تھی اور ادھر کریڈٹ کارڈ پر سود کی مد میں ادا کی جانے والی رقم بڑھتی جا رہی تھی۔ ان میاں بیوی کو آسمان سے زمین پر آنے میں صرف چند ماہ لگے تھے۔

نور نے کبھی بچت کی مد میں ایک روپیہ بھی نہیں بچایا تھا اسے عادت ہی نہیں تھی۔ ہاشم بھی کھلے دل اور کھلے ہاتھ سے خرچ کا عادی تھا۔ ہر ماہ نور کو راجھی خاصی رقم دیتا تھا۔ وہ اگر چاہتی تو ان پیسوں کو خرچ ہونے سے روک سکتی تھی لیکن وہی بات کہ اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ اس فضول خرچی کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑے گا۔ وہ پیدروی سے پیسے جو توں کپڑوں اور فالٹو چیزوں پر خرچ کرتی۔ دونوں بیٹوں کے لیے ہر ماہ کپڑے کھلونے تکی، مہینوں ان کے پہننے کی نوبت نہ آتی رکھے رکھے ہی چھوٹے ہو جاتے۔ تو کئی کام کے نہ رہتے۔ بچے بھی اسی کی طرح لا پرواہ تھے۔ گھر میں فٹ بال سے کھیلنے ہوئے وہ کئی قیمتی چیزیں توڑ چکے تھے۔ کھلونوں کا ایک انبار اس کے گھر جمع تھا۔ گھر میں کام کرنے والی سوڈانی عورت وہ میٹکے اور بہت کم استعمال شدہ کھلونے خوش خوشی لے جاتی تھی۔ نور اپنی ایک بارکی پہنے ہوئے کپڑے بیگ اور دیگر چیزیں بھی فراخ دلی سے اسے دیتی۔ فریج کا بھی یہی حال تھا۔ پانچ سال میں اس نے پانچ بار ہی اپنے گھر کے قالین پردوں برتنوں صوفوں

بیڈروم سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی چیز تبدیل کی تھی۔ واشنگ مشین فریج، آؤن ویکیم اور دیگر مشینری بھی وہ دقتاً نو دقتاً بدلتی رہتی تھی۔ ہاشم نے اسے کبھی نہیں ٹوکا تھا۔ جنور نے مانگا اس نے بخوشی دیا۔ نور کو براؤن کا خط تھا سر کی پن سے لے کر پاؤں میں پہننے والی عام چپل بھی اسے براؤن چاہیے ہوئی۔ ہاشم خود بھی جامد زیب تھا۔ اس کے جوتے کپڑے کلائی کی گھڑی تلپناں پرفیوئم لپٹ ناپ سب کے سب انتہائی قیمتی ہوتے۔ خود اس نے نور کو جو عبا پہنوائے تھے ان میں سے کوئی بھی آٹھ نو سو ریال سے کم کا نہیں تھا۔ بچوں کے کپڑوں اور جوتوں کا بھی یہی حال تھا۔ بچوں کی شاپنگ وہ ریڈی مال۔ عربین مال انڈس اور پلیٹس سے ہی کرتے۔ اس کے علاوہ ہولٹک کا شوق بھی پورا کیا جاتا۔

☆.....☆.....☆

حالات ایک دم سے ایسے بدلیں گے نور نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ اس نے ان پریشانیوں کا سامنا کیا ہی کہاں تھا۔ ضرورت اور مجبوری کا فرق اب اچھی طرح محسوس ہو رہا تھا۔ جمع پونجی چند ماہ میں ہی ختم ہو گئی تھی۔ سود میں فیملی کے ساتھ رہنا پہلے کی طرح اتنا آسان بھی نہیں رہا تھا۔ جس علاقے میں ان کی رہائش تھی اس کا کرایہ ادا کرنا ہر کسی کے بس کا کام نہیں تھا۔ جیسے علاقہ تھا اسی حساب سے رہن بہن کھانا پینا ملنا ملنا بھی تھا۔ لیکن اب تو گھر کا کرایہ دینا بھی مشکل ہو رہا تھا اور پر سے ان سب کے اقامے اور میڈیکل انشورنس کارڈ بھی ختم تھے۔ نور نے اپنا زور نکال کر ہاشم کے سامنے رکھا۔ مرد ہو کر بھی اس کی آنکھوں میں پہلی بار آنسو آئے تھے۔

ہاشم صرافہ مارکیٹ زیور بیچنے گیا تھا سونے کی قیمت انتہائی حد تک گر چکی تھی۔ لیکن زیور بیچنا بھی مجبوری ہی نہیں ضرورت بھی تھی ایک آسرا تو ہو گیا تھا۔ چار ماہ کے کرایہ کے بعد اتنی ہی رقم باقی پکی تھی جس سے گھر کا سودا سلف آسکتا۔ نور بہت کمزور ہو گئی تھی اسے اچھی خوراک کی ضرورت تھی۔

”ہاشم..... میں اپنے ابا اور بھائی سے بات کروں؟“

ہمارے حالات جان کر وہ ضرور ہماری مدد کریں گے۔“ نور نے تجویز دی۔

”نہیں ایسا کبھی مت کرنا۔ اتنی بے صبری مت بنو۔ تمہوڑا انتظار کرو۔ اللہ سب اچھا کر دے گا۔“ ہاشم نے اسے تسلی دی۔

”اچھا ایسا کرتے ہیں آپ کے چچا اور خالہ کی طرف چلتے ہیں۔ ان سے قرض لے لیتے ہیں۔ مجھے ڈاکٹر نے چھ انکشن بتائے ہیں۔ صرف ایک کی قیمت نو سو ریال ہے۔“ نور کی بات سن کر وہ فقط سر ہی ہلا سکا۔

ہاشم کے سب گھر والوں کو ان پر آنے والی آزمائش کا علم تھا۔ لیکن اس موقع پر سب ہی خاموشی سے سانس نہ ہو گئے تھے۔ ہاشم فون کرتا تو اس کی کال ہی ریسیو نہ کی جاتی یہ بہانا بنا کر کچھ دیر بعد ہی کال خود ہی کاٹ دی جاتی مبادا وہ کچھ پیسے ہی نہ مانگ لے۔ ایک پریشانی ختم ہوئی بھی نہیں تھی کہ انہیں گھر خالی کرنے کا نوٹ مل گیا کیونکہ ان کے ذمے دو ماہ کا کرایہ ابھی بھی واجب الادا تھا۔ ہاشم نے ایک سستے اور پرانے علاقے میں کافی دوڑ دھوپ کے بعد گھر ڈھونڈ لی لیا۔ اس گھر کا ایک ماہ کا کرایہ سولہ سو ریال تھا دو چھوٹے چھوٹے کھولی نما پرانے کمرے گندی کا کروچوں سے بھری بلڈنگ چھوٹا سا بچن اور ایک غلیظ سا پرانا ہاتھ روم۔ نور کی نفاست پسندی کو شاید قسم کا دھچک لگا تھا۔ نوٹے پھوٹے فرش پانی نیکاتے تل، چکن کا سنگ گندا اور رنگ آؤڈ پورے گھر میں کا کروچ دوڑتے پھرتے۔

رات کو ان کا ساتھ دینے چوہے بھی آجاتے۔ اب تو نور کو رانی والی عیاشی بھی نہیں تھی اسے کہاں کام کرنے کی عادت تھی۔ اب اس حال میں پورے گھر کا کام دقت طلب ہوتا اور اچھی خوراک نہ ہونے کے برابر۔ ہاشم نہ جانے کہاں کہاں سے قرض لے کر اس امید میں تھا کہ کمپنی بہت جلد اس کی رکی ہوئی تنخواہ کی ادائیگی کر دے گی تو سب پہلے کی طرح ٹھیک ہو جائے گا۔

☆.....☆.....☆

”ہاشم پلیز میری فیملی سے بات کریں۔“ نور رو دی۔

”میرے ابا اور بھائی لاکھوں روپے زکوٰۃ اور صدقات دیتے ہیں کیا میرے لیے ان کے پاس کچھ نہیں ہوگا۔“

”تم زکوٰۃ اور صدقات لے کر کھاؤ گی؟“ ہاشم کا جملہ اسے اندر تک لرزایا گیا تھا۔

”نہیں..... نہیں اللہ نہ کرے میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“

”میں ان مردوں میں سے ہوں جو بیوی کے منکے سے کسی بھی قسم کی مدد لینا گوارا نہیں کرتے۔ اس لیے پلیز آئندہ مجھے یہ مت بولنا۔“ ہاشم کا لہجہ اس کے ساتھ پہلی مرتبہ اتنا تلخ ہوا تھا اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔

”ہاشم پھر ہم کیا کریں گے؟ میری ڈیوری کے لیے پیسے کہاں سے آئیں گے؟ کم سے کم بھی بارہ ہزار ریال چاہیں اگر میں کسی سستے سے ہاسٹل میں بھی جاؤں تو.....“

”نور اس وقت یہاں سب ہی ہمارے جیسے حالات سے گزر رہے ہیں میں کسی سے کیا کہوں.....“ وہ بے بس نظر آ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

”بھئی نور برامت ماننا عورت کو مشکل وقت کے لیے کچھ نہ کچھ بجا کر رکھنا چاہیے۔ کپڑا زیور ہی سب نہیں ہوتا۔ اتنے میٹکے میٹکے سوٹ کس کام کے بھلا براؤن سے کہہ تو تم راضی ہی نہیں تھی اس کا کوئی فائدہ ہوا؟ اللہ کو اڑا اور نکبر پسند نہیں..... خیر اب ان باتوں کا فائدہ نہیں ہے۔ تمہارے اپنے خالو کا کام ان دنوں ٹھیک نہیں ہے۔ پھر بھی میں ان سے کہوں گی۔ فی الحال میرے پاس یہ تین سو ریال ہی ہیں۔“ ہاشم کی خالہ نے سو سو ریال کے تین نوٹ اس کی طرف بڑھائے نور کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اب کبھی بھی اپنا سر اٹھا نہیں پائے گی۔ اس نے چور نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ ہاشم کی کزنز تمسخرانہ انداز میں اسے ہی دیکھ رہی

نہیں۔ اسے لگا وہ ابھی کھڑے کھڑے گرے گی اور پھر بھی بھی اٹھ نہیں پائے گی۔ اس نے پیسے رزتے ہاتھوں سے تمام کریک میں رکھے اور واپسی کے لیے قدم موڑ لیے۔ خالد اور ان کی بیٹیوں نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے اسے اللہ حافظ کہا۔ کوئی پہلے کی طرح دروازے تک چھوڑنے نہیں آیا۔

”ہو نہ اس کی شکل اور سوٹ دیکھ کر کوئی یقین کرے گا کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے اور یہ مجبور ہے۔“ یہ آواز ہاشم کی فرسٹ کزن کی تھی۔ اپنے جوتوں، کپڑوں اور زیور کا سب یہ رعب ڈالتی تھی۔ اللہ کو ایسے لوگ پسند نہیں ہیں۔ یہ ہاشم کی خالہ تھیں۔ جو نور کے واری صدقے جاتی تھیں۔ ”اس عورت کی شاہ خرچیاں ہاشم بھائی کو لے ڈوبیں۔“ یہ ہاشم کی دوسری کزن کی آواز تھی۔ باہر لفٹ کے انتظار میں کھڑی نور کو ان کی باتیں کسی تیر کی طرح لگیں۔ خود کو شکل سے تھکیت کر وہ تھک کر آئی۔

☆☆☆☆

اس کے سیل فون پہ مسلسل پاکستان سے کال آ رہی تھی۔ اس نے بچتے آنسو دوپٹے سے خشک کر کے موبائل دیکھا۔ یہ اس کی دیورانی صبا کی کال تھی۔ اس نے بے دلی سے کال کاٹ دی۔ خالد کے گھر سے آئے اسے تین گھنٹے ہو چکے تھے۔ لیکن آج زندگی میں پہلی بار جس ہنگ اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا تھا اس کا طلال کم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ صبا کی کال بار بار آئے جاری تھی۔ اس نے بشکل منہ پہ پانی کے چھینٹے مارے اور ٹیس کا ٹپن آن کیا۔ ”کیسی ہو نور اور فون کیوں نہیں اٹھا رہی گئی؟“ صبا چھوٹے ہی بولی۔

”میں سو رہی تھی۔“ اس نے جھوٹ بولا۔ حالانکہ اس کا لہجہ بھگا ہوا تھا۔

”تم آج بے بی خالہ کی طرف گئی تھی؟“ صبا نے ہاشم کی خالہ کے بارے میں سوال کیا تو وہ فوراً چوٹی ہو گئی۔

”ہاں گئی تھی کیوں؟“

”بے بی خالہ نے کال کر کے پورے خاندان کو بتایا

ہے کہ تم آج ان کے گھر قرض مانگنے آئی تھی۔ سنا ہے بہت روٹی دھوئی ہو ان کے سامنے اور بے بی خالہ نے بہت عجیب عجیب باتیں کی ہیں تمہارے بارے میں۔“

”اچھا.....“ نور کو ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ صبا سے ان عجیب و غریب باتوں کی تفصیل معلوم کرتی۔

”نور تم ہر ایک کے سامنے رونے رو کر ہاشم بھائی کو خاندان میں بدنام تو مت کرو۔ ایک ڈراما پریشانی کیا آگئی تم نے پورے جہاں میں ڈھنڈورا ہی پیٹ دیا شکر گزار بنو۔“ صبا نے اس طرح کی اور کتنی تھکیتیں کر کے اس کی جان چھوڑی تھی تھی کہ اس کی بھھائی کی کال آ گئی۔

انہیں بھی مجس ہو رہا تھا کہ بے بی خالہ کے گھر آج کیا کچھ ہوا ہے۔ نور کی زبانی سننے کی منتی نہیں۔ نور کو اپنے گلے میں پھنسا پڑتا محسوس ہوا۔

”دیکھو برا مت ماننا۔ تمہارے بارے میں بہت عجیب باتیں سننے میں آ رہی ہیں۔ ولس ایپ کے واسطے سچ ہیں تمہارے بارے میں۔“

”بھائی..... کون سے میسج؟“

”ارے بھولی مت بنو جیسے کچھ پتہ ہی نہیں تمہیں یہی کہ تمہیں اپنے باپ کی دولت اور مینے کا بہت غرور ہے۔ اپنے خاندان پر تازہ ہے تمہیں اور تم ہاشم کو لوٹ کر کھا گئی ہو۔ اس کا بال بال فرض میں جکڑ دیا ہے۔ تمہاری وجہ سے ہی ہاشم کی طبیعت بھی خراب رہنے لگی ہے۔ تمہیں تو سوائے فیشن کے آتا جاتا کچھ نہیں۔ میں تمہیں سب میسج بھیجتی ہوں خود سن لو۔ مجھے تو بہت دکھ ہو رہا ہے۔ سچ پوچھو تو.....“ اس کی بھھائی اور بھی جانے کیا کیا بولی رہی تھی۔ پرفون اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر چکا تھا۔

وہ بے دم بڑی تھی۔ اس کا چھوٹا بیٹا لگا بھڑا چھڑا کر رہا تھا۔ ہاشم گھر میں داخل ہوا تو نور بے ہوش بڑی تھی۔ انہی قدموں وہ نیچے بھاگا اور مرکز سے گزرتی لیوین کو روکا۔ واپس آ کر نور کو اٹھایا۔ دونوں بچوں کو ساتھ لیا اور گاڑی میں ساتھ لے کر ہاسٹل پہنچا۔ نور کے پرس میں خالہ کے دیے ہوئے تین سو رپاں پڑے تھے۔ ہاشم نے وہ بھی نکال

کر کچھ اپنے پاس سے ملائے۔ تو دے دلا کر ڈاکٹر سے خلاصی ملی۔ نور نے حد سے زیادہ ٹینشن لی تھی۔ گھر آ کر وہ ہاشم کے گلے گلے کر دھواں دھار روئی۔

”مجھے تم سے کوئی بھی شکایت نہیں ہے جو باتیں کرتا ہے کرتے دو۔ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دو۔ تمہیں پتہ ہے ناں ان باتوں میں سچائی نہیں ہے۔ سب کو بولنے دو۔ ہمارا برا وقت ہے اس نے سب کے چہرے بے نقاب کر دیے ہیں۔ شکر کرو تمہیں علم ہو گیا کہ کون اپنا ہے اور کون صرف تماشہ دیکھنے والا۔ تمہیں جس جس کی باتوں سے تکلیف پہنچی ہے اسے معاف کر دو۔ دل میں مت رکھو۔“ کتنے بڑے دل اور ظرف والا تھا ہاشم حالانکہ نور کی حالت دیکھ کر اس کا کلیجہ کٹ گیا تھا۔

☆☆☆☆

”ماما..... مجھے بطاطس (آلو کے چپس) کھانے ہیں۔“ آفاق نے بڑی آس سے ماں کی سمت دیکھا تھا۔ نور نے اٹھ کر اپنا پرس کھولا۔ اس میں بیس رپاں کی مالیت کے نوٹوں کے علاوہ ڈیڑھ رپاں کے تین سکے بھی تھے۔ اس نے اپنا عیال اوڑھا۔

”آفاق آپ اپنے چھوٹے بھائی کا خیال رکھنا، میں مارکیٹ سے ہو کر آتی ہوں۔“ اس نے آفاق کو چھوٹے بیٹے کے پاس بیٹھا کر دروازہ لاک کیا۔ اس کے لیے چند قدم چلنا بھی دو بھر ہو رہا تھا۔ مارکیٹ میں کافی رش تھا۔ اس نے ایک چھوٹے سے بقالے (دوکان) سے ساڑھے سات رپاں کی خریداری کی۔ اور وہاں سے نکل آئی۔ بقالے کے باہر روز کی طرح بوڑھی صومالن عربی حلاوہ اور خشک مہندی کے پانچ پانچ رپاں کے پیکٹ کے ساتھ دیگر چھوٹی موٹی اشیاء سجاے بیٹھی منتظر نگاہوں سے آنے جانے والوں کو دیکھ رہی تھی کہ شاید کوئی اس کے خوابچے کے پاس بھی آئے۔

نور اس کے پاس سے گزری تو اس نے بڑی آس سے اس کی سمت دیکھا۔ جیسے وہ کچھ نہ کچھ ضرور خریدے گی۔ گزرتے ہوئے دونوں کی آنکھیں ٹکرائیں تو نور کے دل کو

جیسے کچھ ہوا۔ وہ پوری قوت سے دھڑکا اور سینے میں مقید پسلیوں میں پھڑ پھڑایا۔ بوڑھی صومالن کی آنکھوں میں لفظ محتاج اور ضرورت مند لکھا ہوا صاف دکھائی دے رہا تھا۔ نور نے اپنے اوپر نظر ڈالی۔ قیمتی عیال، پچھلے سال کا خریدا ہوا لان کا براعڑ پاکستانی سوٹ جس کی قیمت کسی طرح بھی بارہ ہزار سے کم نہ تھی۔ پاؤں میں خوب صورت نیس قیمتی اور مہنگے برائے کے جوتے۔ کندھے پہ لٹکا ہوا بیش قیمت لیڈر بیگ۔ اسے تو کہیں سے بھی آزمائش کا شکار ظاہر نہیں کر رہے تھے۔ یہ سب چیزیں اس کے پاس پہلے سے تھیں۔ گھر کی دیگر قیمتی چیزیں بک چکی تھیں۔ سوائے استعمال کے کپڑوں جوتوں کے۔ اس کے سامنے بیٹھی بوڑھی عورت یقیناً نہیں جانتی تھی کہ یہ جو عورت حلے سے بہت معزز باوقار اور صاحب حیثیت نظر آ رہی ہے قریب ہی کے ایک گندے اور غلیظ سے علاقے میں رہتی ہے۔

نور اس سے نظر بچا کر سبزی اور فروٹ کی ریڑھیوں کے پاس آ گئی۔ جو بقالے کے پاس ہی کھڑی رہتی تھیں۔ اس کے پاس چند رپاں ہی باقی بچے تھے اس نے تھوڑی تھوڑی مقدار میں ’آلو شملہ مرغ‘ چند سیب اور تین کیلے شاپر میں ڈال کر یعنی سبزی فروش کی طرف بڑھائے۔ اس کے پاس بڑے خوش رنگ خربوزے بھی تھے ایک آدھا کٹا ہوا خربوزہ ڈھیر کے عین اوپر رکھا تھا۔

”بڈا کم (یہ کتنے کا ہے)“ اس نے عربی میں پوچھا۔ اس نے خربوزوں کی طرف دیکھ کر یہ سوال کیا تھا۔ یعنی نوعمر لڑکے نے ایک خربوزہ اٹھا کر تو لا بولا پانچ رپاں۔

”نہیں مجھے وہ کٹا ہوا چاہیے اس کے کتنے پیسے لو گے؟“ اس نے اشارہ کیا تو وہ نوعمر لڑکا مسکرایا۔

”اس کے کوئی پیسے نہیں ہیں۔ سب چیزوں کی ادائیگی کے بعد اس کے پاس ڈیڑھ رپاں کے سکے بچ گئے تھے۔ یہ سکے لے لو اس خربوزے کے۔“ نور نے کٹے ہوئے خربوزے کی سمت اشارہ کیا اور پرس منڈل کر سکے نکالے۔

”نہیں اس کے کوئی پیسے نہیں ہیں یہ کٹ چکا ہے اور گا کہوں کو چیک کروانے کے لیے رکھا تھا۔“ نوعمر لڑکے کی

داخلی گیسٹ پہ آخری پوسٹر لگا رہی تھی جب ہاشم کی خالہ کی آمد ہوئی۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو؟“ ان کا سوال کھوج لیے ہوئے تھا۔

”خالہ میں نے گھر پہ بچوں کو ٹیوشن پڑھانے کا فیصلہ کیا ہے اسی لیے یہ لگا رہی تھی۔“ اس کا اشارہ پوسٹر کی طرف تھا۔ اس دوران سدرہ کا شو ہراسے لینے آگیا تو وہ چلی گئی اب نور بھی اور خالہ کی برے کی طرح چھید کرتی نگاہیں تھیں۔

”خاندان کی عزت کو ٹیوشن میں ملانے کا یہی ایک طریقہ رہ گیا ہے کہ جگہ جگہ اپنے نام اور فون نمبر کے اشتہار لگا داتا مر رہی ہو تم۔ مت ناشکری کرو اپنے رب کی۔ میں آج ہی زریہ کو فون کر کے بتانی ہوں کہ بہو بیگم یہاں خاندان کی عزت کے جھنڈے گاڑ رہی ہے۔“

بے بی خالہ وہیں سے کتنی جھکتی واپس چلی گئی۔ نور بے حال قدموں سے گھر آئی اور رونے بیٹھ گئی۔ یہ دن بھی آنا تھا۔ خالہ کو گئے مشکل سے ایک گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ پاکستان سے کالز اور سچر آنا شروع ہو گئے۔ اس کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ کسی سے بات کرے۔ بے بی خالہ نے خاندان کے ہر قابل ذکر فرد کو نور کے اس کارنامے کی خبر دی تھی۔ جس کا لب لباب یہ تھا کہ نور ایک بہت ناشکری عورت ہے اور اسی وجہ سے اسے یہ دن دیکھنے پڑے۔

ادھر سے وہ ٹیوشن کے اشتہار لگا کر رہی سہی عزت کو بھی خاک میں ملا رہی ہے۔ اس کے سب سسرالی اسے کوس رہے تھے۔ اس کے شریف انٹنس ساس سسر تک اس کے خلاف ہو چکے تھے۔

نور نے اپنے معصوم بچوں کی طرف دیکھا اور اپنے بچے آنسو صاف کیے۔ اسے اپنی یہ جنگ خودی لڑنی تھی۔ ٹھکے اور ہارے بغیر۔

☆.....☆.....☆

ابتدا میں نور کے پاس چار بچے آئے۔ ان کی مائیں سو ریاں لی بچہ کی طرح چمکی اسے اوپر دینے کو تیار نہیں تھیں۔

اس نے گھر کے ایک کمرے کا فرنیچر ادھر ادھر کر کے اس کو بالکل خالی کر لیا اور وہاں صرف ایک کپڑوں کی الماری تھی۔ نور نے خالی کمرے میں پرانے گھر سے لایا ہوا ایک کارپٹ وہاں بچھایا۔..... چارٹ پیپر پہ سدرہ نے اپنا آرٹ ورک آزمایا تھا۔ چھوٹا سا کمرہ واقعی بچوں کی نرسری کلاس لگنے لگا تھا۔ چھ ماہ میں نور کے پاس تیس بچے جمع ہو چکے تھے۔ سب کی مائیں خوش تھیں نور بہت محنت سے بچوں کی تعلیمی بنیاد مضبوط کر رہی تھی۔ ساتھ ہی اس نے آفاق کو بھی پڑھانا شروع کر دیا تھا۔

ہاشم کو ایک نیک دل عربی نے اپنے دوست کے توسط سے اسی کی کپنی میں نوکری دلا دی تھی ہاشم نے پرانی کپنی سے نقل کفالہ لے لیا تھا۔ عالمی کساد بازاری کے ان حالات میں ہاشم کو اس نوکری کا ملنا نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھا۔ اوقات کار بہت زیادہ اور تنخواہ بہت منتوں کے بعد ساڑھے تین ہزار رپاں مقرر کی گئی تھی۔ اس وقت یہ بھی بہت تھے۔ اس کی شریک سفر نور نے اس کے بوجھ کو کافی حد تک بانٹ لیا تھا۔ اس کے پاس اب پانچویں کلاس تک کے بچے بھی آنا شروع ہو گئے تھے۔ اس نے بیٹی کا نام رحمت رکھا اور وہ بیچ میں اس کے لیے رحمت بن کر آئی تھی۔ بہت ہنس کھا اور صابر بن چکی تھی۔ کھیلتی رہتی یا سوئی رہتی۔ نور کو اس کے آنے سے کوئی مسئلہ نہیں ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

ہاشم نے نور کو بچوں سمیت پاکستان بھیجنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ سعودیہ کے موجودہ حالات میں جب کہ اس کی گزشتہ نوکری بھی جا چکی تھی، ٹیلی کو ساتھ رکھنا خود کو مشکلات کے منہ میں دھکیلنے کے مترادف تھا۔ نور کے پاس ٹیوشن سے کمائے گئے اتنے پیسے جمع ہو چکے تھے جس سے وہ اپنا اور بچوں کا ٹکٹ لے کر عزت سے واپس جاسکتی تھی۔ اچھے خاصے پیسے پھر بھی بچ رہے تھے۔ ان نو ماہ کے دوران اس نے ایک پیسہ بھی فالتو خرچ نہیں کیا تھا۔ اس میں اللہ نے برکت عطا کی تھی۔ بے بی خالہ کی بھٹی بیٹی کی شادی تھی نور کی واپسی کی ٹکٹ کفرم ہو چکی تھی۔ اس کے جانے میں ایک

بہت باقی تھا۔ اس کی واپسی سے پہلے ہی شادی کی تقریبات فتم ہو رہی تھیں۔ اسے اچھی طرح یاد تھا۔ بے بی خالہ نے اس کے منہ پہ تین سو رپاں کیسے چھڑکی طرح مارے تھے۔ وہ ذات و ہنک اور اپنی خودداری کا کل اسے بھول نہیں پایا تھا۔ اس نے واپسی کے لیے جو پیسے بچا رکھے تھے ان میں سے کچھ الگ کر کے بے بی خالہ کی بیٹی کے لیے گفٹ خریدے۔ اس نے سونے کے بہت خوب صورت جھمکے اور ساتھ عزیز سے ایک بہت مہنگا کامدار ڈیزائنر سوٹ اور سرٹ واپج لی تھی دیگر چھوٹی موٹی چیزیں اس کے علاوہ تھیں۔ اس نے گفٹ اور تین سو رپاں بہت شکریے کے ساتھ واپس کیے تھے۔ بے بی خالہ کی حیرت دیکھ کر اس کے دل کو سکون مل رہا تھا۔ مری ہوئی عزت نفس پھر سے سر اٹھا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ بے بی خالہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھیں کہ نور بھی اتنا مہنگا تحفہ دے سکتی ہے۔

نور کے جمع شدہ پیسے کم ہو گئے تھے پر کھلی گئی خودداری اور عزت نفس بحال ہو کر پورے قد سے کھڑی ہو گئی تھی۔ ہم مشکل میں رب کو چھوڑ کر اپنے جیسے کم ظرف انسانوں سے مدد مانگتے ہیں اور پھر انکار یہ دیتے ہیں۔ نور بھی اپنے رب سے بہت دور تھی اس نے ایک زوردار ٹھوکر مار کر اسے خود سے قریب کر لیا تھا۔ اپنی بے پایاں رحمت میں ڈھانپ لیا تھا۔ یہ ٹھوکر اس کے لیے بہت مبارک ثابت ہوئی تھی۔ اسے خود میں اپنی چھپی ہوئی خفیہ صلاحیتوں کو دریافت کرنے کا موقع ملا تھا۔ اپنے ماں باپ کے گھر میں بے خبری کا جھولنا چھوٹے لڑکے کی مشکلات سے لڑنا اور نیر و آزما ہونا سیکھ چکی تھی۔ اس نے اپنے کسی بھائی بہن کے سامنے اپنے حالات کا رونا نہیں رویا تھا بے بی خالہ نے پہلے قدم پہ ہی اسے منہ کے بل گرایا تھا۔ روز سدا کی بزدل اور پست ہمت نور ضرور اپنے میکے والوں کے سامنے دوھاڑیں مار مار کرے روئی۔

☆.....☆.....☆

واپسی کا سفر بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اسے اور اس کے بچوں کو بے دلی سے خوش آمدید کہا گیا۔ چھوٹے دیور

کی بھی شادی ہو گئی تھی۔ گھر اور دل میں جگہ تنگ پڑ گئی تھی۔ دبے دبے لفظوں میں کہا جانے لگا کہ نور کو اپنے میکے جا کر رہنا چاہیے کیونکہ اسے اپنے باپ اور بھائیوں پہ بہت غرور ہے ناں۔ شکر تھا کہ ایک ماہ کی چھٹی پہ ہاشم اس کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے اپنے والدین کے گھر کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا گھر کرایے پہ لینے کا فیصلہ کیا۔ پر ایڈوانس بہت زیادہ تھا۔ یہاں کوئی انہیں ادھار دینے والا نہیں تھا تب نور نے دوسرے شہر میں مقیم اپنے بھائی سے مدد لی اس نے خاموشی سے مطلوبہ رقم اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کرادی تھی۔

ہاشم ایک ماہ بعد واپس چلا گیا۔ نور بچوں اور زندگی کا بوجھ اکیلی ڈھونے لگی۔ رات کو سسر اس کے پاس آجاتے۔ یوں آس پاس کے لوگوں کا شکم دور ہو گیا کہ نور کوئی اکیلی عورت ہے۔ اس نے یہاں بھی گھر میں ٹیوشن سینٹر کھول لیا تھا۔ ایک کمرہ اسی کام کے لیے مخصوص تھا۔ شروع میں طلبہ کی تعداد کم تھی پھر آہستہ آہستہ بڑھنے لگی کیونکہ اس نے فیس بہت کم رکھی تھی کچھ ہی عرصے کے بعد نور کو اپنی مدد کے لیے دو اور ٹیچرز رکھنی پڑیں۔ اس کا ٹیوشن سینٹر چل نکلا۔ اس کا ایک ماہ تمام جو بچہ اس کے پاس پڑھنے آتا امتحان میں اس کے لازماً اچھے نمبر آتے۔ لوگوں کا اعتبار نور ٹیوشن سینٹر پہ بڑھنے لگا۔ اب نور کے ساتھ یہاں پانچ اور ٹیچرز بھی تھیں اور یہ سب ضرورت مند گھروں سے تھیں۔ نور ان کو ان کی محنت کا اچھا معاوضہ دیتی تھی۔

اس لیے وہ دل لگا کر اپنا کام کرتی تھیں۔ ادھر ہاشم سعودیہ میں اکیلا تھا۔ فیملی کے جانے کے بعد اس نے اپنے ایک دوست کے ساتھ رہائش اختیار کر لی تھی۔ چار افراد تھے۔ کھانا پانا سب اکٹھا تھا۔ ماہ بہ ماہ سب ایک مخصوص رقم کی ادائیگی کرتے۔ ہاشم ایک پیسہ بچا رہا تھا۔ نور اس کی شریک سفر اس کا دوسرا بازو بن گئی تھی۔

جب سب نے اسے چھوڑ دیا تھا اس نے تب بھی ہاشم کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے رکھا تھا۔ وہ سہولیات میں پٹی بڑھی جسے فلر چھو کر بھی نہ گزری تھی اپنے گھر اور بچوں کے

لیے گھنا درخت بن گئی تھی۔ وہ بہت کمزور دل کی چھوٹی چھوٹی باتوں پہ رونے والی بڑی بڑی باتوں کو نظر انداز کرتا اور چٹکیوں میں اڑاتا سیکھ چکی تھی۔ زندگی نے بہت سبق دیے تھے۔ سب سے بڑھ کر قریبی رشتوں نے بہت کچھ سکھا دیا تھا۔

ہاشم کو اپنی پرانی کمپنی سے رکی ہوئی تنخواہ اور دیگر واجبات مل گئے تھے۔ نور نے اسے مشورہ دیا ہم جس گھر میں کرائے پر رہ رہے ہیں اسے خرید لیتے ہیں۔ اس کی تجویز اچھی تھی۔ چپکے سے ہاشم نے مان لی۔

☆.....☆.....☆

تین سال بعد

نور اپنے گھر کے سرسبز لان میں کھڑی تھی۔ اس کے تینوں بچے کھیل رہے تھے۔ ہاشم ایک ہفتہ پہلے ہمیشہ کے لیے پاکستان آ گیا تھا۔ وہ بھی بچوں کے کھیل کود کسی سے دیکھ رہا تھا۔ یہ گھر انہوں نے دو ماہ پہلے ایک جاننے والے کے توسط سے خریدا تھا۔ خوب صورت اور پُر سکون علاقے میں تعمیر یہ گھر ان کی جنت تھی۔ وہ جنت جو ان کی اپنی تھی۔ اس گھر کی تعمیر کی بنیاد نور نے چار ساڑھے چار سال پہلے مونا مارکیٹ میں جلتی جھلکتی ایک دوپہر میں صرف ڈیڑھ ریال سے رکھی تھی۔ اس کی ڈیڑھ ریال سے کی جانے والی تجارت نے اسے بے پناہ نفع دیا تھا۔ ڈیڑھ ریال کی نیکی اللہ کے ہاں مقبول ہوئی تھی کیونکہ اس میں ریا کاری نہیں تھی۔ اللہ نے مضبوطی اور پیار سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس کی نیکی خالص تھی سوائے بوڑھی صومال اور اللہ کے اس کا اور کوئی بھی گواہ نہ تھا۔

☆.....☆.....☆

چکن میں شیفٹ پر رکھے ڈبے میں وہ پیسے ڈال رہی تھی۔ پاس کھڑا آفاق شروع سے دیکھتا آیا تھا اس کی ماں مہینے کے آخر میں اس ڈبے میں پیسے ڈالتی ہے۔ ان کا کیا مصرف تھا اسے اس بات کا جھس تھا۔ وہ انکول جاتے ہوئے رک گیا کیونکہ پایا اسے اسکول ڈراپ کرتے تھے ان کی کوئی کال آگئی تھی وہ سننے کے

لیے کمرے میں چلے گئے۔ ”مما آپ اس ڈبے میں کیوں پیسے ڈالتی ہیں کیا کرتی ہیں ان کا؟“ اس کا معصوم سوال زبان پر آئی گیا۔ ”بیٹا میں اس ڈبے میں اللہ کا حصہ ڈالتی ہوں۔ آپ کو پتہ ہونا چاہیے میں اللہ کے ساتھ تجارت کرتی ہوں اور جو اللہ کے ساتھ تجارت کرتا ہے وہ اپنے سودے میں کبھی ناکام نہیں ہوتا اور یہ پیسے ضرورت مند لوگوں کے کام آتے ہیں۔ ہمارے پیسوں میں اللہ کے بندوں کا بھی حصہ ہوتا ہے ناں آفاق بیٹا۔“ نور نے تفصیل سے اسے جواب دیا۔ نور کی بہت سی باتیں آفاق کی سمجھ سے باہر تھیں لیکن وہ پھر بھی انہیں سمجھنے کی کوشش کرتا تھا۔

”مما میں بھی اس ڈبے میں اللہ کا حصہ ڈالوں؟“ اس نے بے ساختہ پوچھا۔ نور نے پلٹ کر اپنے بے ریا چہرے والے معصوم بیٹے کی طرف دیکھا۔ ”اللہ کے ساتھ آپ کو بھی تجارت کرنی ہے۔“ ”جی ممّا۔“ اس نے تیزی سے سر ہلایا۔ نور نے ڈبہ اس کی طرف سرکا دیا۔ آفاق نے اپنی آج کی پاکٹ منی کے آدھے پیسے اس میں ڈال دیے۔ ”مما میں بہت خوش ہوں۔“ آفاق کا چہرہ دک رہا تھا۔

اس کے پُر سکون چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے نور سوچ رہی تھی کہ بظاہر چھوٹی چھوٹی حقیر سی نیکیاں انسان کو کتنی بڑی بڑی خوشیاں دے جاتی ہیں۔ کتنی بڑی بڑی مشکلات سے نکال لے جاتی ہیں۔ جیسے اللہ نے نور اور اس کے خاندان کو بچا لیا تھا۔

انسان مٹ جاتے ہیں..... نیکی زندہ رہتی ہے۔



نیکیوں کے دریا

انرا منیر اور

رفاق توں میں وقار کھونا کوئی سنے گا تو کیا کہے گا
یہ دن میں سونا شب میں رونا کوئی سنے گا تو کیا کہے گا
جو بیچ دریا میں چھوڑ آئے یہ بات اتنی نہ آتی ان پر
یہ اس کا ساحل پہ لا ڈبونا کوئی سنے گا تو کیا کہے گا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

سودہ جیند کو ہسپتال میں ماندہ کے روم سے نکلے دیکھ لیتی ہے اور اس سے استفسار کرتی ہے جس پر ماندہ صاف مکر جاتی ہے اور زید کی نظروں میں اسے گرانے سے باز رکھتی ہے زید ان تمام باتوں سے بے خبر ماندہ کو ڈسچارج کروا کر گھر لے آتا ہے۔ پیارے میاں سودہ سے ملاقات کی خاطر زید کی مدد لینا چاہتے ہیں جس پر زید بھڑک اٹھتا ہے اور اسے صاف انکار کر دیتا ہے۔ دوسری طرف سودہ کی لالچائی اسے طمانیت بخشتی ہے اپنے ان جذبول پر زید خود بھی گھبرا جاتا ہے ایسے میں شاہ زیب اسے سودہ سے شادی کرنے کا کہہ کر حیران کر دیتا ہے لیکن شاہ زیب کے سامنے وہ اپنے دلی جذبات چھپا کر اپنی نفرت کا واضح اظہار کرتا ہے جس پر شاہ زیب خاموش رہ جاتا ہے دوسری طرف عمران یہ سب سن کر مطمئن ہو جاتی ہیں۔ انشراح نوفل کے ہاتھوں اس قدر ذلت برداشت نہیں کر پائی اپنی اصلیت جان کر وہ اپنی ہی نگاہوں میں گر جاتی ہے ایسے میں بالی اس کی دیکھتی کرتی ہے۔ جہاں آرا کے ذریعے وہ اپنی ماضی کے متعلق بس اتنا ہی جان پاتی ہے کہ اس کی ماں نور یہ اسے جنم دینے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہو گئی تھی اس کے باپ نے اس کی ماں سے محبت کی شادی کی تھی لیکن اسے وہ مقام درج نہیں دے پایا تھا کچھ عرصے بعد اس کی ماں کو طلاق دے کر اس کا باپ بھی کسی حادثے کا شکار ہو گیا تھا ثانی کے بتانے پر اس سچ کو ہی انشراح نے حقیقت تسلیم کیا تھا لیکن جہاں آرا کا موجود رویہ اسے بالکل بھی مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ عاکفہ اور بابر کے نکاح کی تیاریاں جاری تھیں ایسے میں عاکفہ انشراح کو اپنے نکاح میں شریک کرنے کی بات کرتی ہے جس پر بابر حامی بھر لیتا ہے اور اس کی تلاش میں گھر تک پہنچ جاتا ہے لیکن وہاں جا کر انہیں باپوی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ گھر کوئی بھی نہیں ملتا۔ ایسے میں عاکفہ اپنے طور پر اس کی تلاش جاری رکھتی ہے اور چونکیدار کے منع کرنے کے باوجود اندر چلی جاتی ہے جہاں آرا کا توہین آمیز سلوک برداشت کرتے وہ انشراح تک پہنچتی ہے تو اس کی حالت دیکھ کر شاہ کڈرہ جاتی ہے۔ انشراح اسے یہاں سے جانے کا کہہ کر خاموشی اختیار کر لیتی ہے عاکفہ کو کسی گڑبڑ کا احساس ہوتا ہے جب ہی وہ بابر کو تمام صورت حال سے آگاہ کرتی ہے۔ عمران ماندہ کے ہمراہ رضوانہ کے گھر جاتی ہیں تو رضوانہ زید کی بطور داماد پسندیدگی کا اظہار کرتے عمران کی خاموشی پر طنز کرتی ہے ایسے میں عمران جلد عردہ کو اپنی بہو بنانے کی خواہش کا اظہار کر دیتی ہیں۔ بابر نوفل کی مدد سے انشراح کا پتا لگانے میں تو کامیاب ہو جاتا ہے لیکن دوسری طرف جہاں آرا بھی تشکر ہو جاتی ہیں وہ سرانج کو بلوا کر انشراح اور بالی کو بے ہوشی کی حالت میں گھر چھوڑنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں جب ہی ان کی گاڑی کو اچانک روڈ پر روک لیا جاتا ہے۔

اب آگے پڑھیے

جہاں آرا نے دل ہی دل میں سرانج کو گالیوں سے نوازا اور اس اثناء میں پولیس موبائل سے سپاہی نکل کر گاڑی کو کھیرے میں لے چکے تھے۔ بالی نے کوئی آواز نکالے بنا انشراح کو جھنجھوڑا تھا کہ وہ گہری نیند یا بے ہوشی سے بیدار ہو جائے لیکن نامعلوم کسی بے ہوشی تھی یا نیند جو ٹوٹنے کا نام نہ لے رہی تھی۔ دوسری طرف سرانج اور جہاں آرا گاڑی سے نکل کر باہر مذاکرات میں مصروف تھے گاڑی کی ویڈیو میں بلائینڈ گلاسز ہونے کی وجہ سے باہر کے سارے مناظر دکھائی دے رہے تھے۔

”بی بی..... کسی ہوشیاری کی ضرورت ہرگز نہیں کرنا اگر تم نے کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو یہیں ڈھیر کر دوں گا۔“ پیچھے بیٹھے ہوئے غنڈے نما مردوں میں سے ایک نے پستول دکھاتے ہوئے اپنی شکل سے زیادہ خوفناک آواز میں کہا۔

”ہم رات دو بندے مار کر آئے تھے ہمارے لیے بندے مارنے اور کبھی مارنے میں کوئی فرق نہیں۔“ دوسرے نے بھی اسی انداز میں دھمکی دی بالی نے سر جھکا کر خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی تھی۔ باہر انسپکٹر سے جہاں آرا کسی بحث و مکر میں مصروف تھیں جبکہ سرانج ہونٹ پیچھے کھڑا تھا چہرے پر بڑی عاجزی و مسکینی تھی۔

میں پچیس منٹ کی صبر آزما بحث کے بعد انسپکٹر اور جہاں آرا کے مابین ہونے والے مذاکرات کامیاب ہوئے تھے سرانج کو پولیس اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

”بوا اسی کٹھورا انسپکٹر تھا مجال ہے جو ذرا بھی اپنی بات سے ہٹا ہو سرانج کو گرفتار کر کے ہی لے گیا۔“ وہ گاڑی میں آ کر بیٹھے ہوئے بڑبڑا رہی تھیں اب ذرا نیوٹنگ سیٹ سرانج کے ساتھ آئے مردوں میں سے ایک ساتھی نوید نے سنبھالی تھی سرانج کے برعکس وہ جہاں آرا سے بے حد مرعوب دکھائی دے رہا تھا۔

”میڈم جی..... شکر ہے وہ صرف سرانج باپ کو ہی گرفتار کر کے لے کر گیا ورنہ اس کے تیور تو ہم سب کو ہی جیل کی ہوا کھلانے کے تھے۔“ نوید نے خوشامدی انداز میں کہا۔

”ارے تو کون سا احسان کر دیا ہم پر؟ حرام خورد نے دس لاکھ روپے لیے ہیں معاملہ رفع دفع کرنے کے مفت میں کام نہیں کیا اور سرانج کو کتنی دفع منع کیا ہے کہ نیٹے کی حالت میں گاڑی نہ چلایا کر مگر اس کی کھوپڑی میں بھوسا بھرا ہے بات سمجھ نہیں آتی۔ دو بندوں کو رات کو گاڑی ماری تھی پھر دوبارہ اس راستے سے جانے کی کیا ضرورت تھی۔“

”سرنج باؤ تو اب لمبے اندر گئے میڈم جی۔“

”کیا میڈم جی..... میڈم جی لگا رہی ہے تو نے؟ جانتا نہیں ہے یہ شہر ہے یہاں لوگ بڑی عزت کرتے ہیں میری آئی بولا کر مجھے۔“ انہوں نے تیوری بدل کر اس کو بری طرح لتاڑا تو وہ گڑبڑا کر رہ گیا۔

”اچھا..... اچھا آئی جی۔“

”ماسی..... ہم کہاں جا رہے ہیں اس طرح چوری جیسے؟“

”چوری جیسے؟“ جہاں آرا نے اس کی طرف گردن موڑ کر ہنس کر کہا۔

”کہیں نہ کہیں تو چلے جائیں گے فی الحال اس دنیا میں ہیں۔“

”انٹی کو ہوش کیوں نہیں آ رہا؟ کب سے بے ہوش ہے یہ۔“

”اس کو ہوش آ جائے گا لیکن تم اپنے ہوش ٹھکانے پر رکھنا ذرا بھی اس کو سن دینے کی سعی کی تو جان سے جاؤ گی۔“

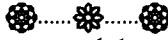
”کیا بتاؤں گی اس کو؟ میرے پاس بتانے کے لیے کیا ہے۔“ تم جودل چاہے کرتی ہو تمہاری بے دام کنیزیں

ہیں جو چاہے ہمارے ساتھ سلوک کرو۔“ بالی بے بسی کے احساس سے رونے لگی۔

”آن نسوؤں کا مجھ پر کوئی اثر ہونے والا نہیں..... بہت بڑی بھول کر دی میں نے تم دونوں کو سر چڑھا کر اس انٹیما تو مجھے پہلے دن سے ہی اس کی اوقات یاد دلانی تھی کہ اصل میں یہ ہے کیا چیز۔“ وہ غصے سے بے ہوش انشراح کو کھول کر ہونی کھڑی تھیں۔

”اچھا تھا نہ پہلے سے ہی اس کو اپنے بارے میں معلوم ہوتا تو آج اس کی ایسی حالت نہ ہوتی۔ تم نے جھوٹ، جھوٹ کی دیواریں کھڑی کر کے اس میں اسے زندہ دفن کر دیا ہے۔“

”چپ ہو جاؤ یا دہ بک بک مت کرائی بڑی حمایتی بن کر۔“ جہاں آ رائے بولی کوڈ انٹ کر چپ کر دیا۔
رات کی سیاہ چادر دھیرے دھیرے سرک رہی تھی اندھیرے کی کوکھ سے ہولے ہولے سنہری شعاعیں نمودار ہو کر ماحول کو منور کرنے لگی تھیں۔ سورج ابھی پوری طرح نمودار نہیں ہوا تھا، سڑکوں پر معمولی شریفک رواں تھا، نیکو دیکھ جہاں آ رائے نے واپس بیٹنگ کی طرف گاڑی موڑنے کا حکم دیا تھا۔ خود گہری سوچوں میں آئندہ کے لائحہ عمل کے تانے بانے بننے میں مگن ہو گئی تھیں اپنی پلان کے آغاز میں ہی ناکامی نے ان کو پریشان کر ڈالا تھا۔



رات نہ معلوم کتنی بیت گئی تھی، کروٹیں بدل بدل کر بھی وہ بے زار ہو چکی تھی نیند تھی کہ بدستور غائب تھی۔ منور صاحب کچھ دنوں سے ہارٹ کی تکلیف میں مبتلا تھے ڈاکٹر نے انہیں سخت سے آرام کرنے کی تلقین کی تھی۔ زید آفس کی مصروفیات کے باوجود ان کو ناٹم دے رہا تھا بھر پور طریقے سے خیال رکھ رہا تھا۔ ان دنوں عمرانہ یکم کا موڈ سخت خراب تھا انہوں نے ماندہ کے لاہور جانے کا زید کو بتایا تھا اور اس نے سختی سے سے بھیجنے سے منع کر دیا تھا اور عمرانہ اس سے خفا ہو گئی تھیں اور قبل اس کے کہ وہ اپنے غصے کا عملی مظاہرہ کرتیں اچانک منور صاحب کی خرابی طبیعت نے ان کو پروگرام ملتوی کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور آج جب منور صاحب کی طبیعت بہتر ہوئے دو دن ہی گزرے تھے وہ زید سے ٹکرا اور جھگڑنے لگیں کہ وہ ان سے دور ہو گیا ہے۔ ماں بہن کو انکو روک کر لگا ہے وہ ان سے بے زار ہو گیا ہے وغیرہ وغیرہ اس نے ان کا ہر الزام ہر طعنہ ہر بدگمانی بہت خندہ پیشانی صبر و تحمل سے برداشت کی لیکن اس کی نہ ہاں میں نہ بدلی تھی۔

خالہ اور ان کی دونوں بیٹیوں کی طرف سے وہ مطمئن نہ تھا، خصوصی طور پر عروہ اور عفرہ اس کو شک تھا کہ وہ ماندہ کو مس گا بیڑ کر رہی ہیں۔ یہ بات عمرانہ کسی طور ماننے کو تیار نہ تھیں اور وہ اس سے خفا ہو کر اپنے بستر پر دراز ہو چکی تھیں سر تا پاؤں رضائی اوڑھ کر اور وہ ان کے مخدوم ہونے تک قریب ہی بیٹھا رہا تھا نہ اس نے کھانا کھایا تھا اور نہ ہی کافی یا دودھ کی بامی بھری تھی جبکہ عمرانہ یکم اور ماندہ کھانا کھا چکی تھیں اس بد مزگی اور ٹکرائے سے دودھ کو مضطرب کر دیا تھا۔

گو کہ زید سے اس کے تعلقات کبھی بھی اچھے نہ رہے تھے اب جب سے اس کی معافی کا شوشہ اٹھا تھا وہ کچھ زیادہ ہی اس کا دشمن بن گیا تھا مگر ایک وہ تھی جو اپنی حساس طبیعت و گداز دل کی بدولت خود سے ہی تنگ تھی اب بھی اس کو یہی خیال ستارہا تھا کہ زید نے سارے دن سے کچھ نہیں کھایا اس طرح بھوکا رہنا قطعی مناسب نہ تھا اس طرح وہ کمزور ہو کر بیمار ہو سکتا تھا اور اس کے بیمار ہونے پر منور ماموں کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ یہ خیال آتے ہی اس نے بتا دی بوا کو چگانے کا ارادہ کیا کہ وہ اپنی چٹنی چڑی باتوں میں بہلا کر اس کو کھانے پر مجبور کر سکتی تھیں۔ وہ دوپٹہ درست کرتی انھی اور ماندہ کی طرف دیکھا وہ بے خبر سو رہی تھی اس نے بھی بھائی کی بھوک ہڑتال کا ذرا نوٹس نہ لیا تھا، وہ خود غرض وہ جس بہن ثابت ہو رہی تھی کہ اصل فساد کی جڑ وہ ہی تھی لاہور جانے کی اجازت نہ ملنے پر اس نے ہی ماں کو بھائی کے خلاف بھڑکایا تھا۔

وہ کمرے سے نکلی تو باہر خاصا اندھیرا تھا صرف کوریڈور میں روشن نائٹ بلب کی ناتواں روشنی ماحول کو پر اسراریت بخش رہی تھی۔ سارا دن اس کا مختلف شغلوں میں گزرتا تھا باریک بینی سے خوف و دہشت کے مگردات کے اس پہر ایک عجیب سی اداسی و دہشت نے لے لی تھی تیز تیز بڑھتے قدم سے ہونگے تھے پھر اس کو پاؤں بالوں میں عموماً صوفیہ اور مرد وچہ کی نماز ادا کرتی ہیں یقیناً وہ ہاں نماز ادا کر رہی ہوں گی۔ قدموں میں پھر پھرتی آئی تھی لاؤنج کا دروازہ کھولا تو وہاں کوئی نہ تھا، نیم اندھیرا خاموشی بھری مٹھنک پر سو بھیلی تھی وہ حیرت سے لاؤنج دیکھ رہی تھی اندر ہر سائت تھی لیکن پھر اس کو باہر کچھا وانا آئی اس نے چونک کر چاروں طرف دیکھا کچھ نہیں تھا ہر شے ایسی ہی سائت و خاموش۔

”کیسی آواز تھی وہ..... آواز تھی یا میرا وہ؟“ وہ ابھی خود کو دلا سہ دے رہی تھی کہ وہ آواز پھر گونجی اور وہ خوف و ڈر کے مارے لرز اٹھی تھی وہ یہ سوچ کر کمرے سے نکلی تھی کہ لاؤنج میں امی یا ممانی نماز پڑھ رہی ہوں گی تو وہ اطمینان سے جا کر بوا کو جگا دے گی لیکن وہاں کی آف ٹینس بتا رہی تھیں کہ گھر کا کوئی فرد ابھی بیدار نہیں ہوا اور جب کوئی فرد جاگ نہیں رہا تو پھر وہ عجیب سی آواز کیس کی تھیں کہاں سے آ رہی تھیں؟ وہ جس پر سکون حالت میں یہاں آئی تھی اب اس سے کئی گنا خوف میں وہ مبتلا ہوئی تھی۔ یہ گھر جہاں دن کی روشنی میں وہ آنکھیں بند کر کے ہر مقدم پر پہنچ سکتی تھی۔ رات کے اس وقت گھر بالکل اجنبی و ڈراؤنا لگ رہا تھا باریک بینی سے لگے تمام ڈراؤنے قصے ایک دم یا یاد کے آئینہ میں عکس بن کر ابھرنے لگے اور ذہن کا پردہ چاک کر کے حقیقت کی دنیا میں ادھم چلانے لگے تھے۔ کربہ چہرے والے بد صورت روپ والے اس کو اپنے ترغیب میں لے چکے تھے اس نے بھاگنا چاہا قدم پھر ہو گئے چنچنا چاہا آواز نے ساتھ نہ دیا اور وہ پر اسرار آواز اس تک آن پہنچی تھی۔

عاکفہ جب سے انشراح سے مل کر آئی تھی اس کی حالت اور اس کی نانی کے تیور اور بداخلاقی نے اس کو دہرے عذاب میں مبتلا کر دیا تھا کہ ایک طرف اس کی بگڑی ذہنی حالت نے اس کو متوش کر دیا تھا تو دوسری طرف اس کی نانی کی مشکوک ہٹ دھرمی بتا دے رہی تھی کہ وہ نے ضمیر کو بے ایمان عورت جس کی نگاہوں میں نہشتوں کا نقد تھا نہ دوستی کا احترام ملحوظ تھا نہ روئے کی ہوس میں کچھ بھی گزر رہے نہ کو برا سمجھنے والی نہ تھی۔ اس کے لالچ نے ہی انشراح کو اس حال تک پہنچا دیا کہ وہ شوخ و پچھل کسی سے نہ ڈرنے والی لڑکی شدید ذہنی مریض بن کر رہ گئی تھی۔

”عاکفہ..... اس طرح رونے سے مسائل کا حل نہیں نکلتا جب سے انٹی کے پاس سے آئی ہو روئے جاری ہو، آنسو کبھی مسئلہ کا حل ثابت نہیں ہوتے۔“ حور بانو نے قریب بیٹھتے ہوئے پیار سے کہا۔

”مہی..... آپ انٹی کی حالت دیکھیں پھر آنسو آپ بھی ضبط نہ کر سکیں گی وہ بالکل ہی بدل گئی ہے۔ بہت عجیب ہے حد اجنبی ہو گئی ہے۔“ عاکفہ ماں کے سینے سے لگ کر کہنے لگی۔

”میں بنا دیکھے ہی اس کی حالت محسوس کر رہی ہوں بلندی پر پرواز کرنے والے پرندے کے پر کاٹ کر جب اسے کچھڑ میں پھینک دیا جائے تو اس کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے نہ وہ اڑ سکتا ہے نہ چل سکتا ہے صرف سسک کر ہی رہ جاتا ہے پھر انٹی تو انسان ہے بہت اعلیٰ اور مضبوط کردار کی معصوم لڑکی۔ اس پر جو قیامت ٹوٹی ہے وہ اس کی انا و عزت نفس کو ریزہ ریزہ کر چکی ہے۔“

”وہ اندر سے مر گئی ہے اور اس کی موت کی ذمہ دار صرف اس کی نانی ہی نہیں۔ نونل بھائی بھی ہیں مامعلوم کیوں ان کے اندر عورتوں سے نفرت بھری ہوئی ہے؟ اور انٹی سے وہ پہلے دن سے ہی نفص دل میں لیے بیٹھے تھے اب یہ قدرت کا مذاق سمجھیں یا انٹی کی بد قسمتی کے اس کی نانی نے پیسوں کی ڈیمانڈ بھی کی تو ایسے شخص سے جو اس کا سب سے بڑا دشمن

ہے اور انہوں نے سوچے سمجھے بغیر ہی اپنے دل کی بھڑاس نکال کر پاگل کر دیا ہے اس کو..... مامعلوم کس عورت کا بدلہ میری بے قصور بہن سے بڑے بھیا یک انداز میں لیا ہے۔“

”آپ کے بابا ایک ہفتے بعد واپس آئیں گے قافلے سے پھر وہ کوئی حل نکالیں گے ان کی غیر موجودگی میں ہم کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔“ وہ بھی انشراح کی طرف سے فکر مند و مضطرب تھیں۔

”ایک ہفتہ بہت ہوتا ہے مہی..... اس عرصے میں انٹی کی نانی نہ جانے کیا کر گزرے؟“ وہ بکھرے بال سینتی ہوئی گویا ہوئی۔

”اللہ کے سپرد کر دو بیٹا۔“ حور بانو نے تسلی دی۔

”بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے مہی..... لیکن ہمیں کوشش تو کرنی چاہیے راستے پر چل کر ہی منزل ملتی ہے اللہ بھی ان کا ساتھ دیتا ہے جو محنت کرتے ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے والوں کی مدد اللہ بھی نہیں کرتا ہے ہمیں انٹی کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا ہے۔“

”کس طرح بیٹا..... جبکہ وہ خود تعاون کرنے کو تیار نہیں اور ایسے میں جہاں آرائیگم ہماری راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بنیں گی۔“

”کچھ بھی ہو میں انٹی کو اس ظالم و لاپرواہی عورت کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتی، خواہ میں مر بھی جاؤں تو پروا نہیں.....“

”اللہ سب اچھا کرے گا میری بیٹی..... تمہارا جذبہ تمہاری محبت رائیگاں نہیں جائے گی۔“ انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ بھیرا تھا۔

زرقا اور یوسف چند دنوں میں عمرہ کی ادائیگی کے بعد وطن واپس آ رہے تھے ان کی آمد کی خبر نے نونل کو ہشاش بشاش کر دیا تھا کہ ان کے جانے کے بعد وہ خود کو بہت تنہا محسوس کر رہا تھا ان کی واپسی کی خوشی میں اس نے گرینڈ پارٹی کا اہتمام رکھا تھا۔ جب وہ انٹینشن کا رڈ بائرب کو دینے گیا تو خلاف معمول وہ بے حد پریشان و فکر مند ملا اس کے اصرار پر وہ عاکفہ کی زبانی سننے والی ساری کہانی سنا تا چل گیا جو کچھ پر قبل ہی عاکفہ نے نونل پر سنائی تھی۔

”بہت عجیب بات ہے اور تکلیف دہ بھی، جس کو سن کر تم مسکرا رہے ہو یا..... ایک لڑکی کی لائف تمہاری وجہ سے تباہ ہو گئی..... وہ زندگی سے بھرپور لڑکی کتنی بہادر و غیور تھی جو تمہاری انا و خود غرضی کی بجھٹ چڑھ کر کیا سے کیا ہو گئی اور تم مسکرا رہے ہو؟“ اس کے وجہ چہرے پر مسخرانہ مسکراہٹ مہی گویا اس کا کوئی لفظ اس کو متاثر نہ کر سکا ہو یا وہ کوئی جوک سن رہا ہو۔

”تم کیا چاہ رہے ہو یہاں بیٹھ کر روؤ یا جا کر اس کے آنسو پونچھو اور کہو! ایم سوری..... مجھے تمہیں آئینہ نہیں دکھانا چاہیے تھا تمہاری اوقات نہیں بتانی چاہیے مہی وغیرہ وغیرہ۔“

”تم پھر وہی بات کر رہے ہو تم کو اپنے عمل پر کوئی پچھتاوا نہیں؟ اس کی تعلیم کا خرچ ہو رہا، پڑھائی تقریباً ختم ہوتی جا رہی ہے زندگی کی خوب صورتی سے دور ہو گئی ہے وہ۔“

”وہ کسی نے مثال دی ہے کہ ایک مچھلی پورے تالاب کو کندہ کرتی ہے تو اس مناسبت سے اس کا جامعہ میں نہ ہونا ہی اچھا ہے ورنہ.....“

”شٹ یار..... تم اتنے سنگدل تو کبھی نہیں تھے، تم نے عورت ذات کا احترام نہیں کیا تو بے عزتی بھی کبھی نہیں کی“

”عورت عورت کی بات ہوتی ہے ہر کوئی عزت کے لائق کہاں ہوتی ہے۔“ وہ کولڈ ڈرنک کے سپ لیتا ہوا بے

استثنائی سے بولا۔

”یار اس میں انشراح کا کیا تصور کرو وہ غلط گھر میں پیدا ہوئی اور اس بڑھیا نے جوتہا رے ساتھ فراڈ کیا تھا وہ اس سے بھی قطعی طور پر ناواقف تھی۔ یہ بات تو عاکفہ کو بالی نے بتائی جو اتفاقاً اس بڑھیا کی بات سن چکی تھی جو وہ اپنے پارٹنر سے کر رہی تھی۔“ باہر کی ساعتوں میں اب بھی عاکفہ کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

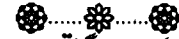
انشراح کے متعلق بتاتے ہوئے اس کے ہر لفظ سے سچائی و درود بھر رہا تھا اور انشراح جیسی پُر اعتماد و شوخ و چنچل لڑکی کی ایسی حالت کا تصور ہی باہر کے حساس دل کو مضطرب کر گیا تھا۔

”پہلے اس کو یقین نہیں آیا کہ اس کی نانو ایسا اس کے ساتھ کر سکتی ہیں پھر بالی کے مشورہ پر اس نے تم سے تصدیق کرنی چاہی تھی اور تم نے ایسی تصدیق کی کہ اس کی انا و قار اور اس کی خود داری و نسوانیت کچھ بھر میں راکھ کر دی۔“ جذبات سے اس کی آواز بھرا گئی تھی پھر کچھ توقف کے بعد بولا۔

”جانور کبھی ذبح کرنے سے قبل ایک نگاہ ترحم ڈال لیتے ہیں۔“

”تم کچھ زیادہ ہی ایویشنل ہو رہے ہو شاید تمہارے دل میں اس کے لیے کوئی عزت موجود ہو لیکن میرے دل میں ایسا کچھ نہیں..... میں ایسی لڑکیوں کی عزت نہیں کرتا جن کو کونوں کے عوض کوئی بھی حاصل کر سکتا ہو کیونکہ نام میں کوئی آرگومنٹ نہیں چاہتا۔“

”تم سے کچھ کہنا پھر سے سر پھوڑنے کے مترادف ہے۔“ وہ گہری سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ اس کے سنگ عاکفہ کی طرف کا رڈ دینے جانا تھا۔



”بھوت..... بھوت..... بھوت.....“ وہ اس کو دیکھ کر چیختی گئی تھی معاذ زید نے لمبی جست بھری اور دوسرے لمحے اس کے کھلے منہ پر اپنا ہاتھ جمادیا وہ ایک ہاتھ منہ پر جمائے دوسرے ہاتھ سے اس کا بازو جکڑے گھسیٹا ہوا کچن میں لے آیا اور غصے سے کرسی پر بٹخا دیا۔

”کس نے کہا تھا اس وقت روم سے نکلو؟“ وہ غرایا۔

”سارا دن پورے گھر میں مارچ پاست کرتی پھرتی ہو رات کی ان ساعتوں میں زمین کو اپنے وجود سے پاک رکھا کرو۔“ وہ ابھی تک کم صم تھی حواس کشیدہ تھے کہ اصل بھوت نہ سہی زید اس کے لیے کسی بھوت سے کم بھی نہ تھا پورا جسم دھڑکن بن گیا تھا اور وہ جوں کی کڑوی کیسی باتیں سرجھکائے خندہ پیشانی کے ساتھ ستارہا تھا دل کی بھڑاس وہ اس پر نکال رہا تھا بے بھاد و سنا رہا تھا۔ وہ نگاہیں جھکائے بیٹھی تھی اس کے سوتی رخساروں پر لڑزائیں سیاہ کھنی پلکوں کا جنگل اور اس جنگل میں اٹھنے والی اس کی آچانک برہم نگاہیں کھٹکتی تھیں لمحے بھر کو وہ دم بخود سارہا گیا تھا۔ نشتر چلائی زبان رک گئی تھی دل عجیب سوز سے گریں بد لگنے لگا تھا۔ کیا سحر تھا ان سیاہ کھنی پلکوں کے جنگل میں؟ نگاہیں جب بھی اٹھتی ہیں پھر واپسی کا سفر بڑا ٹھن و دشوار ہوتا تھا۔

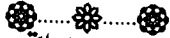
”گیٹ آؤٹ.....“ لمحے میں برہمی کی شدت کم تھی وہ جو بے حس و حرکت بیٹھی تھی تیزی سے اٹھی اور اس تیزی سے اٹھنے کے نتیجے میں کرسی زور سے کھسک گئی تھی۔

”ریلیکس.....“ بتایا جان کے خیال سے ہی میں خاموشی سے کافی بنا رہا تھا مگر نہ معلوم تم کیسی شارپ سماعتیں لے کر آئی ہو کہ معمولی آواز پر بھی روم سے باہر آ گئی اور اگر تمہیں اتنا ہی گھر کی نگرانی کا شوق ہے پھر خود کو بہادر بھی بناؤ۔ انسان تم کو بھوت دکھائی دیتے ہیں اگر تمہارا منہ نہ بند کرتا تو تم نے رات کے اس وقت میرے لیے مزید پرالہم کری ایٹ

کر دینی تھی ہونہ۔“ وہ اس کی طرف پشت کیے کافی کے ساتھ دل کی بھڑاس بھی نکال رہا تھا۔ بلو پینٹ پر لیسن کھڑی شرٹ کبھی تک سلو زونڈ تھیں براؤن بال بے ترتیب تھے۔ کئی دنوں سے اس نے شیو بھی نہ کی تھی اس کی کھڑی بکھری حالت بے سکون ذہن کی غماز تھی۔ اس نے آج سارا دن کچھ نہیں کھا تھا اور شاید کئی راتوں سے پوری نیند سے محروم تھا۔ وہ سب کا خیال رکھتا تھا ہر ایک کی خدمت کے لیے کوشاں اگر دشمنی تھی تو صرف اس سے بھی وہ ہی ایک ناپسندیدہ ہستی تھی وہ کافی لے کر نکل گیا تھا اس کی طرف دیکھے بنائی۔

سودہ کا دل نہیں مانا وہ سمجھ گئی اس کو بھوک لگ رہی ہے تب ہی وہ کافی بنائے آیا تھا اور صرف کافی بھوک کا مداوا کبھی نہیں ہوتی ہے۔ اس نے جلدی سے فریزر سے شامی کباب نکال کر فریج کیے بڑے یوگرم گرم کر کے دیگر لوازمات کے ساتھ ٹرے میں سیٹ کر کے وہ کچن سے نکل آئی تھی کہ اس کے کمرے میں جانے سے قبل وہ یہی اہتمام کر سکتی تھی اور وہ سیزرھیان چڑھ رہی رہا تھا جب اس نے ٹرے اس کی طرف بڑھائی تھی جو اس نے خاموشی سے تمام لی تھی۔ شامی کباب اس کی فیورٹ ڈش تھی اور رات کے اس پہر لگنے والی شدید بھوک کو کبابوں کی خوشبو نے اور بڑھادیا تھا۔

”اوہ..... یہ کیا میں سوچ رہا ہوں ایک ناممکن بات تمہیں شرم آئی چاہیے۔“ جذبات کے منہ پر طمانچہ مارتے ہوئے اس نے کہا۔



طوفان آیا تھا تباہی و بربادی دل و دماغ کے ہر گوشے میں پھیلی تھی اس کی ذات اور ہستی نیکوں کی طرح بکھر کر رہ گئی تھی۔ عرش سے فرش اور فرش سے پاتال کے سفر نے اس کو توڑ کر رکھ دیا تھا کئی دنوں تک وہ یقین و بے یقینی استعجاب و ملال کے بھنور میں ڈوبتی ابھرتی رہی تھی۔ کتنا مشکل تھا خود کو اس سچ پر راضی کرنا کہ اس کی ماں کوئی شریف زادی نہیں طوائف زادی تھی۔ وہ کسی نیک عورت کی نہیں ایک طوائف کی بیٹی ہے۔ دل و دماغ نے اس اذیت ناک حقیقت کو ماننے سے انکار کر دیا تھا وہ خود سے نگاہ نہ ملا رہی تھی۔ آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا تھا روشنی سے نفرت ہو گئی تھی خود سے گھن آنے لگی تھی زندگی کا خاتمہ کرنا چاہا لیکن کسی صورت کا میاب نہ ہوئی کہ بالی اس کا سایہ بن کر رہ گئی تھی وہ سوتے میں بھی معمولی سی جنبش براٹھ کر بیٹھ جایا کرتی تھی۔ کئی ہفتے اس نے ہوش و حواس سے عاری گزارے تھے پھر بالی کی محبت اس کو حواسوں میں لانے لگی تھی اور حواس جیسے جیسے بیدار ہونے لگے تھے اس کا یہاں دم گھٹنے لگا تھا ہر جگہ وحشت و اجنبیت محسوس ہونے لگی تھی۔

”دیکھو میری بات سنو کئی ہفتوں سے تم دنیا سے نااطوڑے بیٹھی ہو۔ سوگ منار ہی ہوڈاویلا کر رہی ہو اب مجھے بتاؤ تم کو کیا فائدہ ہوا ہے سب کرنے کا؟ تمہاری تقدیر بدل گئی؟ ولدیت کے خانے میں کسی باپ کا نام آ گیا؟ تمہیں جائز اولاد ہونے کا سرٹیفکیٹ مل گیا؟“ جہاں آئے ایک عرصے سے اس کو اس کے حال پر چھوڑا ہوا تھا خاموشی سے اس کو اپنی اصلیت کو قبول کرنے کا موقع دیا تھا وہ زیرک نگاہ و معاملہ فہم تھیں۔ اس دشت کی ساجی میں ہی ان کے سیاہ بال سفید ہوئے تھے بخوبی جانتی تھیں جب مچھلی جل سے نکلتی ہے خوب چلتی ہے تڑپتی ہے اور آخر کار ساکت ہو جاتی ہے وہ بھی اب چپ تھی کسی ایسی جھیل کی مانند جس کی تہہ میں لاکھ طوفان چل رہے ہوں مگر گہر سکون و فراموشی دکھائی دیتی ہے۔ آج کئی ہفتوں بعد وہ لان میں بیٹھی شام کی چائے پی رہی تھی معاذ انہوں نے لاڈ بھرے لہجے میں اس کو سمجھانے کی ٹھانی تھی۔

”میری ماں طوائف تھی وہ ایک عورت بن کر گھر بھی بسا سکتی تھی اگر عورت بن کر گھر بسانے کی کسی ایک مرد کی وفادار رہنے کی اہلیت نہیں تھی پھر وہ ماں کیوں بنی؟ میری پیدائش سے پہلے ہی دنیا میں آنے کے میرے راستے مسدود

کردیتی اور ایسا ممکن نہ تھا تو پھر پیدا ہوتے ہی میرا گلا کیوں نہیں دبا یا؟ کسی گندے نالے میں ڈال دیتی، کچرے پر پھینک آتی وہاں کتے بلی کھا کر اس دنیا کو میرے ناپاک وجود سے پاک کر چکے ہوتے، میں یہاں پل پل مرنے کے لیے زندہ نہ رہتی۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑی چائے کی پیالی رکھ دی تھی۔

”تمہارے سب سوالوں کا صرف ایک ہی جواب ہے اُنٹی..... عورت طوائف بن کر ہر معتبر رشتہ کھودیتی ہے۔ عورت طوائف تو بن سکتی ہے طوائف بن کر عورت نہیں۔“

”یہ صرف آپ کی ذہنی اختراع ہے اگر کوئی خود کو بدلنا چاہے تو بدل سکتا ہے برائی سے اچھائی کی طرف سفر خشن و دشوار ضرور ہے ناممکن نہیں۔ آپ نے اور اس عورت نے کبھی گندگی سے نکلنے کی سعی کی ہی نہیں ہوگی کہ جس طرح آپ کا دین و ایمان دولت ہے اسی طرح وہ عورت بھی دولت کی پوجا کرتی ہوگی۔“ وہ ہندیائی انداز میں بول رہی تھی اور جہاں آرا کے تئور پکڑنے لگے تھے۔



وہ دیواروں سے جالے صاف کر کے فارغ ہوئی تھی نہ معلوم کس سمت سے پٹ سے کوئی شے اس کے سر پر آ گری تھی اس نے سر پر ہاتھ پھرا تو کوئی ٹکٹکی سی شے اس کے ہاتھ میں سمٹ آئی تھی جس پر نگاہ پڑتے ہی اس نے اسے دور اچھالا اور ساتھ ہی اس کی چیخوں سے ماحول گونج اٹھا تھا اور ساتھ ہی اندر داخل ہونے والے شاہ زیب کے تھقبے بھی صوفیہ اور زمر و گھبرا کر وہاں آئی اور ان کے پیچھے زید بھی جو سامنے کا منظر دیکھ کر وہیں مقہم گیا تھا۔ بلو کا رپٹ پر زرد رنگ کی سوئی ربڑ کی چھپکلی پڑی دکھائی دے رہی تھی اور وہ کچھ فاصلے پر اس کا بازو دھامے خوفزدہ کھڑی تھی۔

”تو بے بھی دم نکال کر رکھ دیا ایسے جینے ہے کہ چھپکلی نہ ہوئی کوئی ہیر شیر آ گیا ہوا نتہا کی ڈرپوک لڑکی ہے۔“ صوفیہ نے سر ہلاتے ہوئے ننگلی سے کہا۔ زمر و سکرا کر وہ گئی تھیں شاہ زیب کی شرارت پر۔

”ایم سوسوری سنسٹر..... مجھے نہیں معلوم تھا تم اتنا ڈرتی ہو۔“ اس کے لبوں پر ہنسی اور آنکھوں میں شرارت تھی۔

”ارے یہ کس سے نہیں ڈرتی؟ چھپکلی کا کروچ، مینڈک، اندھیرا تنہائی، بادل کی گرج، بجلی کی چمک سے۔“ صوفیہ ادھوری نماز چھوڑ کر آئی تھیں تیز تیز چلنے کے باعث ان کا نفس بے قابو ہو رہا تھا۔

”یہ آپ کی شرارت تھی میری بیٹی کو خوفزدہ کر دیا۔“ وہ سودہ کا ہاتھ پکڑ کر شاہ زیب سے گویا ہوئیں جو اندر آتے زید کو دیکھ کر جھینپ گیا تھا۔

”تمہاری جان..... میں دیکھ رہا تھا یہ کتنی بہادر ہے! خرکار زندگی اس کو ایک مگر مجھ نما انسان کے ہمراہ گزارنی ہے مگر یہ ربڑ کی چھپکلی سے بھی ڈرتی ہے پھر اس مگر مجھ کے ساتھ زندگی کس طرح گزارے گی؟“

”مگر مجھ نہیں رچھ ہے وہ میں اس سے سودہ کی شادی کرنے والی نہیں ہوں بھائی صاحب نے خواجہ انان ماں بیٹے کو تسلی دی ہوئی ہے ورنہ مجھے معلوم ہے پیارے میاں اپنی ماں سے بھی دو ہاتھ آگے ہی ہوں گے۔“ صوفیہ کہتی ہوئی چلی گئیں زید کو وہاں دیکھ کر سودہ بھی ماں کے پیچھے چلی گئی تھی جبکہ وہ تینوں وہاں رہ گئے تھے۔

”تمہاری جان یہ کس طرح ممکن ہوگا پھوپھو تو بالکل بھی پیارے میاں کو پسند نہیں کرتی اور وہ کسی طور بھی سودہ کی شادی وہاں کرنے پر راضی نہیں ہیں اور ادھر پیارے میاں سوتے جاگتے سودہ کو اپنانے کے سنے دیکھ رہے ہیں۔“ وہ زید کے ساتھ صوفیہ پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

”صوفیہ نے ہمیشہ جذبات سے کام لیا ہے اس دور میں اچھے رشتے ملتے ہی کہاں ہیں پھر وہ لڑکا کچھ فرہہ ضرور ہے

مگر قبول صورت ہے اعلیٰ اخلاق و باشعور ہے سودہ سے جو اس نے باہر ملاقات کرنے کی بات کی تھی اس پر وہ معذرت کر چکا ہے اور جو انہی غلطی تسلیم کر کے معافی مانگ لے میری نگاہ میں وہ معتبر انسان ہے۔“ زمرہ دیکھنے نے مطمئن انداز میں کہتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

”لیکن پھوپھو اس کو اپنے داماد کے روپ میں دیکھنا پسند ہی نہیں کرتی ہیں اور سچ پوچھیں تو مجھے بھی وہ شخص سودہ کے ساتھ سوٹ نہیں کرتا اس کے ساتھ تو..... کوئی اور ہی چٹا و چٹا ہے۔“ وہ ہنسیوں سے زید کی طرف دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

”گراپ کی اور تیا کی مرضی ہے پھر دیر کس بات کی ابھی گفتنی کروں اور ایگزیم کے بعد شادی کر کے معاملہ ایک طرف کریں۔“ اس نے شاہ زیب کی نگاہوں کو اگنور کر کے بچیدہ لہجے میں کہا۔



یوسف اور زرقا کی آمد اس کے لیے بہاروں کی واپسی تھی ایک مدت بعد اس کو سب نے مسکراتے بلکے ہنستے ہوئے بھی دیکھا تھا ورنہ ہنسنا اور کنارہ مسکراتا ہی شاذ و نادر تھا لیکن یوسف صاحب کے بعد وہ زرقا کے ساتھ کسی چھوٹے بچے کی طرح ہی رہا تھا اور وہ بھی کسی کم سن بچے کی مانند اس کو سینے سے لگا کر رکھی ہوئی تھیں۔ برابر پیشانی پر بوسے دے رہی تھیں۔

”ماما..... سنا تھا گھر ماں کے بغیر قبرستان کی مانند ہوتا ہے یہ بالکل سچ ہے آپ کے بنایہ گھر ہی کیا میرا دل بھی قبرستان بن گیا تھا جہاں ہر سوسنا تھا ویرانی تھی خاموشی تھی۔“ یوسف صاحب کسی دوست سے ملنے ڈرائنگ روم میں گئے تو وہ ان کے نرم و ملائم ہاتھوں کو تھامتا ہوا عقیدت مند لہجے میں بولا۔

”بہت ہی بد قسمت عورت تھی شہوانہ جو نوفل جیسے بیٹے کی قدر نہ کر سکی جس کی محبت و چاہت کی کوئی لمٹ ہی نہیں ہے۔“ وہاں آتی سامعہ مسکراتی ہوئی گویا ہوئیں۔

”اس خوشی کے موقع پر آپ اس عورت کا ذکر کیوں کر رہی ہیں آنٹی؟“ خوشی و طمانیت گویا ایک سینڈ میں اس کے چہرے سے نوج لی گئی تھی۔

”جہاں آپ ہوں گے وہاں شہوانہ کا ذکر بھی ہوگا“ آفرال آپ نے جنم اسی عورت کی کوکھ سے لیا ہے جس کا آپ نام سننا بھی گوارا نہیں کرتے بی کوڑنگی ماں وہ ہی عورت ہے آپ کی۔“ یہ وہ کڑی سچائی تھی جو عکس بن کر اس کے ساتھ رہتی تھی۔

”جنم دینے والی سے زیادہ حق پالنے والی کا ہوتا ہے میں نے نوفل کو اولاد سے بڑھ کر محبت دی اب لوگ یہ یاد رکھتے ہیں کہ نوفل میرا بیٹا ہے۔ بانی داوے لوگ آئینہ دیکھتے ہیں آئینہ کے عقب میں کیا ہے اس سے کسی کو بھی دلچسپی نہیں ہوتی اور شہوانہ کون تھی؟ ماضی کی گرد نے اس کو سب کی نگاہوں سے اوچل کر دیا ہے رواں وقت میں سب کو یہ ازبر ہے کہ میں نوفل کی ماما ہوں۔“ زرقا نے اپنے ہاتھوں پر نوفل کی ڈھیلی پڑتی گرفت کو مضبوطی سے تھام لیا تھا اس کی خوشی سے چمکتی آنکھوں میں ایک دم اترتی سرخی ان کو اپنی ممتاز پرنس لگائی محسوس ہوئی تھی وہ متانت سے کہتی ہوئی اس کی ڈھال بن گئیں۔

”آپ واقع بہت لکی ہیں بھابی جو نوفل جیسا خوب رو اور فرماں بردار بیٹا آپ کو ملا ایک لاریب ہیں جن کا بچپن ہی ختم نہیں ہو رہا۔“ وہ ساڑھی سنبھالتی ہوئی سنگل صوفے پر بیٹھ گئیں۔

”یہ محض تمہاری سوچ ہے ورنہ تم بھی جانتی ہو بچپن کی حدود دو قیود سے وہ ایک عرصہ ہوا آزاد ہو چکا ہے اب بہتر ہے اس کی شادی کی سہی کر سب کے لیے اور اس گھر کی خوشیوں کے لیے بہت دعائیں کی ہیں میں نے۔“ وہ پیار بھری نگاہ

کسی گہری سوچ میں گم فوٹل برڈالتی ہوئی گویا ہوں۔

”دیکھتے ہیں کب قبولیت کی منزلیں عبور کر کے ہم تک پہنچتی ہیں؟“

”آج آپ لوگ آئیں ہیں اور کل ہی آپ نے پارٹی رکھ دی ہے کم از کم ایک ہفتے تو ریٹ کرنا چاہیے تھا پھر آپ تو جانتی ہیں ہماری پارٹی میں بن بلائے لوگوں کا بھی ایک ہجوم ہوتا ہے آپ ملنے ملانے کی فارملٹیٹی میں تھک جائیں گی۔“ وہ تاشیدہ بالوں کو انگلیوں سے سنوار رہی تھیں۔ وہاں پر اب خالصتاً عورتوں والی گفتگو شروع ہو گئی تھی وہ زرقا سے رات میں ملنے کا کہہ کر اٹھ گیا تھا۔

چند لمحوں قبل دل جس مسرت و انبساط سے دھڑک رہا تھا اب وہاں ایک نام نے گویا صف ماتم بچھا دی تھی یہی ہوتا تھا جہاں وہ سب بھلا کر زندگی سے خوشیاں کشید کرنا چاہتا..... وہیں مسعود نام کا بے رحم خنجر نواز اسیدہ خوشی کو ٹل کر دیا کرتا اور اس کے اندر اترتی بے زاری غصہ و رنج گہری سنجیدگی بن کر اس کے روم روم میں سرایت کرتا چلا جاتا اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا وہ دل میں اترنے والی دشتوں سے گھبرا کر کار لے کر نکلا تھا معاہدہ کی کال آگئی وہ اطلاع دے رہا تھا کہ عاکفہ نے اس کی دعوت قبول کرنے سے معذرت کر لی ہے اس کو ایک اور دھچکا لگا تھا۔

”عاکفہ کو تم نے بتایا نہیں کہ میں کارڈ دینے اس کے گھر گیا تھا وہ لوگ کہیں گئے ہوئے تھے اس لیے کارڈ میں نے تم کو دیا تھا؟“

”ہاں میں نے ساری بات بتائی تھی اس کو۔“

”پھر کارڈ نہ لینے کا مقصد؟“

”یہ تم اس سے ہی پوچھو۔“

”کال کی گئی وہ ریسیو نہیں کر رہی۔“

”میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ یہ تم بہن اور بھائی کا معاملہ ہے۔“ دوسری طرف باہر کے لہجے میں بے پروائی تھی۔

”امپائل ہے کہ تم کو وجہ معلوم نہ ہو مگر فضول قسم کا سٹپنس کری ایٹ کرنے کی پرانی گھٹیا عادت ہے تمہاری اپنی ویز میں خود جا کر معلوم کرتا ہوں عاکفہ سے غرے کسی اور کو دکھاؤ۔“ اس کی کارڈز بدل چکا تھا۔



ہم لوگ

دائروں میں چلتے ہیں

دائروں میں چلتے سے

دائرے تو بڑھتے ہیں

فاصلے نہیں گھٹتے

آزاد نہیں جلتی ہیں

جس طرف کو جاتے ہیں

منزل لیں تنہا کی

ساتھ ساتھ جلتی ہیں

گردا گردی رات ہی ہے

ویر بڑھتا رہتا ہے

راتے نہیں گھٹتے

صدہ کہتا ہی گہرا ہوا سے ایک دن گہرائی سے سطح زندگی پر ابھرتا ہی بڑتا ہے خواہ دل میں نو حشر پختار ہیں۔ زندگی کا پتہ سانسوں کے زیر و بم سے ملتا رہے اسی کا نام زندگی ہے تو وہ بھی زندہ تھی اور حال میں واپس لانے میں عاکفہ جیسی مخلص و شفیق دوست اور بالی کی بے لوث محبت اور حد درجہ دیکھ بھال نے اس کو ان اندھیروں کی ہیبت ناک سے نکال لیا تھا جو اس کو زندہ ہی نگھنے کی سعی میں تھے۔

جہاں آرا بھی اس معاملے میں تعاون کر رہی تھیں وہ بھی انشراح کی بگڑتی دماغی حالت سے خائف ہو گئی تھیں کہ انہوں نے اسے سونے کی چڑیا جانا تھا اور اس کو اپنے من پسند طریقے سے کشش بھی نہ کروا پائی تھیں اور وہ رنگ و بو کی دنیا سے ناطہ توڑنے لگی تھی ان کے سہانے سپنوں کو آگ لگنے لگی تھی جب نیند نہ ہوگی پھر خواب کیونکر نظر آئیں گے؟ خواب آنکھوں سے جدا ہو جائیں گے تو تعبیر کی بستی سے دل کس طرح آباد ہوگا۔ وہ پیشہ و عورت تھی عیش و طرب کی دلدادہ بد اعمالیوں و بے نیامی کی مسکن جس کی ذات بھی بڑھاپے کا سہارا جس نے انشراح کی صورت میں ہی محفوظ کیا تھا۔ ان دنوں روشن بھی تبلیغی جماعت کے ہمراہ افریقہ کے کسی دور دراز علاقے میں گئی ہوئی تھی اور وہ شکر ادا کر رہی تھیں کہ وہ طویل عرصے کے لیے گئی ہے ورنہ وہ ان کا جینا دشوار کر دیتی ان حرکتوں پر چپ سے وہ گناہ کی زندگی سے تاب ہوئی تھی تب سے وہ ان کو بھی راہ راست پر لانے کی تلقین کا بے بگاڑ کرتی رہتی تھی لیکن ہدایت بھی اس کو ہی ملتی ہے جو اس کا طلب گار ہوتا ہے وہ دنیا دار عورت تھیں دولت جس کی طلب بھی جس طلب کو پانے کے لیے ایک عرصہ قبل وہ انشراح کا انتخاب کر چکی تھیں۔

”ماسی..... چائے پیو گی؟“ بالی کی آواز پر سوچ نگاہوں سے انہوں نے دیکھا۔

”پلا دو گی تو پی لوں گی مگر چائے اسٹرانگ ہونی چاہیے۔“

”ٹھیک ہے لاتی ہوں۔“ ان کو مسکراتا دیکھ کر وہ بھی مسکرا کر بولی۔

”اٹنی یونیورسٹی کب سے جانا شروع کرے گی؟“

”ابھی پتا نہیں ہے وہ خاموشی کے خول سے تو باہر آئے جہاں چھپ کر بیٹھ گئی ہے عاکفہ ہر روز فون کر کے اس کا حوصلہ بڑھاتی رہتی ہے سمجھاتی بھی ہے سچ پہیلی ہو تو عاکفہ جیسی جس نے دوستی کی مثال قائم کر دی۔ تمہاری دھمکیوں و دھکوں کے باوجود وہ ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹی اور اٹنی کو حال میں لانے کی تاب توڑ کوششوں میں لگی رہی اور اس کی حالت میں جو بہتری آتی ہے اس کا سہرا عاکفہ کے سر جاتا ہے۔“

”ہاں..... تم یہ بالکل درست کہہ رہی ہے واقعی میں اس لڑکی کے حوصلوں کو داد دیتی ہوں میری تمام کڑی کسلی باتوں کو اس نے ذرا بھی اپنی اتنا کا مسئلہ نہیں بنایا اور اٹنی کو کالز کرتی رہی ہے۔ چلو میں اس سے کسی دن معذرت کر لوں گی بلکہ کسی دن کیوں ابھی فون ملا کر دو میں معافی مانگ کر کہوں گی میری اٹنی وہاں اتنی اور مہربانی کر دے ہٹی طور پر بھی حالات سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش ضرور کرے۔“ وہ کھلے دل سے عاکفہ کی تعریف کر رہی تھیں جوان کی سخت مزاحی کی وجہ سے گھر نہیں آ رہی تھی مگر فون پر وہ رابلے میں رہتی تھی۔

”بہت اچھی لڑکی ہے وہ اور یہی چاہتی ہے کہ وہ پہلے والی اٹنی بن جائے ہنسی مسکراتی لڑکی جھگڑتی کسی کو خاطر میں نہ لانے والی۔“

”ہوں چائے بھی پلا دو گی یا باتیں ہی بناتی رہو گی؟“ وہ جو چائے پکانے جانے کی بجائے وہیں بیٹھ گئی تھی جہاں آرا اس کو تیز نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولیں۔

”جاری ہوں“ تم نے ہی پہلے باتیں کرنی شروع کی تھیں اگر نہ سنتی تو پھر الزام لگاتیں کہ بدتر ہو گئی ہوں۔“ وہ کھسیا کر بولی۔



مدر صاحب کی صحت تیزی سے گر رہی تھی ہرقت کے ذہنی تناؤ و اعصابی بوجھ نے ان کو مضحل و پژمردہ کر دیا تھا۔ عمران سے ان کی شادی پسند کی گئی، خوب صورت و تک چڑی سی ماموں زاد کنز اس کے دل کو اس وقت بھاگتی تھی جب دل نے کسی شریک سفر کی تمنا کی تھی پھر یہاں معاملہ یک طرفہ نہیں تھا۔ عمران کے بھی سپنوں کا شہزادہ وہ ہی تھا آگ دونوں طرف برابر لگی ہوئی تھی۔ عمران کو اپنانے کی خواہش کا اظہار گھر میں کیا تو زمر اور صوفیہ نے ان کے فیصلے کو سراہا تھا اور صوفیہ کی وہ گہری دوست تھی عمران بھابی بن کر گھر آئے گی یہ سن کر ہی وہ خوشی سے جھوم اٹھی تھی۔

”ای۔۔۔۔۔ آپ بالکل خاموش ہیں کیا آپ خوش نہیں ہیں؟“ بھابی اور بہن کی خوشی پر ماں کا سنجیدہ چہرہ ان کو چونکا گیا تھا۔

”بات تو خوشی کی ہے کہ تمہیں کوئی لڑکی شادی کے لیے پسند تو آئی مگر۔۔۔۔۔“

”مگر کیا ای۔۔۔۔۔ آپ کو عمران پسند نہیں ہے؟“ وہ مضطرب ہونے لگا تھا۔

”میرا خون ہے وہ میرے بھائی کی بیٹی ہے مگر بھابی اور بھائی کے بے جالاؤ و پیار کے باعث اس کے مزاج بگڑ گئے ہیں چھوٹے بڑے کی تمیز نہیں رہی ہے۔ ابھی رضوان کی شادی کو ایک سال ہی ہوا ہے وہ ایک دن بھی سسرال میں سکون سے نہ رہ سکی ہر روز کا جھگڑا ہے سسرالیوں سے اب سنا ہے اس کا مایاں دینی لے کر جانے والا ہے پھر بھی میکے میں ہی ہے وہ۔“ ان کی آواز میں دوسو سے پنہاں تھے کیونکہ زمر دینے گھر میں بہو بن کر قدم رکھا تھا اور ہمیشہ بیٹی کی طرح رویہ رکھا تھا۔ عمران اخلاق و مزاج میں زمر دے پاؤں کی دھول بھی نہ تھی۔

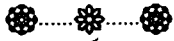
”ای۔۔۔۔۔ آپ عجیب باتیں کرتی ہیں رضوان آئی اپنے سسرال میں کچھ بھی کریں ہمیں کیا غرض؟ عمران میری بھابی بن کر ضرور اس گھر میں آئے گی اگر آپ کو اس کے مزاج سے شکایت ہے تو وہ بھابی کے ساتھ رہ کر بدل جائے گی اور ابھی تو یہی کہوں گی۔۔۔۔۔ خدا جب حسن دیتا ہے تو نزاکت آئی جاتی ہے۔“ عمران بہت جلد ان کی بیوی بن کر گھر آگئی تھی۔

شروع شروع میں سب اچھا رہا تھا سب خوش تھے پھر چند ماہ بعد اس کا رویہ بدلنے لگا وہ باہر سے جتنی خوب صورت تھی اندر اس کے اتنی ہی بد صورتی بھری ہوئی تھی۔ سب سے پہلے اس کا ہدف صوفیہ بنی تھی شادی سے پہلے کی دوتی دشمنی میں بدل گئی تھی وہ گھر کے کسی بھی فرد کو کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار ہی نہیں تھی جب وہ بلا وجہی اور زمر سے بدتمیزی کرنی تو صوفیہ نے پہلے پہل اس کو پیار سے سمجھانے کی سعی کی اور جو ابادہ جب ہر لحاظ و مروت بالائے طاق رکھ کر اس کی بھی بے عزتی کرنی تو پھر ان کے درمیان محاذ آرائی شروع ہو جاتی تھی۔

اسی دوران وہ بیٹے کی ماں بن گئی تھی اور بیٹا پیدا کر کے گویا وہ ہواؤں میں اڑنے لگی تھی کیونکہ زید اس خاندان کی پہلی اولاد تھا۔ مورا اور زمر کو شادی کے چھ سال بعد بھی اللہ نے اولاد سے نوازا تھا۔ اس کی آمد پر گھر و خاندان میں بے تحاشہ خوشیاں منائی گئی تھیں وہ سب کی آنکھ کا تارا تھا زید کی پیدائش نے عمران کو حکمرانی عطا کر دی تھی وہ پہلے ہی کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھی اب بھی کسی کی نہ سنتی تھی مدر کو شدت سے احساس ہونے لگا تھا اسے غلط انتخاب پر ماں کی بات نہ مان کر کہ انہوں نے پہلے ہی اس کی فطرت کے مطابق بتا دیا تھا وہ ان کی کوئی بات ماننے کو تیار نہ تھی اتنا اپنے حکم پر ان کو بھی غلام بنانا چاہتی تھی جو بننے کے لیے وہ طبعی تیار نہ تھے۔

زید تین سال کا ہوا تو صوفیہ کی شادی کر دی گئی اور وہ ڈیڑھ سال بعد چند ماہ کی یتیم بچی گود میں لیے واپس گھر آ گئی اس دوران کی تبدیلیاں آگئی تھیں وہ بھی ایک بچی کے باپ بن گئے تھے۔ ماندہ اور سودہ میں ایک ہفتے کا فرق تھا عمران کے ماں و باپ دنیا میں نہ رہے لیکن عمران کے مزاج و اکثر برکوی فرق نہ پڑا تھا بلکہ صوفیہ اور سودہ کا آنا اس کو زرا نہ بھایا تھا اور وہ آئے دن گھر میں ایک ہنگامہ لگائے رکھتی اس کا کہنا تھا سودہ اس کے بچوں کا حق کھانے آتی ہے۔ ہر وقت کی چیخ و گھر کے ماحول کو خراب کر دیتا تھا ای واپانے آفر کی تھی کہ علیحدہ گھر لے کر رہو مگر عمر ان کو یہ بھی گوار نہ تھا کہ یہاں وہ پانی بھی اٹھ کر پینا گوار نہ کرتی تھی علیحدہ گھر میں نوکروں کی فوج کے باوجود بھی ایسا آرام کہاں ملتا؟ ان دونوں کے درمیان سرد تعلقات تھے زودہ اس کے رنگ میں رکتی تھی زودہ اس کے حکم پر چلتا تھا۔

ای اور اپا یکے بعد دیگرے ان کا دکھ لے کر اللہ کو پیارے ہو گئے تھے اور وہ ایک شام تھی جب ان کے پاس ان کے استاد کے گھر سے کال آئی تھی کسی لڑکی نے گہرائے لہجے میں پروفیسر محبت اللہ کی خرابی طبیعت کی اطلاع دی تھی روتے ہوئے وہ پریشان سے اٹھ کر چلے گئے تھے عمران نے چونک کر ان کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔



نیل پر لوازمات دیگر برتنوں کے ہمراہ ترتیب سے رکھے ہوئے تھے ان دونوں کے ہاتھوں میں کافی کے گگ تھے اور بھاپ نکل رہی تھی اس نے انویشن کا ڈو عاکفہ کی می حور بانو کو دیا اور پھر زبانی دعوت کے رکی جملے بھی ادا کیے تھے حور بانو نے دعوت قبول کرتے ہوئے شرکت کی پھر پور یقین دہانی بھی کرائی تھی۔ لیکن جس کی خاطر وہ آیا تھا وہ کسی صورت دعوت قبول کرنے کو تیار نہ تھی بلکہ بہت شدید ناراض تھی اور وہ ابھی بھی خود کو خطا دار ماننے کو تیار نہ تھا۔ انشراح کے ذکر پر اس کی آنکھوں میں وہ ہی حقیر و حقارت آ جاتی تھی جو انشراح کے لیے گویا وقف ہو کر رہی تھی۔

”پھر تمہارا یہ آخری فیصلہ ہے تم پارٹی میں نہیں آؤ گی؟“ کافی کا خالی گگ وہ نیل پر رکھتا ہوا نرم و دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

”آپ کا بھی آخری فیصلہ ہے کہ آپ کسی صورت انٹی سے محذرت نہیں کریں گے؟ آپ نے بہت بے عزتی کی ہے اس کی۔“

”محذرت۔۔۔۔۔ مائی فٹ بے عزتی کی کیا بات کرتی ہو وہ جس ٹائپ کی لڑکی ہے اس کے لیے عزت و بے عزتی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

”نفل بھائی۔۔۔۔۔ آپ پر یہ باتیں سوٹ نہیں کر رہیں۔“

”تم کو بھی یہ سوٹ نہیں کرنا کہ تم کسی چپ لڑکی کے لیے مجھ کو نورس کرو اور خود کو اس کا پابند بنالو ٹوئج عاکفہ تم اس سے نہ ملو تو بہتر ہے کیونکہ ہمارے دوست ہی ہماری شناخت ہوتے ہیں۔“ وہ حسب عادت بے حد دھیمے لہجے میں اس کو قائل کرنے کی سعی کر رہا تھا۔

”آپ مجھے برابر ہرٹ کر رہے ہیں ایک لڑکی ہونے کے ناطے سے آپ کی باتیں اور آپ کی نفرت و حقارت جو انشراح کے حوالے سے ہیں وہ یہ میرے لیے بھی ہیں سمجھ رہے ہیں آپ نفل بھائی۔“ وہ رو ہاسی ہوئی۔

”آپ کو ساری پچویشن باہر بتا چکے ہیں ایک ایک بات جو بھائی نے مجھے بتائی وہ میں نے باہر کو اور باہر نے آپ کو پھر بھی آپ کہہ رہے ہیں وہ غلط ٹائپ کی لڑکی ہے؟ انسان خود پیدا نہیں ہوتا اور نہ وہ اپنے لیے خاندان منتخب کر سکتا ہے اور نہ ہی لوگ یہ سب پیدا کرنے والی کی مرضی ہوتی ہے۔ میں اور آپ نیک و اچھے خاندان میں پیدا ہوئے ہیں یہ رب کی مرضی ہے ہمارا کوئی کمال نہیں ہے اسی طرح انشراح بھی بے قصور ہے کہ وہ خراب لوگوں میں پیدا ہو گئی ہے نفل بھائی“

آپ کی باتوں میں پنہاں تیروں نے جو اس کی حالت کی ہے وہ میں نے دیکھی ہے اور اس کو دیوانگی کی حدود کو چھوٹے دیکھ کر جو حالت میری ہوئی ہے.....“ فرط جذبات سے اس کی آواز کا پگنی اوتا نکلیں آنسوؤں سے بھر گئی تھی نوافل بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر ابھرنے والے رنج و غم نے اس کو مضطرب سا کر ڈالا تھا۔
”وہ میں کبھی بھول ہی نہیں سکتی“ میں نے ہمیشہ اس کو چٹان کی طرح مضبوط و محفوظ دیکھا تھا“ کبھی وہ کسی بڑے سے بڑے شخص کو خاطر میں نہیں لاتی تھی ہنسنا مسکراتا شرارتیں کرتا اس کی ہانی تھی۔ کبھی آنکھوں میں آنسو میں نے دیکھے نہ تھے بلکہ..... بلکہ میں تصور ہی نہیں کر سکتی تھی کہ وہ کبھی رو بھی سکتی ہے؟ اب اس کو روتے دیکھا تو میرا دل سہم گیا مجھے لگا میں مر گئی ہوں یا دنیا ختم ہو گئی ہے۔“

”پلیز عاکفہ..... بی بی پر یو کرل“ جو ہنستا ہے وہ روتا بھی ہے ہنسا اور رونا انسانی فطرت ہے تم اتنی جذباتی کیوں ہو رہی ہو؟“ عاکفہ کا رد عاکفہ کی تڑپ اس کے ضمیر کے کسی گوشے کو مضطرب کرنے لگی تھی۔ اس کے آنسو اس کے دل میں اترنے لگے تھے۔

”لوگوں کا میرے بارے میں خیال ہے میں خواتین کی عزت نہیں کرتا“ مجھے صنف نازک سے کوئی بغض ہے چڑ ہے لیکن ایسا نہیں ہے میری بھی ماں ہے چچی پھوپھی کزنز یہ سب عورتیں ہیں اور خود ساختہ دل سے میں ان کا احترام کرتا ہوں۔ عزت و پیار کرتا ہوں کیونکہ جو شے عزت و احترام کے حجاب میں ملفوف ہوتے ہیں ان کی ہی میں عزت کرتا ہوں۔“ وہ دھیمے سچے میں بولا۔

”تمہاری دوست کی بے باکی پہلے دن سے اس کی اصلیت مجھے دکھا گئی تھی اور میں سمجھ گیا تھا وہ کس ناپ کی لڑکی ہے یہی وجہ تھی کہ میری اس سے ایک دن بھی نہ بنی تھی پھر تم بھی تو ہونا۔ تمہیں دیکھ کر کوئی نفرت و حقارت کا جذبہ اجاگر کیوں نہیں ہوتا؟ تم نے خود کو منایا ہے ایک با حیا و با کردار لڑکی کی حیثیت سے ایک بہن کی حیثیت سے تب ہی آج میں یہاں بیٹھا تمہیں منار ہا ہوں وگرنہ مجھ جیسا بے حس بندہ کسی کی پروا کرنے والا نہیں ہے۔“ اس نے رسٹ وایج دیکھتے ہوئے جھٹ کو سینا۔

”میں آپ کی نگاہوں میں اس لیے معتبر و با عزت ہوں کہ حجاب کرتی ہوں انہی کی طرح شرٹ و جینز نہیں پہنتی۔ اگر آپ حجاب اور بے حجابی پر کردار کو پر نہیں گئے تو یہ قطعی غیر دانش مندی ہوگی کیونکہ بعض اوقات سر سے پیر تک حجاب میں لپٹی عورت کا باطن سرا سر بے حجاب ہوتا ہے اور ایک ماڈرن و بے حجاب لڑکی کسی غیر مرد کا غلط کسی سے چھوٹا بھی برداشت نہیں کر پاتی.....“ یاب اچھی طرح جانتے ہیں ناں؟“ غیر ارادی طور پر اس کے لہجے میں طنز درآ تھا۔
”میں اپنی بہن کے پاس آیا تھا مگر یہاں تو کسی کی دوست محاذ کھولے بیٹھی ہے۔“ وہ اس کی چوٹ پر مسکرا کر گویا ہوا۔

”آپ کی بہن بعد میں بنی ہوں پہلے کسی کی دوست تھی۔“

”عاکفہ..... بس اب ختم کر ڈھکھڑائے مہمان کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کا حق میں تم کو نہیں دوں گی۔ انشراح کے ساتھ جو ہوا اس کا دکھ مجھے بھی ہے وہ ایک اچھی اور مصوم لڑکی ہے اس کو لوگ بے شک برے ملے ہیں مگر وہ خود نیک ہے اور جو لوگ دل کے صاف ہوتے ہیں ان کی مدد خود باری تعالیٰ کی ذات کرتی ہے۔ تم نوافل بیٹے کو پریشان مت کرو۔“ خود بانو کو بلا خرم داخلت کرنی پڑی تھی۔

صالحہ کے ہمراہ رہا کرتے تھے ان کی طبیعت خرابی پر صالحہ کو سمجھ نہیں آیا کیا کرے؟ اور پھر ان کے موبائل لسٹ میں پہلا نام ان کا ہی تھا پھر وہ اکثر وہاں آتے بھی رہتے تھے اس نے گھبرا کر ان کو ہی فون کر دیا تھا وہ ڈاکٹر کو لے آئے تھے۔ ڈاکٹر کی ٹریٹمنٹ کے بعد ان کی تکلیف میں کچھ افادہ ہوا تو وہ کمزور لہجے میں سر جھکائے بیٹھی صالحہ سے مدد کی جانب دیکھتے ہوئے بولے۔

”آپ نے اتنی رات کو مدد کر کو پریشان کر دیا بیٹی۔“

”کیوں غیر سمجھ رہے ہیں سر..... یہ میرے لیے سعادت ہے جو میں آپ کے کام آیا۔“ وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر گویا ہوئے تھے۔

گھر آنے پر عمر انہ نے پہلا سوال بی بی پوچھا تھا کہ کہاں گئے تھے بھاگے بھاگے؟ وہ کوئی نیا بنگام نہیں چاہتے تھے سو اس کو بچ بات بتا دی تھی وہ کئی لمحے ان کو گھوری رہی تھی پھر بولی تھی۔

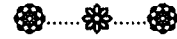
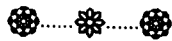
”کوئی اور نہیں ملا تھا؟ آپ کے علاوہ دوسرے اسٹوڈنٹس نہیں ہیں؟“ انہوں نے چپ چاپ کروٹ بدل لی تھی فضول بات کا کیا جواب دیتے۔

پروفیسر محبت اللہ کی طبیعت بگڑتی جا رہی تھی وہ کبھی کبھی ان کے پاس حاضری دیا کرتا تھا اب باقاعدگی سے چکر لگانے لگا تھا صالحہ نیک اور بارود لڑکی تھی روز آنے جانے کے باوجود بھی وہ بے تکلفی سے پیش نہیں آتی تھی اور زیادہ تر دوسرے کمرے میں ہی رہتی تھی۔ آج کل اس کے رشتے کی بات چل رہی تھی چند دن میں لڑکے کے گھر والے رسم کرنے آنے والے تھے پروفیسر صاحب کی نازک حالت کے پیش نظر فوراً ہی نکاح اور رخصتی کا پروگرام تھا انہوں نے تیاری کی ذمہ داری اس کو سونپی تھی یہ کہہ کر۔

”مدثر..... آپ صالحہ کے سگے بھائی بے شک نہیں ہیں مگر منہ بولے بھائی تو ہیں اس بیماری میں کسی نے بھی میرا ساتھ نہیں دیا سوائے آپ کے میری دعا ہے آپ سدا خوش رہیں۔“ عمر انہ ایک ایسی عورت تھی جس نے مدثر کو والدین اور بہن بھائی کے ساتھ بھی بیٹھنے نہ دیا تھا وہ اس کی پوری روئین سے واقف تھی اور اب جو مدثر اپنے استاد کی تیار داری میں لگا ہوا تھا۔ وہ بدنیت و بد فطرت عورت اپنی شکی نگاہوں سے ان معاملات کو دیکھنے لگی تھی۔ مدثر کو گمان بھی نہ تھا کہ وہ اس کی نگرانی کر رہی ہے کئی بار وہ اس کا پیچھا کر چکی تھی پھر ایسا ہی ایک دن تھا جب ان کی مدثر کو رگٹے ہاتھوں پکڑنے کی آرزو پوری ہوئی تھی۔ مدثر دواش روم میں تھے معائنہ کے سیل پر آنے والی کال نے چند لمحے ان کو بے حس و حرکت کر دیا تھا ان کو احساس تھا مدثر کو وہ صرف نیچا دیکھنا چاہتی تھیں۔ یہ ان کی فطرت تھی جو بھی ان سے وابستہ ہو جاتا تھا خواہ وہ انسان ہو یا کوئی بے جان شے وہ اس کو بلا غیر شرکت اپنی ملکیت تصور کیا کرتی تھیں یہی وجہ تھی کہ مدثر اس کی باتوں میں نہیں آئے تھے اور گھر کا ماحول سناٹوں اور وحشتوں کی نذر ہوتا چلا گیا تھا۔

ساس سر کی ڈنچہ کے بعد ان کے لیے میدان تقریباً صاف ہو گیا تھا کہ منور گھر کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرتے تھے ان کی بیگم بھی ان کی طرح دیگر زکر کرنے والی اور مفاہمت پسند تھیں اب صوفیہ اور اس کی بیٹی سودہ رہ گئی تھی جن دونوں کو وہ نکالنے کی پلاننگ کر رہی تھی۔ پروفیسر صاحب کی کال نے ان کے اندر حشر برپا کر دیا تھا جو بہت غلٹ میں کہہ رہے تھے۔

”مدثر بیٹا..... جلدی آ جائیں قاضی صاحب کو دیر ہو رہی ہے۔“ کہہ کر رابطہ منقطع ہو چکا تھا وہ تاگن کی مانند بل کھا رہی تھی۔



کچھ جہد مسلسل سے تھکاوٹ نہیں لازم
انسان کو تھکا دیتا ہے سوچوں کا سفر بھی

زندگی کی حقیقتیں بڑے بھیا تک انداز میں اس کے سامنے اٹھنا پڑتی تھیں اور نہ کرتے ہوئے بھی اس کو تسلیم
ختم کرنا پڑا تھا اور اپنی ہستی کی نفی یا مافی کی نفی اور جس کا ماننا ایسا ہی تھا گویا ہر کا پیالہ پینے کے بعد بھی اذیت بھری زندگی
سے نجات حاصل نہ ہو جان کنی کی کیفیت طاری تھی لیکن پھر بھی مسکراتا تھا۔ رات ثانی سے اس نے ایک ایک بات پوچھی
اور خود سے عہد کیا تھا کہ وہ اپنے دشمنوں کو بھی معاف نہیں کرے گی انتقامی جذبے نے بیدار ہو کر اس کے اندر جینے کی نئی
انگ پیدا کر دی تھی۔ کئی ہفتوں بعد وہ آج یونیورسٹی جانے کے لیے تیار ہوئی تھی۔

”ماشاء اللہ..... آج کتنے عرصے بعد تم کو مسکراتے دیکھ کر زندگی اچھی لگ رہی ہوگی بس اب تاحیات اسی طرح
مسکراتی رہنا تمہیں خوش دیکھ کر ہی میں خوش رہتی ہوں میری ساری خوشیاں ہی تمہارے لیے ہیں آئی۔“ فرط جذبات
سے ہالی کی آواز بھرا گئی تھی انشراح اس سے لپٹ کر بولی۔

”میں جانتی ہوں ہالی..... تمہاری محبت دے دیے لوٹ غلوں کو اگر تم اور عاکفہ میرا ساتھ نہ دیتیں تو میں آج
اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے کے قابل نہ ہوتی تم لوگوں کی محبت و دوستی نے میری حیات کی ڈوبتی کشتی کو
ساحل سے لگا دیا ہے۔“

”یہ انتقام و بدلہ لینے کی باتیں چھوڑ دو میری جان..... تم اتنا کچھ ہونے پر بھی ماسی کی باتوں کا یقین کرتی ہو؟ تعجب
ہے ان کی بھی کوئی بات سچ نکلتی ہے؟ کبھی کبھار بھی ہر بات کو نینا موڑ دینا ان کی عادت میں شمار ہے۔“ ہالی نے اس کو ان
کی باتوں سے اتفاق کرنے سے باز رکھنا چاہا تھا۔

”زیادہ نہیں معمولی سا بچہ جھوٹ میں امتیاز کرتا میں بھی محسوس کرنے لگی ہوں بلاشبہ ثانی تو جھوٹ میں اپنا کوئی ثانی
نہیں رکھتی ہیں مگر ان کے جھوٹ میں کہیں نہ کہیں سچ کی آمیزش لازمی ہوتی ہے۔“

”میں پھر بھی یہی کہتی ہوں چھوڑو ان باتوں کو دشمنی میں کچھ نہیں رکھا اور کہاں ڈھونڈتی پھر وہی اپنے دشمنوں کو؟“
”ہالی پلیز..... اگر تم میرا ساتھ دینا نہیں چاہتی تو تمہاری مرضی میں تمہیں فورس ہرگز نہیں کروں گی مگر مجھے بزدلی کی
باتیں کر کے کمزور کرنے کی سعی ہرگز مت کرو۔ اذیت و کرب بھرے دن جس طرح میں نے گزارے ہیں ایسی ہی
اذیت و عذاب میں ایک نہ ایک دن ان کو جتلا نہ کروں، تب تک خوشیاں مجھ پر حرام ہیں۔“ وہ فضا میں گھورتی ہوئی
مضبوط انداز میں گویا ہوئی تھی۔

”میں ابھی بھی یہی مشورہ دوں گی کہ تم ماسی کی باتوں میں نہ آؤ آئی۔“

”اوکے جو ہو گا دیکھا جائے گا تم خود بھی ڈرتی رہو اور مجھے بھی ڈراتی رہو ابھی یونیورسٹی جانے میں دیر ہو رہی ہے۔“
وہ ناشتے کی ٹیبل پر نگاہ ڈالتی چیر گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ خاصے دنوں بعد یونیورسٹی جاری تھی دل کی حالت عجیب تھی لاکھ
وہ ہالی کے سامنے بہادر و نڈر پین کا مظاہرہ کر رہی تھی لیکن دل میں انجانی سی گھبراہٹ و بے چینی بھی تھی۔ خوف و خجالت
تھی کہ کس طرح اس سنگ دل و بے رحم شخص کا سامنا کرے گی؟ جس سے آخری ملاقات بے حد تکلیف وہ و نا قابل
فراموش تھی اس نے لفظوں کی مار مار کر مڑ کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا تھا۔

اس کے لفظ و لہجہ اس کا انداز کسی بھی ڈی فیم و حساس انسان کو ذہنی طور پر مارنے کے لیے کافی تھا عموماً ایسا ہوتا
ہے لوگ اپنے جارحانہ رویوں زہر لیے لفظوں سے حساس لوگوں کو قتل کر دیتے ہیں اور ان کو اپنے اس گناہ کا
احساس تک نہیں ہوتا۔



موسم نے ایک دم ہی تیور بدلے تھے سارے دن کی جس و گرمی نے شام ہوتے ہی بارش کی صورت اختیار کر لی تھی
مہلت رفتہ رفتہ بڑھتی چلی گئی اور پوری گمن گرج کے ساتھ برس رہی تھی۔ حسب معمول ہر طرف ملازمین کی چہل پہل موجود
تھی کہ یہاں کینوں سے زیادہ ملازم و ملازماؤں کی تعداد بھی جو اندر باہر پورے بیٹنگے میں دکھائی دیتے تھے اور کل ہونے
والی بارش کی وجہ سے سب ہی متحرک دکھائی دے رہے تھے۔ ماما کے کمرے کا دروازہ لاک تھا جس کا مطلب تھا وہ آرام
کر رہی ہیں۔

”امینہ بی..... ماما کی طبیعت ٹھیک ہے؟“ سامنے سے آتی ملازمہ کو دیکھ کر وہ فکرمند لہجے میں استفسار کرنے لگا تھا۔
”جی..... جی بالکل طبیعت ٹھیک ہے بڑی بیگم صاحبہ کی۔“ اس نے قریب آ کر نرمی و اعتماد بھرے لہجے
میں جواب دیا۔

”پھر ڈور لاکھ کیوں ہے؟ ماما بوقت ریست نہیں کرتیں۔“ امینہ کی بات پر بھی اس کو تشفی نہیں ہوئی۔
”سارا دن مہمانوں کی آمد و رفت رہتی ہے عمرہ سے واپسی کے بعد سے بیگم صاحبہ کو آرام کہاں مل رہا ہے روز
ہی ڈیروں مہمان چلتے آتے ہیں۔ آج بیگم صاحبہ تھک کر آرام کرنے لیٹ گئی ہیں اب کوئی مہمان آئے گا بھی تو
میں باہر کے باہر ہی نمٹا دوں گی مجھ سے بیگم صاحبہ کی بے آرا می نہیں دیکھی جاتی ہے۔“ امینہ کی بات پر وہ دھیمے
انداز میں مسکرا کر بولا۔

”ارے ایسا نہیں کیجیے گا امینہ بی مہمان تو رحمت ہوتے ہیں اور خوش نصیبوں کے گھروں میں ہی آتے ہیں آپ اللہ
کو ناراض مت کیجیے گا۔“
”آپ ٹھیک کہتے ہیں چھوٹے صاحب، بس مجھے تو بیگم صاحبہ کی صحت کی فکر رہتی ہے وہ اپنا بالکل خیال نہیں رکھتی
اور کمزوری بھی بہت ہو گئی ہے۔“

”آپ بے فکر ہیں میں ان کی اچھی طرح سے کیئر کرتا ہوں۔“

”آپ کے لیے چائے لاؤں؟“ امینہ نے ان کو دعا دینے کے بعد پوچھا۔

”کچھ دیر بعد لائیے گا۔“ وہ کہہ کر اپنے روم میں آ گیا جہاں گہری خاموشی اور اس کی پسندیدہ ایئر فریشر نے
استقبال کیا تھا۔ اپنے پاؤں کو جوتوں و موزوں سے آزاد کر کے وہ بیڈ پر بیٹھ گیا تھا آج طویل غیر حاضری کے بعد اس کو
دیکھا تھا۔

زردہ چہرہ

کمزور و لاغر وجود

اعتمادی سے اٹھتے ڈمگاتے قدیم

یہ لڑکی اس لڑکی سے بے حد مختلف تھی جو بہت اعتماد بڑے کدو فر سے مقابل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زیر کر
دیا کرتی تھی اور اب وہ ہرن کی مانند ڈوری سہی اپنی برچھائی سے بھی خوفزدہ لڑکی تھی۔ جو مقابل کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر
ہات کرتا تو درکنار نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہ رکھتی تھی۔ وہ بہت پہلے یہ تہیہ کر چکا تھا کہ انشراح کی طرف نظر بھی نہ
لائے گا لیکن باہر اور عاکفہ نے جس طرح سے اس کی مظلومیت و پارسائی کا ڈھنڈورا پیٹا تھا اس کے حال زار کی لفظ بہ
لفظ کہانی باہر اور درو رو کر سنائی تھی عاکفہ نے جس کو سن کر پہلے پہل تو یقیناً دل نہ مٹا تھا وہ اس کو بھی اس کی کوئی چال
سمجھتا رہا تھا لیکن آج باہر نے اس کو دور سے دیکھ کر کہا تھا۔

”وہ دیکھو اس لڑکی کی جو حالت ہے وہ تمہاری وجہ سے ہے تم ہی سراسر اس کی اس بے اعتمادی و بدخواہی کے ذمہ دار ہو۔“ پھر اتفاقاً اس کی نگاہ بھی اس پر پڑی تھی اور وہ بری طرح گھبرا کر عاکفہ کے پیچھے ہو گئی تھی اور اس کی وہ گھبراہٹ و سہمی حالت اس کے حساس دل کو شاکر کڈ کر گیا تھا پھر وہ اس راستے سے ہی ہٹ گیا تھا دشمن برابر کے وار کرے تو لڑنے میں مزہ آتا ہے اور پسپائی اختیار کرے تو سب ختم ہو جاتا ہے یہی اس کے ساتھ ہوا تھا۔ انشراح کا لاغرو جو ڈھیرے کی زردی اور خوب صورت آنکھوں کا خوف اس کو نا فہم احساس سے نبڑا کر ماریا گیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ بیٹھا ہے ربط سوچوں میں الجھا رہا اور جب دل کا بو بھل پن حد سے سوا ہوا تو وہ کھڑکی کھول کر برقی بارش دیکھنے لگا۔ شام ابھی پوری طرح جو بن پر نہ آئی تھی کہ موسلا دھار بارش نے ہر سوا ڈھری رات کی مانند اندھیرا پھیلا دیا تھا نیچے لان میں لائٹس آن تھیں اس شدت سے برقی بارش میں ان روشنیوں کے سائے بڑے براسرار لگ رہے تھے۔ گیمبر خاموشی میں بارش کے پانی کی آواز آ رہی تھی وہ اس اندھیرے اجالے میں گم سم کھڑا نا معلوم کیا دیکھ رہا تھا معاً اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر کوئی اندر آیا تھا۔

”امینہ بی..... آپ جائیں میں چائے کچھ دیر میں خود بنا لوں گا۔“ وہ الجھے ذہن سے باہر ہی دیکھ رہا تھا جب کوئی دبے قدموں سے اس کی طرف بڑھا اور دوسرے لمحے مہکتا بازوؤں کا ہار پشت کی طرف سے ڈال گیا تھا۔



آج صالحہ کی نکاح درخصتی تھی محبت اللہ کی طبیعت نازک تھی ڈاکٹر ز کا خیال تھا وہ کسی بھی لمحے کومہ میں جاسکتے ہیں اس خیال سے انہوں نے فوری طور پر نکاح درخصتی کی تیاری کی تھی۔ اصنفیان پائلٹ تھا اچھے خاندان سے تعلق رکھتا تھا محبت اللہ کی حالت کے پیش نظر سادگی سے شادی پر تیار ہو گیا تھا اس سادہ تقریب کا سارا انتظام مدرٹھ نے سنبھالا ہوا تھا صالحہ کی طرف سے ایک گواہ وہ بھی تھے۔ صبح سے بھاگ دوڑ میں لگنے کے باعث وہ چیخ کرنے لگھ آ گئے تھے اور ان کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی تھی۔ عمرانہ نے وہ کال ریسیو کرنے کے بعد ڈیٹ کر دی تھی شوخی قسمت ان دنوں رضوانہ بھی دینی سنا آئی ہوئی تھیں وہ دونوں ہمیشہ نکاح سے چند منٹ قبل ہی وہاں جا پہنچی تھی۔

”یہ نکاح نہیں ہو سکتا۔“ انہوں نے جاتے ہی یہ فلمی جملہ حقیقی لہجے میں کہا تھا وہ ایک ہال روم تھا جہاں صوفوں پر مرد اور دو تین خواتین براجمان تھیں مہمانوں کی تعداد سات نفوس پر مشتمل تھی۔

مولوی صاحب نے ابھی خطبہ شروع ہی کیا تھا کہ عمرانہ کی بلند و بالا آواز نے ان کو چونک کر خاموش رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہاں بیٹھے لوگوں میں کھلبلی مچ گئی تھی نا قابل فہم صورت حال تھی۔

”محترمہ..... آپ کون ہیں اور کیا مقصد ہے آپ کا؟“ مہمانوں میں سے ایک معمر شخص نے کھڑے ہو کر ان سے شائستہ لہجے میں پوچھا۔

”میں اس آدمی کی بیوی ہوں دو بچوں کا باپ ہے یہ.....“ عمرانہ نے آگے بڑھتے ہوئے صوفے پر نگاہ ڈالی اور چونک گئی تھی کہ جس کو وہ مدرٹھ سمجھ رہی تھیں وہ کوئی دوسرا شخص تھا جو تعجب سے آنکھیں پھاڑے ان کو یہی دیکھ رہا تھا۔ دوسرے لوگوں کی حالت بھی ایسی ہی تھی دوسرے کمرے سے اندر آتے مدرٹھ نے سب سنا تھا عمرانہ اور رضوانہ کو وہاں دیکھ کر اور عمرانہ کے الفاظ سن کر وہ حیرت و صدمے سے ساکت رہ گئے تھے۔

”اچھا یہ چال چالی ہے تم نے پہلے صالحہ کے ساتھ وقت گزرا.....“ عمرانہ..... وہ صدمے سے بے قابو ہو کر آگے بڑھے تو رضوانہ ان دونوں کے درمیان آتے ہوئے تیز لہجے میں گویا ہوئیں۔

”خبردار جو تم نے میری بہن پر گرم نگاہ بھی ڈالنی چاہی۔“

”آپ دیکھ رہی ہیں وہ کیا بکواس کر رہی ہے؟“ غم و غصے سے وہ پاگل ہو رہے تھے سب لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے۔ اندر کمرے میں بیٹھی سرنخ سوٹ میں سادہ سی دلہن بنی صالحہ کی حالت انتہائی باہر کی تمام آوازیں واضح طور پر اندر سنائی دے رہی تھیں۔ محبت اللہ جو پہلے ہی تکلیف دہ بیماری میں مبتلا تھے اندر آئی آوازوں نے ان کو بالکل کم صم کر دیا تھا اور شدید تکلیف چہرے سے عیاں تھی۔

”بکواس عمر نہ نہیں تم کر رہے ہو روز فون کرتی تھی عمر اندر دیتی تھی، بلکہ تھی تمہاری بے وفائی، تمہاری عیاشیوں کا بتاتی تھی جو تم یہاں پروفیسر کی بیٹی کے ساتھ کیا کرتے تھے اور تم نے بھی خوب صلو دیا اپنے استاد کو دل بھر کر اس آواز لڑکی کے ساتھ وقت گزارا اور اب اپنی اترن کی شریف آدمی کے سر قہو پ رہے ہو۔“ رضوانہ کی آواز بھی یقیناً قیامت کا نقارہ پھر کچھ باقی نہ رہا تھا نہ لفظوں کا وزن نہ زبان پر تاثیر سب کچھ حروف غلط کی مانند مٹا چلا گیا تھا لوگ ظاہر پرست ہوتے ہیں جو سنستے ہیں اس پر یقین کر کے صداقت کی مہر لگا دیتے ہیں بات واپس چلی گئی تھی۔

وہ کسی کو بھی قائل نہ کر سکے تھے یہ ان کی زندگی کا عجیب موڑ تھا وہ سچ سچ کراچی اور صالحہ کی بے گناہی کا یقین دلاوا چاہ رہے تھے۔ وہ حق پر تھے کچھ کہہ رہے تھے کوئی جھوٹ سمجھ کر لفظوں کی نگاہوں کی سنگ باری کر رہے تھے اور جس نے جھوٹ بولا تھا بہتان لگایا تھا وہ لوگوں کی نگاہوں میں سچی و مظلوم بن گئی تھی۔

کس طرح سے کھایا ہے دھوکا کیسے بتاؤں میں

اپنوں کے مشورے تھے سازشوں کے ساتھ ساتھ

جن کو ہم اپنا کہتے تھے بڑے مان سے

صف بہ صف کھڑے تھے دشمنوں کے ساتھ ساتھ

صالحہ چند گھنٹے دلہن کے روپ میں رہی تھی اور یہ روپ اس کو اس نہیں آتا تھا پھر کسی بیوہ کی طرح اس کو اجڑنے میں بھی تاہم نہ لگا تھا۔ محبت اللہ جو بیٹی کی خوشی دیکھنے کے منتہی تھے بسنے سے قبل ہی بیٹی کو اجڑا دیکھ کر وہ دونوں موت و زیست کی کیفیت میں رہنے کے بعد خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔ صالحہ اب بالکل تمہارے گئی تھی محلے بڑوں کے لوگ جو بات واپس جانے کے قصے سن چکے تھے وہ اس سے ہمدردی کرنے کے قائل نہ تھے بلکہ کچھ بے ضمیر لوگ اس کو لوث کا مال سمجھ کر لوٹنے کی تنگ و دو میں لگ گئے تھے مدثر کو گھوکی حالت میں تھے رسوائی جھوٹ ہو یا سچ..... رسوائی ہوتی ہے انہوں نے بہت چاہا وہ پھر پلٹ کر وہاں قدم نہ رکھیں مگر محبت اللہ کی طبیعت اور پھر رحلت نے ان کے ارادے کمزور کر دیے تھے اور اب صالحہ کی ڈری سبھی کا لڑنے لگی تھیں کہ کوئی پر اسرار فعل و حرکت وہ مسلسل دروازہ دھکڑکیوں پر محسوس کرنے لگی ہے یہاں پر انہوں نے منور بھائی کو راز دار بنایا اور ان کی اجازت لے کر صالحہ سے شادی کر لی تھی دوسرے کے لیے کھودنے والے گڑھے میں عمرانہ خود ہی گر گئی تھی۔ مدثر کی دوسری شادی پر عمرانہ کو جو تماشا کرنا تھا وہ اس نے بڑھ چڑھ کر کیا اس کی دھوکے و دھمکیوں کے باوجود انہوں نے صالحہ کو طلاق نہ دی تھی البتہ یہ بات ضرور مانی تھی کہ صالحہ کو لے کر علیحدہ جگہ میں شفٹ ہو گئے تھے یہیں سے ان کے درمیان جدائی و بگاڑ لگی کا آغاز ہو گیا تھا۔

عمرانہ نے ان کے ساتھ گھر والوں پر بھی کئی شرائط عائد کر دی تھیں کہ صالحہ بھی اس گھر میں قدم نہ رکھے گی۔ گھر کا کوئی فرد صالحہ سے نہیں ملے گا وغیرہ وغیرہ اور ان کی پہلی والی کچھ شرائط مان لی گئی تھی کہ وہ آج تک وہاں نہ لگتی تھیں اور نہ ہی کسی نے یہاں قدم رکھنے کی کوشش کی تھی۔ ان کے بعد کوئی یہاں سے گیا تو وہ شاہ زیب تھا اور شاہ زیب کو بھی وہاں پر داخلے کی اجازت زید نے ہی دی تھی ماں کو سمجھا بجھا کر دتوں کے بعد۔

”مدثر! آپ سوئے نہیں؟ میں سمجھی آپ سو رہے ہیں ڈسٹرب نہ ہو جائیں اس خیال سے میں ادھر آئی نہیں تھی کافی لاؤں آپ کے لیے۔“ صالحہ وائٹ و بلو پر عذ سوئی ساڑھی میں لمبوس تھیں ان کی آواز مدثر کو ماضی کے سراپوں سے واپس لے آئی تھی انہوں نے پُر سوچ لگا ہوں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ سانولی رنگت عام نقوش و بلا پتلا سراپا سادہ جوڑے میں سیاہ بالوں کی تعداد سفید بالوں سے قدرے کم تھی آنکھوں پر نظر کی عینک لگائے وہ ایک بہت عام صورت عورت تھی۔

وہ ان کے ساتھ باہر جاتے تو لوگ رشک کی نگاہ سے صالحہ کو دیکھتے تھے کہ ایک خوب رو و وقار عاب مرد کے ساتھ چلتی وہ اچھی نہیں لگتی تھی۔

”آج آپ پھر ماضی کی خاک چھاننے لگ گئے ہیں؟ معلوم بھی ہے اس ریت میں سوائے نوکیلے کانٹوں و پتھروں کے کچھ اور نہیں ملے گا۔“ وہ ان کی نگاہ شناس تھیں۔

”ڈاکٹر نے آپ کو سوچنے سے منع کیا ہے پھر بھی آپ بے معنی سوچوں کے صحراؤں میں بھٹکتے رہتے ہیں ریٹ کریں میں کافی بنا کر لانی ہوں۔“



لوہ گزرنے سے قبل ہی اس نے اپنے گلے کے گرد لپیٹے گئے بازوؤں کو اس طرح خود سے دور کیا تھا گویا وہ بازو نہ ہوں سانپ بچھو ہوں۔

”میں امینہ بی نہیں ہا ہا ہا..... ساریہ تنویر ہوں۔“ مڑ کر دیکھا تو شوخ لباس میں ساریہ کھڑی ہنس رہی تھی اس کا انداز بے تکلف و جھجک سے عاری تھا۔ وہ پیار لٹانی لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”کیسا مایوسہ براز؟ اچھا لگانہ.....“ وہ کھلکھلا رہی تھی۔

”شٹ اپ! مجھے قطعاً پسند نہیں ہیں ایسی حرکتیں! آئندہ ایسا سوچنا بھی نہیں۔“ اس کا لہجہ ہی نہیں وجہ چہرے کے ہر عضو سے درخشی و ناگواری عیاں تھی۔

”کیا کیا ہے میں نے ایسا جواب آگ بگولہ ہو رہے ہیں؟ صرف چھوٹے آپ کو پیار کرتی ہوں کیا اتنا بھی حق حاصل نہیں ہے کہ آپ کو چھو سکوں؟“ ایک دم ہی اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے تھے۔

”کیسا حق؟ کس نے حق دیا ہے تمہیں مجھ سے پیار کرنے کا میں کسی پیار محبت کو نہیں مانتا میری زندگی ان خرافات کے بغیر بھی کامیاب ہے۔“

”پلیز پلیز نوفل! اس طرح دل مت توڑ دو رقا آئی سے ملنے کا محض بہانہ ہے ملنے میں تم سے آئی ہوں تمہیں کیا معلوم میں تم سے سنی.....“

”میں نے کہا ناں دور رہو ہاتھ توڑ دوں گا تمہارے مجھے یہ سب پسند نہیں ہے۔ ماما کے پاس ہی وقت گزارو تو تمہارے لیے بہتر ہے گیٹ آؤٹ اب بھی بھول کر بھی یہاں قدم نہیں رکھنا۔“ ساریہ نے روتے ہوئے اس کے بازو سے لگنا چاہا لیکن اس بار وہ بے خبر نہیں تھا اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے وہ دور ہو کر گیا ہوا۔

”میں نے کہا ناں..... میں ماما سے نہیں تم سے ملنے آئی ہوں۔“

”پھر واپس چلی جاؤ میں تم سے ملنا نہیں چاہتا۔“ اس کی ڈھٹائی و ہٹ دھرمی نوفل کو اس کی طرف سے برگشتہ کر رہی تھی ہر بے باک و بے حیالڑکی کے چہرے میں اس کو اپنی ماں کا چہرہ دکھائی دیتا تھا ہر جانی و بے وفائی کا متفقین پیکر لگا کرتا تھا۔



کستی ام ایمان قاضی

آدمی کو خاک نے پیدا کیا
خاک کے ساتھ آدمی نے کیا کیا
ایک دنیا مجھ سے تھی روٹی ہوئی
تو نے بھی ٹھکرا دیا اچھا کیا

”اور جب کہیں ان کو فساد نڈالو ملک میں کہیں گے
ہمارا کام تو سنوار ہے سن رکھو وہی ہیں بگاڑنے والے پر
نہیں سمجھتے۔ (القرآن)“
شکلا با کو گھر کی دہلیز پار کرتا دیکھ کر نفسیہ بیگم کا ہاتھ ٹٹکا
تھا۔ دل خوناخواہی دھڑک اٹھا۔ ان کی آمد تو عام سی ہوتی
تھی پر اس آمد کے اسباب و نتائج ہرگز عام نہ ہوتے تھے۔
خیر خود کو سنبھالتے ہوئے انہیں خوش آمدید کہا۔ عرفان
صاحب گھر پر نہ تھے ورنہ ہر بار بہن کی ایسی آؤ بھگت
کرتے جیسے دور پردیس سے سالہا سال بعد آئی ہوں
ایسے میں نفسیہ بیگم کا بس جی ہی جلتا۔
”آپا آری تھیں تو آمنہ کو بھی لے آئیں۔ تین ماہ
ہو گئے اس کی شکل دیکھے ہوئے کل اس کے ابو بھی یاد
کر رہے تھے۔“ ابتدائی خاطر تو وضع کے بعد نفسیہ بیگم نے
ڈرتے ہوئے منڈکا موڈ ٹھیک دیکھ کر بیٹی کی بابت دریافت
کیا جو بد قسمتی سے شکلا یا کی بہو تھی۔
”اے لو..... بھالی بیگم کمال کرتی ہیں آپ بھی آمنہ کو
بھلا میں نے روک یا باندھ رکھا ہے باپ کے گھر آنے
سے جب مرضی آئے جائے میرا تو سب کو پتہ ہی ہے کہ

”میں کیوں جاؤں؟ نہیں جاؤں گی تم مجھ سے محبت نہیں کرتے نہ سہی میں تم سے محبت کرتی ہوں میرے لیے یہ
احساس ہی کافی ہے۔“

”اوہ شش آپ مجھے تمہاری اس بکواس سے کوئی دلچسپی نہیں۔“ ذہنی خلفشار نے پہلے ہی اس کو پریشان کیا ہوا تھا اس
پر ساریہ کی آمد اور اظہار محبت نے اس کے ذہن کے سلسلے گوشوں کو مزید بھڑکا دیا تھا۔ تب ہی امینہ بی ٹرائی لے کر کمرہ
ٹانگ کر نئی ہوئی اندھا آئی تھی۔

”آپ چائے نہ بنائیں میں خود بنالوں گا آپ ان محترمہ کو ساتھ لے جائیں۔“ چائے بنانے کے لیے کپ
وسا سر سیدھی کرنی امینہ سے وہ ساریہ کی طرف اشارہ کر کے گویا ہوا تھا جو بھیگا چہرہ نشو سے صاف کر رہی تھی۔
”آئیے بی بی صاحبہ۔“ امینہ نے حکم کی فوری تعمیل کی تھی۔

”کیا..... ایک ملازمہ کی یہ جرأت کہ مجھ پر حکم چلائے۔“ غصہ و اہانت کے احساس سے اس کا حسین چہرہ سرخ ہو گیا
تھا وہ امینہ بی کو گھورتے ہوئے گویا ہوئی تھی جو مستعدی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔
”تم ان کو ملازمہ سمجھ سکتی ہو میرے لیے یہ گھر کی فرد کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ وہی کریں گی جو ان کو کرنے کا کہا
جائے گا۔“

”اوہ..... غیروں پر اتنا کرم اور اپنوں کے لیے ستم ہی ستم یہ دوغلی بات نہیں ہے سبز نفل احمد گھر آئے مہمان سے
بدترین سلوک اور گھر کے نوکروں کو عزت دیتے ہو بہت عجیب پالیسی ہے تمہاری۔“ نفل نے جواب دینے کے بجائے
امینہ کو اس کو لے جانے کا اشارہ کیا تھا۔

”ہاتھ نہیں لگاؤ مجھے۔“ ساریہ امینہ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر چیخیں۔ ”آج مجھے اپنے بیڈروم سے نکال رہے ہو یاد
رکھنا کل ہاتھ جوڑ کر مجھے یہاں لے کر آؤ گے یہ چیلنج ہے میرا۔“ نفل کی کھلی بے عزتی نے اس کی عزت نفس کو بری طرح
یامال کر دیا تھا۔ اس نے اس کی بات کا جواب دینا گوارا نہ کیا ان کے کمرے سے نکلتے ہی زور دارا واز کے ساتھ دروازہ
لاٹک کر لیا تھا۔

”ہونہہ سمجھتا کیا ہے خود کو کتنی محبت سے آئی تھی میں سر پرانز دیا تھا کہ شاید سر پرانز ہو کر غصے کا اظہار نہ کرے جو اس
کی پہچان ہے۔“

”کیوں پتھر سے سر پھوڑتی ہیں بی بی صاحبہ نفل میاں کے سینے میں جودل ہے وہ لڑکیوں کے لیے بنائی نہیں
ہے۔ ایک سے ایک حور شامل لڑکی ان کا دل نہیں بھاسکی آپ کیوں خود کو دکھ دے رہی ہیں۔“ راہداری سے سبز جھوں کی
طرف بڑھتے ہوئے امینہ نے سمجھا نا چاہا۔

”تمہارا مقصد ہے میں حسین و خوب صورت نہیں ہوں؟ جو ان نہیں ہوں؟“ وہ جو پہلے ہی نفل کے سر دروپیے کے
زیر اثر تھی پلٹ کر غرائی اور اس دوران پاؤں کا رپٹ میں الجھا تھا ورنہ وہ جتنی ہوئی اوپر سے نیچے گر نہ لگی تھی۔
(ان شاء اللہ باقی شمارے میں)



سب راج پاٹ بہو کے حوالے کر کے خود اللہ اللہ میں وقت گزرتا ہے۔ ہم نے اس سے پہلے ہی سب کچھ ان کے حوالے کر دیا کہ ہمیں دنیا دستور کے مطابق کونے سے نہ لگا دیں یہ تو آج اس محلے میں سعیدہ آبا کی طبیعت کا پتہ کرنے چلی آئی تو دل کیا کہ بھائی کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرتی جاؤں۔ اور یہ تو نفیسہ بیگم جانتی تھیں کہ کیسا راج پاٹ انہوں نے بہو کے حوالے کر رکھا تھا سونند کی کن ترانیوں پر ٹھنڈی سانس بھر کر چپ ہو رہیں ان سے بہتر بھلا کون جانتا ہوگا شگوا پا کی نفسیات عادات اور کردار کو۔

”عائشہ نظر نہیں آ رہی بھائی بیگم؟“ ان کی جھوٹی نظروں نے سارے گھر کا زہرہ لیتے ہوئے پوچھا۔

”یونیورسٹی گئی ہے آئی ہی ہوگی۔ آپ سنا میں گھر میں سب کیسے ہیں؟ چچا کیسی ہیں؟ عبدالمنان تو ٹھیک ہے ناں۔“ نواسے کے نام پر ایک مہم سکرسمٹ نے نفیسہ بیگم کے چہرے کا گھبراہٹ کر لیا۔

”سب ٹھیک ہیں تم سنا عائشہ کا کوئی رشتہ وشتہ دیکھا؟“ جواب دیتے ہوئے ذرا سا آگے جھک کر سوال کیا۔

”ابھی کہاں؟ آپ ایک دو لوگوں نے کہا تھا پھر کہیں بات نہیں بنی جب قسمت میں ہوگا ہو جائے گی۔“ اسی دوران شگوا بیگم بھائی کے انتظار میں لمبی تان کر وہیں لاؤنچ میں صوفے پر بیٹھ گئیں۔ نفیسہ بیگم ویسے تو سالن کے ساتھ ہی سلاڈرائیڈ اور تازہ روٹیاں پکالیا کرتی تھیں لیکن آج معاملہ جدا تھا تو بریانی کے ساتھ تورمہ بھی پکا لیا۔ شکر ہے رات کا عائشہ کے ہاتھ سے تیار کیا ہوا اثر اقل فرج میں تھا۔ سوسلاڈ کے لیے سبزیاں کاٹ رہی تھیں جب عرفان صاحب بھی آ گئے۔ شگوا بیگم جاگ گئی تھیں اور اب ابتدائی گلوں شگواؤں کے بعد دونوں بہن بھائی شیر و شکر ہوتے ہوئے بات چیت میں مصروف تھے۔ برا ہوا عائشہ کی قسمت کا کتا آج ہی یونیورسٹی میں ہنگامے کے باعث ہڑتال ہو گئی تو جنید اسے گھر تک چھوڑنے چلا آیا اور چونکہ دلوں میں کوئی میل نہ تھا سو عائشہ نے اسے اندر بھی بلا لیا۔ جنید نفیسہ بیگم کی دور پرے کی کنز کا بیٹا تھا اور عائشہ کا

یونیورسٹی فیلو بھی۔ ایک آدھ بار پہلے بھی ایسی ہی کسی صورت حال میں عائشہ کو گھر تک چھوڑ کر گیا تھا۔

”کیوں شگوا پا پچھنا اپنے جنید کو رضیہ بہن کا بیٹا ہے۔“ وہ اس کا مختلف حوالوں سے تعارف کراتے ہوئے خوشدلی سے بولے اور بصد اصرار جنید کو کھانے پر بھی روک لیا۔

عائشہ چھو پو سے مل کر فریٹش ہونے کے بعد کچن میں امی کی مدد کرانے لگی اور کچھ ہی دیر بعد کھانے کی ٹیبل سیٹ کر کے سب کو کھانے کے لیے بلا لیا اس بات سے قطع نظر کہ شگوا آبا کا سازشی ذہن پتہ نہیں کون کون سے تانے بانے بننے میں لگ گیا تھا۔



”آپ تو کامران بھائی سگے رشتہ دار ہیں ہمارے پھر بھی نجانے کیوں اتنا تکلف کرتے ہیں۔“ رضی نے اپنی مسکراہٹ کی آنکھوں کو کچھ زیادہ ہی پٹپٹایا تو سیدھے سادھے کامران میاں ان اداؤں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہیں ڈھیر ہو گئے۔ وہ آفس سے گھر واپس آ رہے تھے جب خوشی سڑک کے کنارے کسی سواری کے انتظار میں گرمی سے بے حال دکھائی دے گئی۔ گشہدہ محبت کے الجھے تار جڑتے دیکھتے تو کامران میاں نے فوراً نیک اس کے پاس جا روکی۔ اس نے بھی والہانہ استقبال کیا گویا درمیان کا نا خوشگوار عرصہ کبھی ان کے مابین آبا ہی نہ تھا۔ اب ڈرائنگ روم میں جی سنوری خوشبوؤں سے چھٹی خوشی کھانے کی ٹیبل پر انواع و اقسام کے کھانے دلپسند شخصیت کے ناز و ادا ان کے ہوش اڑائے دے رہے تھے ایسے میں گھر میں عام شکل و صورت کی وہ معمولی عورت جسے بیوی کہا جاتا ہے انتظار کی سولی پر لٹتی یہاں سے وہاں وہاں سے یہاں کرنی بے چین ہو گئی کسے پروا بھی کچن کے کاموں میں مصروف آمنہ نے مطمئن ہو کر سب کچھ دیکھا سالن پلاڈرائیڈ روٹیاں سب کچھ تیار تھا سپینے سے فیض جسم پر چپک گئی تھی کچر اتار کر سارے بالوں کو ایک بار پھر سمیٹ کر لگایا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھتے ہوئی نگاہ ڈرائنگ روم کے کھلے دروازے پر پڑی ایک دم عود کرانے والی حیرت نظر میں

پہل گئی۔ اگر یہ پرانے تعلقات کی تجدید تو تھی تو پھر زہرہ خالہ..... پھر پتہ نہیں کیا سوچ کر اس نے دوپٹہ سر پہنچا کر اس کو داندھا کر گئی۔ اس کے سلام پر خوشی کے ہاتھ کی لکیریں صاف گئی جانے لگیں جبکہ کامران میاں گھبرا کر بنگلیں مہانگے لگے تھے۔

”زہرہ خالہ کو کبھی لگتا ہے کہ کامران بھائی۔“

”ہاں..... وہ..... وہ اصل میں آمنہ میں گھر سے نہیں آیا راستے میں یہ کنویں کے لیے پریشان تھیں تو ان کو چھوڑنے چلا آیا۔ بہت دیر ہو گئی چلا ہوں اب۔“ ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے زمانہ و نظر شناس شگوا خالہ نے دروازے میں کھڑے ہو کر ایک ہی نظر میں ساری صورت حال کو دیکھ کر کھارو جانچ لیا تھا۔

”ارے کامی بننا آیا ہے؟ بیٹھو بھئی ایسی بھی کیا جلدی کھانا کھا کے جانا..... جاؤ آمنہ کھانا لگا دو۔“ ان کے حکم بھرے حکم پر وہ کچھ تفکرات لیے کچن میں پلٹ آئی۔ اپنے کمرے میں جا کر فریٹش ہونے اور عبدالمنان کو ایک نظر دیکھنے کی خواہش ادھوری رہ گئی تھی۔ کھٹکتے ہوئے اس نے میز پر برتن لگائے کھانا لار کھا اٹشین اور زرین بھی کالج سے لوٹ آئی تھیں سو شگوا خالہ کو گوارا نہ ہوا کہ وہ بھی وہاں موجود رہے سو عبدالمنان کا بہانہ کر کے اسے کمرے میں کھانے سمیت بھیج دیا گیا۔ اسے بھی کون سا یہاں خوشی مل رہی تھی سو فوراً ہی چلی آئی۔ شکر ہے عبدالمنان ابھی تک سو رہا تھا۔ اس نے آ کر اس کی پیشانی چومی کھانے کو ڈھک کر رکھا اور خود فریش ہونے والی روم میں آ گئی۔ نہانے سے جسم و دماغ کو کچھ ہنڈک پہنچی۔ کھانے کے دوران بھی پتہ نہیں کیا کیا سوچیں آتی رہیں۔ کچھ سوچ کر وہ اسی دروازہ پھر کر باہر کی صورت حال کا اندازہ کیا وہی بھی پہنچ چکے تھے جو ان کے بلند بانگ تہمتوں میں کامران کی جھینپی جھینپی ہنسی بھی شامل تھی اسے وہی پر ایک بار پھر غصہ آیا یہ نہیں کس قسم کا ماحول تھا اس گھر کا سب کچھ جانتے ہو جیسے گھر کے مرد خاموش تھے بلکہ کسی حد تک ان کا رویہ ماں بہنوں کو بڑھاوا دینے والا ہوتا تھا وہ چاہے تین سال

پہلے خوشی کے کامران سے تعلقات تھے اس کے ساتھ آنا جانا مہنگے مہنگے تحائف لیتا پھر خوشی کو ایک اور دولت مند ٹکرا گیا تو اس نے کامران میاں کو ہری جھنڈی دکھادی۔ وہاں سے واپس ہو کر کامران میاں نے زہرہ سے شادی کر لی تھی کچھ عرصہ خوش باش بھی گزرا لیکن جب سنا کہ وہ امیر زادہ خوشی کو چھوڑ کر چلا گیا تو وہ دل مسوں کر رہ گئے کچھ عرصہ انتظار کر لیتے تب ہی زہرہ کی طرف سے ٹھوڑا سا بچ گئے تھے۔ ماں باپ تو تھے نہیں وہ روتے ہوئے نفیسہ بیگم کی طرف آ جاتی۔ وہ اللہ پر توکل رکھتے ہوئے اسے صبر سے کام لینے کو کہتیں دوسری طرف بیٹی کا سسرال تھا وہاں بھی کھل کر کچھ نہیں کہہ سکتی تھیں۔ آج بھی آمنہ کے آنے والے فون نے نئی فکریں لگا دیں جب اس نے زہرہ کے میاں کا حال کہہ سنایا ساتھ ہی کامران کے اپنے گھر آنے کا ذکر اپنی ساس نندوں کا اس کا پرجوش استقبال سب کچھ..... نفیسہ بیگم کیا کرتیں ٹھنڈی سانس لے کر چپ ہو رہیں۔ ماں باپ کے گزر جانے کے بعد زہرہ کو وہ اپنے ہاں لے آئی تھیں اپنی بیٹیوں کی طرح پالا تھا اگرچہ اس پر بھی شگوا پا کی ہوسو باتیں ان کے کانوں تک پہنچی تھیں جو وہ اڑھرا ڈھک کر کرتی تھیں کہ ہاں بھئی ہیں تو بھائی بیگم نے دودھ میں سے کسی کی طرح نکال پھینکا ہے نہ صلاح نہ مشورہ بھائی کی حلال کمائی کو پرایا دین سمجھ کر سب کچھ پہلے میکے پر لٹائی رہیں اب جب ماں باپ گزر گئے تو میکہ ہی گھر اٹھالے تیں۔ بھائی عرفان کی آنکھوں پر گویا بیٹی بندھ گئی ہے بیوی کی محبت میں لٹائے جا رہے ہیں بس۔ وہ تو شکر ہے کہ عرفان ان کی ہر بات خاموشی سے سن ضرور لیتے تھے۔ ادب بھی کرتے تھے پر کرتے وہی تھے جو ان کا دل کرتا تھا۔ زہرہ کو وہ بھی بیٹیوں کی طرح چاہتے تھے۔ کامران میاں کی وہی روٹیں شروع ہو گئی جو شادی سے پہلے کے دنوں میں تھی۔ ان کا سارا سارا دن اب شگوا پا کے گھر گزرتا ہے پکے پکے کھانے لے آتے، خوشی سمیت سب لوگوں کو آؤنگنگ پر لے جاتے اب انہوں نے گاڑی بھی لے لی تھی۔ وہی دفتر میں ہوتے آمنہ گھر پر ہوتی اور یہ

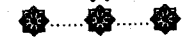
سب کچھ دیکھ کر جلتی کھستی رہتی۔ زہرہ الگ روتی ہوئی نفیسہ بیگم کے پاس آئی تھی کہ کامران میاں کا رویہ اس کے ساتھ بالکل بدل گیا تھا۔ صبح کے گئے رات کو گھر آتے اس پر بھی زہرہ کو ڈانٹنے اور غصہ دکھانے کا کوئی موقع تھا۔ جانے نہ دیتے وہ سخت پریشان تھی اور ابھی نفیسہ بیگم اسی پریشانی میں تھیں کہ ایک دن عائشہ یونیورسٹی سے متورم چہرے اور روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ لوٹی اور آتے ہی سیدھی کمرے میں مہس گئی تھی۔ کھانا کھائے اور کپڑے تبدیل کیے بغیر..... نفیسہ بیگم بہت پریشان ہو کر اس کے پیچھے گئی تھیں ان کے استفسار پر پہلے تو وہ کچھ نہیں بولی پھر اصرار کرنے پر جیسے پھٹ ہی پڑی تھی۔

”آپ کی نندا اور ان کی بیٹیاں جب تک زندہ ہیں نہ تو آپ کی بہن بس سکتی ہے نہ آپ کی بیٹیوں کی زندگیوں میں خوشیاں بھی آسکتیں ہیں۔ وہ حامد عورت اور اس کی بیٹیاں کب دیکھ سکتی ہیں کسی کو ہنستے۔“ وہ روتے ہوئے بولی نفیسہ بیگم کے اصرار پر اس نے بتایا کہ جنید پھلے سال سے اپنا پروپوزل بھیجے گا کہہ رہا تھا لیکن وہ خود ہی ابھی اس قسم کا کوئی سلسلہ نہیں چاہتی تھی کہ دوران تعلیم ایک تو وہ دونوں ڈسٹرب ہوں گے دوسرے لوگوں کو بھی بائیں بنانے کا موقع نہ ملے اب جبکہ وہ فائل امتحانات سے فارغ ہونے والے تھے اور اس کی امی بھی کچھ دنوں تک آنے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ شوگو بیگم نے جس دن جنید کو یہاں دیکھا تھا صرف دو تین بار ہی جنید کے گھر چکر لگایا تھا نتیجتاً دن رات نفیسہ بیگم کی بچیوں کے اخلاق اور تربیت کے گن گانے والی رضیہ خاتون کے خیالات آنا فنا تبدیل ہو گئے تھے۔ جنید خود پریشان تھا کہ کہاں تو اس کی ماں فوراً ہی ان کے گھر آنے کو تیار تھیں کہاں اب اس کے ذکر پھیرتے ہی مشتعل ہو جاتیں۔

”ارے بھئی! ہمیں تو معاف کرو نفیسہ کی بیٹی کو بیاہ کر میں نے گھر سے باہر نہیں ہونا، شوگو! پیچاری نے ساری عمر بیوگی کے ساتھ گزاری۔“ جیم جوں کو کون مشکلات میں پالا پوسا پر نفیسہ بیگم کی پڑھائی پتی میں عرفان بھی اندھے

ہو گئے کبھی پلٹ کر بیوہ بہن کی خبر نہ لی پھر بھی ان کی اچھائی دیکھو اسی مطلب پرست بھائی کی بیٹی کو بہو بنالیا صرف اتنا خیال کرتے ہوئے کہ بھائی کا بوجہ بہن نہیں ہلکا کرے گی تو کون کرے گا مگر بہو بیگم نے وہ ناگوں بنے چوڑے ہوئے ہیں کہ شوگو! پیچاری خون کے تسو روٹی ہیں۔ بظاہر مبینی نظر آنے والی وہ آ منہا لسی چالاک اور گھنی نفی نند کے لیے آنے والے رشتے پر ایسا جادو چلایا کہ تیار شادی ختم کر کے خالہ کو لایا اس گھر میں۔ پورے گھر یہ اسی کی حکومت ہے میاں کو کاٹھ کا الو بنایا ہوا ہے ساس نندوں کو نوکزنہ بابا نہ میں بیوہ عورت میرا ایک ہی سہارا ہوں میں تو دیکھ بھال کر ہی رشتہ کروں گی اب بھول کر بھی اس خاندان میں رشتہ کی بات مت کرنا۔“ جنید ششدر بیٹھا بس ماں کے نادر خیالات سنے گیا پھر اس نے ہر جملہ آزمایا مگر رضیہ خاتون کا انکار ہاں میں نہ بدلا اور آخر کار ماں نے دودھ نہ بخشنے کی جذباتی بلیک میلنگ کر کے جنید کو ہی ہار ماننے پر مجبور کرویا تھا۔ بہت دن سے عائشہ سے کئی کتر اتنا جنید آخر کار ایک دن ٹوٹا ٹوٹا سا ساس کے پاس آیا اور اپنی مجبوری بتا کر عائشہ سے معافی کی درخواست کی تھی۔ وہ تو دھواں دھواں چہرہ لیے بس ایک ٹک اسے دے دیتی رہ گئی تھی۔ آ منہ کو بھی جب اس ساری صورت حال کا پتہ چلا وہ بھی جھلس کر رہ گئی لیکن کیا کر سکتی تھی پھر اسی نے مزید کامران کا بتایا۔

”کیا کروں امی! دیکھ دیکھ کر دل کڑھتا ہے سارا سارا دن کامران بھائی رشتہ بی بی کو لیے لیے پھرتے ہیں، کبھی ہول، کبھی پارک، کبھی شاپنگ زات گئے واپسی ہوتی ہے وہاں ایک دبا روی سے دبے لفظوں میں ذکر کیا لیتا انہوں نے مجھے ہی ڈانٹ دیا کہ میری بہن کے حق پر ڈاکا ڈالنے والی پہلے نہ ہر تھی اب اگر اس کے ساتھ ایسا ہو رہا ہے تو اس کا کیا دھرا ہے۔“ وہ بات کرتے کرتے رو ہاکی ہو گئی۔



نفیسہ بیگم گہری سانس لے کر چپ ہو رہی ہیں۔ انہی دنوں جب آ منہ ایک بار پھر امید سے ہوئی اور چند چوچیدگیوں کی بنا پر ڈاکٹر نے اسے مکمل آرام کا مشورہ دیا۔

”میں بیمار بوڑھی عورت، بچیاں پیچاری کام سے تھکی رہی آتی ہیں اتنے بڑے گھر کے سو جھیلے کون دیکھے گا بہو بیگم تم جو ماں کے گھر کا بوریا بستر باندھے کھڑی ہو پھر جاتی بھی ہو اگلے ہفتے سو سو یہ سے زریں آ رہی ہے۔“ شوگو بیگم نے تیوریاں چڑھا کر ایک اس کی طبیعت اور حالت کے سوا سب اہم اور ضروری کام گنوائے تو آ منہ نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کو بچاری خدا کی طرف سے کوئی مدد نہیں ملنے والی، وہی کو دیکھا لیکن وہ چائے پیتے ہوئے کندھے پر کھڑے ہو گیا گویا تیار کا تم ہی جانو۔ اب تک تو جیسے تیسے کر کے وہ گزارا کرتی آئی تھی لیکن کل سے جسم میں ہلکا ہلکا ہونے والا درد جب شدید ٹیسس اختیار کر گیا تو وہ عیدالمنان کی انگلی پکڑ کر رکتہ کر کے ڈاکٹر کے پاس پہنچی تھی۔ وہ بھی خوب بکڑی کہ جب ہیڈریسٹ کا کہا ہے تو وہ کہنا کیوں نہیں مان رہی آ منہ ایسی کسی صورت حال میں وہ اس کے پاس مت آئے پھر اس نے بے شمار ہدایات کے ساتھ ایک لمبا چوڑا نسخہ پکڑا کر اسے روانہ کیا۔ واپس آ کر اسے شوگو بیگم کے تیوروں کا الگ سامنا کرنا پڑا کہ ساری دنیا کی عورتیں بچے پیدا کرتی ہیں خود انہوں نے کتنا بڑا لکبڑہ بھی سنبھالا ساتھ ساتھ بچوں کا سلسلہ بھی چلا اور ان دنوں تو بات بات پڑانے والے یہ موئے ڈاکٹر بھی نہیں تھے نہ ہی اتھ میں دوپٹے ہوتے تھے جو ان عیاشیوں پہ جھونک آتے، پھر چوچیلے کر کے بیٹھ جاتے ایک لمبی تقریر کے بعد وہ گویا ہوئی تھیں کہ بچیاں آنے والی ہیں اور ابھی تک کھانے کا کوئی بندوبست نہیں سوچن کی راہ لے شام تک آ منہ کی حالت جب غیر ہو گئی تب اس نے امی کے گھر جانے کی ٹھانی لیکن ابھی تک شنوائی نہ ہو سکی تھی۔ انفس تو اسے وہی پر ہوتا جو اس کی حالت دیکھتا بھی تھا پھر بھی ماں بہنوں کے سامنے ایک لفظ کہنے کو تیار نہ ہوتا۔

اگلے ہی دن دہی سے بڑی نند زریں اپنے خاندان اور بچوں کے ساتھ آ گئی۔ رہی سہی کسر اس کی آمد نے پوری کر دی تھی۔ پورا خاندان ہی اس سے ملنے کے لیے اٹھ پڑا تھا۔ کبھی ساس، کبھی دیور کا خاندان، کبھی جٹھ کے گھر والے

اور کبھی نندیں زریں کی ایک نند جو کہ دوسرے شہر سے آئی تھیں ان کا قیام تو گھر میں تین چار دن تک رہا آ منہ کی کچن میں تھکتی شام تک مصروف رہتی عبدالمنان کو بھی صبح ناشی کے گھر چھوڑا جاتا واپسی پر لے آتا شوگو! آ منہ کی مہربانی کی تھی کہ کچھ دنوں کے لیے اوپر کی صفائی اور سودا سلف کے لیے جوتی ملازمہ کا بندوبست کر دیا تھا۔ نندوں کی وہی روٹیں تھیں گھر میں ہوتیں تو آپس میں ہنسی مذاق چلتا رہتا کھانے کی تیاریاں پھر نظر آتیں کامران میاں کے شب دروڑ آج کل رختی کی سنگت میں گزر رہے تھے۔ رات گئے وہ اسے گھر چھوڑ جاتے آخر کار آ منہ دنوں دن آ منہ کھڑے کھڑے کچن میں ہی دھڑام سے گر گئی وہ تو شکر تھا کہ وہی گھر پر ہی تھا، بیگم بھاگ اسے لے کر ہسپتال پہنچا لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ ان لوگوں کی بے حسی سے دنیا میں آنے سے پہلے ہی ایک معصوم روح ماں کے پیٹ میں دم توڑ گئی تھی۔ ساس نندوں کا تو نہیں پتہ وہی البتہ چپ ضرور ہو گیا تھا نفیسہ بیگم عرفان اور عائشہ بھی ہسپتال پہنچ چکے تھے۔ آ منہ کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر نفیسہ بیگم اسے گھر لے آئی تھیں۔ وہی رات تک وہیں رہا تھا۔ شوگو! پالا اور ان کی بیٹیوں نے آتا تو دونوں تک کرنا گوارا نہیں کیا تھا۔ اگلے آنے والے کئی دن ایسے ہی گزر گئے۔ عرفان صاحب بھی حیران تھے کہ ان کی بیٹی نے اتنا بڑا صدمہ جھیلنا تھا اور ان کی بہن ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے ابھی تک حزانہ پر کی کوئی آ منہ کی تھیں۔ وہی نے شرمندہ سے لہجے میں بتایا تھا کہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور ہمیشہ اس لیے نہ آسکیں کہ زریں آپا سے ملنے آنے والے مہمانوں میں بری طرح مصروف ہیں۔ آ منہ کو تب سے ہی ایک چپ لاق تھی۔ وہی آ کر بیٹھ کر چلا جاتا وہ خلاؤں میں کچھ جھنجھکی نظر آتی۔ زہرہ آئی تھی اس کے پاس اور رو رو کر بہن کو بتایا تھا کہ اب تو کامران نے رات کو بھی گھر آنا چھوڑ دیا ہے اور آخر کار کچھ ہی دنوں میں شوگو بیگم کی بیماری اور اس کی بیٹیوں کی مصروفیت کا پول کھل گیا جب کسی رشتہ دار نے آ کر خبر دی کہ ایک دن پہلے ہی شوگو بیگم کے گھر میں دو نکاح

کی تقریب تھیں۔ کامران کا رشتی کے ساتھ اور جنید کا ان کی بیٹی افسین کے ساتھ اسی لیے اس دن وحشی بھی حسب معمول نہ سکا تھا۔ عرفان صاحب نے بہت رنجیدگی سے بہن کو فون کیا تھا۔

”ساری دنیا مجھ سے آپ کے بارے میں کیا کیا نہ کہتی رہی آیا میں نے سب کچھ جھٹلایا حتیٰ کہ نفیسہ کو بھی اپنی بچیوں کو بھی کہ میری بہن کیسے اتنی خود غرض ہو سکتی ہے کہ اپنے بھائی کی بچیوں کے گھروں میں ہی آگ لگا دے..... پر جو میں نے ان دنوں میں دکھا سوچا جانچا اور پرکھا تو پتہ چلا میں ہی غلط تھا۔ شگوا پا آپ شروع سے اتنی ہی خود غرض تھیں۔“ ان کے ٹوٹے ہوئے لہجے میں ایک بھائی کے مان کے ٹوٹنے کی کرچیاں بکھری ہوئی تھیں۔ آج دینا وہ لہجہ اشراب کرتا اگر جو گلا زندہ ضمیر شخص ہوتا۔ شگوا آپ اتنی دیر ان کی تیغ باتوں کے کٹنے میں اپنی شکل نہ دیکھ پائیں اور بیچ پڑیں۔

”بس کرو عرفان ایسا کیا ظلم کرو ڈالا تمہارے ساتھ جو یوں حساب کتاب لینے کھڑے ہو گئے ہو۔ یاد کرو تو کامران پر میری رشتی کا حق تھا اور پہل تمہاری طرف سے ہوئی تھی۔ زہرہ نے ڈاکا ڈالا تھا میری بیٹی کے حق پر اور اپنا حق واپس لینا کوئی گناہ نہیں..... تم جو یوں اچھل اچھل کر اپنی بیٹیوں کی مظلومیت کے قصے رو رہے ہو تو اتنا بھی نہیں پتا کہ بغیر وجہ کے بیٹی کو چندہ دن سے گھر بٹھایا ہوا ہے تو ایسے تو گھر نہیں بننے میاں عورتوں کے ساتھ سو طرح کے مسائل اور اونچ نیچ چلتی رہتی ہے عمر بھر یہ کیا کہ گھر چھوڑ کر ماں باپ کے گھر ڈیرے بجالیے جائیں۔ ہاں میاں جب ماں باپ کاٹھ کے الو ہوں تمہاری طرح تو ایسے ہی انگلیوں پر نچانی ہے اولاد دہی آئے گا آج آخری دفعہ تمہاری بیٹی کو لینے نہ آئی تو پھر نتیجے کے لیے خود ہی تیار رہنا۔ میرے بیٹے کے لیے اب بھی رشتوں کی کمی نہیں ہے وہ مجھے ہی بھائی کی محبت کی ہڑک اٹھی تھی جو بیٹی کو بہو بنا کر لے آئی وہی بھائی جو آج ماں جیسی بہن کی خوشی غم میں شریک ہونے کی بجائے بیوہ بہن پر انگلی اٹھا کے خود ہی کھڑا ہو گیا ہے تو باقی دنیا کا تو کیا

ہی کہنا۔“ شگوا بیگم کے الفاظ نہیں تھے کوئی سننا تے تیر تھے جو عرفان صاحب کی سماعتوں سے گزر کر دل و دماغ کو خاکستر کر گئے تھے۔ شگوا باپ بھی تیز تیز کچھ بول رہی تھیں پر انہوں نے ڈھیلے ہاتھوں سے ریسیور کر ڈیل پڑا دیا اور ہوا وہی جیسا شگوا پاچا ہوتی تھیں۔ شام کو جب نظریں چرائے وحشی ان کے ہاں آیا تو اس کے ساتھ آمنہ بیگم بھی اپنی اتنا خود داری، عزت نفس پر پاؤں رکھ کر ایک ایسی لاش گئی تھی جس کی ایک بیاہی بہن (زہرہ) ماں باپ کی دہلیز پر بیٹھی تھی دنیا اسباب نہیں دیکھتی پس منظر نہیں دکھاتی بس وہی دیکھتی ہے جو نظر آ رہا ہوتا ہے اس نے ان دنوں میں ماں باپ کے مرجھائے ہوئے چہرے دیکھے تھے عاشق کا بے رونق اور سست انداز نوٹ کیا تھا جس کے ایک دورشتے اگر آئے بھی تھے تو شگوا پا کی پھیلائی گئی من گھڑت کہانیوں کی بدولت انہوں نے دوبارہ آنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ سب کچھ ٹھیک کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی لیکن صرف اتنا اور عزت نفس کو پل کر وہ کچھ تو ٹھیک کر ہی سکتی تھی پھر اس کے ماں باپ نے یہی سکھایا تھا کہ نوروشتی سب کے لیے ہوتی ہے نہ اندھیرے سب کے لیے۔ وہ مقدر بنانے والا بہترین منصف ہے۔ اسی ایک سہارے کی بدولت وہ اس دوزخ میں دوبارہ لوٹ آئی تھی اس کا لوہے کے تیل کی طرح جو ساری زندگی چکر ہی لگا رہتا ہے وہ بھی جت گئی تھی اپنے مدار کے گرد۔ کامران بھائی کا قیام اب مستقل اس کے گھر ہی تھا۔ اس کی ساس بھی شاید اسی کے انتظار میں تھی کہ وہ بعد امداد باندی آئے تو گھر میں شادی کی تاریخ رکھ دی جائے جنید کے ساتھ افسین کی شادی کا سارا بھینچا بھی آمنہ کے سر تھا جنید نے کیوں فنکشن میں اس سے لگا نہیں جھپٹا رہا ایک تیغ مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر دم توڑ جاتی۔ عرفان صاحب کے گھرانے سے البتہ صرف نفیسہ بیگم بارات کے فنکشن میں شریک ہوئی تھیں کچھ بھی تھا بیٹی کا سرال تھا اور بیٹیوں کے والدین کو اپنی بچیوں کی خوشی کے لیے بہت ستان چاہے قدم اٹھانے پڑتے ہیں۔

زہرہ ابھی تک نفیسہ بیگم کے ہاں تھی اور اللہ نے اسے

ولاد کی خوش خبری سے نوازا تھا۔ گھپ اندھیروں میں ننھی لاش کی کرن ٹٹمائی تھی۔ زہرہ نے کامران کی سب باتوں کا بھلا کر اسے فون پر یہ خوش خبری سنائی تھی لیکن دھری طرف سپاٹ سا انداز محسوس کر کے ساری خوشی اندر اٹھ کر گئی تھی۔ وہ سادہ لڑکی نہیں جانتی تھی کہ خوشیوں کا لعل بھی دل سے وابستہ افراد کے ساتھ ہوتا ہے جن سے دل کی وابستگی ہوان کی طرف سے ملنے والی ہر خوشی بھی اٹھتی لگتی ہے اپنی لگتی ہے جب کہ اس کے خاوند نے اسے بھی اپنا سمجھا ہی نہیں تھا۔ مرد عورت کے ناز ادا نہیں لڑے اور بے جا فرمائشیں صرف تب تک برداشت کرتا ہے جب تک عورت محبوبہ ہوتی ہے بیوی بنتے ہی وہ اپنی مردانگی کا خول پھر سے خود پر چڑھ لیتا ہے صرف تین ماہ میں ہی کامران رشتی کے یہ طور طریقے برداشت کر سکا تھا پھر اسے یہ سب کچھ کھلنے لگا تھا۔ ان تین ماہ میں رشتی نے صرف ناز ہی اٹھوائے تھے۔ ہر روز وہ شائینگ اور ہونٹنگ کے لیے تیار ہوتی، کھانا بھی زیادہ تر بازار سے منگوا لیا جاتا کہ گھر کا کچا ہوا کھانا وہ کم ہی پسند کرتی تھی۔ آئے روز کی شائینگ سے کامران پر دن بدن قرضہ چڑھتا جا رہا تھا۔ کامران چپ چاپ گھر میں پھر کی طرح پھرتی آمنت کو جو کبھی کسی کام میں مصروف ہوتی تو بھی کسی کام میں دیکھتا تو نجابنہ کہاں سے ایک سادہ سی لڑکی کا سر اپنا پھم سے آنکھوں کے سامنے آ جاتا جو روز طرح طرح کے لذیذ پکوان تیار کیے اسے اپنے پُر سکون اور صاف تھرے گھر میں منتظر لگتی تھی۔ اس کی بے رخی کبھی بھی اس کی محبت پر اثر انداز نہ ہوتی تھی۔ روز رات کو اس کے پاؤں دبا کر سونے سے بقول اس کے اسے سکون ملتا اور اپنے اٹھنے پر وہ اسے ہمیشہ بیدار ہی ملتی تھی۔ وہی گھر وہی لوگ اور ان کے طور طریقے جو بھی اس کے آئینہ میل تھے اسے بے طرح کھلنے لگے۔ بہت اصرار اور زبرد کر کے وہ رشتی کو ہی گھر میں لے آیا جہاں پہلے زہرہ ہی تھی لیکن وہ بھول گیا کہ اس کا مکان تو وہی تھا پر پلٹیں بدل چکا تھا۔ رشتی اپنی عادتوں سے چھٹکارا پانے کو تیار ہی نہ تھی اسے خود ہی ناشتا کر کے آفس جانا پڑتا

کہ اس ناظمہ سوئی ہوئی ہوتی، واپسی پر وہ خود تو اچھی طرح سے تیار ملتی جبکہ گھر کا دو ہفتوں میں براشر ہو گیا تھا وہ گھر جہاں گرد کا ایک ذرہ بھی نہ ملتا تھا اب مٹی اور بھول سے اٹا ہوا تھا۔ آخر کار مصنوعی محبت کا یہ چولا محض تین ماہ میں ہی اپنی خوب صورتی کھو بیٹھا۔ کامران فطرتاً صانع جو آدمی تھا۔ اس نے بہت دفعہ رشتی کو آرام سے پیار سے اس ڈگر پہ لانے کی کوشش کی جو کہ ایک گڑبست کا طرہ امتیاز ہوتا ہے۔ آئے دن کی جھج جھج سے تنگ آ کر وہ پہلی دفعہ روٹھ کر سینے چلی گئی، کامران کو اسے پھر ڈھیروں پیسے خرچ کر کے شائینگ کی مد میں ایک اچھے ہوٹل میں کھانا کھلا کے اور شگوا بیگم کی بری بھلی سن کر مرنے لگا۔ اتنا پڑا دوسری بار صرف منتوں سے اور تیسری بار اس نے اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ سات دن ہو گئے تھے ان کے تازہ ترین جھگڑے کو وہ روز فون کرتا تنجیدگی سے یہ پوچھنے کے لیے کہ آخر وہ کیا چاہتی ہے، لیکن اول تو وہ موبائل ہی بند کر دیتی لینڈ لائن پر کال کرتا تو پتہ چلتا کہ سوئی ہوئی ہے یا باہر گئی ہوئی ہے غصے اور بے چارگی سے کھولنا اب اس کا مقدر بن چکا تھا۔

”بس اماں بہت ہو گیا میں بھی فیصلہ کر کے آئی ہوں اب اس جہنم میں پھر نہیں جانا جس میں پتہ نہیں کیا سوچ کر مجھے آپ نے جھوک دیا ہے غضب خدا کا وہ مکار بوڑھی عورت جو میرے جاتے ہی بیمار پڑی ہے تو بستر سے اٹھنے کا نام نہیں لے رہی کم بخت..... بیٹا ہے تو کاٹھ کا الو ماں کا دیوانہ کچھ ہوں تو کہتا ہے کہ تمہارا فرض ہے میری ماں کی خدمت اور کس لیے بیاہ کر لائے ہیں تمہیں۔ تمہاری ماں تو کھٹکی نہیں تھی تم بہنوں کے کھٹراپے کی کہانیاں سننا سنا کے مجھے تو ان تین ماہ میں سلیقہ نام کا دکھائی نہیں دیا۔“ یہ شگوا پا کی تیسرے نمبر والی بیٹی تھی افسین تھی جس کو بڑے چاؤ سے اس کی ساس بیاہ کر لے گئی تھیں پر اب وہی ساس اس سے بے حد تنگ تھیں۔ ابھی وہ اپنی ساس اور شوہر کے قصیدے پڑھ رہی تھی کہ آمنہ لوازمات کی ٹرے کے ہمراہ اندر آئی تھی۔ افسین کو ایک بار

پھر بڑی زور کا غصہ آیا۔

”پتہ نہیں کیا یہ سبیاں جادو کرتی ہیں کہ ساس تو ساس جنید تک مجھے سنا چکے ہیں کہ عائشہ جیسا میرا چھوڑ کر مجھے اپنا لیا۔ تو یہ ان کے گناہوں کی سزا ان کو مل رہی ہے۔“ وہ کیونکر نظروں سے اس کو دیکھ کر غصے سے بولی۔

وہ کہنے پر دوبارہ جاسندیس بھی پر نجانے اس کی یہ بات سن کر نجانے کیوں سکون کی ایک لہر آمنہ کے اندر تک اتر کر اسے سرشار کر گئی تھی۔ اسے اپنے ابا کے الفاظ یاد آئے تھے جو انہوں نے اسے جب وہ بے حد ملول ورنجیدہ اس گھر میں واپس آئی تھی کہے تھے۔

”بیٹا ہمیشہ یاد رکھنا کہ اللہ ظالم کی رسی دراز ضرور کرتا ہے پر جس پل پہنچتا ہے پھر ایسے لوگوں کو نہ تو آسمان پہنچا دیتا ہے نہ زمین، اس اللہ کے انصاف کا انتظار کرنا میری پٹی دوسروں کی بیٹیوں کی تاج جلا کر جو لوگ نئے رشتے بناتے ہیں وہی رشتے ایک دن انہی لوگوں کے لیے ناسور بن جاتے ہیں میں اپنی آپا کو بددعا نہیں دیتا لیکن اتنا یقین ضرور ہے کہ ایک دن میری بیٹیوں کو بھی ان کے حصے کی خوشیاں ضرور ملیں گی۔“ اس پل جھکے کندھوں اور آنسو بھری آنکھوں والے باپ کو دیکھ کر وہ تینوں رو دی تھیں۔ زہرہ عائشہ اور وہ۔

”اے تمہاری ماں ابھی زندہ ہے میری جان مت پریشان ہو دیکھنا وہ بھی رضیہ ناک رگڑے گی پھر بھجوں گی تمہیں واپس کیسے بیٹھی زبان بولتی تھی شادی سے پہلے میرے گھر کا اجالا میرے آئین کا چاند کم بخت نہیں جانتی کہ شگو سے پالا پڑا ہے اس باز تو کھڑی کیا کن سوئیاں لے کر خوش ہو رہی ہے نام اور اوجاد ج ہو یہاں سے۔“ آمنہ کے خیالات کا سلسلہ شگوا کی تیز آواز نے توڑ ڈالا وہ تیزی سے دوبارہ کچن کی سمت آگئی۔ شگوا آپا کی قسمت ابھی تھی کہ ساری زندگی ماں کے گھر جب تک رہی بھائی کو کتنی کا نایب نچائے رکھا پھر سرال میں میاں بیچارے شریف ملے تو ساس کو دن میں تارے دکھائے وہ بیچاری اپنی قسمت کو روئے گزر گئیں اپنی ناعاقبت اندیشی بدستگیری اور دوسروں کا

گھر بر باد کرنے کے لیے کن سوئیاں لینے کی اور آگے ایک کی چار لگانے کی جس ڈگر پر چوہ چلیں اپنی ساری اولاد کو چلا لیا میاں کے گزر جانے کے بعد اور شیر ہو گئیں کہ جوان اولاد کا ساتھ تھا۔ پر نہیں جانتی تھیں کہ ہر انسان کے صبر اور ضبط کی ایک حد ہوتی ہے جب وہ توڑ دی جائے تو کچھ نہیں باقی بچتا۔ شاعر اہمندانہ غمخیز اور نہ ہی رشتے۔

انہی دنوں آمنہ کو میکہ کی طرف سے جو خوش خبری سننے کو ملی اس نے اسے سرشار ہی کر ڈالا تھا۔ زہرہ کو اللہ نے ایک صحت مند بیٹے سے نوازا تھا اور خوشی کے ہٹ دھرم رویے سے بیزار کامران تک یہ خبر جب پہنچی تو وہ رہ نہ سکا اور فوراً ہی عرفان صاحب کے ہاں جا پہنچا اور اپنی تمام غلطیوں کی زہرہ اور ان میاں بیوی سے معافی طلب کر کے اپنے جگر کے ٹکڑے کو سینے سے لگا لیا تھا۔ اندر دور تک ٹھنڈک پھیل گئی تھی۔ اس دن اس چھوٹے سے گھر میں خوشیاں بہت دن بعد مہمان بنی تھیں اور وہ مہمان نواز لوگ تھے۔ رخصتی تک یہ خبر جب پہنچی کہ کامران زہرہ اور اپنے بچے کو گھر لے آیا ہے تو گویا انگاروں پر ہی لوٹ گئی تھی اس نے خود ہی کامران کو فون کیا تھا کہ وہ زہرہ کو اگر دوبارہ گھر سے نکال دے تو وہ واپس آنے کو تیار ہے ورنہ اسے فوراً طلاق چاہیے اور کامران جو حقیقت کو کب سے جانچ رہا تھا وہ مزید کسی بے فوٹی کا تحمل نہیں ہو سکتا تھا سو اس نے رسان سے رخصتی کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ زہرہ کی موجودگی میں ہی اسے اس گھر میں رہنا ہے تو اس گھر کے ساتھ اس کے دل کے دروازے اس کے لیے کھلے ہیں پر شگوا بیگم جیسی مائیں ہی ہوتی ہیں جو اولاد کو غلط راستہ دکھا کر اور ان پر چلا کر ان کے گھر وں کو بر باد کرنے کا سبب بنتی ہیں سو مفاہمت کی ہر راہ بند ہو گئی تھی۔ عرفان نے بہن کی تمام کوتاہیاں بھلا کر ایک بار پھر بہن کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ بیٹی کا گھر بسانے کی کوشش کرے نہ کہ بگاڑنے کی۔ ”میری بیٹی کھلی ہانپوں سے رخصتی بیٹی کے استقبال کے لیے تیار ہے شگوا آپا اس کی طرف سے آپ کو کوئی شکایت نہیں ملے گی میں وعدہ کرتا ہوں۔“ وہ بہن کو

سمجھانے کا تہیہ کر کے آئے تھے پر اللہ ہدایت انہیں دیتا ہے جو کسی نعمت کے طلب گار ہوں۔

”اے جاؤ میاں سب کچھ کر کر کے اب معصوم بن گئے ہو تمہاری بیٹی میری بیٹی کے گھر عیش کرے اور میں تمہاری دوسری بیٹی کو آنکھوں کے سامنے راج کرتا دیکھوں ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا اس کو بھی ساتھ لے جاؤ اس کی اب اس گھر میں کوئی جگہ نہیں۔ ہاں ہمارا بچہ ہمارے پاس رہے گا۔“ شگوا آپا نے انتہائی تو کر ڈالی تھی پھر نہ آمنہ کی نہیں کام آئیں نہ عرفان صاحب کا ہاتھ جوڑ کر اپنی شگو آپا سے معافی طلب کرنا کہ اس میں آمنہ کا کوئی قصور نہیں ایسا ظلم مت کریں لیکن جب اپنا سکھ ہی کھونٹا اور کمزور ہو تو دفاعی مورچے پر زور پڑ جایا کرتے ہیں۔ وحشی بیٹے کو آمنہ سے چھین کر کمرے میں قلم ہو گیا تھا اور وہ دونوں ایک بار پھر اسی دلیز سے لٹے پٹے نکلے تھے آمنہ بیٹے کے غم میں اور اس کا بیٹا ماں کی جدائی میں بیمار ہو گیا تھا۔ ایسی پریشان کن صورت حال میں کامران نے رخصتی کو فون کر کے کہا تھا کہ وہ اسے الگ گھر میں رکھنے کو تیار ہے پر آمنہ کو واپس بلا لیا جائے لیکن ان لوگوں کی ہٹ دھرمی ہنوز قائم تھی کہ زہرہ کو طلاق دے تو پھر ہی کچھ سوچا جائے گا۔ آخر غصے میں آ کر کامران نے رخصتی کو طلاق کے کاغذات بھجوا دیے تھے کہ اسے پتہ چلا تھا کہ رخصتی نے اسے تعلقات کی ڈور ایک نئے آنے والے ہمسائے میں انکالی تھی جو کہ دینی پلٹ اور ایک بیوی بھگتایا ہوا تھا اور بے تحاشا دولت مند بھی تھا۔ اس سے یہ سب کچھ برداشت نہ ہو سکا تھا۔



”بہن آپ یقین جانیں کہ آپ کی تربیت اور آپ کی بیٹیوں کے حسن سلوک کی تو سارا خاندان مثال دیتا ہے میں بھی آخر خوشحالی کی ڈی ہوئی ہوں جس نے زریں جیسی پھوہڑا اور زبان دراز زینی کو میرے بیٹے کا کیرا پورا بیٹا ہی تھہرایا ان شقی القاب لوگوں میں جیسے آمنہ بیٹی نے گزارا کیا میں خود گواہ ہوں اب زریں بیگم اپنی سب سے چھوٹی بہن کو میرے چھوٹے بیٹے کے سر منڈھنا چاہتی ہے لیکن

میرا بیٹا ماشاء اللہ خود سمجھدار ہے کہتا ہے اماں بھالی کے خاندان کا کوئی پس لاکر میں نے اپنا گھر جہنم نہیں بنانا آپ آمنہ بھالی کی بہن کا ہی رشتہ لے کر جائیں مجھے اپنا گھر ویسا نہیں چاہیے جیسا بھالی کی ماں کا ہے یا زریں بھالی کا ہے یقین کریں میرے دل کی کلی ہی تو کھل گئی کیسا افسوس ہیرا بیٹی لڑکی آنکھوں کے سامنے تھی اور میں یہاں وہاں پھر رہی تھی۔ یہ شگوا آپا کی بڑی بیٹی زریں آپا کی ساس تھیں جو غصہ بیگم کی بیٹیوں کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔ پھر نصیب بنانے والا ایسے ایسے راستے کھولتا ہے کہ انسانی عقل دنگ ہی رہ جاتی ہے۔ عائشہ کی شادی جھٹ پٹ ملے پائی تھی زریں آپا کے بے حد لائق فائق انجینئر دلور سے جن پر وہ بہت عرصہ سے نگاہ رکھے ہوئے تھیں۔ شگوا آپا کے گھر سے کوئی شریک نہیں ہوا تھا۔ ایک آمنہ ہی تھی جو دن بدن کھلتی جا رہی تھی آخر جب اس کے بیٹے کی جان کے لالے پڑے تو وحشی اقبال وغیرہ اسے لے گیا۔ جب بچے کو ہسپتال داخل کرنا پڑا تھا۔ شگوا آپا نے انتقام میں بچے کو رکھ تو لیا تھا لیکن بچے کو رکھنے کی ذمہ داری نہ نبھاسکی تھیں۔ ان کی اپنی مصروفیات تھیں پھر بیٹیاں بھی اپنی روش پر قائم تھیں وہ کب اتنے چھوٹے بچے کی ذمہ داری سنبھال سکتی تھیں سو جلد ہی بچہ مر جھا گیا تھا اور اس کی پوری ذمہ داری وحشی پر آ گئی تھی۔ آمنہ زار و قطار روتے ہوئے اسے سینے سے لگائے بیٹھی تھی۔ ماں کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر رونق آ گئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار آمنہ نے وحشی کو پشیمان دیکھا تھا اب یہ تھا کہ وحشی نے بچے کو آمنہ کے پاس ہی رہنے دیا تھا۔ بنیادی طور پر وہ ایک کمزور مرد تھا شروع سے اس کی زندگی اپنی ماں اور بہنوں کی اجارہ داری میں گزری تھی سو بیوی کے حقوق سے اتنا ہی واقف تھا جتنا اس کی ماں بہنیں چاہتی تھیں۔

”لومیاں۔۔۔۔۔ یہ خوب تمنا شاگدایم نے ہماری عزت کا بیج چورا ہے وہ عرفان اور اس کی بیٹی جس کا اپنی دلیز پر ماتھا کر ڈوانے کے کتنے ہی سہانے سنے جوڑے بیٹھی ہوں سارے چکنا چور کر ڈالے۔ میں کہتی ہوں مرد کا بچہ ہے تو جا

اور لے آئے وہیں۔“ شگوا پا کے تو اوسان خطا ہو گئے جب وہی نے آہستہ سے بتایا کہ بچکا منہ کے ساتھ اپنی نالی کے گھر ہے۔

”اماں میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں لیکن اپنے بچے کو جیسے میں نے بلکتے دیکھا ہے پھر اس کی حالت جس طرح میری بس ہوئی تھی خدا خواستہ کچھ ہو جاتا میرے بچے کو تو میں خود کبھی معاف نہ کرتا۔“

”بس کریں اماں..... اللہ کے لیے بس کریں یہ نہ ہو میں آپ کا احترام بھول جاؤں آج اپنی اولاد کی بربادی کی ساری ذمہ داری مجھ پر نظر آ رہی ہیں ابھی بھی فیصلہ کر لیں بہت کچھ بگڑنے سے بچ سکتا ہے۔“ اپنے بیٹے کے مرنے کی بات سن کر وہ جڑ پٹی ہو گیا اور منہ سے وہ سب کچھ نکل گیا جو دل میں کچھ عرصے سے چنپ رہا تھا۔ انتہائی فرماں بردار بیٹے کے منہ سے یہ بات سن کر وہ ساکت ہی تو رہ گئیں۔ رشی کا نکاح اس کی عدت پوری ہوتے ہی اسی امیر زادے سے شگوا پانے خاموشی سے کر دیا تھا۔ انہیں وہی کے تہہ ہولار ہے تھے جو بہت کم گھومتا جا رہا تھا اب نہ تو ان کی محفلوں میں شریک ہوتا نہ ہی آفس سے واپسی پر ان کے پاس حاضری لگواتا بس گھر آ کر چپ چاپ اپنے کمرے میں پڑا رہتا۔ رشی کا میاں ایسے لے کر دیں چلا گیا تھا۔ افشین ابھی تک ان کے گھر تھی۔ اس کی ساس ایک بار آئی تھیں اسے منانے پر ان ماں بیٹی کی شرطن کر اپنی قدموں واپس لوٹ گئی تھیں۔ جب یہ سنا تھا کہ افشین کو الگ گھر چاہیے۔ جاتے جاتے ایک بار وہ افشین کے پاس کی تھیں۔

”بیٹی میں تمہاری ماں کی طرح ہوں، جیند میرا جیسے کا واحد سہارا ہے، ایک بات ضرور سوچنا کہ جیسا تقاضا تمہاری ماں نے میرے سامنے رکھا ہے کہ میری بیٹی کا گزرا تمہارے ساتھ ممکن نہیں ہے اپنے بیٹے سے کہو الگ گھر لے اور اسے آ کر لے جائے ایسا ہی تقاضا اگر تمہاری بھابی تمہارے اکلوتے بھائی کے سامنے رکھے تو کیا کرو گی تم؟

کیا اس کی فرمائش پوری کرو گی؟“ اس کے بعد وہ رکی نہیں تھیں فوراً ہی بیرونی دروازہ پار کر گئی تھیں۔

”اسے کم بخت رکتی تو کبھی میں اسے بتاتی کہ میری شہزادی بیٹی کو اس جہم جلی آ منہ سے ملانے کی جرأت کیسے ہوئی اس کی پھر میرا بیٹا جس نے بیوی کو نکالا ہے تو اس کے منوں کی وجہ سے..... ہونہ۔“ شگوا اپنے دل کی سلی کو بول رہی تھیں یاد دل میں گئی اس آگ کو کم کرنے کو جو رضیہ بیگم (افشین کی ساس) کی بات نے ان کی دل میں لگا لی تھی۔ کوئی نہ جان سکا ہاں افشین ضرور خاموش ہو کر ماں کی شکل دیکھتی رہ گئی۔ اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑے وہی نے یہ سب سنا تھا ماں کے اس رد عمل پر ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر دم توڑ گئی تھی۔ وہ ناہم انداز میں سر کو جھٹکنا پھر سے اندر چلا گیا تھا۔

رشی نے جیسے جیتے ہی جنت پا ہی تھی وہ اپنے خوابوں کا شہزادہ ملنے پر اپنے خوابوں کی جنت زمین پر حقیقت بنے دیکھ کر بے حد خوش تھی۔ کامران سے جان چھڑانے اور اس سے طلاق لینے کا فیصلہ اس کے حق میں اتنا اچھا ثابت ہوگا یہ احساس اسے اب ہو رہا تھا۔ کاشف ایک خوب صورت کھیلے اور فرشتہ اپارٹمنٹ کا مالک تھا جو کہ ہر طرح کی آسائش سے مزین تھا ان چند دنوں میں کاشف نے اسے دینی شارجا کا چپچہ دکھا دیا تھا اس کا وہاں بہت بڑا بزنس تھا۔ آج بھی کاشف آفس کے کسی ضروری کام سے اسے چھوڑ کر روانہ ہوا تھا اور کہہ کر گیا تھا کہ وہ شام کو تیار رہے آج ایک دوست اور بزنس پارٹنر نے ان کے اعزاز میں دعوت دی تھی ہے۔ بہت دنوں بعد رشی گھر پر تھی تو پہلے پہل اٹھ کر ناشتا کرنے کے بعد اب مالکانہ حقوق کے احساس کے ساتھ گھوم کر پورے اپارٹمنٹ کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد اس نے پاکستان اماں سے کال ملا کر ملی بات کی اور انہیں اپنی خوشیوں میں شریک کرنے کے ساتھ وہی کے بدلتے رویے پر تشویش کا اظہار بھی کیا تھا۔

”یہ کیا بے وقوفی کر ڈالی اس نے؟ اس گھنی آ منہ کو اپنا بچہ

مل گیا ہے اب بھلا کب آئے گی وہ اس گھر میں۔ میں تو کہتی ہوں کہ وہی کبھی تکل ڈال لیں یہ نہ ہو ہم منہ نہ سکتے رہ جائیں اور وہ بیوی سے چوری جیسے رابطہ بھی رکھ رہا ہو۔ اتنا بھی خیال نہ آیا اس کو کہ اسی سینی کی خالہ نے اس کی بہن کا گھر اجاڑا اور اب عیش کر رہی ہے۔“ حسد کی چنگاری بھڑک کر آگ بنی اور اس نے اماں کو وہی کو قاتل کرنے کے اور آ منہ اور زہرہ وغیرہ کو سبق سکھانے کے کئی سبق سکھا ڈالے۔ ”افشین سے کہنا پریشان نہ ہو دیکھنا چند ہی دنوں میں کیسے سر کے بل آئے گا اس کامیاں۔“ افشین چونکہ سو رہی تھی سو اس نے افشین کے لیے بھی کچھ ہدایات جاری کیں پھر ایک لمبی سی بات کے بعد مطمئن ہو کر فون بند کیا شام تک کا وقت اس نے ایسے ہی گزارا۔ ٹی وی دیکھ کر رسائل کا جائزہ لے کر کھانا کھایا پھر شام کی دعوت کے لیے کپڑوں کی سلیکشن کر کے لمبی تان کر گئی۔

آ منہ اگرچہ مطمئن تھی پر خوش ابھی بھی نہیں تھی وہی جتنا بھی لے جس اور لڑا ہوا سہی اس کا شور تھا۔ اس گھر میں اس پر جتنے بھی ظلم کیے گئے ہوں پھر بھی وہ گھر اسے عزیز تھا۔ زہرہ اور عائشہ اپنے اپنے گھروں میں بے حد خوش تھیں۔ کامران اور زہرہ ہر دوسرے تیسرے روز ان کے گھر چکر لگاتے اسی طرح عائشہ بھی اپنے میاں کے ساتھ جاتی ایسے میں آ منہ کے سسرال کی بے حسی اور ڈھٹائی پر وہ سب کڑھ کر رہ جاتے۔ وہی اگرچہ بچے کا آ منہ کے حوالے کر رہی چکا تھا لیکن اس کے بعد اس نے پھر رابطہ نہیں کیا تھا۔ پھر عام دنوں جیسا ہی ایک دن تھا جب آ منہ بچے کو تھیک کر سلا رہی تھی کہ عرفان بے حد پریشان سے گھر میں داخل ہوئے۔

”آ منہ بیٹا..... ماں کو بلا ڈال اپنی اور تم بھی تیار ہو جاؤ ہسپتال جانا ہے۔“ آ منہ ان کے پریشان لہجے پر گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

”الہی خیر..... کیا ہوا ابو کون ہے ہسپتال میں؟“ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

”آپ پر فاج کا ایک ہوا ہے صبح وہی کا فون آیا ہے

ابھی میرے پاس۔“ وہ بے حد رنجیدہ سے بولے۔ کچھ بھی تھا وہ ماں کی طرح ہی محبت کرتے تھے شگوا آپ سے اور اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی ایک ہلکی سی دراڑ جو دل میں آئی تھی وہ ان کی بیماری کی خبر سن کر خود ہی بھگتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ تینوں اسپتال کی طرف روانہ تھے۔

”اللہ گواہ ہے ابوان کے رویے پر بہت خار کھانے کے باوجود میں نے ان کے لیے ایسی بدعا بھی نہیں کی۔“ آ منہ نے راستے میں آہستگی سے باپ کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

”مجھے ہتا ہے بیٹا اپنی اولاد کو مجھ سے بہتر بھلا کون جانتا ہوگا۔“ انہوں نے نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ رکھا۔ فاج نے شگوا بیگم کی ٹانگیں بالکل بیکار کر دی تھیں۔ جسم کے باقی حصے البتہ تھوڑے بہت متاثر ہوئے تھے ان کے پاس وہی کے علاوہ افشین اور چھوٹی بیٹی شہین تھی جو کہ فرسٹ لیئر کی طالبہ تھی۔ چندہ دن بعد شگوا پا کو ڈاکٹرز نے ڈسچارج کیا تو ہدایات کی ایک لمبی لسٹ بھی ساتھ تھی کہ ان کا علاج ممکن تھا لیکن اس کے لیے بہت وقت اور احتیاط درکار تھی۔ زریں آپا بھی پہنچ چکی تھیں ہاں رشی سے بہت کوشش کے باوجود رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ عرفان نے سب کے سامنے ہسپتال میں آ منہ کو حکم دیا تھا کہ وہ بھی اپنے گھر جائے اس کی ساس کو اس کی ضرورت ہے۔ یوں آ منہ ایک بار پھر ان سب کے ساتھ اسی وڈیز پر چلی آئی تھی۔ جہاں سے بری طرح دھکاری گئی تھی۔ اس نے جی جان سے شگوا آپا کی خدمت کا بیڑا اٹھالیا تھا۔ زریں آپا واپس لوٹ گئی تھیں۔ انہی دنوں جنید کی طرف سے ملنے والے طلاق کے کاغذات نے افشین کو پاگل ہی کر ڈالا تھا۔ وہ جوا لگ گھر کے خیالوں میں تھی اور کئی خواب سجا کے بیٹھی تھی بری طرح چیخ چیخ کر روئی بستر پر پڑی ماں کو بھی بھر کر کونسنے دیئے۔

”آپ کی وجہ سے ہوا ہے یہ سب آپ ایک اچھی گرہستن ہوتیں تو ہمیں بھی گھر بنانے کے کن دیتی ناں۔ ارے آپ نے تو بس دوسروں کو برا کرنا سکھایا ساری عمر اور دیکھا اللہ نے کیا کیا آپ کے ساتھ۔“ اپنی ساس سے

آنچل کی جانب سے ایک امانت

حجاب کرچی

شائع ہو گیا

ملک کی مشہور معروف قلم کاروں کے سلسلے دار ناول، ٹاؤنٹ اور افسانوں سے آراستہ ایک مکمل جلد گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں موجود جو آپ کی آسودگی کا باعث بنے گا اور وہ صرف ”حجاب“ آج ہی ہمارے کھد کرانی کا بیج بک کرائیں۔

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور افسانہ سات پر مبنی مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

Infoohijab@gmail.com
info@aanchal.com.pk

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں

021-35620771/2

0300-8264242

سے وہ چمکتے دکتے فون کو دیکھتی رہ گئی کہ اب وہ اپنی ماں بہنوں اور بھائی سے بات بھی کرے گی تو کس منہ سے کہے گی بھی تو کیا؟ کاشف کے ساتھ شادی کا فیصلہ سراسر اس کا اپنا ذاتی تھا۔ اگرچہ وہی اس حوالے سے تھوڑا مترد تھا کہ بے شک بظاہر امیر اور خوب صورت نظر آنے والا وہ شخص ان سب کے لیے انجان ہے پر شگو بیگم کی شہ پر اس نے وہی کا ہر اعتراض چٹکیوں میں اڑا ڈالا تھا اور آج کانپتے ہاتھوں سے بہت دنوں بعد اس نے شگو بیگم کا نمبر ملایا تھا اور ایک نہیں کئی روح فرساں خبریں ملی تھیں۔ اس کی سب سے چھوٹی بہن رود کو اس سے پوچھ رہی تھی کہ یکے بعد دیگرے ان کے گھر پر کئی قیامتیں گزر گئیں وہ کہاں تھی۔

”اماں کو فاج گھو گیا ہے رختی آ یا وہ بستر پر مفلوج ایک لاش کی مانند پڑی ہیں اور ایشین آ یا کو طلاق ہو گئی ہے اس پر ڈپریشن کے دورے بڑھے ہیں۔ ایسے حالات میں اگر آمنہ بھابی اور ممانی کی پہلی ہمیں سہارا نہ دیتی تو نہ جانے کیا ہو جاتا۔“ روتے ہوئے شہرین نے کئی سنسناتے تیراس کی سماعتوں میں اتار دیے۔ ایسے حالات میں جب برابادی نے اس کی ماں کے گھر کی دہلیز پکڑ لی تھی وہ کیسے اپنی برابادی کی داستان سنانی۔ جان سے پیاری سہیلی جیسی ماں جو بستر پر لاچار پڑی تھی ناغم سے بچھاڑیں کھاتی اس بہن کو جس نے شادی کے چند ماہ بعد طلاق کا داغ ماتھے پر سجایا تھا۔ آمنہ سے جسے انہوں نے گھر میں بھی سہو اور بھابی کا درجہ نہیں دیا تھا بلکہ ہمیشہ ایک ملازمہ سمجھا تھا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی اب تک وہ کروڑوں بار اللہ کو یاد کر کے شکوے کر چکی تھی کہ آخر اس سے ایسا کون سا گناہ ہو گیا جس کی اسے ایسی سزا ملی اب کچھ دنوں سے اپنے سارے گناہ غلطیاں کوتاہیاں یاد آ رہی تھیں غیر محرموں سے تعلقات ان کو اداؤں سے رہا کر تھے تھا نف لینا گناہ ہی تو تھا مگر کہاں اس کے کھاتے میں یہی ایک گناہ تو درج نہ تھا گناہوں کی ایک فہرست تھی آمنہ سے بدترین سلوک وہی کو کبھی انہوں نے اپنی بیوی کے قریب نہ ہونے دیا بلکہ حتی الوسع کوشش کرتیں کہ اسے بیوی کے جتنا زیادہ خلاف

مزید تڑپا رہی ہو۔“ اس کے گال پر جھونپٹی لٹ کو چھو کر اس نے نکر وہ انداز میں کہا تو رختی بے حد چونک کر پیچھے ہوئی۔ ”کیا بکواس کر رہے ہیں آپ؟ کاشف کو بلا میں کہاں ہے وہ؟ میں اب ایک منٹ بھی یہاں نہیں رکھ سکتی۔“ کرسی کو تیزی سے دھکیلتی وہ کھڑی ہوئی۔ اس کے اس انداز پر وہ آدمی ہنسنا تو ہنستا چلا گیا پھر اس نے اس پر یہ جان لیوا انکشاف کیا کہ کاشف شادی کا جھانسا دے کر پاکستان سے لڑکیوں کو یہاں لانا ہے اور خود عیش کرنے کے بعد بیچ دیتا ہے یہی اس کا کاروبار ہے اور بعض لڑکیاں تو ایسی بھی ہوتی ہیں جو دولت کی چکا چوند سے متاثر ہو کر خود ہی آنے کے لیے تیار ہو جاتی ہیں۔ رختی کو بھی اس نے اس آدمی کو لاکھوں میں فروخت کیا تھا وہ بہت روٹی تھی قسمیں اور واسطے دیئے تھے پر اس آدمی کو اس پر زار بھی رحم نہیں آیا تھا۔ اب اس آدمی کا کاروبار یہی تھا کہ کئی لڑکیاں اس کے ہاں ملازم تھیں جو خرم روشی جیسا قبیح فعل سرانجام دینے پر مجبور تھیں کچھ اپنی مرضی سے اور کچھ رختی جیسی زبردستی۔ گا بکوں سے ذیل وہ خود کیا کرتا تھا۔ اس محل نما گھر میں لڑکیاں تھیں۔ اس سے موبائل لے لیا گیا تھا۔ اس گھر میں وہ پوری مرضی سے آزادانہ مغموم پھر سکی تھیں لیکن کڑی نگرانی میں۔ رات کو بارودی ڈرائیور اور ایک کن مین تیار لڑکیوں کو ان کی منازل تک پہنچا کر واپس لوٹتا تا اور صبح مقررہ وقت پر واپس بھی لاتا۔

”لی بی بارسائی کا اتنا ہی دعویٰ تھا تو پھر کیوں چھوڑا تھا کامران کو۔“ تنصیر کی آواز پر وہ تڑپ اٹھی۔ اس شادی سے پہلے کامران پھر جلیل اور بعد میں کاشف کے ساتھ اگرچہ اس نے ملاقاتیں کی تھیں لیکن شاپنگ اور ہوٹلنگ پر ان کے تعلقات کبھی اس بچ پر نہیں گئے تھے جس پر اسے کسی قسم کی شرمندگی ہوتی اور اب گناہ کی اس دلدل میں وہ روز اترتی اور نکلتی روز مرنی تھی۔ کئی بار خود کشی کا ارادہ بھی کیا تھا لیکن شاید اسی بہادر نہیں تھی کہ موت کو اس ذلت بھری زندگی پر ترجیح دیتی۔ کچھ دن ایسے گزارنے پر اسے سیل فون کی سہولت دے دی گئی تھی لیکن کتنی ہی دیر خالی خالی نظروں

سخت نالاں بھی برجنید سے بہت محبت تھی اسے خاموش لیٹی شکوے پا کی آنکھوں میں ایک ناقابل فہم سا تاثر در آیا جیسے اسے رونے سے روکنا چاہتی ہوں۔ وہ غوں غاں کر کے کچھ بولنے کی کوشش کرنے لگیں۔ آمنہ نے روٹی ہوئی آئینہ کو قوا کو کرنے کی کوشش کی۔

”چھوڑیں بھابی مجھے آپ بھی تو یہی تھیں ناں کسی کی کیا آپ کو پڑ جائے آپ کی ماں نے وہ سبق جو یہ ساری عمر ہمیں پڑھائی رہیں نہیں سکھائے ہوں گے یقیناً ورنہ اتنی تذلیل کے بعد آپ بھی لوٹ کر اس گھر میں نہ آتیں کیونکہ آپ ایک گھر بسانے والی عورت تھیں ورنہ کیا نہیں ہوا اس گھر میں آپ کے ساتھ۔ کیا کچھ نہیں کیا ہم نے آپ کے ساتھ مجھے تو لگتا ہے کہ آپ کی آہ لگی ہے ہم سب کو۔“ ہذیبی انداز میں بولتی اور روٹی آئینہ کو آمنہ زبردستی وہاں سے لے گئی کیونکہ اس نے اپنی ساس کا تیزی سے زرد ہوتا چہرہ اور انداز میں بے چینی محسوس کی تھی۔ جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہوں آئینہ کو بڑی مشکل سے شہرین کی مدد سے اس نے نیند کی گولی دے کر سلا یا پونہی روتے روتے اور پوتے ہوئے وہ گولی کے زیر اثر جلد ہی غنودگی میں چلی گئی تھی۔

وہ کسی عیسے کی مانند ساکت تھی۔ نظرس کسی غیر مرئی نکتے پر مرکوز تھیں خوب صورت چہرہ مرجھایا ہوا اور آنکھوں کی ویرانی دیکھ کر خوف آتا تھا۔ اسے چند دن پہلے کا وہ منظر یاد آیا جب بے حد تیار کر کر رختی کو کاشف دعوت میں لے گیا تھا اور کھانا کھانے کے دوران ہی ایک ضروری فون سننے کا بہانا کر کے گم ہو گیا تھا پھر کافی دیر بعد جب اس کی فکر پریشانی میں بدلی تو وہ آدمی تہقہہ لگا کے ہنستا تھا۔ اس کے الفاظ اسے ایک پار پھر یاد آ کر ویسی ہی اذیت دے گئے جیسی اس وقت دی گئی۔

”ویسے حسن جب انجان بننے کی اداکاری کرتا ہے تو کیسے کیسے دل کو اپنی طرف مٹھنچتا ہے میری شہزادی۔“ یہ بات تم جانتی ہو مجھی تو یہ ادا میں دکھا کر اس عاشق دل کو

کیا جائے اتنا اچھا ہے۔ زہرہ سے شادی کے بعد کامران پر دوبارہ اپنی اداؤں کے جال پھینک کر کسی دوسری عورت کا گھر برباد کرنا بھی تو گناہ ہی تھا۔ جب وہ دونوں ماں بیٹیاں ڈٹ گئیں کہ کامران زہرہ کو طلاق دے جب آمنہ کو گھر سے پار بار نکال دیا گیا وہ اپنے چہرے اور سر پر ہاتھ مار مار کر رونی رہی اور اپنے حصے میں لکھے خسارے یاد کر کے تڑپتی رہی کوئی ایک نیکی کسی ایک اچھے عمل اور زادراہ کا اس کی زندگی میں کہیں بھی تو گزر نہیں تھا جس کی سفارش پر وہ اللہ سے معافی طلب کر سکتی ہر بار اپنے جسم کی تدلیل پر وہ خود کو مارتی اذیت دیتی کہ اچھا ہوا تم جیسی عورت کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔



افشین کو اب آہستہ آہستہ قرار آتا جا رہا تھا اس نے ایک مدرسہ میں قرآن کی تفسیر کی کلاس لینی شروع کر دی تھیں۔ اس کی نمازوں میں باقاعدگی آ گئی تھی۔ اس کی بے قراری کو سکون مل گیا تھا۔ اب وہ ماں کو قصور وار نہیں ٹھہراتی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اپنی زندگی کی ناکامی میں وہ بھی اتنی ذمہ دار ہے جتنی اس کی ماں آخروہ باشعور تھی اور اللہ نے نیکی اور برائی کے راستوں کی واضح پہچان کرادی تھی پھر بھی وہ حقوق العباد کو بھول گئی تھی۔

”پچیاں پھولوں کی طرح ہوتی ہیں ان کی تربیت ماؤں پر بہت بڑی ذمہ داری ہے جس طرح پودے کی کانٹ چھانٹ نہ کی جائے اسے گرمی سردی کی شدت سے نہ بچایا جائے مناسب دیکھ بھال نہ کی جائے تو وہ خود رو ہو کر کسی بھی سمت پروان چڑھ جاتے ہیں اسی طرح اولاد کی تربیت بھی ایسی ہی ہے ذرا سی غفلت اور لاپرواہی نسلوں کو نقصان کی فصل دے جاتی ہے۔“ عالمہ کا بچپن کو لیا جانے والا سبق سن کر اس کی آنکھیں بھر آئیں ان کی ماں کی غفلت نے بھی تو بربادی کی فصل ہی تھی اس کے ہاتھ میں۔ شگوا پالا آخر ان کی مسلسل خدمت اور دیکھ بھال سے آہستہ آہستہ ٹھیک ہو رہی تھیں اور جس دن انہوں نے کانپتے ہاتھوں کو آپس میں جوڑ کر بے معنی الفاظ منہ



عمہ عرف رائع ملک

مسکرائے لگی۔



آج بارش خوب زور و شور سے برس رہی تھی۔ ویسی ہی بارش اس کے اندر بھی ہو رہی تھی۔ اس کی مضطرب روح اب ٹھکنے لگی تھی۔ وہ ماضی میں کھونے لگی تھی۔ تین سال پہلے جب محبت نے اسے بدلا تھا۔ اس نے اپنے وجود کو منوالا تھا۔ پچھلا لفظ اس کی سماعتوں میں پھر سے زندہ ہو گئے تھے۔ کسی نے اپنی محبت کا اقرار کیا تھا۔ اس کی محبت کو قبولیت کا مان بخشا تھا وہ تو آج بھی ان ہی لفظوں کی قید میں تھی اب بھی اسی موڑ پر کھڑی تھی۔

”آپ میری روح میں محبت بن کر کرب اتر گئیں پتا ہی نہیں چلا۔ آپ سب سے مختلف ہیں میرے لیے بہت اہم ہیں آپ۔ میں آپ کو کبھی کھوتا نہیں چاہوں گا۔“ لفظوں کا جال اس کے ارد گرد پھر سے تنگ ہونے لگا تھا۔ وہ جیسے ایک بار پھر بھر لگی تھی۔

وہ حمدان سید کے شوشیں کال نہیں کرتی تھی پر موضوع پر اپنے خیالات خط کے ذریعہ سے ضرور پہنچاتی تھی۔ آج بھی حمدان سید کا شو شروع ہو چکا تھا اور اس کی خوب صورت آواز دعا کو جکڑ رہی تھی۔ وہ اس کے ایک ایک لفظ کو امرت کی طرح اپنے اندر اتارتی تھی۔

”پیارے سامعین..... السلام علیکم! وہ غزل میں ہیں ہوں آپ کے ساتھ حمدان سید۔ ہمارا آج کا موضوع ہے محبت۔ آپ اپنے خوب صورت خیالات کا اظہار ہمیشہ کی طرح فون کال کے ذریعے کر سکتے ہیں۔“ وہ اپنے مخصوص دھیمے انداز میں کہہ رہا تھا۔ شوشنے کے بعد دعا اپنے خیالات کو کاغذ پر اتارتی لگی۔

محبت اہل حقیقت ہے۔ یہ ایسا احساس ہے جس میں صرف محبوب کی خوشی اہم ہوتی ہے۔ کائنات کی ہر چیز محبت ہے۔ اس کائنات کی بنیاد ہی محبت ہے۔ یہ محبت ہی ہے جس نے ہر چیز میں زندگی کو زندہ رکھا ہے۔ محبت کی نہیں جانی ہو جانی ہے۔ ایک بے بس کر دینے والا جذبہ جو انسان کو اپنے سامنے سرنگوں کر لیتا ہے۔ محبت دینے کا

نام ہے۔ محبوب، محبت سے پانے کی یا چاہے جانے کی توقع نہیں رکھتا۔

”شاہ جی..... آپ نے اپنے شوش میں پوچھا تھا نا کہ محبت میں کیا اہم ہوتا ہے محبت کیوں ہوتی ہے..... محبت کیا ہے..... تو میں کہتی ہوں محبت دھڑکن ہے۔ محبت روح ہے۔ محبت رگوں میں گردش کرتا لہو ہے۔ محبت محبت کو سوچ کر عقیدت سے آنکھوں سے بہنے والا آنسو ہے۔ کسی کو اپنے نام کر لینا محبت نہیں کسی کے نام ہو جانا محبت ہے۔ محبت سانس ہے۔ محبت آس ہے۔ محبت مان ہے۔ محبت اپنی ہار ہے۔ محبت کی کو عزت دینا ہے۔ محبت عقیدت ہے۔“ وہ بے خودی لکھتی چلی گئی۔



اگلی رات شب غزل تھوڑی دیر سے شروع ہوا تھا۔ بارش کی وجہ سے ڈی جے حمدان سید تھوڑے لیٹ ہو گئے تھے اور دعا نے ان کی آواز سننے بنا خود کو ادھورا پایا تھا۔ وہ بہت مضطرب میں تھی مگر جب شوشیں شاہ جی کی آواز سنی تو جیسے پُر سکون ہو گئی تھی۔ آج شو کا موضوع ساون تھا مگر آج اس نے لکھنے کی بجائے نمبر ملایا تھا مگر دل کی دھڑکن اتنی بڑھ گئی کہ اس نے کال ڈراپ کر دی۔ وہ خیالوں میں ان سے ڈھیروں باتیں کرتی تھی مگر حقیقت بات کرنا مشکل تھا۔ شوشنے کے بعد وہ نہیں سوچتے ہوئے سو گئی تھی۔

موسم تھا بے قرار تمہیں سوچتے رہے کل رات بار بار تمہیں سوچتے رہے بیگی رتوں میں گھر کے درتچے سے لگے ہم افسردہ سو گوار تمہیں سوچتے رہے



اگلے دن رابی آئی۔
”دعا۔ تمہارے لیے ایک اچھی خبر ہے۔“
”وہ کیا؟“ رابی نے دعا کو محبت سے دیکھا۔
”میری بات ہوئی تھی حمدان بھائی سے ان کے شو میں..... دعا نے مضطرب ہو کر رابی کو دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو پھر..... رابی نے اس کی نظروں کا سوال اور مضطراب

بھانپ لیا تھا۔“ میں نے ان سے کہا کہ میں ان کی بہت بڑی یقین ہوں اور انہیں اپنا بھائی مانتی ہوں۔ سو مجھے وہ اپنا پر تل نمبر دیں کیونکہ مجھے ان سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ تب تو انہوں نے کچھ نہیں کہا اور کال ڈراپ کر دی مگر تین دن پہلے مارکیٹ میں میں ان سے مل گئی تھی اور ان سے گزارش کی کہ وہ تھوڑا سا ٹائم مجھے دیں۔ تم یقین کرو گی دعا..... تمہارا ذکر سننے ہی وہ چونک گئے۔ میں نے ان کے چہرے پر مضطراب دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے پوچھا تھا کیا تم وہی دعا ہو جو انہیں خط بھیج رہی تھی۔ جب میں نے کہا ہاں تو وہ بہت خوش ہوئے تھے اور میں نے انہیں تمہارا سیل نمبر بھی دیا تھا۔ اگر وہ کال کریں تو بات ضرور کرنا۔“ دعا کے دل کی دھڑکن بتدریج بڑھتی چلی گئی۔ وہ بے یقینی سے رابی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے آنکھیں جھلنے پر چوکی۔
”مم..... میں..... میں کیسے کروں گی بات؟ مجھ سے نہیں ہوگی۔“

”اوہ..... تم پاگل ہو کیا بے وقوف نہ بنو میں چلتی ہوں۔“ رابی چلی گئی اور دعا پریشانی کے عالم میں سوچنے لگی تھی کہ وہ کرے گی کیا اگر کال آئی تو۔



محبت نے اسے بہت خاموشی سے اپنا اسیر کیا تھا۔ محبت تو وہ پہلے بھی کرتی تھی ماں باپ بھائیوں، اپنے ملک، اپنے لوگوں سے پرہیز محبت ہی تھی۔ وہ اسے اتنا سوچتی تھی کہ اسے اپنے پاس پانی تھی پھر اس کے احساس سے گھٹنوں باتیں کرتی..... جیسے اس محبت نے اس کے اندر زندگی کو زندہ کر دیا تھا۔ پہلی بار حمدان سید سے اس کی بات ہوئی تو وہ کچھ بول ہی نہیں پار ہی تھی اور دوسری طرف اسے سننے کا اشتیاق تھا۔ حمدان سید..... جن کی لڑکیاں دیوانی تھیں ان کی کال اس کے لیے..... کتنی دیر وہ بے یقینی کی سی کیفیت میں رہی تھی۔ وہ اس کی سوچ کی تعریف کر رہے تھے کہ وہ عام لڑکیوں سے مختلف ہے بروہ تو عامی لڑکی تھی وہی عامی لڑکی جو اور بہت سی لڑکیوں کی طرح حمدان سید سے محبت کرتی تھی۔ وہ اس کی رگوں میں لہو کی طرح

گردش کرتا تھا۔ جیسے یہ نام اس کے لیے آکسیجن کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ عام لڑکی تھی بہت عام..... اتنی بھی تو کل آسانی سے اپنی محبت کے سامنے شکست تسلیم کر گئی تھی۔ فاصلے بہت تیزی سے سمت گئے تھے۔ اکثر ان کی میسجز پر بات ہوتی۔ اس نے شاہ جی کے پوچھنے پر خود ہی تو بتایا تھا وہ کسی کو بہت چاہتی ہے اور جب اس نے میسج کر کے پوچھا تھا کہ کیا ابھی انہوں نے کسی سے محبت کی تو حمدان سید نے کہا تھا کہ نہیں اور ہوگی بھی نہیں تب اس نے فوراً میسج ٹائپ کیا تھا۔

”میری دعا ہے کہ آپ کو کبھی محبت ہو بھی نا.....“ دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ ہمیشہ یہی دعا کرتی تھی کہ شاہ جی کو کبھی محبت نہ ہو پھر ایک دن شاہ جی نے پوچھا تھا کہ وہ کون ہے جس سے وہ محبت کرتی ہے تب اس نے ٹال دیا تھا۔
”بس ہے کوئی.....“

”نام تو بتائیں۔“ میسج پڑھ کر وہ مسکرا دی۔
”آپ کا ہم نام بھی ہو سکتا ہے۔“ ایک دلچسپ مسکراہٹ نے حمدان شاہ کے لبوں کو نکھوڑا تھا۔
”مطلب..... وہ میں بھی ہو سکتا ہوں؟“ میسج پڑھ کر

اس نے فوراً رپٹائی کیا۔
”ایسا تو میں نے نہیں کہا۔“
”وہ جانتا ہے؟“ انہوں نے پوچھا تھا۔
”نہیں“ وہ نہیں جانتے۔ نہ بھی مجھے دیکھا اور نہ ملے ہیں۔“

”تو پھر اسے بتا دیجیے کہ آپ اس سے کتنی محبت کرتی ہیں۔“
”محبت جی ہے تو وہ خود ہی سمجھ جائیں گے۔“
”ارے ایسے کیسے سمجھے گا۔ مجھے بتا دیجیے میں اسے بتا دوں گا۔“

”آپ ہی تو نہیں بتانا شاہ جی کہ وہ آپ ہی ہیں۔“ میسج پڑھ کر اس نے خود کھائی کی تھی۔
”کیا ہوا؟“ موبائل کی بپ ہوئی۔ شاہ جی کا میسج تھا

اس نے رہنمائی کیا۔
”کچھ نہیں۔“ جواب فوراً آیا۔

”تو پھر؟“

”پھر یہ خود ہی سمجھ جائیں گے۔“

”ہو سکتا ہے اسے پتا ہو اور وہ آپ سے سننا چاہتا ہو۔“
”اچھا جی۔“ اس نے رہنمائی کیا۔

”ہاں جی۔“

”وہ آپ ہیں۔“

”مجھے پتا تھا پہلے سے ہی کہ آپ مجھ سے محبت کرتی ہیں۔“

”ہاں پر آپ کو تو مجھ سے محبت نہیں ہے۔ ہونی بھی نہیں چاہیے۔“

”کیوں مس دعا فاطمہ؟“

”بس ایسے ہی شاہ جی۔“

”لیکن اگر مجھے آپ سے محبت ہو تو۔۔۔۔۔“ دعائے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

یونہی دن گزر رہے تھے۔ محبت اپنا آپ ہو کر پُرسکون ہو گئی تھی۔ اس دن شاہ جی سے بات کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

”مجھے نہیں پتا شاہ جی۔۔۔۔۔ محبت میری زندگی میں دعا کی صورت داخل ہوئی ہے یا بد دعا کی صورت۔۔۔۔۔ تب انہوں نے کہا۔

”دعا۔۔۔۔۔ حمدان خود تو بد دعا بن سکتا ہے مگر اپنی محبت کو بد دعا نہیں بنے دے گا۔“ پھر اک روز بات کرتے کرتے یونہی حمدان سید نے پوچھا تھا۔

”دعا۔۔۔۔۔ تم نے مجھ سے محبت کیوں کی؟“

”میں نے محبت کہاں کی یہ تو خود ہی ہو گئی شاہ جی۔“
دعائے بی بی سید کیا تھا۔

”پھر بھی دعا۔۔۔۔۔ کوئی وجہ تو ہوگی ناں۔“

”نہیں شاہ جی۔۔۔۔۔ کوئی وجہ نہیں، میں آپ کو ٹھیک سے جانتی تک نہیں سوائے اس کے کہ آپ ڈی جے ہیں۔ کبھی دیکھا تک نہیں اور ویسے بھی محبت کے لیے

وجہ کا ہونا ضروری نہیں۔“ اس نے بی بی سید کیا اور پھر بی بی سید نے کہا۔

”شاہ جی۔۔۔۔۔ ایک ماں اپنی اولاد سے بے پناہ محبت کرتی ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ بدلے میں اس سے کچھ چاہتی ہے۔ یہ محبت تو اس کی فطرت ہے۔ اولاد صلہ نہ بھی دے تو بھی وہ محبت کم نہیں ہوگی۔“

”ہاں پر دعا۔۔۔۔۔ وہ ماں ہے اولاد سے اس کا تعلق خون کا ہے اس نے تو اسے اپنے بطن سے جنم دیا۔ مگر تم مجھ سے محبت کیوں کرتی ہو۔ مجھ سے کیا چاہتی ہو؟“ بی بی سید پڑھ کر جیسے اس کدل کو کسی نے ٹھکی میں مسل ڈالا تھا۔

”مجھے آپ سے محبت کیوں ہے یہ مجھے بھی نہیں پتا مگر میں آپ سے کچھ بھی نہیں چاہتی سوائے ایک بات کے۔۔۔۔۔“

”وہ بات کیا ہے دعا۔“

میرے ساتھ

میری بی بی

میرے جسم سے پرواز کر جائے

تو لوٹ آتا

سکتے شہر میں تم بھی

ذرا سی دیر کو رونا

میرے بنور ہونٹوں کی دعاؤں پر

اپنی سر پیشانی کا پتھر رکھ کے رو دینا!

بس اتنی بات کہ دینا

مجھے تم سے محبت ہے

دعائے بی بی سید کیا اور جواب کا انتظار کرنے لگی۔

”دعا۔۔۔۔۔ تم آئندہ مرنے کی بات مت کرنا۔ تم تو میری زندگی ہو۔“

”شاہ جی۔۔۔۔۔ آپ کو پتا ہے میں آپ سے کیسی محبت کرتی ہوں؟“

”کیسی۔۔۔۔۔؟“ ان کا جواب آیا تھا۔ جس کے جواب میں دعا نے پھر لڑکھی۔

جب ہاتھ دعا کو اٹھتے ہیں

الفاظ کہیں کھو جاتے ہیں

بس دھیان تمہارا رہتا ہے

اور آسو بہتے رہتے ہیں

ہر خواب تمہارا پورا ہوا

اس رب کی منت کرتے ہیں

ہم ایسی محبت کرتے ہیں

تم کیسی محبت کرتے ہو

ہمیں غنڈک راس نہیں آتی

ہمیں بارش سے خوف آتا ہے

پر جس دن سے معلوم ہوا

یہ موسم تم کو بھاتا ہے

اب جب بھی سادوں آتا ہے

بارش میں بھٹکتے رہتے ہیں

ہم ایسی محبت کرتے

تم کیسی محبت کرتے ہو



ڈیڑھ مہینہ بہت جلدی بیتا تھا۔ حمدان سید مصروف رہنے لگے تھے اور دعا مضطرب بالکل اچانک اور غیر متوقع طور پر رابطہ ٹوٹ گیا تھا۔ وہ بی بی سید کو رہنمائی کا ل کر بی بی سید کو نہ ہونی۔ پھر یہ عقدہ بھی جلدی ہی کھل گیا تھا۔ جب الف ایف پر حمدان سید کو شادی کی مبارک باد دی گئی تھی۔ سچ کیا تھا وہ جو سب کے ساتھ اس نے بھی سنا تھا یا کچھ اور۔۔۔۔۔ کیا وہ اتنی بے خبر تھی۔۔۔۔۔؟ اک بے یقینی نے دل دو ماں کو جکڑ لیا تھا۔

”شاید کوئی وجہ ہوگی ورنہ وہ مجھ سے کبھی نہیں چھپا سکتے تھے۔ پر اب میں کیسے ان سے پوچھ سکتی ہوں اب تو وہ کسی اور کے ہو چکے ہیں مجھے ان سے رابطہ نہیں رکھنا چاہیے۔“ تب اس نے بڑی ذوق سے ایس ایف ایف ٹائپ کیا تھا اور شادی کے لیے بیسٹ ڈشز لکھ کے اللہ حافظ کہہ دیا تھا۔ بہت سے سوال تھے جو شاہ جی سے کرنا محبت کی تو بی بی سید۔ وہ سوال وہ خود سے کرتی تھی۔ وہ شاہ جی سے تصور میں ڈھیروں باتیں کرتی تھی۔ بار بار پوچھتی تھی کہ انہوں نے

ایسا کیوں کیا جب کہ اسے تو بدلے میں محبت بھی نہیں چاہیے تھی مگر۔۔۔۔۔!

ڈیٹ شیٹ آگئی تھی، پیپر عنقریب تھے اور دعا کی حالت عجیب تھی۔ حمدان سید سے تمام رابطے ٹوٹ گئے تھے۔ اسے جیسے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا۔ پڑھائی میں بھی دل نہ لگتا۔ جیسے تیسے پیپر تو ہو گئے آخری پیپر دے کر وہ وہاں ہی پڑھنے کا انتظار کر رہی تھی اضطراب حد سے بڑھا تو اس نے سانس دیکھنا شروع کر دیا۔ ریل کی پٹری کی دوسری طرف کچھ بنگالوں نے اپنے ٹھکانے بنائے ہوئے تھے۔ پچھلی طرف سڑک تھی اور سڑک کے پار انتہائی خوب صورت کے مکان تھے۔ وہ ایک بار پھر انہیں اپنے آس پاس محسوس کرنے لگی۔ اسے لگا وہ اس کے قریب بیچ پر بیٹھے ہیں۔ وہ خیال قوی تھا وہ خیال سے باتیں کرنے لگی۔

”شاہ جی۔۔۔۔۔ آپ سانس بنی بلندو بالا عمارتوں کی طرح ہیں اور میں کچی مٹی۔۔۔۔۔ وہ مٹی جو خشک ہو کر اگر ہوا کے ساتھ اڑے تو چیزوں کو گرڈا لو کر لیتی اور انکھوں میں نمی لاسکتی ہے اور وہی مٹی کسی غریب کے ہمارے کے کام بھی آسکتی ہے۔ شاہ جی۔۔۔۔۔ محبت تو کچی ہوتی ہے ناں آپ کی بھی کوئی مجبوری رہی ہوگی میں وہ مٹی بنوں گی جو دکھ نہیں سکھ دیتی ہے۔ آپ میرے دل میں تھے ہیں اور رہیں گے آپ تو ہمیشہ سے میرے ساتھ تھے۔ ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ ہمارے راستے جدا ہماری منزلیں بھی جدا مگر محبت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ محبت کو پانا ہی تو سب کچھ نہیں۔“ یہاں کا فیصلہ تھا۔

وہ پاس ہو گئی تھی اور ایک مقامی اسکول میں جاب کر رہی تھی خود کو ہر بل مصروف رکھنے کے لیے اس نے بی ایڈ میں داخلہ بھی لے لیا تھا پر ضروری تو نہیں کہ خود کو مصروف کر لینے سے یادوں سے بھی دامن چھڑا لیا جائے۔ یاد تو مصروفیت بھی نہ دھمکتی نہ ہی یاد کو بلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

خاک اڑتی ہے رات بھر مجھ میں
کون پھرتا ہے در بدر مجھ میں
مجھ کو مجھ میں ہی جگہ نہیں ملتی
وہ ہے اس قدر موجود مجھ میں
ایسے لگتا تھا جیسے کہ زندگی اسے گزر رہی ہے۔ زندگی
کی رنگینیاں میں تو وہ پہلے بھی حصہ لیتی تھی مگر اب شاید وہ
سب کچھ بھول گئی تھی۔ یہ بھی کہ اس کے ماں باپ اور
بھائیوں کے بھی کچھ حقوق ہیں جو ہر صورت اس پر ادا کرنا
واجب ہیں۔ وہ کوشش کے باوجود بھی کسی کو کچھ نہیں دے
سکتی تھی۔ زندگی سے یک دم ہی اس کا دل اچاٹ ہو گیا
تھا۔ اس روز وہ عشاء کے نماز کے بعد محن میں کچھ چار پانی
پر لیٹی تو شدید تھکن کے باوجود بھی نیند آنکھوں سے کوسوں
دور تھی۔ اسے پتا تھا کہ وہ اب اس کا نہیں کسی اور کا ہے۔ وہ
پھر بھی اسے سوچتی تھی سوچوں پر اور یادوں پر تو کسی کا پہرہ
نہیں اور اگر یاد دھان سید کے حوالے سے ہو تو وہ سب کچھ
بھول جاتی۔ ان کی یاد کا سرا تھا۔ دور تک جھلکتی چلی
جاتی۔ آج بھی یہی ہوا تھا کہ اچانک میچ ٹون پر چونک
گئی۔ ایس ایم ایس کھولا تو جیسے آنسوؤں کی برسات
آنکھوں سے رواں ہو گئی۔ لکھا تھا۔
”دعا کسی ہیں آپ؟“ یہ میچ حمدان سید کا تھا۔ رات
کے اس پہر انہوں نے کیوں میچ کیا وہ بھی اتنے عرصے
کے بعد۔ کافی سوچنے کے بعد اس نے جواب ٹائپ کیا
اور سینڈ کر دیا۔ حمدان نے میچ کھولا لکھا تھا۔
”الحمد للہ“۔ ہمیشہ اس کی خیریت جاننے کے لیے
بے چین رہنے والی نے آج حال تک نہ پوچھا تھا۔ اس
نے کچھ ریو سوا اور ٹائپ کیا۔
”دعا۔ کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟“ جواب فوراً
ملا تھا۔
”نہیں۔“ حمدان نے میچ ٹائپ کیا۔
”کیوں؟ آپ کو ناراض ہونے کا حق ہے۔“ دعا نے
میچ بڑھا اور آنسو کی روانی میں شدت آ گئی۔
”کیسا حق۔۔۔۔۔! آپ نے تو کبھی مجھے کوئی حق دیا ہی

نہیں تھا شاہجی پھر کس حق کی بات کر رہے ہیں آپ۔۔۔۔۔
آپ نے تو کبھی مجھ پر بھروسہ بھی نہیں کیا ورنہ میں نے
کب چاہا تھا کہ آپ مجھے ضرور ملے۔ میں نے تو محبت کے
بدلے محبت بھی نہ چاہی تھی خواب دکھانے والے تو آپ
خود تھے پھر اس خواب کو اتنی بے دردی سے توڑا کہ اب
روح مضطرب ہو کر بدر بھٹکتی ہے۔“ حمدان میچ کا انتظار
کر رہا تھا اور دعا اپنے خیالوں میں کھوئی تھی۔ اس نے پھر
میچ ٹائپ کیا اور دعا کو سینڈ کر دیا۔ دعا نے موبائل فون کو
کچھ پل دیکھا وہ جانتی تھی تیج حمدان سید نے کیا ہوگا۔ وہ یہ
بھی جانتی تھی کہ اس نے کیا لکھا ہوگا۔
”کیا ہوا؟“ اس نے میچ کھولا حمدان کا ہی تھا اور وہی
لکھا تھا جو وہ سوچ رہی تھی۔ اس نے لکھا کچھ نہیں ساتھ ہی
اس نے ایک اور ایس ایم ایس ٹائپ کیا۔
”جو گزر گیا اسے بھول جائیے۔ مجھے آپ سے کوئی
شکوہ نہیں۔ کل کو چھوڑ کر اپنے آج اور آنے والے کل کو یاد
رکھیے۔“ کچھ بھی یلوں میں جواب موصول ہو گیا۔
”ایسے مت کہو دعا۔۔۔۔۔ آپ میری زندگی ہو۔ میں
نہیں بھول سکتا آپ کو۔“ ایس ایم ایس پڑھ کر اس کا دل
جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا۔ بہت سے درد جیسے تازہ ہو گئے
تھے مگر اس نے خود کو پکھلنے سے روکا اور ایس ایم ایس کا
جواب ٹائپ کرنے لگی۔
”اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں شاہجی۔ سب
بھول جائیے۔ اب آپ کسی اور کے ہیں۔“
”کیسے بھول جاؤں دعا۔ کیا آپ مجھے بھول
گئیں؟“ میچ پڑھ کر دعا کے یلوں پر ایک ٹھک ہوئی سی
مسکراہٹ ٹھہر گئی۔ جب کوئی آپ کے لیے آپ کی روح
کی مانند ہو تو کتنا مشکل ہوتا ہے اسے یہ احساس دلانا کہ وہ
آپ کے لیے کچھ بھی نہیں۔ اس نے سوچا اور ٹائپ کیا۔
”میں نے آپ کو بھلا دیا شاہجی اور آپ کے بٹا بھی
مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ جواب پڑھ کر حمدان کے یلوں پر
ایک خوب صورت مسکراہٹ رقصاں ہو گئی اس کی بڑی
بڑی خوب صورت آنکھیں دیے کی طرح جلنے لگیں۔

”میں آپ کو آپ سے زیادہ جانتا ہوں دعا۔۔۔۔۔ آپ
ابھی بھی مجھے ہی یاد کر رہی تھیں۔ آپ مجھ سے اتنی محبت
کرتی ہیں کہ مجھے بھلا نا آپ کے بس میں نہیں۔ تو یہ فرار
کیوں۔۔۔۔۔؟“ حمدان کا جواب پڑھ کر اس نے اپنے منہ پر
ہاتھ رکھ کر اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹا۔ آنسوؤں کا چند اساس
کے گلے میں اکٹھا گیا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا مگر
بہت سی راتوں کی طرح وہ رات بھی جاگ کر گزری۔ صبح
اتوار تھا۔ ساری رات رونے اور جاگنے کی وجہ سے اس کا سر
شدید درد سے پھٹ رہا تھا اور بخار سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ
اٹھی خود کو سنبھالا اور کچن میں جا کر امی کی مدد کرنے لگی۔
”دعا۔ کیا ہوا؟“ اس کی امی نے اس کا ہاتھ ہوا
چہرہ دیکھ کر پوچھا۔ اس نے سر جھکا لیا اور برتن سنک
میں رکھنے لگی۔
”کچھ نہیں امی۔۔۔۔۔ بس سر میں درد ہو رہا ہے۔“ کام
سے فارغ ہو کر اس نے دو بسکٹ اور ایک کپ چائے کا لیا
اور کوئی لے کر لیٹ گئی۔
”دعا۔۔۔۔۔“
”جی امی۔“
”تم دوپہر کا کھانا پکالینا۔ میں ذرا تہاری نالو کی طرف
جاری ہوں۔“
”جی اچھا امی۔“ امی چلی گئیں تو وہ لیٹ گئی آنکھیں
بوجھل ہو رہی تھیں۔ ابھی اسے سوئے بمشکل گھنٹا ہی ہوا
ہوگا کہ دروازے کی تیل پر جیسے کوئی انگلی رکھ کر ہٹانا بھول
گیا تھا۔ وہ جلدی سے اٹھی دوپٹا درست کیا اور بنا چپل کے
ہی بھاگ کر گیٹ کھول دیا۔ اسے لگا تھا امی ہوں گی مگر
سامنے انہی چہرہ دیکھ کر وہ شیشا گئی۔
”ج۔۔۔۔۔ جی آپ کون؟“ وہ ایک دم گھبرائی۔
لفظ ٹوٹ کر اس کے لبوں سے ادا ہوئے۔ انہی کے
چہرے پر بڑی جان دار مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ بہت دلچسپی
سے اسے دیکھنے لگا۔ سفید پاؤں چپل کے بنا، شکن آلود
سایہ شلوار قمیص اور بڑا سا دوپٹا جو شاید جلدی میں اس نے
یونہی لیا تھا۔ بالوں کی لٹیں چہرے پر کھڑی تھیں خوب

صورت ستواں تاک سرخ چہرہ جو یا تو غصہ کی وجہ سے تھا یا
شاید کوئی اور وجہ۔۔۔۔۔ ایسی لکھیں۔
”اگر آپ نے تفصیل کا جائزہ لے لیا ہو تو بتائیے آپ
کون ہیں؟“ اس نے بہت غصہ سے پوچھا۔ انہی شرمندہ
ہو گیا۔ وہ ایسا نہیں تھا کہ لڑکی دیکھی اور نظر پھسل گئی۔
”میں کپٹین علی ہوں اور اسلام آباد سے آیا ہوں۔ آپ
کے والد صاحب میرے والد کے دوست ہیں۔ کسی کام
سے آیا ہوں۔“ وہ گھر میں اکیلی تھی اندر نہیں بلا سکتی تھی سو
ہاتھ ملنے لگی۔ وہ سمجھ گیا تھا۔ ”آپ کی امی کہاں ہیں؟“
”جی وہ گھر پر نہیں ہیں۔ گھر میں کوئی نہیں۔“ ابھی
وہ کچھ اور بولتی کہ اس کی امی آ گئیں اور انہی کو ڈرائنگ روم
میں لے گئیں۔ منہ دھو کر وہ کچن میں گئی اور مہمان کی خاطر
مدارات کا سامان کرنے لگیں۔
دوسرے دن وہ اسکول سے لوٹی تو وہ انہی سامنے ہی
بیٹھا اس کی امی سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے سلام کیا اور
کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔
وہ چیخ کر کے کچن میں چائے بنانے چلی گئی۔
”مس فاطمہ۔۔۔۔۔ ایک کپ چائے ہمیں بھی مل سکتا
ہے کیا؟“
”جی ضرور۔۔۔۔۔ آپ کمرے میں بیٹھیں میں چائے
لے کر آتی ہوں؟“ دعا کو اس شخص کی نظروں سے
دھشت ہوتی تھی۔ اس نے چائے بنائی اور باہر کی
طرف بڑھ گئی۔ وہ سامنے ہی محن میں امی کے ساتھ
بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ اس نے میز پر چائے رکھی اور اپنا
کپ اٹھا کر جانے لگی جب امی نے اسے بھی دہیں
بٹھالیا وہ بد دل سی ہو کر بیٹھ گئی۔
”آپ پڑھاتی ہیں؟“ اس نے اچانک سوال کیا تھا
وہ اپنے خیالوں میں مگن تھی۔ اس نے چونک کر امی کی
طرف دیکھا اور جواب میں سر ہلا دیا۔
”جی پرائیویٹ اسکول میں۔۔۔۔۔“
”مگر اب تو چھٹیاں ہیں ناں؟“ انہی نے پھر سوال

کیا اس نے غصہ سے اجنبی کو دیکھا اور جواب دیا۔
”جی..... سرکمپ لگا ہے۔“ ساتھ ہی کپ اٹھا کر
اندکری طرف بڑھ گئی۔



وہ رات کو چھت پر رکھی کرسیوں میں سے ایک پر
آنکھیں موندے کرسی کی پشت سے ٹپک لگائے حمدان
سید کو سوچ رہی تھی۔ اس کی چائے بالکل ٹھنڈی ہو چکی
تھی۔ اس کی کزن حممتی اس کے پاس بیٹھ کر بور ہو کر جا چکی
تھی تب کوئی پاس ہی کھنکرا تھا۔ اس نے آنکھیں
کھولیں۔ سامنے کیپٹن علی اس کے چھوٹے بھائی حمزہ کے
ساتھ کھڑا تھا۔

”کیا ہم یہاں بیٹھ سکتے ہیں؟“ وہ انہیں دیکھ کر جلدی
سے سیدی ہوئی جیسی کیپٹن علی نے پوچھا۔ اس سے پہلے
کہ وہ کچھ بولتی حمزہ نے فوراً کہا۔

”ارے علی بھائی..... ہماری آپنی سے کیا پوچھ رہے
ہیں آپ نے بہت کم بولتی ہیں۔ دراصل ہماری آپنی کو لگتا ہے
کہ حکومت کہیں بولنے پر ٹیکس نہ لگادے تو یہ پہلے ہی ذرا
خاموش رہنے کی مشق کر رہی ہیں۔ بے ناں آپنی.....“ اس
نے بولتے ہوئے اس سے بھی تصدیق چاہی۔ وہ پھر بھی
کچھ نہیں بولی۔ حمزہ پھر شروع ہو گیا تھا وہ خاموشی سے
وہاں سے اٹھ گئی۔



وہ اس روز کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھی ہی تھی کہ ایس
ایم ایس ٹون بجی۔ اس نے میزج دیکھا جو حمدان کا تھا۔ اس
نے خیریت پوچھی تھی۔ دعا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ
دیر بعد میزج آیا تھا۔
”دعا پلیز..... بات تو کریں۔ کچھ تو پوچھیں کہ
میں نے ایسا کیوں کیا؟“ اس نے میزج پڑھا اور جواب
ناپ کیا۔

”شاہ جی..... وقت گزر چکا ہے مجھے اب کسی قسم کی
وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اب ہمارا کوئی تعلق نہیں آپ
بھول جاتیے سب۔“ کچھ ہی دیر میں جواب آ گیا۔

”کیسے بھول جاؤں دعا..... میں تمہیں نہیں بھول
سکتا۔ جو بھی ہوا اس میں میری غلطی نہیں تھی سب اچانک
ہو گیا۔“

”جو اچانک ہو گیا اسے آپ نے اپنا یا۔ اب ایمان
داری سے اس رشتے کو نبھانا بھی آپ پر فرض ہے جو اللہ
نے آپ کو عطا کر دیا وہ آپ کی منزل ہے۔“ اس نے
جواب سینڈ کیا۔

”اور آپ کیا ہو دعا..... میری منزل تو آپ ہو۔“
”میں آپ کی منزل نہیں حمدان سید..... میں تو صرف
راستہ تھی جو بس کچھ وقت کے لیے آپ کے نصیب میں
لکھا تھا آپ اسے بھول جائیے۔“ اس نے میزج سینڈ
کیا اور پھر میزج ٹائپ کیا۔ ”میں آپ کے راستے میں آنے
والا وہ پتھر ہوں شاہ جی..... جس نے کچھ پلوں کے لیے
آپ کے پاؤں میں چھہ کر آپ کو منزل سے غافل کیا۔
راستے روکنے والے پتھروں کو راستے سے ہٹاتے ہیں شاہ
جی۔“ اس نے میزج بھیجا اور چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے
لگی۔ ٹھوڑی ہی دیر میں جواب آ گیا۔

”کچھ پتھر ہیرا ہوتے ہیں دعا۔“ ایک اداس سی مسکان
نے اس کے لبوں کو چھوا۔
”ہیرا جتنا بھی خوب صورت ہو جتنا بھی قیمتی ہو شاہ جی
وہ ہر ہوتا ہے۔“

”یہ ہر بھی میرے لیے امرت ہے دعا.....“ دعا نے
کوئی جواب نہیں دیا۔
حمدان کے میزج کا جواب دینا اس نے چھوڑ دیا تھا۔ دن
بہت تیزی سے گزر رہے تھے۔ وہ اسکول کپڑوں کی سلائی
اور رات کے کھانے کی ذمہ داریوں میں مصروف رہتی اور
ساتھ میں کسی کی یادوں اور خوشیوں بھری زندگی کی دعاؤں
میں بھی۔



کیپٹن علی تین دن ان کے گھر رہے گئے تھا اور وہ
تین دن وہ اس کی نظروں سے بہت الجھتی رہی تھی۔
شروع میں وہ بہت پریشان رہی کیونکہ جاتے ہوئے

کیپٹن علی نے کہا۔
”میں..... کچھ لوگ زندگی سے بھی پیارے کیوں
ہو جاتے ہیں جیسے آپ مجھے.....“ وہ تیزی سے کہہ کر چلا
گیا مگر وہ پریشان ہوئی رہی۔

مہینہ گزرنے کے بعد بھی سکون تھا۔ علی کا پتا نہ تھا تو وہ
پُر سکون ہو گئی۔ چند دن مزید گزرے۔ اس دن ذہر پر چاچو
اور ماموں کی فیملیہ کانا تھا گھر میں بہت مصروف تھی۔ حممتی
نے تو کال کر کے کہا تھا کہ سندھی بریانی اور کچے قیتے کے
کباب تم لازمی کھانا۔ وہ امی کی ساتھ کچن میں مصروف
تھی۔ نکل رات ہی بھائی بھائی بھی لاہور سے آ گئے تھے۔
کام دوپہر سے شروع ہوئے اور بمشکل شام تک تیاری
کمل ہو پائی۔ وہ بھی حممتی اور ماموں کی بیٹی جمانہ نے بہت
مدد کی تب۔ سب نے ل کر بڑے کمرے میں کھانا لگایا
رات دیر تک کھانے کے بعد بھی محفل جھی رہی۔ رات
تقریباً ڈیڑھ بجے وہ فارغ ہوئی سب کے اپنے گھروں کو
جانے کے بعد۔

اپنی چار پائی پر لیٹی کچھ دیر آسان کو دیکھتی رہی اور پھر
آنکھیں بند کر لیں۔ وہ سونا چاہتی تھی مگر نیند آج بھی
ناراض تھی۔ کافی دیر وہ کروشیں بدلتی رہی مگر پھر ناکام ہو کر
اٹھ بیٹھی۔ سب سو رہے تھے۔ اسے ڈائری لکھنے کی عادت
پڑ گئی تھی۔ رانی تو شادی کر کے اپنے شوہر کے ساتھ دہلی
چلی گئی تھی دوبارہ کبھی رابطہ بھی نہ ہوا تو وہ جب بہت بے
چین ہو جاتی بہت دھمی ہوئی تو ڈائری لکھتی۔ اللہ اپنے
بندوں کو دوست رکھتا ہے۔ وہ ڈائری میں اپنے اللہ کو
مخاطب کر کے ہر بات کہتی تھی۔ اب بھی اس نے ڈائری
لکائی اور لکھنے بیٹھ گئی۔

”پیارے اللہ جی یہ محبت اتنا اضطراب کیوں دیتی
ہے؟ مجھے پتا ہے اب شاہ جی میرے نہیں۔ مجھے یہ بھی پتا
ہے کہ انہیں مجھ سے کوئی محبت نہ بھی اور نہ ہے۔ بس وہ یہ
نہیں چاہتے کہ میں جوان سے اتنی محبت کرتی ہوں اس
محبت میں کسی اور کو حصہ دار ٹھہراؤں۔ پیارے دوست
آپ تو جانتے ہوتاں کہ اب اس دل میں اور کوئی نہیں آئے

گا۔ وہ کسی اور کے ہیں مگر ان کی محبت میری روح کی
گہرائیوں میں اتر چکی ہے اور مجھے لگتا ہے یہ محبت مجھے حق
کی طرح تولے کر جائے گی پر کسی اور کا نہیں ہونے دے
گی اور حق موت ہے۔ موت جو ج ہے۔ میرے مولا رحم
فرما وہ خوش رہیں اپنی زندگی میں اپنی جیون سامی کے
ساتھ آمین۔“



وقت ایک بار پھر اپنی ڈگر پر چلنے لگا تھا بھابی ملیجہ جو کہ
اس کے بڑے بھائی عمر کی پیاری بیوی اور ان کے پیارے
سے بیٹھ گل شاد کی امی تھیں۔ اپنے بھائی کا رشتہ دعا کے
لیے لگائیں۔ بھائی کو بہن سے زیادہ بیوی کی خوشی عزیز
تھی۔ ان کی خاطر تو بھائی نے ماں باپ بہن بھائیوں کو
چھوڑ کر دوسرے شہر جا کے بسیرا کیا تھا۔ وہ ایڑی چوٹی کا زور
لگا رہے تھے اس رشتے کے لیے۔ انہیں یہ بھی نظر نہیں آ رہا
تھا کہ ان کا سالادو جوان بچوں کا باپ ہے۔ دعا کے عمر کی تو
ان کی بیٹی ہے۔ خوب معرکہ کے بعد بھائی ناراض ہو کر
واپس لاہور جا چکے تھے کیونکہ ابو نے صاف لفظوں میں
انکار کر دیا تھا۔ امی دعا سے ناراض تھیں کیونکہ اس کی بدولت
ان کا بیٹا ان سے ناراض ہو کر چلا گیا تھا۔ بھابی نے جیج چلا
کر اسے کتاب لایا اہلا کہا تھا کہ دعا بچتی معصوم دھتی ہے اتنی
لگتی نہیں۔ دیکھ لینا جتنا ہماری ساس سسر پیار کرتے ہیں
ہماری مند صاحبہ اتنا ہی ان کی عزت کو داغ دار کر رہی گی۔
بھابی لفظوں کے تیر پھینک کر جا چکی تھیں۔ امی ناراض تھیں
اور ابو وہ تو عجیب و غریب جھاؤں ساز جن رکھتے تھے۔ پتا
نہیں وہ ناراض تھے یا نہیں مگر انہوں نے کچھ نہ کہا تھا۔ کوئی
دعا سے بھی تو اس کے دل کی حالت پوچھتا وہ تو انجانے
میں ہی مجرم بن گئی تھی۔ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی گنہگار
تھی۔ اس کی خاموشی مزید بڑھ گئی جب اپنے آنکھوں
کے سوال سمجھنے سے قاصر ہوں تو زبان کو کیا شرمندہ کرنا۔



دن عجیب بے کیف سے گزر رہے تھے۔ بھابی نے تو
جیسے ہر رشتہ ہی توڑ دیا تھا۔ امی بیمار تھیں اور اب بھی اس

کے پاس لے گی جوامی کے کمرے میں تھیں۔ ابوشاید کہیں باہر جا چکے تھے۔ بھائی بھی پاس ہی تھے۔ امی ان کے آنے سے بہت خوش تھیں۔ وہ گل کودے کے جانے لگی تو بھائی نے بٹھالیا۔ وہ چپ ہو کر بیٹھ گئی کیونکہ بھائی اب امی سے باتیں کر رہی تھیں۔ دعائے الجھ کر امی اور بھائی کو دیکھا۔ اسی وقت بھائی نے بھی اسے دیکھا تھا ایک تسخّر اڑائی مسکراہٹ ان کے لبوں پر کھیل گئی۔

”امی..... جب آپ لوگوں نے فون کیا تھا، ہم لوگ بھائی کے نکاح میں تھے۔ میرے بھائی کے لیے رشتوں کی کمی تو تھی نہیں۔ وہ تو میں نے بھائی کو دعا کے لیے کہا تھا ورنہ انہوں نے تو منع کیا تھا۔ معاف کیجیے گا امی..... پر بھائی کے خیال میں دعا آزاد خیال ہے اور پھر لڑکوں کے ساتھ بھی پڑھتی رہی ہے۔ وہ تو میری وجہ سے مان گئے تھے مگر اچھا ہوا آپ نے منع کر دیا پھر جب آپ لوگ مان گئے تھے اور خود کال کر کے دعا کے لیے بھائی کا کہا تو ہم نے بہت منایا مگر بھائی نے فوراً منع کر دیا اور جلدی نکاح بھی کروا لیا.....“ بھائی اور بھی بہت کچھ بول رہی تھیں مگر دعا کا وجود لڑلوں کی زد میں تھا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھی ایک نظر ماں اور بھائی کو دیکھا۔ وہ کتنے مطمئن تھے وہ مزید کچھ بھی سنے بغیر بھاگتی ہوئی باہر آ گئی۔

”کیا میں کچھ بھی نہیں مالک..... میری کوئی عزت نفس نہیں۔ جب اقرار کرنا ہی تھا تو ابو نے انکار ہی کیوں کیا؟ کاش امی آپ نے مجھے بھی تھوڑی اہمیت دی ہوتی۔“ صبح جو بھی آیا تھا بھائی نے امی کے سامنے اسے بتایا کہ اس لیے ان کے بھائی نے دعا کو رد کیا۔

”تو دعا بی بی..... اب آپ کا کردار بھی مشکوک ٹھہرا.....“ وہ خود پر مسکرائی۔ ایسی مسکراہٹ جیسے اپنی مسکراہٹ ہونے پر خود ہی شبہ تھا۔ اس مسکراہٹ میں بھی درد تھا۔ اسے امی کی خاموشی پر حیرت تھی۔



بھائی واپس جا چکی تھیں، اپنے دنوں کو خوش گوار اور اس کے کردار کو مشکوک بنا کر..... شاید ان کی آمد کا مقصد ہی

سے خفا تھیں۔ دعائے بھائی کو فون کیا تھا مگر وہ انٹینڈ ہی نہ کرتے تھے۔ کتنے دنوں سے وہ کوشش کر رہی تھی مگر ناکام تھی۔ اس دن وہ کچن میں امی کے لیے سوپ بنا رہی تھی اور ساتھ ابو کے لیے چائے۔ وہ اپنے ہی خیالوں میں گم بھائی کے بارے میں سوچتے ہوئے چائے کو بھول چکی تھی جو ابل ابل کر ختم ہو رہی تھی کہ قریبی شیلف پر پڑا سیل فون بجا تھا۔ وہ ایک دم چونکی ہاتھ کیتلی سے لگا جو سیدھی پاؤں پر جا گری۔ چائے جو آدھے کپ سے بھی کم بچی بھی اس کا پاؤں چلا گئی۔ فون دوبارہ سے بج رہا تھا۔ اس نے جلدی سے کیتلی اٹھا کے سنک میں رکھی۔ چولہا بند کیا ایک نظر موبائل فون کو دیکھا جو بند ہو چکا تھا۔ نمبر چیک کیا تو بھائی کا تھا۔ اس نے کال کی مگر بھائی نے ڈراپ کر دی۔ اس نے اک بے بس نگاہ ہاتھ میں پکڑے موبائل پر ڈالی پھر اپنے پاؤں پر جو سرخ ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھیں جھللا گئیں۔ اک انجانے درد سے آنکھیں بھیکی تھیں۔ اس نے جلدی سے دوبارہ چائے بنائی اور ٹرے میں سوپ کا پیالا اور چائے کا کپ رکھ کے امی ابو کو دینے چلی آئی۔ وہ کمرے میں گئی تبھی ابو کا موبائل بجنے لگا۔ ابو ہوں ہاں میں جواب دیتے رہے اور پھر اللہ حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس نے چائے پکڑائی تو ابو پوچھنے لگے۔

”تم نے بھائی کی کال کیوں نہیں لی؟“ وہ خاموش رہی تو ابو نے رات کھانے پر اچھا انتظام کرنے کو کہا۔ نہ ابو نے کچھ بتایا نہ اس نے پوچھا۔ باہر نکلتے ہوئے اتنا سنا کہ بھائی بھائی آ رہے تھے۔ وہ مسکرائی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی اور بھائی کی پسندیدہ چیزیں پکانے کے بارے میں سوچنے لگی پھر مینو ترتیب دے کر کام میں جت گئی۔ شام تک بھائی بھائی کی آمد ہو گئی تھی۔

اس نے ہر چیز بھائی کی پسند کی پکائی تھی مگر بھائی نے تو اس کی طرف نہ دیکھنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ وہ خاموشی سے اپنے کپاں میں مصروف رہی۔ کھانے کے بعد کچن کی صفائی کی۔ عشاء کی نماز پڑھ کر گل کو اٹھالائی اور اس سے کھینے لگی۔ جب وہ اکتا کر رونے لگا تو اسے اٹھا کر بھائی

یہی تھا۔ اپنی بارگاہ انعام لے کر اپنی فتح کا رجا کرنا..... دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں بدلنے لگے گویا سب کچھ بدل گیا تھا۔ دعا کی خاموشی گہری چپ میں بدل گئی۔ اس کے اندر قبرستان کے سے سناٹے اتر چکے تھے۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ اس روز مغرب کے وقت اس کے سیل پر بیچ آیا پھر کال آتی رہی جو اس نے اینڈ نہیں کی کیونکہ حمدان سید کی کال تھی۔ دو دن بعد پھر میسر آئے۔ وہ کب تک نظر انداز کرتی آخر حمدان شاہ اس کا عشق تھا۔ اس نے بیچ پڑھا لکھا تھا۔

”دعا..... تم مجھ سے محبت کرتی ہو ناں؟“ وہ جیسے پھر ہوئی تھی۔ ساتھ ہی دوسرا بیچ آیا۔ ”دعا..... ایمان میری بیوی ضرور ہے مگر ہمارا تعلق صرف نام کا ہے..... صرف بس دکھاؤ..... تم میری پہلی اور آخری محبت ہو دعا“ کچھ تو بولو پلیز.....“ وہ پھلکی تھی پر ایسا ممکن نہ تھا..... اس کی خاموشی دبیز ہوئی۔ بیچ پھر آیا تھا۔ ”پلیز دعا کچھ تو بولو“ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو کال آ گئی۔ تیسری بار کال پر اس نے کال اینڈ کی مگر کچھ بھی نہیں بولی۔ دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی پھر وہ بولا تھا ایسے الفاظ جن کے سحر میں وہ اپنا آپ کھو بیٹھی تھی۔ وہ لفظ جو اس کی ادھوری ذات کی تکمیل تھے۔

”دعا..... میں حمدان سید اپنے پورے حواس میں تمہیں دعا فاطمہ بنت احسان ملک کو سچے دل سے اپنا بنا کر تمہیں اپنا نام اور اپنا آپ سوپتا ہوں۔ تم صرف میری اور میری رہو گی۔“ مغرب کا وقت تھا ساتھ ہی اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی تھی۔ حمدان سید نے اپنے الفاظ پھر سے دہرائے تھے۔ ”دعا..... کچھ تو بولو کیا تمہیں میرا نام قبول نہیں؟“ حمدان نے ایک بار پھر پوچھا تھا۔ اک انجانی قوت نے جیسے دعا کے احساسات سلب کر لیے تھے کیسے انوکھے عہد کا پابند کر دیا تھا اسے حمدان سید نے..... جس کی مثال کہیں ڈھونڈنے سے نہ ملتی تھی۔

اذان ہو چکی تھی اس نے فون بند کیا اور وضو کر کے نماز پڑھنے لگی۔ اس کی حالت عجیب سی تھی نماز پڑھ کر دعا

مانگنے لگی تو حمدان سید کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔ وہ بے چین سی ہو کر رونے لگی۔

”مالک..... میں ایسا نہیں چاہتی تھی۔ مجھے نہیں پتا کیسے سب ہو گیا۔ اے پاک پروردگار کیا سچ ہے کیا غلط میں نہیں جانتی۔ میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ یہ رشتہ ایک ایسا عہد ہے جس کے گواہ آپ خود ہیں۔ میرے لیے یہ عہد ایسے ہی سچ ہے جیسے آپ سچ کیوں کہ یہ عہد حمدان سید نے آپ کا نام لے کر باندھا ہے۔ اے پاک پروردگار مجھے میرے ماں باپ اور میرے بھائیوں کے لیے امتحان نہ بنانا۔ مجھے اسی عہد کے ساتھ اپنے پاس بلانا۔ بے شک تو گواہ ہے میں نے شاہ جی سے عشق کیا پر بھی انہیں پانے کی دعا نہیں کی۔ اب ان کا نام پایا تو بھی میری دعا ہے کہ وہ ایمان کے ساتھ مکمل اور خوش گوار ازدواجی زندگی بسر کریں۔ رحم فرما مالک..... آمین ثم آمین۔“ اس نے چہرہ صاف کیا۔ جاہ نماز تہہ کر کے اپنی جگہ پر رکھی اور چکن کی طرف چلی گئی۔



بی اینڈ کے انگریز اصرار ہونے والے تھے اور اس کی کوئی تیاری نہ تھی۔ دو کتابوں کا مسئلہ تھا۔ ایک اکیڈمی میں ریگولر کلاسز ہو رہی تھیں دعا اور اس کی کولیک ڈوٹوں نے وہاں جانے کا سوچا۔ انہیں ٹرین سے جانے میں پون گھنٹہ لگتا تھا۔ کلاسز جمعہ کو دوسری شفٹ میں اور اتوار کو پورا دن ہوتی تھیں۔ ایک اور جگہ پورا ہفتہ کلاسز ہوتی تھیں مگر کیونکہ وہ جاب کرتی تھیں تو انہیں جمعہ اور اتوار مناسب لگا۔ گھر والوں سے اجازت لے کر انہوں نے جانا شروع کیا۔ آج پھر وہ اسی کے شہر میں تھی۔ اس نے ارد گرد ایک نظر دیکھا شاید اس نے ہر چہرے میں حمدان سید کو کھوجا تھا پھر اکیڈمی کی طرف چل پڑی۔ انہوں نے صرف دو مہینہ کلاسز اینڈ کی تھیں۔ دن آتی تیزی سے گزرے کہ مہینہ گزرنے کا پتا بھی نہ چلا۔ حمدان سید جیسے صرف اسے اپنے نام کا پابند کرنا چاہتے تھے۔ وہ خود خیریت پوچھتی تو فائن کہہ کر بات ختم کر دیتے۔ وہ ہر بات شیر کرتی جس کا جواب وہ جی اچھا

لکھ ہے یا لو کے کہہ کر دیتے۔ کوئی خواب، کوئی امید نہ تھی پھر کیوں کبھی کبھی دل جلتا تھا۔ کیوں کبھی کبھی وہ بے سبب ہی رو پڑتی تھی۔ وہ سوچتی کیا حمدان سید سے اسے امیدیں ہیں؟ پر اندر جیسے خالی سا تھا۔ وہ اپنی کیفیت سمجھ نہ پاتی اور خود سے لکھنے لگتی۔

”شاہ جی..... آپ تو کبھی نہیں پوچھتے دعا کیسی ہو..... اگر میں مر جاؤں تو آپ کو تو خبر بھی نہ ہوگی کیونکہ جب تک میں بیچ نہ کروں آپ تو کوئی بیچ بھی نہیں کرتے۔“

”کرتا تو ہوں ناں دعا..... بس تھوڑا مصروف رہتا ہوں۔“ وہ ان کا جواب پڑھ کر خاموش ہو جاتی پھر کہتی۔

”شاہ جی..... اگر میں مر جاؤں تو آپ ضرور آئیے گا۔“

یہی میری خواہش ہے۔“

”دعا..... کیوں اتنا فضول سوچتی ہو؟ آئندہ ایسی بات مت کرنا۔“ وہ خاموش رہ گئی۔ مگر اک عجیب سی ناقابل بیان کیفیت اس کے دل کو جکڑ گئی۔ حمدان سید نے اسے جس عہد کا پابند کیا تھا وہ کسی اور کے بارے میں سوچنے نہ دیتا اور حمدان سید کی جانب اسے کھینچتا۔ کبھی وہ عجیب سی کیفیات میں گھر جاتی۔ وہ جس کی پابند تھی۔ کبھی اسے ایک نظر دیکھا بھی نہ تھا تب اس نے کہا۔

”شاہ جی..... میں آپ کو دیکھنا چاہوں تو.....“ اس نے بیچ کیا۔

”کیا کرو گی دیکھ کر.....؟“ جواب فوراً آیا۔

”بس یونی دل کرتا ہے آپ نہیں چاہتے تو کوئی بات نہیں۔“ اس نے بیچ سینڈ کیا۔

”میں آؤں گا دعا..... میں نے منع تو نہیں کیا۔ بتاؤ کب اور کہاں؟“ حمدان نے پوچھا۔

”کل ریلوے اسٹیشن ٹھیک دو بجے۔“ اس نے وقت اور جگہ بتائی۔

”ٹھیک ہے میں آ جاؤں گا۔ پچانوگی کیسے؟“

”پتا نہیں۔ میں سیاہ لباس میں ہوں گی۔“ اس نے بتایا۔

”ٹھیک ہے اب سوچاؤ اللہ حافظ۔“

اگلی صبح اس کے دل کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ اس کی کولیک لگنے لگی پوچھا بھی بروہ ٹال گئی۔ واپسی پر اس کی کولیک اپنے منگھیر کے ساتھ کچھ شاپنگ کرنے چلی گئی اور وہ اسٹیشن پر آ گئی۔ مسافر خانے میں کوئی بھی نہ تھا سوائے ایک شخص کے وہ بھی سو رہا تھا۔ اس نے ٹرین کا پتا کیا وہ کچھ دیر پہلے جا چکی تھی اور دوسری کچھ دیر بعد آئی تھی۔ وہ بیچ پر بیٹھ گئی۔ دو سے اوپر ہو چکے تھے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا سیاہ رنگ کی کارڈ کی تھی جس میں سے ایک آدمی ہر آیا اور مسافر خانہ کی طرف قدم بڑھائے۔ وہ پہچان گئی تھی یہ حمدان سید تھا۔ اس نے نظر اپنے رجسٹر اور کتابوں پر جمائی تبھی دو خوب صورت اور سفید پاؤں سیاہ چہل میں اس سے کچھ فاصلے پر کے تھے۔ سلام کی آواز پر اس نے آہستہ سے سر اٹھایا اور دیر سے سلام کا جواب دیا۔ بس ایک پل وہ جوان بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں میں دیکھ پائی۔ وہ کچھ ہی قدموں کے فاصلے پر بنے بیچ پر جا کے بیٹھ گیا تھا۔ دعا نے سامنے دیکھا حمدان ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے اشارے سے نقاب ہٹانے کو کہا تھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دعا نے نقاب ہٹایا۔ حمدان نے دیکھا تھا اس کی طرف پھر حمدان کا سیل فون بجنے لگا تھا۔ اس نے کال ریسیو کی اور بات کرنے لگا تب دعا نے بغور اسے دیکھا تھا۔ خوب صورت کشادہ پیشانی پر سلکی بال بکھرے ہوئے تھے جنہیں بے دھیانی میں اس نے ہاتھ سے پیچھے کیا وہ پھر بکھر گئے تھے۔ اس نے آج تک اتنے خوب صورت ہاتھ کسی مرد کے نہیں دیکھے تھے۔ اس نے بات کرتے کرتے اسے دیکھا تھا اور مسکرا دیا۔ دعا نے شرمندہ سی ہو کر سر جھکا دیا۔ وہ بات ختم کر کے اس کے قریب رکا۔

”چلو دعا..... میں تمہیں اسٹاپ تک چھوڑ دوں ٹرین تو جا چکی ہے۔“ وہ اپنے ہاتھ مسلنے لگی جیسے کشمکش میں ہو۔ حمدان نے پھر پکارا۔ ”دعا.....“ وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑی۔ حمدان نے اس کے لیے کار کا اگلا دروازہ کھولا۔ وہ سمٹ کر بیٹھ گئی دروازہ بند کر کے وہ دوسری طرف ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ گاڑی اسٹارٹ کر کے دعا سے

بلکی پھلکی باتیں کرنے لگا۔

ناراض رہتی ہو۔

”دعا.....“ اس نے اچانک پکارا۔

”ہوں.....“ کہہ کر دعا نے حمدان کی طرف دیکھا تبھی حمدان نے ایک نظر اس کو دیکھ کر سامنے سرک پر دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ دعا سوالیہ نظروں سے اسی کو دیکھ رہی تھی۔ ”دعا..... تم بہت خوب صورت ہو لگتا ہے جیسے یہ رنگ صرف تمہارے لیے بنا ہے۔“ دعا نے جلدی سے نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔ گاڑی میں خاموشی چھا گئی کچھ ہی منٹوں میں وہ اسٹاپ پر تھے۔ حمدان نے اسے دین میں بٹھایا اور اللہ حافظ کہہ کر چلا گیا۔ وہ دین میں بیٹھ کر سوچنے لگی محبت ہونے سے آج تک کے عرصہ میں یعنی دو سال میں وہ آج پہلی بار ملے تھے۔ اسٹیشن سے لے کر اسٹاپ تک ان کی ملاقات کا دورانیہ بیس منٹ کا تھا۔ پتا نہیں اس نے صحیح کیا تھا یا غلط پر وہ مطمئن تھی۔ اس دن گھر آ کر کافی دیر اس کی حمدان سے بات ہوئی تھی۔ وہ حمدان کو اچھی لگی تھی۔

”دعا..... تم بہت پیاری ہو بہت خوب صورت۔“

”اور اگر میں خوب صورت نہ ہوں تو.....؟“ دعا نے پوچھا۔

”تو کیا دعا..... پھر بھی میری محبت میں کوئی کمی نہ آتی۔“ وہ مسکرائی تھی۔

ایکڈی میں کلاسز ختم ہو گئی تھیں۔ اس کی کبھی کبھار حمدان سے بات ہوتی تھی مگر اس کی روح کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ اسے لگتا اس نے خود کو حمدان پر مسلط کیا ہوا ہے۔ ان کی مصروفیت بڑھتی جا رہی تھی جیسے ٹکرا سے فراموش کر بیٹھے تھے۔ وہ ایس ایم ایس کرنی تو جواب نہ آتا۔ کال پر بھی وہ مشکل مل پاتے۔ تب وہ شکوہ کر بیٹھتی۔ ”شاہ جی..... مجھے لگتا ہے جیسے میں آپ کو پریشان کرتی ہوں۔“ وہ حمدان سے کہتی تو وہ کہتے۔

”ایسی بات نہیں بس مصروفیت کی وجہ سے ناٹم نہیں دے پاتا۔“ ہمیں ورنہ تم تو میری زندگی ہو۔ تم بس ہر وقت

ناراض نہیں ہوتی شاہ جی..... جب میں آپ سے ناراض ہوں جاؤں گی تو دیکھنا آپ کی ہزار کوششوں کے باوجود بھی نہیں مانوں گی۔ آج آپ کے پاس ناٹم نہیں کل آپ کے پاس ناٹم ہوگا تب بھی آپ مجھ سے بات نہیں کر پائیں گے۔“

”ایسا نہیں ہوگا دعا کہ میں تمہیں پکاروں اور تم میری پکار کا جواب نہ دو۔“

”ہونے کو کچھ بھی ہو سکتا ہے شاہ جی جو محبت میں روتے ہیں کبھی رولا بھی دیا کرتے ہیں۔ دیکھنا شاہ جی ایک وقت ایسا آئے گا جب میں نہیں رہوں گی پر میری محبت کا احساس ہر بل آپ کے ساتھ ہوگا۔ ایسے ہی جیسے آج میں ہوں محبت ہے پر آپ کو احساس نہیں.....“ دعا کے کہنے پر حمدان نے کہا۔

”پائل ہو تم دعا۔“ کہہ کر کال ہی ڈراپ کر دی تھی۔

دن پونہ گزرتے گئے۔ دعا کا اضطراب بڑھتا گیا۔ اس روز وہ اسکول سے واپس لوٹی تو گھر میں مہمان تھے۔ اس نے سب کو سلام کیا اور کمرے میں چلی گئی۔ چہچہ کر کے اسی کے پاس گئی جو کچن میں مصروف تھیں اور حمدان جو اس کے ساموں کی بنی تھی وہ شاید امی کی مدد کی غرض سے آئی تھی۔ اس نے امی کو مہمانوں کے پاس بھیجا اور کچن میں مصروف ہو گئی۔ ساتھ ہی اپنے لیے چائے بھی بنانے لگی۔

”دعا..... کیا تمہیں پتا ہے یہ مہمان کون ہیں؟“ حمدان نے پوچھا۔

”نہیں..... میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔“

بھاگ گئی۔ جمانہ مزید کہہ رہی تھی کہ وہ علی کے لیے اس کے رشتے کی غرض سے آئے ہیں۔ جمانہ اس کے کھواں ہوتے چہرے کو دیکھے بغیر خوش ہو رہی تھی۔

جب ہی کوئی دستک دے کر اندر داخل ہوا۔ یہ علی کی بھابی تھیں۔ جو چہرے سے ہی کافی مغرور لگ رہی تھیں وہ پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

”تو تم دعا ہو؟“ انہوں نے کافی نخوت سے دعا کو مخاطب کیا۔ دعا نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ ”شکل سے تو کافی معصوم لگتی ہو..... شاید اسی معصومیت پر علی فدا ہو گیا تھا۔ وہ ایک بل کے لیے بھی اپنے فیصلے سے نہیں ہٹا۔ تم نے ایسا کیا کیا جو وہ تمہارے لیے سب چھوڑنے کو تیار ہے؟“

”میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔“ آپ کے دیور کا ذاتی فیصلہ ہے۔“ کہہ کر دعا واش روم کی طرف بڑھ گئی اور جب تک نہیں نکلی جب تک وہ کمرے سے چلی نہیں گئیں۔ وہ لوگ چلے گئے مگر دعا کے اضطراب میں اضافہ کر گئے۔ اس نے امی سے انکار کیا تھا کہ وہ علی سے شادی نہیں کرنا چاہتی پر امی نے اتنے بڑے طریقے سے ڈانٹا کہ وہ خاموش ہو گئی۔ رات اس نے حمدان کو میسر کیے پر جواب نہ آیا وہ اللہ سے مدد طلب کرنے لگی۔

”میں اس عہد کو کیسے بھلا سکتی ہوں جس کے گواہ آپ خود ہو۔ اے مولائے رحم فرما..... مجھے میرے پیاروں کے لیے..... آزمائش مت دینا۔ میں کسی کو کچھ نہیں دے سکتی نہ حمدان کو اور نہ امی ابو کو۔“ ساری رات آنکھوں میں بس رہی۔ صبح اسے شدید بخار تھا۔ اسکول بھی نہیں گئی بس لیٹی رہی۔

اس نے حمدان کو کتنے میسر کیے کالز کیں پر کوئی جواب نہ تھا۔ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے حمدان کا میسج آیا۔ وہ جانتا تھا دعا بہت کم اسے کال کرتی ہے اور ایک بار اینڈ نہ ہونے پر دوبارہ نہیں کرتی مگر آج اس کی کئی مسد کالز میسر تھے۔ حمدان نے پھر میسج کیا تھا۔

”سوری دعا..... میں سورا تھا اور سیل سائلٹ ہے تھا۔“

دعا نے فوراً میسج کیا۔

”کوئی بات نہیں شاہ جی..... مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔ جب فارغ ہوں تو بتائے گا۔“ حمدان نے ”اوکے“ کہا تھا اور وہ انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد حمدان کا میسج آیا تھا۔

”ہاں دعا..... پولو کیا ہوا؟“

”شاہ جی پلیز آپ کچھ کیجیے گھر والے میرا رشتہ طے کر رہے ہیں۔“

”میں کیا کروں دعا..... تمہارے گھر والے کیسے مانیں گے؟“

”مجھے نہیں پتا شاہ جی..... مگر آپ گھر والوں کے بنا تو کبھی بھی نہ مانیں گے جب کہ آپ شادی شدہ بھی ہیں۔“

”اور یہاں میرے گھر والے کبھی نہیں مانیں گے دعا۔“ دعا کو حمدان کا میسج پڑھ کے بہت تکلیف پہنچی۔ اس پر اپنی حیثیت واضح ہو چکی تھی مگر وہ سچ جانتا چاہتی تھی۔ اس نے میسج ٹائپ کیا۔

”تو پھر میں کیا سمجھوں؟“

”مجھے خود نہیں پتا دعا..... مجھے نہیں لگتا میرے گھر والے کبھی مانیں گے۔“

”ٹھیک ہے شاہ جی۔“ جواب سینڈ کر کے وہ سوچ میں پڑ گئی۔ جو سفر اس نے شروع کیا تھا اس میں وہ بالکل تنہا تھی اور اس سفر کا انجام کیا تھا اسے نہیں معلوم تھا۔ اسے حمدان سید کے جواب سے تکلیف پہنچی تھی۔ وہ اگر اپنے گھر کی حالات سے واقف تھا تو اسے پابند کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ بڑی طرح بکھر گئی تھی۔

اس نے کہیں پڑھا تھا۔

سمندر کا وہ پانی جو سمندر سے باہر ہوا ہے دریا جھیل بادل آئسو شیفن کچھ بھی کہہ دیکن پانی کا وہ حصہ جو سمندر میں شامل ہو جائے سمندر ہی کہلائے گا۔

”یا اللہ..... میں تو پانی ہوں جو سمندر سے باہر ہے میں سمندر کا حصہ نہیں حمدان سید سمندر ہیں اور ان کا حصہ

ایمان ہے۔ وہ ایمان جوان کی شرعی پیروی ہے۔ جو ان کی ذات کا حصہ ہے۔ میں کہاں ہوں۔ کہیں بھی نہیں نہ ان اپنوں کے وقت میں نہ احساس میں۔ وہ عہد جسے میں تیری ذات کی طرح سچ مانتی ہوں اس کی کوئی وقعت نہیں۔ تو رحم فرما پاک پروردگار..... انہوں نے نہ سبکی پر میں نے محبت بھی کی ہے اور اس رشتے کو سچ بھی مانتا ہے۔ تو مجھے اپنے پاس اسی رشتے کے ساتھ بلانا۔ مجھے پتا ہے معاشرے کے لیے میرا یہ رشتہ ناقابل قبول ہے کیونکہ میرے پاس نہ تو کوئی قانونی ثبوت ہے نہ کوئی انسانی گواہی جب کہ ساج میں رشتے کی عزت کے لیے یہ ضروری ہے۔ مجھے پتا ہے کہ آپ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے شرعی طریقہ بتایا ہے۔ میں جتنا بھی اس رشتے کو سچ مانوں یہ حقیقت سے انحراف ہے۔ مجھے انکار نہیں کہ یہ باقاعدہ رشتہ نہیں بس ایک عہد ہے۔ جس کے سبب یہ سچا اور پاکیزہ ہے کیونکہ میں نے سماجی تقاضوں کو نہیں نبھایا اور مجھے شاہ جی سے بھی کبھی کوئی سوال نہیں کرتا۔ تو رحم فرما مانا ملک مجھے اس عہد کی پاسداری کے قابل بنا۔ بہت سے آنسو اس کی ڈائری کے صفحات بھگو گئے تھے۔ اس نے ڈائری بند کی اور کرسی کی پست سے سر نکال دیا۔

♦ ♦ ♦ ♦ ♦
وہ چھت پر بیٹھی سوچ میں گم تھی۔ جیسا ایک آہٹ پر چونک کر دیکھا۔ سامنے کیپٹن علی تھے جنہیں گھر والے قبولیت کا درجہ دے چکے تھے۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے جو بہت کمزور اور مضطرب لگ رہی تھی۔

”دعا جی..... ایسے کیا دیکھ رہی ہیں مانا کہ مابدولت بہت خوب صورت لگ رہے ہیں پر.....“ دعا نے اس کی بات کاٹ دی۔

”آپ جتنے بھی خوب صورت ہوں مسٹر علی..... میری نظرس آپ پر نہیں رک سکتیں۔“ کافی غصہ سے کہہ کر وہ نیچے چلی گئی تھی۔ علی نے سوچا شاید دعا کو اس کا انداز اچھا نہیں لگا۔ چلو میں سوری کہہ دوں گا۔ یہ سوچتے ہوئے وہ

سیڑھیاں اترنے لگا۔ دعا سامنے کہیں نہ تھی۔ وہ دعا کی ای سے باتیں کرنے لگا۔ کچھ دنوں کے بعد دعا کی اور اس کی منگنی بھی اسی ذہ چاہتا تھا کہ دعا کو خود شاپنگ کروائے اسی لیے وہ آیا تھا اور پھر اسے دعا کو بتانا بھی تو تھا کہ وہ اسے کتنی پیاری ہو گئی ہے۔ وہ کتنی محبت کرتا ہے اس سے اور اس نے کتنا سوچا ہے اسے مگر..... وہ حمزہ کے ساتھ باہر چلا گیا۔ رات کے کھانے کے وقت واپس آئے دنوں۔ دعا نہیں نہ تھی کچھ دیر بعد کھانے کی میز پر وہ اسے نظر آگئی تھی۔ دعا کو دیکھ کر کلی جتنا خوش ہوا تھا دعا اتنی ہی پریشان ہوئی تھی۔ وہ ابو کے ڈر سے کھانا کھانے کی میز پر وہ اسے نظر آگئی تھی مگر کھانا نہیں رہی تھی۔ ابواٹھ کر گئے تو وہ بھی جلدی سے وہاں سے اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ حمدان سید شاید کافی دیر سے میز پر کر رہے تھے اور موبائل چونک کرے میں تھا تو اس نے میسرور دیکھے نہیں ہیں۔ کال آئی تو اسے حیرانی ہوئی کیونکہ اس سارے عرصہ میں ان کی کال بس دو چار مرتبہ آئی تھی۔ اس نے کال ڈراپ کر دی۔ میسرور دیکھے۔ شاعری والے ایس ایم ایس تھے۔ ایک میں اسے مخاطب کیا گیا تھا بس دعا لکھا تھا اور ایک میں لکھا تھا۔

”ناراض ہو؟“ دوسرے میں کہا گیا۔ ”پلیز دعا جواب تو دو۔“ اس نے موبائل فون اک طرف رکھا اور بیڈ کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ ایک بازو بیڈ پر رکھا اور اس میں منہ چھپا کر رو دی۔

سوتا آگن تنہا عورت لمبی عمر خالی آنکھیں بھگا آنچل گلیے ہونٹ اتنا بولو گی تو کیا سوچیں گے لوگ رسم یہاں کی ہے لڑکی سی لے ہونٹ موبائل فون پھر سے بجنے لگا اس نے آن کر کے کان سے لگا لیا اور استقامت علیکم کہا۔ رونے سے اس کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔ دوسری طرف حمدان تھا۔

”اتنے دنوں سے بات کیوں نہیں کر رہی تھیں کیا ناراض ہو؟“
”نہیں شاہ جی ناراض ہو گئی تو آپ کی دسترس میں

سے نکل جاؤں گی۔“

”کیا مطلب دعا؟“

”کچھ نہیں شاہ جی کیسے ہیں آپ؟“

”ٹھیک ہوں یا زہتم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں۔“

”میں اللہ کے کرم سے بالکل ٹھیک ہوں شاہ جی“

خیریت آپ نے آج مجھے کیسے یاد کیا؟“

”تمہیں یاد کرنے کی مجھے ضرورت نہیں ہوتی دعا تم مجھے بھولتی کب ہو؟“

”ایمان کیسی ہیں شاہ جی؟“

”مجھے نہیں پتا وہ اپنے میکے میں ہے۔“

”مجھے نہیں پتا تھا شاہ جی کہ وہ گھر نہیں کیونکہ اگر وہ گھر ہوتیں تو آپ اس وقت مجھ سے بات نہ کر رہے ہوتے۔“

”دعا تم.....“ دعا نے ان کی بات کاٹ دی۔

”آج کہنے دیجیے شاہ جی آپ نے مجھے اپنے عہد کا پابند کیا مگر آپ میرے سامنے ایمان کا ذکر کرتے ہیں۔“

جانتے ہیں کیوں؟ کیونکہ وہ آپ کی شرعی بیوی ہیں۔ آپ نے ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں انہیں اپنایا ہے مگر میرا ذکر آپ ان کے سامنے کبھی نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارا رشتہ بس زبانی کلامی ہے۔“

”دعا میں اس رشتے کو بالکل سچ مانتا ہوں مگر تم یقین کرو کہ مجبور ہوں۔“

”ٹھیک ہے شاہ جی پر آپ کے رویے نے ہر پہل مجھے محسوس کروایا ہے کہ میری حیثیت آپ کی نظروں میں کیا ہے۔ یاد ہے شاہ جی ایک بار آپ سے میں نے پوچھا تھا کہ اگر کبھی مجھے آپ کے ساتھ کی ضرورت ہو تو کیا آپ میرا ساتھ دیں گے تو آپ نے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ آپ خوف زدہ تھے شاہ جی آپ مجھے پابند تو کر سکتے ہیں مگر ساتھ نہیں رکھ سکتے۔“

”دعا..... ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو۔ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں.....؟“

”اعتبار مجھے آپ پر اپنی ذات سے بڑھ کر ہے شاہ جی یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ نے ایمان اور اپنے رشتے کے

متعلق مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔“

”کیسا جھوٹ دعا.....؟“ حمدان نے پوچھا۔

”کل میں نے آپ کو باریکٹ میں دیکھا تھا آپ شاپنگ کر رہے تھے اپنے بیٹے کے لیے..... یہ بات آپ نے خود اپنے منہ سے بتائی تھی کسی کو فون پر بیٹا بہت بہت مبارک ہو شاہ جی میں نہیں پوچھوں گی کہ آپ نے یہ جھوٹ کیوں بولا کہ ایمان سے آپ کا تعلق بس دکھانا ہے۔ مجھے یہ بھی نہیں جانا کہ میں نے ایسا کیا کیا جو آپ نے میرے ساتھ یہ سب کیا کیونکہ میں جانتی ہوں۔ محبت آپ کو کچھ کبھی نہیں گزری۔“

”ایسے مت کہو دعا.....“ حمدان نے پھر بولنے کی کوشش کی تھی مگر آج دعا سننے کے موڈ میں نہ تھی۔

”آج آخری بات کہنے دیجیے شاہ جی..... آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے آپ کو اپنے لیے میری محبت متاثر کرنی ہے آپ نہیں چاہتے کہ میں کسی اور کی ہو جاؤں اس لیے آپ نے مجھے پابند کیا مگر اب آپ مجھے باقاعدہ اپنا نام نہیں دے سکتے کیونکہ ایسی صورت میں ایمان اور سب کی ناراضگی مول لینا آپ کے بس میں نہیں.....“

”دعا..... میں اپنی زندگی تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں مگر.....“ دعا نے حمدان کی بات کاٹ دی۔

”شاہ جی..... جب اگر مگر کیوں اور کیسے جیسے الفاظ درمیان میں آ جائیں تو محبتیں محبتیں نہیں ہوا کرتیں مجبوریاں بن جاتی ہیں اور محبت میں تو کسی کو مجبور کرنا یا باندھ کر رکھنا ہے ہی نہیں۔ میں نے آج تک اللہ سے آپ کو یا آپ کی محبت کو نہیں مانگا پر میری دعا ہے آپ کو مجھ سے محبت ہو جائے۔ وہ محبت جس میں دوسرے کی عزت کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ وہ محبت جو اپنی ذات کو بھلا دیتی ہے۔ یاد رہتا ہے تو بس محبوب..... آج کے بعد میں آپ سے بات نہیں کروں گی آپ کے پاس کچھ عرصہ ہے شاہ جی اور مجھے پتا ہے آپ فیصلہ میرے حق میں نہیں کر سکیں گے۔“

”کچھ عرصہ بعد کیا ہو گا دعا؟“ حمدان نے پوچھا۔

”آپ فیصلہ کر لیجئے گا۔“

”اگر تمہیں چناؤ کرنا پڑا دعا تو تم کیا کرو گی اپنے گھر والوں کو چونکی یا مجھے۔؟“

”میری زندگی میں صرف تین رشتے اہم ہیں۔ ایک ای ابو جو میرا دل ہیں دوسرے آپ۔۔۔۔۔ آپ میری روح ہیں تیسرے میرے بھائی جو میری دھڑکن ہیں۔ میں فرار اختیار کروں گی شاہ جی! مجھے آپ سے عشق ہے آپ سے رشتہ بے لوث ہے آپ نے سنا ہوگا کچھ لمحے چاٹو کی دھار کی طرح ہوتے ہیں ان میں اگر غلط فیصلہ ہو جائے تو جان بچتی ہے نہ ایمان۔۔۔۔۔ جب مجھ سے محبت ہو جائے گی تو آپ مجھ جائیں گے کہ حدود و قیود سے نکل دو فنا شرط ہے۔ اپنا بہت خیال رکھیے گا شاہ جی! زندگی رہی تو بھی رابطہ کروں گی۔“

”دعا۔۔۔۔۔ تم مجھ سے بات کرنا مت چھوڑنا۔“ حمدان جیسے اس کے ہر لفظ کے قائل ہو گئے تھے ان کا لہجہ شکستہ تھا۔ ”میرے لیے خود بہت مشکل ہے مگر میں کسی بھی لمحے کمزور نہیں پڑنا چاہتی اور ویسے بھی آپ بہت مصروف ہوتے ہیں۔“

”نہیں دعا! ایسے مت کہو۔“

”شاہ جی۔۔۔۔۔ اب آپ سو جائیے۔ فی امان اللہ۔“ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا تھا۔ جس سے بات کیے بنا وہ ایک پل اندر کھسی کھی! اسے خود ہی دور کر دیا تھا۔ ساری رات وہ خوب روئی تھی۔



پچھلے پانچ دنوں سے دعا نے اس سے بات نہ کی تھی۔ اس کے میجر کا کوئی جواب نہ دیا تھا اور اب تو نمبر بھی آف کر دیا تھا۔ آج تک کبھی ایسا ہوا نہ تھا کہ وہ دعا کے لیے مضطرب ہوا ہو۔ اسے دعا سے محبت نہ تھی وہ تو خود بہت خوب صورت تھا۔ کتنی لڑکیاں اس سے خود دوستی کا کہتیں۔ اس سے محبت کا اظہار کرتیں مگر وہ دیکھنا بھی گوارا نہ کرتا۔ وہ اپنی کزن ایمان میں انٹرسٹڈ تھا۔ اسے ایمان سے محبت بھی یا نہیں اس نے بھی سوچا نہیں۔ وہ خوب صورت تھی بلکہ

بہت خوب صورت تھی اور اس سے محبت بھی کرتی تھی اور اہم بات یہ کہ وہ اس کی بچپن کی منگنی تھی۔ پھر اسے دعا کے خط ملے جو اس کی سامع تھی۔ وہ ہفتہ میں اسے ایک خط ضرور لکھتی تھی۔ حمدان کو اس کے لفظ اچھے لگتے۔ اسے لگتا جیسے دعا کا ہر لفظ بس اس کے لیے ہے۔ کبھی اگر دعا خط لکھنے میں دیر کرتی تو وہ بے چین ہو جاتا۔ اسے انتظار رہتا اس کے خط کا۔ پھر ایک دن جب مارکیٹ میں وہ اپنی دکان جو کہ ریڈی میڈ گارمنٹس کی تھی پر تھا جب ایک لڑکی اس کے دوست کے ساتھ آئی۔ وہ اس کے دوست کی بہن رابی تھی۔ اسے جب پتا چلا کہ وہ ڈی جے حمدان شاہ ہے تو وہ بہت خوش ہوئی تھی۔ چونکہ وہ کافی لبرل لگ رہی تھی نمبر بھی لے لیا جو حمدان نے دوست کی بہن ہونے کی وجہ سے دے دیا تھا۔ رات کال کر کے رابی نے اسے دعا کے بارے میں بتایا تھا۔ حمدان کو یہ جان کر بہت خوشی ہوئی تھی کہ دعا اسے اتنی شدت سے چاہتی ہے۔ اس نے اس خوشی کا سبب سوچا چاہی نہ تھا۔ رابی نے اسے دعا کا نمبر بھی دیا تھا پھر اس کی دعا سے بات ہونے لگی۔ وہ اس سے اتنی محبت کرتی تھی کہ کبھی بھی وہ حیران ہوتا۔ رابی نے کہا تھا کہ دعا کو محبت سے انکار تھا! آج محبت اتنی ہی شدت سے دعا میں بس گئی تھی۔ وہ دعا کی محبت کی شدت جاننے کے لیے اکثر اسے میجر کا جواب نہ دیتا۔ وہ بھی پریشان ہو کر کال کرتی وہ انٹینڈ نہ کرتا جب وہ اپنی محبت کا اقرار کرتی تو اپنی اہمیت جان کر وہ خوش ہوتا۔ وہ کہتی۔

”شاہ جی۔۔۔۔۔ مجھے پتا ہے آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے اسی لیے ایسے کرتے ہیں۔“ تو وہ جھوٹ بول دیتا کہ ”تم میری زندگی ہو میں تم سے محبت کرتا ہوں۔“ وہ ایسا کیوں کرتا تھا۔ کبھی اس نے سوچا نہیں پودہ بھی عجیب تھی! اقرار سن کر بھی دکھی ہو جاتی اور کہتی۔

”نہیں شاہ جی۔۔۔۔۔ جھوٹ مت بولا کریں کیونکہ جب محبت ہوتی ہے تو اپنا آپ خود منوالیتی ہے۔ آپ محبت کا اقرار تو کرتے ہو پراپی آپ کا محبت سے واسطہ نہیں پڑا۔ اضطراب محبت کا مقدر ہے شاہ جی۔۔۔۔۔ میں کب کہتی ہوں

کہ آپ مجھ سے محبت کریں۔ مت کریں محبت! بس جھوٹ مت بولیں۔“

اتنے عرصے میں آج پہلی بار وہ جاگ تھا۔ وہ بھی دعا کو سوچ کر۔۔۔۔۔ شاید اس نے ٹھیک ہی کہا تھا تاروں بھرے آسمان سے نظریں ہٹا کر اپنی کلائی پر بندھی کٹری کو دیکھا جو پونے تین ہونے کا اعلان کر رہی تھی۔ وہ پچھلے اڑھائی گھنٹے سے کٹری کے پاس کھڑا تھا اور آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ کتنے لفظ اس کی سماعتوں میں گونج رہے تھے۔ اس کی خوب صورت آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے اضطرابی انداز میں اپنے بالوں میں ہاتھ بھیرا اور مڑ کر بیڈ کے قریب آیا اور جھک کر بیڈ سائڈ ٹیبل کے اوپر سے اپنی اور ایمان کی شادی کی تصویر اٹھالی اور دیکھنے لگا۔ یہ ان کے ولیمہ کی تصویر تھی۔ ایمان نے اس کی پسند پر نیلے رنگ کی کاڈر ساڑھی باندھی تھی۔ اس کے لیے گھنے خوب صورت بال اسی کے کہنے پر کھلے چھوڑے تھے۔ سب نے کہا تھا وہ ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں۔ تصویر میں ایمان صوفہ پر بیٹھی ہوئی تھی اور حمدان اس کے کاڈر سے پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ تصویر کو دیکھتے ہوئے اچانک حمدان کو لگا جیسے تصویر میں ایمان کی جگہ دعا ہو۔ اس نے تصویر اپنی جگہ پر اٹھی کر کے رکھ دی اور سامنے بنی الماری کی طرف بڑھا سیف میں سے ایک ڈبا نکال کر ایک طرف رکھے صوفوں کی طرف بڑھ گیا۔ صوفہ پر بیٹھ کر کچھ دیر ڈبا ہاتھ میں لیے کھودتا رہا۔ اس کے چہرے پر جب بے بسی واضع ہوا تھا پھر اس نے وہ ڈبا میز پر رکھا اور صوفے کی پشت سے سر نکال کر آنکھیں موند لیں۔ بالوں میں ہاتھ بھیرا پھر اسی ہاتھ کی انگلیوں سے اپنا ماتھے دبائے لگا۔ اس کے کانوں میں پھر دعا کے لفظوں کی بازگشت ہوئی۔

”شاہ جی۔۔۔۔۔ آج تک میں نے رت سے کبھی آپ کو نہیں مانگا۔ کبھی آپ کی محبت بھی نہیں مانگی! پر اب مانگتی ہوں۔ اللہ کرے آپ کو مجھ سے محبت ہو جائے۔“

وہ جلدی سے سیدھا ہو بیٹھا۔ ایک نظر میز پر پڑے چھوٹے سے ڈبے کو دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر اٹھا لیا۔ ڈبے کو

کھول کر دیکھا اور اس میں سے کچھ کاغذ نکالے۔ یہ وہ خط تھے جو دعا نے اسے لکھے تھے۔ اس نے ایک بار پڑھ کر یہ خط رکھ دے تھے مگر آج وہ سارے خطوں کو ایک بار پھر سے پڑھ رہا تھا۔ آج سے پہلے کبھی اس نے سوچا نہ تھا کہ کسی نے تنقید اور عقیدت سے یہ خطوط اس کو لکھے ہیں۔ اس کے لیے یہ بس اس کی جوابی ستائش تھی۔ پتا نہیں کس احساس کے تحت اس نے یہ خطوط سنبھال کر رکھے تھے۔ وہ بارہ بار تیرہ خط تھے جو اس نے پڑھے پھر بڑی عقیدت سے انہیں تہہ کر کے ڈبے میں رکھ دئے اور ڈبے میں سے ایک تصویر نکالی۔ ساڑھی کے بازو پر گولڈن کام تھا۔ اس نے انتہائی سلیقے سے ساڑھی باندھ رکھی تھی! چہرے کے نقوش میں جاذبیت تھی۔ اس کے خوب صورت کٹاؤ دار ہونٹ لب سنک کے بغیر تھے۔ منگھڑیا لے بالوں کی ایک لٹ ماتھے سے ہوتی ہوئی رخسار کو چھو رہی تھی گلے میں گولڈن کالا کٹ جس پر اللہ لکھا ہوا تھا۔ اس کی خوب صورت لمبی گردن اور کاڈر سے درمیان ایک تیل تھا جو بہت واضح ہو رہا تھا۔ پھولوں کے پاس کھڑے ہونے کی وجہ سے سرخ پھول اس کے بازو کو چھو رہا تھا۔ تصویر کی عقبی جانب لکھا تھا۔

Dear dear n dearest
Hmdan Syed! my Soul,
my Love, my Life.
your Dua

اس نے پڑھا پھر اپنے ہونٹ اس نام پر رکھ دیے۔ اس کی آنکھوں سے دوا نسو پھسل کر تصویر پر گرے تھے۔ I Love you alote dua!

دور کہیں اذان کی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے تصویر ڈبے میں رکھی اور ڈبا کو اپنی جگہ پر رکھ کر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ وضو کرنے کے بعد وہ گاڑن والے حصے کے پاس آیا کچھ پل کیاری کے پاس کھڑے ہو کر پھولوں کو دیکھا اور گیت کھول کر باہر کی جانب بڑھ گیا۔ اس کے قدم قریبی مسجد کی جانب تھے۔ باجماعت نماز ادا کرنے کے

دعا فریش ہو کر کمرے سے باہر نکلی تو گھر میں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ امی شاید نانوی کی طرف گئی تھیں۔ ڈرائنگ روم سے حمزہ کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے ڈرائنگ روم کی طرف قدم بڑھائے۔ حمزہ خون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ علی صوفہ پر بیٹھا تھا جب کہ اس کے دونوں چھوٹے بھائی شایان اور کاشان جو کہ جڑواں تھے اور دونوں میٹرک کے طالب علم تھے لڈو کھیلنے میں مصروف تھے۔ کاشان شایان سے کچھ منٹ چھوٹا تھا جس کا فائدہ شایان رعب جھاز کے اٹھاتا تھا۔ اب بھی ان میں تکرار جاری تھی۔ وہ دروازے میں ہی کھڑے تھے بھی شایان کی نظر اس پر پڑی۔

”آپ..... آپ وہاں کیوں کھڑی ہیں؟ اندر آجائیے۔“ علی نے سراٹھا کر دیکھا اور پھر نیچے دیکھنے لگا۔ دعا خاموشی سے کچن کی طرف پلٹ گئی تھی۔ وہ اپنے لیے چائے بنا کر ڈرائنگ ٹیبل پر آ بیٹھی۔ وہ علی کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت و عقیدت دیکھ چکی تھی پر اس کے دل میں اس کے لیے کچھ نہ تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک کوئٹا سال کا بچہ تھا اور اس کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔ علی جو حمزہ کے ساتھ اسی طرف آ رہا تھا اس نے پہلی بار دعا کو مسکراتے دیکھا تھا۔ وہ جیسے قسم سہا گیا۔

”یہ کتنی پیاری لگتی ہے مسکراتے ہوئے.....“ اس نے بے اختیار سوچا تھا۔ حمزہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

”ڈیسر آئی..... ہمیں بھی تو بتائیں آخر کس خوشی میں اکیلے کیسے مسکرایا جا رہا تھا؟“ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ حمزہ باہر کی جانب بڑھ گیا تو علی آگے بڑھا۔

”مس دعا..... مجھے کچھ کہنا ہے آپ سے.....“ دعا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ علی نے ایک نظر اسے دیکھا اس چہرے پر اس وقت سختی کے تاثرات نہ تھے جو اکثر اسے دیکھتے ہی واضح ہونے لگتے تھے۔ ”مجھے بس اتنا ہی کہنا ہے دعا کہ اگر محبت کی کوئی حد ہوتی ہے تو میں اس آخری حد تک آپ کو چاہتا ہوں۔ لیکن مجھے لگتا ہے آپ اس رشتے سے خوش نہیں ہیں۔ دعا..... کسی کو

بعد کتنی دیر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے روتا رہا۔ وہ مرد اپنی ابا کے بجائے خالق حقیقی کے سامنے اس عورت سے محبت کا اظہان کر رہا تھا جسے اس نے اللہ کو گواہ بنا کر صرف اس لیے اپنے نام کا پابند کیا تھا تاکہ وہ کسی اور کی نہ ہو جائے اور وہ بالکل لڑکی تو محبت کے عہد میں اپنے ہر احساس اپنے ہر رشتے اپنی روح تک کو گروی رکھ کے بھی دست ہوئی تھی۔

آج وہ اس عورت کی ڈھیروں عزت اپنے روم روم میں محسوس کر رہا تھا۔ محبت نے اسے تسخیر کر لیا تھا۔ وہ دعا کو مانگ رہا تھا اپنے رب سے پر تقدیر مسکرا رہی تھی کیونکہ اس نے محبت کے ساتھ ساتھ سچے سچے رب کی ذات کو ہمارا رکھ کے جو عہد باندھا تھا۔ اسے بس اپنے مفاد میں رکھنے کی کوشش کی تھی۔ جب صبح کی سپیدی ہر سو پھیلنے لگی تو وہ اٹھ کر گھر کو چل دیا۔ نماز جمعہ اور عیدین کے علاوہ وہ آج پہلی بار اپنے رب کے سامنے ہر سجدہ ہوا تھا۔



دعا ساری رات اپنے رب کے سامنے روتے روتے وہیں سجدے میں سوئی تھی۔ دروازہ پر دستک کی آواز پر اٹھی گھڑی پر نظر پڑی تو نو بج رہے تھے جلدی جلدی جا نماز تہہ کر کے اپنے مقام پر رہی اور دروازہ کھول دیا۔ وہ جلدی میں بنا دیکھے دروازہ کھول کر پلٹ رہی تھی جب کیپٹن علی کی آواز اپنے کمرے میں سن کر ٹھٹھک کر رہی۔ جو تشویش سے پوچھ رہا تھا۔

”میم دعا..... آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟“ وہ سوالیہ نگاہیں لیے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دعا نے نہایت ترشی سے پوچھا۔

”مسٹر علی..... آپ میرے کمرے میں کیا رہے ہیں؟“

”دراصل آپ اتنی دیر سے باہر نہیں آئیں تو مجھے تشویش ہوئی۔ آپ مجھے کافی کمزور اور بیمار لگ رہی ہیں۔“

”میں بالکل ٹھیک ہوں مسٹر علی اور آپ اب میرے کمرے سے جاسکتے ہیں۔“ وہ کچھ دیر ضبط سے لب بٹھینچے اسے دیکھتا رہا پھر خاموشی سے چلا گیا۔

اپنے نام کر لینا محبت نہیں بلکہ کسی کے نام ہو جانا محبت ہے۔ جس موڑ پر میں ہوں وہاں سے پیچھے ہٹنا میرے لیے ممکن نہیں مگر میں زبردستی آپ کو خود سے منسلک کرنا نہیں چاہوں گا۔“ دعا سر جھکائے سب سن رہی تھی پھر بہت خاموشی سے سر اٹھا کر سامنے کھڑے شخص کو جھلانی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ علی کو لگا جیسے اس کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر مٹل دیا ہے۔ وہ تو ان آنکھوں میں ڈھیروں خوشیاں رقصاں دیکھنا چاہتا تھا پھر یہ آنسو کیوں..... وہ مضطرب ہو گیا۔

”دعا..... کیا آپ خوش نہیں؟“ اس کی آنکھوں میں چمکنے والے آنسو خرابوں پر بہہ نکلے تھے۔ وہ بھاگ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی علی اور بھی مضطرب ہو گیا۔

حماں کتنے دنوں سے دعا کا نمبر ڈرائی کر رہا تھا مگر وہ سوچ آف جا رہا تھا۔ حماں بہت پریشان اور مضطرب تھا مگر دعا جو بھی صند نہ کرتی تھی اس بار وہ اپنی ضد پر قائم تھی کہ وہ اب اس سے رابطہ نہیں کرے گی۔ وہ کتنے دنوں سے شونہیں کر رہا تھا تا کہ وہ اس سے رابطہ کرے اور پوچھے ”کیوں شاہ جی..... آپ کیوں مجھے تنگ کرتے ہیں؟“ مگر وہ شاید پتھر ہو گئی تھی اور اسے پتھر بنانے والا بھی وہ خود تھا۔ پہلے وہ جان کر انجان بنارہا تھا یہاں تک کہ اس نے جو عہد اس سے باندھا تھا وہ بھی پہلے اس کی نظر میں کچھ نہ تھا۔ وہ حماں جو دوستوں سے کیا عہد بھانے کے لیے جان تک دینے کو تیار ہو جاتا تھا وہی حماں اپنے رب کے نام پر باندھے گئے عہد کو اہم نہ سمجھتا تھا اور جب سمجھا تو محبت اس کی روح میں سرایت کر گئی تھی تب وہ سینے کو تیار نہ تھی۔ وہ گھر بہت دیر سے لوٹا تھا۔ اپنے کمرے میں آیا تو ایمان جو آج ہی اپنے میکے سے لوٹی تھی اس پر نظر گئی وہ بیڈ پر بے خبر سو رہی تھی۔ اس کا پاپا اسرا موصوم بیٹا بے بی کاٹ میں سو رہا تھا۔ وہ دبے قدموں سے چلتا ہوا بیڈ کے قریب آیا اور ایمان کو دیکھنے لگا وہ بہت خوب صورت تھی دعا اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھی۔ اس نے اپنے دل پر ہاتھ

رکھا۔ یہاں تو دعا بس گئی تھی اور ایسی ہی تھی کہ اب اسے ہر طرف وہی دکھائی دیتی تھی۔ وہ آہستہ کی آہستہ وہاں سے ہٹا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ باغیچے کے سامنے بنے برآمدے کی نشستوں پر وہ بیٹھ گیا۔ کچھ دیر آسان کو دیکھتا اور پھر برآمدے کے ستون کے ساتھ ٹپک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ وہ اپنے ماضی میں کھونے لگا۔ اسے یاد آیا ایک بار دعا نے کہا تھا کہ اسے چاند دیکھنا بہت پسند ہے وہ بھی سرد راتوں میں۔ اس نے کہا تھا۔

”شاہ جی..... اگر ہماری شادی ہو گئی تو آپ چاندنی راتوں میں دیر تک میرے ساتھ بیٹھنا میں آپ کے کاندھے سے سر لگا کر چاند دیکھوں گی۔“ پھر وہ بولتے بولتے رکی تھی اور کہنے لگی۔ ”ایسے تو آپ بور ہو جائیں گے آپ ایک کام کرنا بس مجھے دیکھنا“ وہ ہنس پڑا تھا۔ ”شاہ جی ایسے کیوں ہنس رہے ہو؟“ اس کے ہنسنے پر دعا نے پوچھا تھا۔

”کیوں تمہیں میرا ہنسنا برا لگتا ہے؟“ اس نے الٹا سوال کیا تھا۔ کچھ لمبی دعا کچھ نہ بولی پھر چند بل خاموش رہنے کے بعد وہ بولی تھی۔

”آپ کا ہنسنا مجھے بہت اچھا لگتا ہے شاہ جی چاہے آپ مجھ پر ہی کیوں نہ ہنسیں.....؟“

”اچھا.....“ اس نے بس اتنا ہی کہا تھا پھر بولا۔ ”دعا جب تم چاند دیکھو گی تو میں تمہارا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہوں گا دعا تمہیں پتا ہے تم حماں شاہ کی زندگی ہو۔“ حماں نے آنکھیں کھولیں۔ وہ آج وہیں بیٹھا تھا۔ چاندنی رات، کھلا آسان برآمدہ، تیس ستون سب کچھ تھا پر وہ نہیں تھی۔ اس رات جو آنسو دعا کی آنکھوں سے بہے تھے ان کی نمی کو حماں شاہ کی آنکھوں نے محسوس کیا تھا۔ وہ شدید اضطراب کی حالت میں وہاں سے اٹھا اور سامنے باغیچے میں جا کر چکر لگانے لگا مگر اضطراب کم ہونے کی بجائے بڑھنے لگا تو وہ کمرے میں چلا گیا۔ وضو کیا اور چائے نماز اٹھا کر اسٹڈی روم کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے نوافل پڑھنے نماز تہجد پڑھی اور وہیں

بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر میں فجر کی اذان ہونے لگی۔ آج اس نے اذان کا ہر لفظ دل سے سنا اس پکار کا جواب اس کے لب دے رہے تھے اور اس کی آنکھیں اس کے رخساروں کو بھگور رہی تھیں اس پر عجب سی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ اس کا اضطراب کم ہو رہا تھا۔ اندر جیسے سکون سا تارتا جا رہا تھا۔ اذان ختم ہوئی تو وہ ایک بار پھر قبلہ رو ہو کر کھڑا ہوا۔ نماز کی نیت کی۔ اب اس کے ہونٹ بے آواز اللہ کی حمد و ثناء میں مشغول تھے۔ اس کی آنکھیں بھیک رہی تھیں۔ وہ عہدہ میں جھکا تو دو آنسو گر کر جاء نماز میں جذب ہو گئے۔ وہ ایک ندامت تھے جو بارگاہ الہی میں قبولیت کا درجہ پاتے جا رہے تھے۔ وہ تو جرح ہے وہ تو خالق ہے اور خالق کو اپنی برخلیق پیاری ہوتی ہے وہ جیسی بھی ہو وہ رب تو معاف کرنے والا ہے اور معاف کر دینے والے کے سامنے گناہ اہمیت نہیں رکھتے اس کے سامنے تو نیت اہم ہوتی ہے۔ وہ خالص نیت والے کو عطا کرتا ہے بنا خطا دیکھے کہ وہ تو رب ہے جو ستر ماؤں سے بھی زیادہ اپنے بندوں سے پیار کرتا ہے۔ اس نے نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

”اے پروردگار عالم..... اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدفے میں مجھے بخش دے۔ اے مولا پاک میں نے میرے بتائے طریقے سے روگردانی کرتے ہوئے کسی کو اپنے نام سے جوڑا۔ اے مولا تو جانتا ہے وہ صرف عہد ہے ایک ایسا عہد جس میں اسے ہمیشہ اپنا رکھنا چاہتا تھا۔ مجھے پتا تھا وہ آپ سے اتنی محبت کرتی ہے کہ آپ کے نام سے جوڑے گئے تعلق آپ کی طرح حقیقت ماننے کی اسی میں جیے گی۔ میں نے شرعی حدود کو پھلانگنے کی کوشش نہیں کی تو جانتا ہے۔ پر میں نے اس کی مجبوریوں کو سمجھے بغیر اس کو اپنے ساتھ جوڑ کر رکھنا چاہا۔ اس بندہ میں جس کی ساج میں کوئی حیثیت نہیں۔ اے مولا میرا عہد سچا ہے۔ میں اسے نام بھی دوں گا اور مقام بھی تو مدد فرما مجھے بخش دینا۔ میرا اور اس کا رشتہ ایک سچا عہد ہے وفا کا عہد..... جس کا گواہ تو ہے۔ ایک ایسا عہد جس میں میرے ساتھ کے

باد جو میری قبولیت کے باوجود پہلے وہ اکیلے تھے پر اب میں اس کے ساتھ ہوں۔ تو سب کے حق میں رحم فرمانا ہمیں بخش دے مولا.....“ اس نے دعا مانگ کر چہرے پر ہاتھ پھیرے آنسوؤں سے تر چہرے کو صاف کیا اور چائے تہہ کر کے وہاں سے اٹھ گیا۔ وہ فیصلے پر پہنچ کر کافی پرسکون تھا۔ اب اسے دعا کو ماننا تھا۔

واش بیسن پر لگتا سینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے تل کھولا اور ہاتھوں کے پیالے میں پانی لے کر منہ پر چھینے مارنے لگی۔ اس نے سامنے لگتا سینے میں دیکھا کیلے چہرے پر آنسو اب بھی بہہ رہے تھے فرق بس اتنا تھا کہ اب وہ پانی میں تل کر صرف آنسو نہ تھے۔ اس نے خود کو سنبھالا اور منہ پر پھر پانی کے چھینے مارنے لگی۔ وہ جیسے ہی واش روم سے باہر نکلی سامنے علی مضطرب انداز میں کھڑا تھا۔ اس نے چہرہ صاف کیا اور علی کو نظر انداز کرتی ڈیرنگ ٹیبل کی دروازہ کلاک کھولنے لگی سرخ رنگ کی ڈائری نکالی۔ ایک نظر علی کو دیکھا پھر ڈائری اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

”یہ ایسے راز ہیں جن کا گواہ میرے علاوہ میرا رب ہے۔ امید کرتی ہوں آپ اچھے راز داں ثابت ہوں گے کہ محبتیں تو بہت معتبر ہوا کرتی ہیں۔“ علی نے ڈائری لے کر بہت الجھتے ہوئے اس کی باتیں سنی تھیں۔ ”مسٹر علی اس میں آپ کے ہر سوال کا جواب ہے۔ اب آپ جائیے پلیز۔“ علی خاموشی سے مڑ گیا تھا۔

بتاؤ کیسا لگتا ہے کسی کو پا کے کھودینا کسی کے ساتھ تو چلنا مگر اس کا نہ ہونا خود ہی کو کھوتے رہنا مگر اس کو نہ کھنا خود ہی مگر نہ سنہلنا ہنسنا اور رو دینا

بتاؤ کیسا لگتا ہے؟

خزائن کی سخت سردی میں

ہجر کی لمبی راتوں میں

کسی کی یاد میں دونا

کسی کو سوچتے سوچتے اپنی آنکھیں بند کرتا

اور اندھیروں میں چلے جاتا

بتاؤ کیسا لگتا ہے؟

وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے چھت پر آنکھیں

موندے بیٹھی تھی۔ شایان اور کاشان چھت پر کمرے

کے سامنے بنے برآمدے میں کتابیں کھولے بیٹھے

تھے۔ سچی علی اس کے قریب آیا، کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔

شدت ضبط سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں پھر

دھیس سے اس نے دعا کو پکارا۔

”دعا.....“ اپنا نام سن کر اس نے آنکھیں کھول کر

سامنے دیکھا پھر کھڑی ہو کر سامنے رکھی کرسیوں کی جانب

بڑھ گئی۔ وہ جانتی تھی علی کی متوقع ہر بات ہر سوال کو۔ علی

آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اس کی جانب آیا اور ایک کرسی

پر بیٹھ کر اسے کوڈ کیمنے لگا۔

”دعا.....“ آپ کو پتا ہے وہ کتنا جھوٹا ہے جس کی محبت

میں آپ سب بھول بیٹھی ہیں؟“

”وہ کتنا جھوٹا ہے میں نہیں جانتی“ میں تو بس اتنا جانتی

ہوں کہ میں کہاں تک سچی ہوں۔“

”دعا.....“ وہ آپ سے دھوکا کر رہا ہے۔“ علی

نے پھر کہا۔

”میں مسٹر علی وہ دھوکا نہیں کر رہا وہ تو میری محبت کی

گہرائی ناپ رہا ہے۔ دھوکا تو میں کھا رہی ہوں۔“

”آپ جانتی ہیں وہ رشتہ بے مٹی ہے۔“

”میں نے کب کہا کہ وہ رشتہ بامعنی ہے؟ وہ تو عہد

ہے عہد وفا۔“

”دعا عہد ایسے نہیں ہوتے.....؟“

”تو کیسے ہوتے ہیں مسٹر علی؟“ پھر خود ہی کہنے لگی۔

”مسٹر علی“ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں بقول آپ

کے.....“ اس نے علی کو دیکھا۔ علی نے اثبات میں گردن

ہلائی۔ ”میں کیسے مانوں؟“ اس نے پھر سوال کیا۔

”میں سب کے سامنے آپ کو اپنانے کو تیار ہوں۔“

”پر سب کے سامنے بنایا گیا ہر رشتہ سچا اور پائیدار نہیں

ہوتا۔“ دعا نے کہا۔

”میں قسم کھانے کو تیار ہوں دعا اور میرا وعدہ ہے کہ

یہ رشتہ پائیدار ہوگا۔“ دعا کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا

پھر وہ بولی۔

”میں اس وعدے کو کیونکر مانوں کل آپ مگر بھی

سکتے ہیں۔“

”وعدے نبھانے کے لیے ہوتے ہیں دعا.....“

”بالکل..... سچی تو میں کہتی ہوں.....“ اس نے علی کی

بات کاٹی۔ ”وعدے نبھانے کے لیے ہوتے ہیں۔ جب

ایک انسان کسی انسان سے وعدہ کر لیتا ہے تو دوسرا اس پر

اعتبار کرتا ہے کہ وعدہ ضرور پورا ہوگا پھر میرے وعدے کے

تو گواہ بھی معتبر ہیں۔ مجھے پتا ہے میرے کھدینے سے اور

حمدان سید کے مان لینے سے ہم ایک دوسرے کے نہیں

ہو گئے۔ میں کیونکہ ان سے محبت کرتی ہوں تو یہ میری محبت

کا عہد ہے۔ میں حدود و قیود سے واقف ہوں۔ مجھے

میرے ماں باپ کی عزت کا بھی احساس ہے۔ مجھے پتا

ہے مجھے خود پر لگائے الزامات کی تردید کرتا ہے۔ مجھے پتا

ہے وہ مجھ سے محبت نہیں کرتے۔ میں بس ان کے نام سے

مرنا چاہتی ہوں کیونکہ اگر میری شادی ہو گئی تو آخرت میں

ابدی زندگی میں وہ مجھے نہیں ملیں گے۔ جب کہ مجھے انہیں

اس دنیا میں نہیں ہمیشہ قائم رہنے والی زندگی میں پانا ہے

اپنے رب کے حکم سے.....“ اس نے اپنی بات ختم کر کے

علی کو دیکھا پھر بولی۔

”آپ اس رشتے سے انکار کر دیجیے آپ کو آپ کی

محبت کا واسطہ.....“ انتہائی بے بسی سے اس نے علی کے

سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ ”میں سب کے سامنے بے

بس ہوں اپنی سچائی اپنا عہد ثابت نہیں کر سکتی۔ آپ نے

مجھے میرے عہد کو پورا کرنے میں مدد

کریں پلیز.....“ علی نے ایک نظر روتی ہوئی دعا پر ڈالی اور

میزھیاں اتر گیا۔



اگلی صبح علی واپس اسلام آباد جا چکا تھا۔ اسے لگا تھا وہ

انکار کر دے گا رشتے سے پر یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ آج علی کو

مگئے تیسرا دن تھا جب اک دن اس کی امی نے اسے بتایا کہ

آج شام علی کے ساتھ اس کی منگنی ہے۔ بس چند قریبی

لوگ ہی ہوں گے اس کے ماموں پھوپھا جو وغیرہ اور علی

کی فیملی..... وہ تو کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔ اس کے

اعصاب جیسی شل ہو چکے تھے۔ وہ خاموشی سے وہاں سے

اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ کمرے میں جا کر

کھڑکی کے قریب بڑی کرسی پر بیٹھی اور سامنے دیوار پر لگی

خانہ کعبہ کی تصویر کو دیکھنے لگی۔

”میرا عہد مت ٹوٹنے دینا مولانا وہ عہد مجھے بہت پیارا

ہے۔ میری محبت اور میرا عہد میں کیا کروں مولانا؟“ الفاظ

لوٹ لوٹ کر اس کے لبوں سے ادا ہو رہے تھے۔ ”میں

تھک گئی مولانا مدد فرما۔ آپ ہی تو کہتے ہیں کہ مومن عہد

نہیں توڑتے۔ میری مدد فرما کہ یہ عہد نہ ٹوٹے۔ میں سب

آپ پر چھوڑتی ہوں۔“ وہ چہرے پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر

پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ باہر سے ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی

تھیں پھر کوئی اس کے کمرے میں آیا تھا۔ وہ اس کی کزن

زروئی تھی جس نے اسے جلدی باہر آنے کو کہا کیونکہ اسلام

آباد سے مہمان آچکے تھے۔ اس نے جواب میں صرف

ہوں کہا اور زروئی جلدی سے باہر نکل گئی۔ کچھ ہی دیر میں وہ

چینج کر چکی تھی بھی دروازے پر ہلکی سی دستک کے بعد کوئی

اندرا آیا تھا مگر وہ ہر احساس سے عاری سامنے دیکھنے میں

مگن تھی۔ اس نے بالکل سادہ سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔ اس

کے گلیے ٹھنکھریالے بال بھرے ہوئے اور کچھ ماتھے سے

چپکے ہوئے تھے۔ دوپٹا آدھا صوفے سے نیچے تھا اور آدھا

اس کے گھٹنوں پر اندازے والی جھانڈ زروئی اور اس کی باقی

کزنز تھیں۔ زروئی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور مہندی لگانے

لگی۔ اس نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ اس کی کزنز باتوں میں

مصروف تھیں کہ دعا خوش نصیب ہے۔ علی بہت ہنڈم اور

مال دار گھرانے سے ہے۔ کچھ علی کی فیملی پر تبصرہ کر رہی

تھیں مگر دعا جیسے یہاں تھی ہی نہیں۔ یہاں تک کہ زروئی

نے مہندی بھی لگادی مگر وہ ابھی تک اسی حالت میں بیٹھی

تھی۔ وہ جوں کی توں بیٹھی رہی۔ کمرے کا دروازہ کھلنے اور

پھر بند ہونے کی آواز نہ سن سکی۔ علی آہستہ قدموں سے

چلتا ہوا اس کے قریب پہنچا پھر دروازہ کھولا دعا کے سامنے

زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ پتھر کے مجسمے کی طرح ابھی تک ساکت

تھی۔ علی نے اسے پکارا مگر جواب نہ دیا لگتا تھا جیسے وہ یہاں

تھی ہی نہیں۔ علی نے دعا کا دوپٹا اٹھا کر اس کے سر پر ڈالا۔

تو وہ ایک دم سے ہڑبڑائی۔ سامنے بیٹھے علی کو دیکھا جو سر

اٹھائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا

جہاں مہندی لگی تھی پھر دیران آنکھوں سے علی کو دیکھا اور

سر جھکا گئی۔

”میرا وعدہ سچا تھا۔ آپ سمجھے نہیں.....“ وہ جیسے

خود کلامی کے سے انداز میں بولی مگر علی نے اس کا ہر

لفظ بغور سنا۔

”دعا.....“ علی نے پکارا۔ ”آپ کا عہد ضرور سچا

رہے گا۔ میں آپ کی کینیت سمجھ سکتا ہوں برا آپ میری

بات نہیں.....“ دعا نے علی کو دیکھا، ان آنکھوں میں

دیرانی سی تھی۔ ”دعا“ آپ جانتی ہیں شریعت میں منگنی کا

کوئی تصور نہیں۔ اگر میں رشتے سے انکار کرتا تو بھی آپ

کی شادی کہیں نہ کہیں ضرور ہوتی۔ منگنی ہونے کے بعد

بھی ہمارا رشتہ صرف دوستی کا رہے گا۔ میں آپ سے

شادی نہیں کروں گا۔ یہ منگنی صرف آپ کا ساتھ دینے

کے لیے ہے۔ میں نے آپ کو چاہا ہے اسی لیے مجھے

آپ کی خوشی عزیز ہے دعا..... آپ مجھ رہی ہیں ناں۔“

دعا ایک دم چوٹئی۔

”آپ مجھ سے محبت مت کریں علی..... آپ بہت

اچھے ہیں۔“

”کیا محبت کرنا نہ کرنا ہے بس میں ہوتا ہے؟“ اس کی

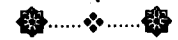
بات سن کر علی نے پوچھا اور دعا سر جھکا گئی۔



ہلکے گلابی رنگ کے کامدار چوڑی دار پا جاے اور پشواڑ میں دعا بہت پیاری لگ رہی تھی۔ علی نے دیکھا تو جیسے ہلکے چمکنا بھول گیا۔ دعا کو لاکر اس کے ساتھ بٹھایا گیا تو وہ چونکا اور جلدی سے تھوڑا فاصلے پر ہو گیا۔ اسے اپنا عہد یاد آ گیا۔ کچھ دیر میں منگنی کی رسم ہوئی دعا نے اسے اور اس نے دعا کو انگوٹھی پہنائی۔ سب اسے مبارک باد دے رہے تھے۔ ہر طرف شورش و شہسوار کے اندر گہری جلد خاموشی تھی۔ اسے دعا سے محبت ہوئی۔ وہ پاس لگتا تھا اسے اس لیے سب سے لڑکے اسے پانے کی کوشش کی مگر دعا ہوا کی طرح تھی اسے وہ اپنے گرو غوسوں کو کر سکتا تھا مگر اسے پکڑنا اسے مٹھو نا اس کے بس میں تھا۔ وہ دعا کا ساتھ ضرور دے گا۔ یہ عہد اس نے خود سے کیا تھا کہ محبت صرف دعا نے ہی نہیں علی نے بھی کی تھی۔ ویسی ہی محبت جیسی دعا نے حمدان سے کی تھی بالکل ویسی ہی محبت علی نے دعا سے کی تھی۔



وقت تھوڑا سا آگے سرکا۔ دعا کے ایگز امز بھی ہو گئے اور وہ پاس بھی ہو گئی بی ایڈ میں۔ کبھی بہت مضطرب ہوتی تو زیادہ سے زیادہ وقت رب کے سامنے گزار کر اپنے عہد کو وفا کرنے میں اپنے رب کی مدد کو پکارتی تھی۔ وہ اللہ کی مدد کے بنا کچھ نہ کر سکتی تھی اسی نے تو اسے اتنا پیارا دوست دیا تھا۔ وہ اکثر علی سے اصرار کرتی تھی کہ شادی کر لو اور وہ کہتا پھر آپ کا کیا ہوگا تب وہ کہتی اچھا ابھی رہنے دو میرے جانے کے بعد کر لیٹا۔ وہ جواب میں کچھ نہیں کہتا تھا۔ میں اس کو بھولنا چاہوں تو کس طرح عادل جو میری ذات میں زندہ ہے خود میری ذات ہونے تک



وقت کا کام گزرتا ہوتا ہے۔ دعا نے اسے کچھ عرصہ کا کہا تھا مگر آج دو سال گزرنے کے باوجود نہ حمدان نے خود رابطہ کیا تھا اور نہ ہی اس کی رابطے کی کوئی کوشش کامیاب ہوئی تھی۔ حمدان کے دل تو بہت مصروفیت بھرے گزر جاتے مگر اکثر باتیں وہ دعا کی یادوں میں اسے سوچ سوچ

کر گزرتا۔ شروع میں ایمان نے اس کے رویہ کی وجہ سے کئی بار جھگڑا کیا مگر پھر حمدان کی خاموشی سے سمجھتا کر لیا۔ ایمان حمدان کی تنہائیوں کی سانس تھی۔ وہ اسے شروع سے جانتی تھی۔ شادی سے پہلے اور بعد میں بھی حمدان اس کا بہت خیال رکھتا تھا، بہت محبت سے پیش آتا۔ ایمان حمدان سے محبت کرتی تھی۔ اسے پالیا تو خود کو دنیا کی خوش نصیب عورت تصور کرنے لگی۔ وہ خوش تھی ہر کام حمدان کی پسند کا کرتی لباس تک اس کی پسند سے پہنچتی اور حمدان بھی بہت تعریف کرتا۔ مگر پھر اچانک کچھ ایسا ہوا کہ حمدان بدل گیا کچھ تھا جو پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ حمدان کا ایمان کے ساتھ آج بھی رویہ بہت نرمی لیے ہوتا مگر ایمان جتنی بھی پیاری لگ رہی ہوئی حمدان کی نظروں میں وہ رنگ نہیں اترتے جو شادی کے شروع دنوں میں دیکھ کر وہ نہال رہتی تھی۔ کچھ ایسا ہوا تھا جس نے حمدان کے اندر اضطراب بھردیا تھا۔ حمدان ایمان کے ساتھ ہو کر بھی وہاں نہیں ہوتا تھا۔ ایمان کو لگتا وہ جیسے خود کو کہیں رکھ کے بھول گیا ہو۔ اکثر وہ ساری ساری رات گھر سے غائب رہتا اور اگر گھر میں ہوتا تو بہت بے چین پھرتا یا گاؤں میں اسٹڈی روم یا پھر برآمدے کی نشستوں پر..... یوں لگتا تھا جیسے گرمی سردی کی اسے کوئی پروا نہ تھی۔ ایمان عورت تھی اس کی بیوی اس کی شریک سفر۔ جب حمدان اس کے ساتھ ہو کر بھی ساتھ نہ ہوتا تو وہ بے چین ہو جاتی۔ اسے کھونج رہنے لگی کہ کہاں پر اور کیا بدلا ہے۔ سال بھر پہلے جب حمدان رات کو بے چین ہو کر وضو کر کے اسٹڈی روم میں گیا تو اس کے جانے کے کچھ دیر بعد ایمان بھی اس کے پیچھے گئی۔ اسٹڈی روم ہلکا سا کھلا تھا۔ حمدان سلام پھیر رہا تھا پھر اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ ایمان نے دیکھا وہ رو رہا تھا۔ اس کا حمدان اس کا محبوب شوہر رو رہا تھا۔ اس نے اپنی ساری سمجھتیں حمدان کے لبوں سے پھسلے لفظوں پر لگا دیں۔ وہ کہہ رہا تھا۔

”اے پروردگار عالم میرے گناہوں کو بخش دے۔ میں نے تیرے نام سے دعا سے جو عہد باندھا اس کو پورا کرنا چاہتا ہوں پر اس کی کوئی خبر نہیں۔ آج دعا سے مجھے

عشق ہے پر وہ اب مجھ سے بات ہی نہیں کرتی۔ اپنی ساری بے چینیوں اس نے مجھے سوچ دی ہیں۔ کل میرے جھوٹ پر اسے یقین تھا آج میرا سچ وہ کیوں سننا نہیں چاہتی۔“

ایمان اس سے آگے سن ہی نہیں پائی اور اپنے بے جان ہوتے وجود کو بے شکل ٹھہرنے ہوئے اپنے بند کٹا آئی۔ اس کی حالت لٹے ہوئے مسافر کی سی تھی۔ اس کا محبوب شوہر اس کا ہو کر بھی اس کا نہ تھا۔ اس کے پاس تو حمدان کا خالی وجود تھا روح تو دعا کے پاس تھی۔

”تو حمدان سید..... آپ کی ساری بے چینیوں ساری دفا ئیں ساری جھنجھیں اس عورت کی ہیں جس سے آپ نے کوئی عہد باندھا تھا۔ میری مجبوری یہ ہے حمدان سید کہ میں آپ کو چھوڑ بھی نہیں سکتی۔ پتا نہیں مجھے دعا سے نفرت کرنی چاہیے یا نہیں۔ وہ عورت ہو کر بھی عورت کا دکھ نہیں سمجھتی یا محبت نے سمجھنے نہ دیا۔ میرے دل میں اس کے لیے پتا نہیں کیوں کہیں کوئی نفرت نہیں شاید اس لیے کہ وہ آپ کی محبت ہے اور آپ میری محبت میرے شوہر ہیں اور میاں بیوی تو لباس کی طرح ہوتے ہیں جس طرح لباس وجود کی تمام خوب صورتیوں اور بد صورتیوں کو چھپاتا ہے اور تحفظ فراہم کرتا ہے۔ میاں بیوی کا رشتہ بھی ویسا ہی ہے۔ میری آپ سے محبت پہلے سے بھی بڑھ کر ہے پر میں شاید بھی آپ کو پتا نہیں پاؤں گی کہ میں آپ کے راز سے واقف ہوں مگر پھر بھی آپ سے محبت کرتی ہوں کہ میرے بس میں صرف چاہتا ہے چاہے جانا میرے بس میں کہاں.....“ ایمان کی سوچوں کا تسلسل ریان کے رونے کی آواز سے ٹوٹا تھا۔ وہ بے بی کاٹ کے پاس آئی جہاں اس کا ڈیڑھ سالہ بیٹا بھوک سے رو رہا تھا۔ اس نے جھک کر اسے پیٹنے کو اٹھایا اور اپنی ہاتھوں میں بھر لیا۔ ماں کے وجود کی گرمی کو محسوس کرتے ہی ریان خاموش ہو گیا۔ ایمان کو لگا اس کی کل کائنات تو اس کی ہاتھوں میں ہے۔ اس سوچ نے اس کی رہی سہی بے چینی کو بھی ختم کر دیا تھا۔



وہ کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی جب اسی کی پکار پر پلٹ کر دیکھا۔

”بی امی۔“ دعا نے کہا۔

”بیٹا تمہارے بھائی کا فون تھا۔ انہوں نے تمہیں اپنے پاس لاہور بلایا ہے تمہاری بھالی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔“ دعا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ”تم فارغ ہو کر اپنی پیکنگ کر لو۔ علی شام کو آئے گا کل تم اسی کے ساتھ چلی جانا۔“ علی آج کل لاہور میں ہی تعینات تھا۔

”بی امی۔“ دعا نے کہا اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

آج کل گھر میں دعا اور علی کی شادی کی باتیں ہو رہی تھیں۔ دونوں گھروں کو ہی جلدی تھی جب کہ دعا مضطرب تھی مگر وہ حمدان سے رابطہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس نے پیکنگ کرنے کے بعد نام دیکھا۔ سوا دس بج چکے تھے اس نے سیل فون آن کیا۔ ہینڈ فری لگائے اور کھڑکی کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ کر سننے لگی۔ آج پتا نہیں کیوں حالت عجیب سی تھی۔ شو شروع ہو چکا تھا حمدان ایک نظم پڑھ رہا تھا۔

چلو اک اور دنیا میں

تمہارے ساتھ چلتے ہیں

جہاں حالات کچھ بھی ہوں

مگر ہم ساتھ رہتے ہیں

جہاں موسم کوئی بھی ہو

جدائی کا نہ ہو لیکن

جہاں یہ چاند بھی تم ہو

جہاں سورج ہو آرونی

خوش ہو کارنگ تم سے ہو

جہاں ہر دل دھڑکنے کا

ہر ایک احساس تم سے ہو

جہاں پر میرے جیسے کی

ساری آس تم سے ہو

چلو اک اور دنیا میں

نہاڑے ساتھ چلتے ہیں

حمان کا ہر لفظ اب دعا کے لیے ہوتا تھا مگر عاب اس کے لفظوں میں خود کو نہیں ڈھونڈتی تھی کہ جب اس نے حمان کے لفظوں میں خود کو ڈھونڈا تھا تو سوائے دکھ کے کچھ نہ ملا تھا۔ اس نے سارا شونہ اور پھر رات بھر گاتی رہی۔ آج اس کے ساتھ عجیب سا ہورہا تھا۔ جو بھی دیکھتی یا سنتی ہوں لگتا آخری بار دیکھ یا سن رہی ہو۔ وہ سوئی نہیں بس بھی کبھی کبھار میں چکر لگاتے لگتی۔ اس نے ڈائری لکائی اور لکھنے لگی۔

”اے پروردگار..... تو شاہ جی کو ہمیشہ خوش رکھنا۔ پتا نہیں کیوں آج میرا ان سے بات کرنے کو بہت دل کر رہا ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے میں ہر کام آخری بار کر رہی ہوں پھر کبھی نہ کر پاؤں گی۔ یا اللہ پاک..... شاہ جی کو مطمئن کرو دینا۔ وہ ایک مکمل خوش گوار ازدواجی زندگی بسر کریں۔ میں نے انہیں معاف کیا تو بھی معاف فرما، ہم سب پر رحم فرما آمین۔“



ان کی گاڑی پنڈی بھیاں انٹر چینج سے لگی تھی۔ رات تقریباً پونے دس کا ٹائم تھا جب اس نے اپنے ہینڈ بیگ سے ڈائری نکال کر علی کی جانب بڑھائی اور بولی۔

”علی..... آپ اسے اپنے پاس رکھ لو اگر میں نہ ہوں تو آپ یہ حمان کو دینا۔ اس میں ان کا نمبر ایڈریس اور تصویر بھی ہے۔“ علی نے ڈائری پکڑتے ہوئے اسے دیکھا اور بولا۔

”دعا..... بہت فضول باتیں کرتی ہوتی.....“ اس نے

اس درجہ حوادث سے خائف ہے میری ہستی ہر لفظ لکھتا ہے ہونٹوں سے دعا ہو کر
Always be happy dearest
فی امان اللہ۔

حمان نے ایس ایم ایس پڑھتے ہی کال کی تھی پر دعا نے ریسپونڈ نہیں کی اور سیٹ کی پشت سے سر دکھایا اور آنکھیں بند کر لیں۔ ڈیش بورڈ پر رکھا اس کا موبائل فون پھر بج رہا تھا۔ علی نے اسے دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھایا۔ آن کر کے کان سے لگایا دوسری طرف کوئی بہت بے قراری سے بولا تھا۔

”پلیز دعا۔ میری بات سن لو۔ مجھے تم سے تمہارے عشق سے بھی زیادہ عشق ہے۔ میں تمہیں تمام رسوں اور شریعت کے مطابق اپناؤں گا۔“ وہ بول رہا تھا اور علی دعا کو دیکھ رہا تھا جس کی بند پکوں سے آنسو گر رہے تھے۔ علی کی نظریں دعا پر اور ساتتیں حمان شاہ کے لفظوں کی طرف تھیں۔ پیچھے سے ایک ٹرک ڈرائیور نے اور ٹیک کرنے کی کوشش میں گاڑی کو ٹکر ماری تھی۔ علی نے کار سنبھالنے کی کوشش کی مگر گاڑی دوڑ تک ٹرک کے ساتھ ٹکرائی ہوئی تھی۔ ٹرک ڈرائیور تو فرار ہو گیا۔ ان کی کار الٹ گئی تھی۔ علی نے بمشکل تمام وہاں سے خود کو نکالا اسے کافی چوٹیں آئی تھیں۔ دعا ابھی تک اپنی کار میں بے ہوش پڑی تھی وہ شدید زخمی تھی۔ سوڑے پرگشت پر ماسور پولیس فوراً وہاں پہنچی اور علی کی مدد سے دعا کو نکالا اور دونوں کو فوری اسپتال لے گئے۔ علی کو یوں تو کافی چوٹیں آئی تھیں مگر کوئی بھی چوٹ خطرناک نہ تھی۔ وہ ٹھیک تھا اسے ماتھے اور ہاتھ پر ہی جھجکا تھا مگر دعا کی حالت سیریس تھی وہ آئی سی یو میں دعا کیوں مانگ رہا تھا۔



وہ کل سے شدید خطرہ میں تھا۔ احساسات عجیب سے ہورہے تھے۔ لگتا تھا جیسے اس کا کچھ کھو گیا ہو کچھ

بہت قیمتی۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ سامنے ٹی وی چل رہا تھا مگر اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ وہ بے چین تھا بھی اس کے موبائل فون کی بپ ہوئی اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی سیل اٹھا کر آج بھی اس امید سے چپک کیا کہ شاید دعا کا میج ہو اور آج اس کی امید سچ ثابت ہوگی۔ ایس ایم ایس دعا کا ہی تھا۔ اس نے میج پڑھتے ہی کال کی مگر دعا نے ریسپونڈ نہیں کی۔ اس نے جب بار بار کال کی تو ریسپونڈ نہ کی مگر وہ بولی نہ تھی۔ وہ بہت کچھ کہہ رہا تھا بھی عجیب سا کچھ ہوا تھا شاید کوئی حادثہ ہوا تھا وہ کافی دیر لپٹا رہا مگر کوئی جواب نہیں آیا اس کی بے چینی حد سے سوا ہو گئی تھی پھر ایک مردانہ آواز ابھری تھی۔

”حمان..... میں علی بول رہا ہوں۔ پنڈی بھیاں انٹر چینج سے ٹھوڑے فاصلے پر ایک ہیڈنٹ ہوا ہے۔ دعا کی حالت ٹھیک نہیں اسے اسپتال لے جا رہے ہیں۔“ اتنا کہہ کر کال ڈراپ کر دی گئی تھی۔ حمان فوراً اپنی کار لے کر گھر سے نکلا تھا۔ تقریباً رات بارہ بجے کے قریب پنڈی بھیاں پہنچی مگر اس نے دعا کے نمبر پر کال کی جو کچھ دیر بعد ریسپونڈ کر لی تھی۔ علی سے پتا چھ کہ وہ اسپتال پہنچا۔ وہاں پہنچ کر پھر علی کو فون کیا علی اسے ایمرجنسی وارڈ میں لے گیا تھا۔ وہ دعا کو دیکھنے کے لیے بے چین تھا مگر دعا کے پاس جانے کی اجازت کسی کو نہ تھی۔ علی نے گھروالوں کو بھی مطلع کر دیا تھا۔ حمان کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ علی نے پتا نہیں کیا کہا کہ ڈاکٹر ز حمان کو دعا کے پاس جانے کی اجازت دے دی۔ حمان آہستہ قدموں سے چلتا ہوا دعا کے قریب پہنچا۔ دعا کے سر پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اس کی گردن پر گہرا زخم کا نشان تھا۔ اسے کار کا شیشہ ٹوٹ کر لگا تھا۔ دعا کی آنکھ کے پاس بھی تقریباً ڈیڑھ انچ زخم کا نشان تھا۔ اس کی سفید رنگت زرد ہو گئی تھی۔ حمان کو اس کی بند آنکھوں سے وحشت ہونے لگی۔ وہ اس کے پاس ہی بیڑ پر بیٹھ گیا اور اس کا ہاتھ اپنے دوڑوں ہاتھوں میں لے کر غور سے دعا کو دیکھا۔

”دعا..... انٹو مجھے تم سے بہت سے باتیں کرنی ہیں۔“

ان دو سالوں کی ہر بات بتاتی ہے جو تمہارے بعد مجھ پر گزری..... تم اب مجھ سے دور نہیں جا سکتیں۔“ اس نے علی کو دیکھا اور بولا۔ ”علی پلیز..... آپ اس سے کہیں نا کہ یہ اٹھے اور مجھ سے بات کرے۔“ وہ پھر دعا کو دیکھنے لگا اور خود کلائی کے سے انداز میں بولا۔ ”دعا..... تم نے کہا تھا شاہ جی میں آپ سے عشق کرتی ہوں تو تمہیں اس کا واسطہ اٹھو..... میرے دل کی دھڑکن بند ہو جائے گی۔ ایسے چپ مت رہو۔ میں نے تمہیں بہت تنگ کیا تم مجھے تنگ مت کر دو پلیز دعا۔“

علی نے حمان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا حمان نے اک نظر دیکھا اور پھر دعا پر جھکا اس کے پیٹوں میں جکڑے ماتھے پر اپنے لب رکھ دیئے پھر سیدھا ہوا دعا کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگایا اور بے بسی سے دعا کو دیکھنے لگا۔ علی بمشکل حمان کو باہر لایا تھا کیوں کہ دعا اور علی کے گھر والے کسی بھی وقت آ سکتے تھے۔



دعا کا چھوٹا بھائی حمزہ اور ابوا گئے تھے۔ دعا کی امی کوئی الجال حادثے کا نہیں بتایا گیا۔ علی کے گھر والے بھی آگئے تھے۔ وہ لوگ دعا کے کمرے کی طرف بڑھے تو علی اور حمان رک گئے تھے۔

”حمان پلیز..... آپ خود کو سنبھالیے اس موڑ پر آ کر آپ کی محبت بدنام ہو یقیناً آپ نہیں چاہیں گے۔ آپ کی ایسی حالت دیکھ کر سب سوال ضرور کریں گے۔ سو پلیز.....“ علی نے حمان سے کہا ابھی وہ کچھ اور بھی کہتا کہ حمزہ تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔

”علی بھائی..... آپ کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے۔“ یہ سنتے ہی علی تیزی سے ڈاکٹر کو بلا لایا۔ ڈاکٹر نے سب کو دعا کے پاس بٹا دیا تھا۔ کارڈیور کے خفزش پر دعا کے ابو حمزہ ریز ہو کر مالک حقیقی سے اپنی بیٹی کی سلامتی کی دعا مانگ رہے تھے مگر شاید دعاؤں کی قبولت کا وقت گزر چکا تھا۔ بھی ڈاکٹر ان کے قریب آ کر سب نے سوالیہ نظروں سے ڈاکٹر کو دیکھا تھا۔ ڈاکٹر نے پیشہ ورانہ انداز

میں کہا تھا۔
”آئی ایم سوری..... شی ازنو مور.....“ ڈاکٹر کہہ کر

جا چکا تھا۔ دعا کے ابو مگر نے کے سے انداز میں بیٹھ گئے۔
ان کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔ انہیں
اپنی بیٹی سے بہت محبت تھی، بس کبھی کہا نہیں آج وہ محبت
سامنے بھی مگر اس سے دیکھنے والی تھک ہار کر اپنی آنکھیں
ہمیشہ کے لیے بند کر چکی تھی۔ تمام کارروائیاں پوری
کرنے کے بعد دعا کی میت لے کر وہ سب تقریباً صبح
سات بجے کے قریب گھر پہنچے۔ دعا کے بڑے بھائی عمر
بھی ابھی پہنچے تھے اور قریبی عزیز گھر میں جمع تھے۔ دعا کی
امی کو کچھ دیر پہلے ان کی بیٹی کی موت کی خبر سنائی گئی تھیں وہ
تب سے بے ہوش تھیں۔ دعا کی نانوجھریوں زندہ چہرے
پر بے شمار آنسو لیے اپنی بوڑھی آنکھوں سے اپنی سب
سے پیاری نواسی کے بے جان وجود کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ
اکثر کہتی تھیں۔

”نانو..... امی مجھ سے پیار نہیں کرتی ناں پتا ہے ناؤ
آپ کے وجود میں ان سب کی محبت کی گرمی کو محسوس کرتی
ہوں۔ بس آپ وہ واحد ہستی ہیں جو مجھ سے پیار کرتی
ہیں۔ ناؤ آپ دیکھنا ایک دن سب مجھ سے کہیں گے کہ وہ
مجھ سے پیار کرتے ہیں پر تب میں نہیں سنوں گی۔ ناراض
ہو جاؤں گی سب سے.....“ تب انہوں نے مسکراتے
ہوئے دعا کے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور بولیں تھیں۔
”میری بیٹی..... تُو بہت پیاری ہے بھی ناراض
نہیں ہوتی۔“

”پر دیکھنا آپ ناؤ..... میں ہو جاؤں گی ناراض.....“
دعا نے کہا تھا اور آج وہ ناراض تھی سب اس کے لیے اشک
بار تھے پروہ نہیں سن رہی تھی اس کی امی کو ہوش آ گیا تھا وہ
اپنی بیٹی کے بے جان وجود کو چومتے ہوئے اپنی ممتا کا
یقین دلا رہی تھیں۔

”دعا..... تم جب جا رہی تھیں تو میں نے تمہیں بھائی
بھائی گل سب کا خیال رکھنے کو کہا۔ تمہارا خیال رکھنے کو نہیں
کہا تو تم نے رکھا بھی نہیں۔ کیوں دعا کیا تم نے اپنی ماں

کے دل کی آواز کو نہیں سنا تھا؟ اٹھو ناں دعا تمہاری ماں
پوری کائنات میں سب سے زیادہ تم سے پیار کرتی ہے۔“
ان کی آنکھوں سے آنسو دعا کے بے جان وجود پر گر رہے
تھے پر اب دعا ہر احساس سے دور جا چکی تھی۔ سفید نق میں
لپٹے اس کے معصوم وجود کو دیکھ کر ہر آنکھ اشک بار تھی۔ نماز
جنازہ کے بعد اسے اس کے آخری ٹھکانے پر لے گئے تو
عمر کو یاد آیا دعا کو قبرستان سے بہت ڈر لگتا تھا۔ عمر دعا سے
پانچ سال بڑا تھا۔ دعا جب چھ سال کی تھی تو ایک بار وہ
قبرستان آئی تھی اور قبرستان میں داخل ہوتے ہی وہ عمر کی
ناٹکوں سے چپک گئی تھی اور اب وہ اس کے وجود کو قبر میں
انارہے تھے۔ تب بھی وہ چپ چاپ تھی عمر کو لگا وہ اٹھے
گی اور کہے گی۔

”بھائی..... مجھے یہاں ڈر لگتا ہے مجھے گھر لے چلو۔“
پر دعا نے کچھ نہیں کہا تھا۔ اس کے سب پیاروں نے اس پر
مٹی ڈالی تھی۔ وہ مٹی بھی مٹی میں مل گئی۔ ہر چیز کو فنا ہے
سوائے رب کی ذات کے۔ وہ مرنے مگر سب کے دلوں میں
اپنی محبت چھوڑ گئی تھی۔ وجود مٹ گیا تھا۔ اخلاق و محبت
زندہ تھے کئی دلوں میں اس کے پیارے اسے دفنانے کے
بعد شکستہ قدموں سے واپسی کی جانب محو سفر تھے۔
زندگی کی بساط بس اتنی ہی ہے۔



حمان گھر پہنچ کر اسٹڈی روم میں بند ہو گیا تھا۔ وہ کل
رات گھر سے نکلا تھا اور آج شام لوٹا تھا۔ ایمان کئی بار اسے
فون کرنے کی کوشش کر چکی تھی مگر اس کا نمبر بند تھا۔ وہ
پریشان تھی اور جب وہ لوٹا تو بنا دیکھے اسٹڈی روم کی جانب
بڑھ گیا تھا۔ پیچھے سے اسے پکارا بھی تھا اس نے ایک پل
رک کر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے دروازہ بند کر لیا تھا۔ ایمان
کو اس کی آنکھیں اور چہرہ دیکھ کر لگا تھا جیسے وہ سب کچھ ہار
گیا ہے۔ اس کی سرخ آنکھیں مکمل اجنبیت لیے ہوئے
تھیں۔ ایمان کو لگا وہ اپنے حواسوں میں نہیں۔ حمان
دروازہ بند کر کے میز کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھا ہاتھ میں
پکڑی ڈائری پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔

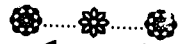


بارگاہ
طابینہ مغنل

رہ طلب کے تقاضوں سے آشنا ہی نہ تھے
نماز عشق و گرنہ نہ ہم قضا کرتے
میرے تکلم میں گر ٹھہرتا تو
بیاں ہم بھی اس سے دل کا مدعا کرتے

محل سے دینی کہ وہ کیتھولک انگریز ہے جن کی روایات مشرق جیسی ہوتی ہیں۔
”نیتا تم نے آج پھر ساری کلاسز مس کر دیں۔“ اس نے انتہائی شستہ انگریزی لہجے میں بات کی جبکہ میں ہمیشہ بڑے ہوئے امریکیوں کی تباہ شدہ انگریزی میں بڑے فخر سے لوگوں کو متاثر کرتی تھی۔ ہم میں کچھ بھی ایک جیسا نہ تھا پھر بھی کوئی تعلق کی ڈور ایسی ضرور تھی جس نے ہمیں ایک دوسرے سے باندھ رکھا تھا۔
”مارتا تم مجھے پھر مت دیا کرو ایک تو پہلے ہی میرا موڈ آف ہے۔“ ڈیوڈ نے آج ضرورت سے زیادہ دیر کر دی تھی اور آج ڈیوڈ کے ساتھ ڈیوڈ پر جانا تھی اور مارٹھا کی مداخلت بری لگ رہی تھی ابھی میں مارٹھا سے جان چھڑانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ مارٹھا میری ناگواری بھانپ گئی کہ میرا موڈ ڈیوڈ کے نا آنے سے خراب ہے۔
”مارٹھا..... ڈیوڈ تمہارے لیے اچھا نہیں ہے اور.....“
”مارٹھا پلیز تم پرسنل ہو رہی ہو۔“ میں نے اس بار

گھڑی کی ٹنگ ٹنگ میرے اعصاب پر ہتھوڑے برسا رہی تھی مجھے اپنے اعصاب سے جنگ کرتے ہوئے پہلے ہی بہت دن بیت چکے تھے۔ خالی کمرہ اداس لہجے میں تنہائی اور لا چاری نے مجھے خود ترسی میں مبتلا کر دیا ہے۔ بے بسی کی انتہا پر پہنچ کر میں نے اپنے بال نوچے اور دہلی دہلی سسکیوں نے چیخوں کی شکل اختیار کر لی اور ان چیخوں نے ایک لفظ کی تکرار کی شکل اختیار کر لی اور پھر مجھے خود بھی پتا نہ چلا کہ میری زبان اللہ کا ورد کرنے لگی اور اس لفظ نے میرے اعصاب کو پڑ سکون کر دیا تھا۔ کیا ہے اس ایک لفظ اللہ میں۔



”ہیلو نیتا۔“ مارٹھا کی آواز پر ناگواری نے میرے وجود کا گھبراؤ کر لیا تھا اس کی جانب دیکھے بغیر مجھے یقین تھا کہ اس نے گاؤن نمائیسی پہن رکھی ہوگی اور ہمیشہ کی طرح اسے میرے ٹاپ سیلیس بلاؤز اور منی اسکرٹ پر اعتراض ہوگا لیکن وہ بھی مجھے میرے لباس پر نوکتی نہ تھی مگر میں ہمیشہ اس کا مذاق اڑاتی جس کا جواب وہ ہمیشہ

”تو دعا..... تم کب کب مجھ سے ناراض ہو گئیں؟ ایک بار میرا اعتراف تو سن لیتیں۔ تم نے کہا تھا تم فرار اختیار کرو گی۔ تم کسی کو تو چنٹیں..... اپنے گھر والوں کو ہی چن لیتیں پر زندہ رہیں۔“ اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ ان ہاتھوں میں اس دعا کا چہرہ تھا تھا۔ انہی ہاتھوں میں اس نے کئی گھنٹے دعا کا ہاتھ تھا میرے رکھا تھا پھر انہی ہاتھوں نے اس پر مٹی بھی ڈالی تھی اور مغفرت کی دعا کے لیے بھی یہی ہاتھ اٹھائے تھے۔ اس نے سانسے رکھی ڈائری کو کھولا اس کا ہر لفظ محبت میں ڈوبا تھا اور وہ محبت اس کے لیے اس کے اپنوں کے لیے تھی۔ وہ کتنی تھی۔

”حمدان! آپ کو مجھ سے محبت نہیں اگر ہوتی تو میرے اپنوں کو آپ اپنا سمجھتے ان کی عزت کرتے۔ جیسے میں آپ سے وابستہ ہر چیز سے محبت کرتی ہوں چاہے وہ جان دار ہو یا بے جان۔ آپ کے گھر والے ہوں آپ کا گھر آپ کا شہر یا کچھ بھی جو آپ سے وابستہ ہو۔“

”دعا..... مجھے محبت ہے تم سے..... اور تم سے وابستہ ہر چیز سے.....“ وہ بول رہا تھا مگر جو سننا چاہتی تھی وہ منوں مٹی تلے جاسوئی تھی۔ اس کے اعترافات اب اسے واپس نہیں لاسکتے تھے۔



آج دعا کو اس دنیا سے گئے کئی سال ہو گئے تھے۔ اس کی محبت میں اس کے بھائی عمر نے اپنی بیٹی کا نام دعا رکھا تھا جو اپنی دادو کے پاس رہتی تھی اور سب کی جان تھی۔ حمدان نے اپنی بیٹی کا نام دعا رکھا تھا کہ وہ دعا کی بے پناہ عزت کرتا تھا۔ ایک دعا علی کی بیٹی تھی۔ سب اپنی اپنی زندگی میں مصروف تھے مگر آج بھی ہر پختہ حمدان کی گاڑی شہر خوشال کی جانب آتی تھی جہاں دعا سو رہی تھی۔ دعا کی قبر پر تازہ سرخ پھول رکھتا۔ بہت سی باتیں شیئر کرتا کچھ خاموش آنسو دعا کی قبر کی مٹی کی نذر کرتا اور تھکے قدموں سے لوٹ جاتا کہ سننے والی اب خاموش تھی۔ محبوبوں کا اقرار کروینا چاہیے کہ زندگی کا کیا بھرپور جہاں آپ کی زندگی میں اہم ہیں انہیں ضرور ان کی اہمیت کا یقین دلانا چاہیے کہ



اسے غصے سے دیکھتے ہوئے بات کاٹی۔

”میں جانتی ہوں کہ کسی کی پرائیویسی میں مداخلت کرنا بری بات ہے مگر میں تمہیں اپنی دوست سمجھتی ہوں۔“

”تم اپنی سمجھ اپنے پاس رکھو میں کوئی دودھ پیتی بنی نہیں ہوں۔“ میں ابھی شاید اس کو اور بھی کچھ سنائی مگر ڈیوڈ کو دور سے آتا دیکھ کر میں نے اپنے موڈ کو خوشگوار بنایا اور ڈیوڈ کی جانب بڑھ گئی۔ مارٹھانے تاسف سے اس کی پشت کو دیکھا اور پھر سرجھٹک کر کالج کی عمارت کی طرف چل دی۔

.....

”زہبی ڈارلنگ کہاں ہو تم؟“ سکندر باہر سے لاک کھول کے اپنی بیوی کو آوازیں دیتا اندر آیا۔ زہبی اس وقت ایک سرسبز کرکے فارغ ہوئی تھی اور جوس لے کر صوفے پر نیم دراز بلا مقصد ڈی وی کے چینل بدل رہی تھی۔ سکندر کی آواز پر اس کی پوزیشن میں کوئی فرق نہ آیا بلکہ اس نے وہیں سے اس کو جواب دیا۔

”ہنئی میں لاؤنج میں ہوں یوں آتے ہی چلایا مت کرڈ پڑوسی بھی شکایت کرتے ہیں۔“ سکندر نے پیک شدہ کھانا ٹیبل پر رکھا اور خود بھی صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ آج اتوار تھا اور دونوں ہی گھر پر آرام کر رہے تھے سکندر گروسری اور کھانا لینے مارکیٹ گیا ہوا تھا۔

”زہبی ڈارلنگ..... کل سے رمضان شروع ہونے والے ہیں۔“ زہبی نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور حیرت سے پوچھا۔

”تمہیں کیسے پتا چلا“ کیا پاکستان میں کسی سے رابطہ ہوا؟“

”نو ہنئی..... اسٹور پر مسلمانوں کے لیے خاصی ڈسکاؤنٹ سیل گئی ہوئی تھی مجھے اچھے خاصے سٹے داموں سب سامان مل گیا۔“

”تو پھر کیا کیا جائے میرا تو بی بی بہت لوہور ہا ہے ان دنوں تو کیا تم روزہ رکھو گے؟“ وہ طنزیہ ہنسی۔ سکندر

نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اٹھ کر پیک شدہ کھانا نکالنے لگا لیکن اس کی خاموشی میں کچھ خاص تھا جس کو زہبی محسوس نہ کر پائی۔

.....

”اٹھ جاؤ پتر بخت“ پھر سحری کا وقت گزر جائے گا۔“ اماں سارے بچوں کو اٹھا چکی تھیں سراج اور معراج تو سحری کھا کے مسجد چلے گئے تھے حالانکہ بابا جان جب سختو کو اٹھانے آئے تھے تو اس کے کان بھی کیچھے تھے وہ اٹھ کر بیٹھا تھا مگر بابا جان کے جانے کے بعد پھر سو گیا تھا۔

”شادش پتر اٹھ جا اللہ دی نعمت داشکر کر اور رحمت نال تسکین پا“ ناشکری نہیں آزمائش میں نہ ڈال دے۔“ سختو آنکھیں سسلے ہوئے اماں کے پیچھے باورچی خانے کی چوکی پر آ بیٹھا اماں نے اس کی چٹگری میں پڑا پھار کھا اور کٹوری میں دی ڈالا سختو تیزی سے کھانے لگا۔

.....

”تم آج آخر چلی کیوں نہیں جاتی روز کیوں آ جاتی ہو۔ مجھے میری مجبوری لا چاری کا احساس دلانے یا میری بدصورتی کا مذاق اڑانے“ مت آیا کرو۔ مر جانے دو مجھے اسی تنہائی میں تمہیں دیکھ کر مجھے اپنے آپ سے گھن آنے لگتی ہے۔ میں جانتی ہوں تم مجھ سے جلتی ہو یہ تمہاری ہی بری نظر ہے جو آج میں ایسی ہوں آج تم اپنی برتری مجھ پر جتانے آئی ہو۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے گیٹ لاسٹ.....“

لیکن وہ تو جیسے کوگی بہری بنی ہوئی تھی میری کوئی بھی بات اس کو مشتعل نہ کر رہی تھی بلکہ وہ اور بھی تیزی سے ہاتھ چلاتی ہوئی کمرے کو صاف کر رہی تھی۔ صفائی سے فارغ ہو کر اس نے کھانا پکایا اور پھر جب میرے کپڑے تبدیل کرنے وہ پاس آئی تو میں نے اس کو ہاتھوں سے پرے دھکیلنا چاہا۔

”تمہارے دھکے دینے سے میں نہ تو یہاں سے جاؤں گی اور نہ ہی تمہارے کپڑے تبدیل کیے بغیر چھوڑوں گی۔ تم جانتی ہو کہ میں بازنس آؤں گی پھر کیوں

اتنا جتنی ہو خاموش رہو اور مجھے اپنا کام کرنے دو۔“ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش کروایا اور اپنا کام تیزی سے کرتی رہی۔

.....

”اگر مارٹینا ڈیوڈ کی پہلی گرل فرینڈ نہ تھی تو ڈیوڈ بھی کوئی مارٹینا کا پہلا بوائے فرینڈ نہ تھا لیکن ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ ڈیوڈ کے ساتھ شرم و حیا کی تمام حدود پھلانگ گئی تھی۔ مغربی معاشرے میں یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی اب وہ دونوں بر ملا ایک ہی فلیٹ میں رہتے ہلا گلا پارٹنر مخلوط گیدرنگز اور شراب پینا ان کی معاشرت کا معمول تھا۔ مارٹینا نے تعلیم ادھوری چھوڑ دی تھی والدین کو تو وہ ویسے بھی بہت پہلے چھوڑ چکی تھی پر وہ ان سے ملنے کے لیے تھوڑا وقت نکالتی تھی تو اس وقت جب اسے پیسوں کی کمی کا سامنا ہوتا۔

.....

”زہبی میں سوچ رہا ہوں کہ ہم واپس پاکستان شفٹ ہو جائیں۔“ سکندر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”اوہ مائی گاؤ.....! سکندر تمہیں کیا ہوتا جا رہا ہے آخر تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا؟ وہاں کے لوگ امریکا میں آنے کے لیے ترستے ہیں اور تم نیویارک سٹی میں رہتے ہوئے پاکستان جانے کا سوچ رہے ہو اور وہ بھی گاؤں میں! میں تب نہ رہ سکی اور اب تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ وہ ناگواری سے بولی۔

”میں گاؤں جانے کی بات نہیں کر رہا..... گاؤں میں اب ہے ہی کون میرا انتظار کرنے والا۔ میں تو کراچی یا اسلام آباد کے کسی شاندار علاقے میں رہنا پسند کرتا چاہتا ہوں۔“ سکندر کے لہجے میں اداسی رچی ہوئی تھی۔ ”کبھی نہیں..... کسی بھی قیمت پر نہیں“ کیا تم نیوز نہیں دیکھتے کہ وہاں کے لوگ کس طرح کی خوف زدہ زندگی گزار رہے ہیں۔ آئے دن کی دہشت گردی سے لوگوں کا جینا مشکل ہو جاتا ہے۔ جانے کب کس طرف سے آتی گولی کس کی جان لے لے کچھ پتا نہیں چلتا۔ ہم

مغربی اور مشرقی ادب کی منتخب کہانیاں کا مجموعہ



افق نامک سے مراد مغربی ادب سے مراد مشرقی ادب
اس کتاب میں اس سے قبل آئے نہیں تھے

شائع ہو گیا

مغربی ادب سے انتخاب
ہرم و سرائے کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں ملنے والی آزاد کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبز ریں فسر کے قلم سے نکل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس دیس کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں

021-35620771/2

0300-8264242

وہاں ایسے سرواویہ کر سکتے ہیں اور اصل حقیقت تو یہ بھی ہے کہ ہم نے کچھ جمع بھی خاص نہیں کیا۔ وہ کہہ کر رکی اور پھر قدرے جھجکتے ہوئے اس نے بات مکمل کی۔ ”اور اگر یہ سب ہم نظر انداز کر بھی دیں تو تم نے اپنی اولاد کا سوچا کیا وہ ہمارے کہنے سے پاکستان جائے گی۔“ زمی کے آخری جملے نے سکندر کو پھر ادا اور اس نے سوچا کہ کاش وہ ان کی بیٹی نہ ہوتی۔

عید کے کپڑے جانے ماں نے کب سی کے تیار کر لیے تھے، ہم تینوں لڑکے تھے اور ہماری کوئی بہن نہ تھی اور اماں ایکلی جان کب سارے کام کر لیتی تھی یہ ہم کو پتا ہی نہیں چلتا اور صرف عید کے کپڑے تھے جن کو دیکھ کر بختو کو عید کے چاند کا سب سے زیادہ انتظار رہتا تھا۔

”میرا پتر..... تجھ بڑھا کر اللہ اس وقت بندے دے کو ل آ جاتا ہے بہت گول۔“ اماں بختو کو سینے سے لگائے سمجھا رہی تھیں۔

پیسے میں شرابور سکندر کی آنکھ کھلی تو اس نے پانی کے جگ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو نظر ٹام نہیں پر پڑی۔ ڈھائی بجے تھے رات کے وہ کچھ سوچ کر اٹھا اور پھر واپس بستر پر ڈھیر ہو گیا۔

مولوی سعید احمد کے دونوں بیٹے عملاً مسلمان تھے اپنے اماں اور ابا کی طرح، بختو کی طبیعت میں بدلاؤ تھا جانے کیوں اس کی فطرت الگ تھی بلا کا ذہین تھا مگر کچھ تھا جو اس میں قناعت نہ تھی اور نافرمانی تو اس نے پندرہ سال کی عمر میں ہی کر ڈالی تھی جب پہلی بار چھپ کے وہ شہر گیا اور فلم دیکھ کر آیا۔ یہ تو اس کے دوستوں نے معراج (اس کے بڑے بھائی) کو بتا دیا تو اماں کو علم ہو گیا۔

مہمان سمجھ کے باہر کے دروازے بند کر دو پھر اگر یہ میزبان بن گیا تو بڑی مشکل کر ڈالے گا۔“ بختو نے اماں سے وعدہ تو کر لیا لیکن دل سے نہیں آنکھیں چرا کے کیے ہوئے وعدے پر سادہ دل مائیں یوں ہی اعتماد کر لیتی ہیں شیطان اس کی روح کا میزبان بن چکا تھا اس سے تو بخت بھی بے خبر تھا۔

عبداللہ نے چند ہی دنوں میں یونیورسٹی میں ثابت کروایا تھا کہ وہ کسی بھی انگریز کو چیلنج دے سکتا ہے۔ اس کی ذہانت بے مثال تھی اور مارتھا کو اس کی جس چیز نے سب سے پہلے متاثر کیا تھا وہ بھی ذہانت تھی۔ وہ بے انتہاد جیہٹ بہت مہذب اور ریزورڈ بھی رہتا تھا یہ اس کی اضافی صفات تھیں۔

”یو ایڈیٹ تم نے جرأت کیسے کی مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی؟“ ماریٹھا زور سے چلائی ڈیوڈ کے لیے وہ پہلا دن تھا جب اس نے بیٹا پر ہاتھ اٹھا یا اور ماریٹھا جو ایک تری یافتہ ملک کی شہری تھی وہ اس سے بچی لیکن اس کو چھوڑنے کو تیار نہ ہوئی کیونکہ ایک تو پچھلے دروازے وہ اس دن خود پر بند کر چکی تھی جب اس کے ڈیڈ نے اس کو ڈیوڈ کے ساتھ رہنے سے روکا تھا اس کی بڑی وجہ وہ ڈرگز بھی تھی جو ڈیوڈ اس کو دیتا رہا تھا۔ وہ اپنی تعلیم بھی مکمل نہ کر سکی تھی اور ڈرگز اور ابارشن پر ابارشن نے جہاں اس کا حسن تباہ کیا وہیں وہ کسی بھی کام کے قابل نہ رہی تھی۔

مولوی صاحب سر جھکائے محن میں بیٹھے تھے سراج اور معراج دونوں ابا کی خاموشی میں حصہ دار بنے ہوئے تھے اس خاموش ماحول کو اماں کی آواز نے توڑا۔

”مولوی صاحب سراج اور معراج کی ذہنی ہمارے گاؤں اور رشتہ داروں میں سے ہیں۔ ہمارا بڑھاپا ان کے ساتھ گزر جائے گا آپ بسم اللہ کریں اور بخت کی مرضی جہاں ہے وہاں اس کی شادی کر دیں۔“ بخت بہت ذہین تھا پڑھائی میں سراج اور معراج نے کوئی

خاصی دلچسپی نہ لی انہوں نے کبھی پاڑی سنی حال لی اور جلد ہی ان کی شادیاں بھی اماں نے میچوں سے کر دیں البتہ سکندر پڑھائی میں جھنڈے گاڑتا رہا تھا یہاں تک کہ اب وہ پنجاب یونیورسٹی کا ہونہار طالب علم تھا اور وہیں اس کی ملاقات زیب النساء سے ہوئی اور شروع شروع کی پسند پیار میں بدل گئی۔ زیب النساء بھی ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتی تھی اور اپنے والدین کی انگوٹی اولاد تھی دونوں کی سوچیں ایک جیسی تھیں دونوں ہی زندگی میں بہت آگے جانا چاہتے تھے اور ذہانت ان کے لیے راستے کھول بھی رہی تھی۔

یوں دونوں کی تعلیم مکمل ہوتے ہی سکندر بخت اور زیب النساء کی شادی ہوئی۔ ابھی تو شادی کو کچھ ہی ماہ ہوئے تھے دونوں کو کیلی فورنیا کی پرکے یونیورسٹی کی اسکا لرشپ مل گئی اس بار اماں بھی شکر تھیں۔

”بابا جان مجھے باہر جانا ہے پاکستان میں کچھ نہیں رکھا ہم تری کرنا چاہتے ہیں۔“

”تمہیں عرس نعمت کی کمی ہے بخت..... اللہ نے ہر نعمت تو دے رکھی ہے۔ تم میں یہ ناشکرا پن کہاں سے آ گیا؟“ بابا جان نے آزر کی سے کہا۔

”بابا جان نعمت روٹی مل جانا سونے کو بستر ہونا ایک کچا پکا گھر یہ کافی نہیں جینے کو اور بھی بہت کچھ چاہیے ہوتا ہے۔“ اپنی طرف سے بخت نے مضبوط دلیل دی۔ بابا جان لحظہ بھر کو چپ ہوئے اور پھر مسلسل بولنے چلے گئے۔

”نعمت کا مطلب سمجھتے ہو ہاتھ کو دائیں سے بائیں گھمانا اور اپنے پاؤں میں خود جوتا پہن لینا اور جب چاہنا جہاں چاہنا چلے جانا۔ دنیا میں یہ کتنی بڑی نعمت ہے یہ تم اس شخص سے تو چھو جو جس کی ٹانگیں مفلوج ہوں اور دنیا میں ایک تولہ ٹھوک کی کیا قیمت ہے۔ یہ تمہیں صرف وہ بتا سکتا ہے جس کا منہ ہر وقت خشک رہتا ہے اور اسے زبان کو حرکت دینے کے لیے ہر پانچ منٹ کے بعد کیمیکل کا گھونٹ بھرا پڑتا ہے چنانچہ تم سب سے

سائبرہ محمد ایس

السلام علیکم! بیچانا ہمیں ہم پہلی بار آئے ہیں اپنا تعارف کرواتے ہیں۔ میں سائبرہ 122 اپریل 2000ء میں ٹوبہ ٹیک سنگھ کے پیارے سے گاؤں ناگرہ میں تشریف لائی۔ ہم تین بہن بھائی ہیں سب سے بڑی بہن سوینی مدیحہ ہے۔ اس سے چھوٹا بھائی ہے جو اس وقت شارجہ میں ہے میری بیسٹ راسٹرز نازیہ کنول نازیہ سمیرا شریف طوڑا فراء صغیر احمد عسیرہ احمد ہیں اور بیسٹ ناول ”اک محبت اور کئی جنت کے بچے“ خیر کمال، یہ چاہتیں یہ شہنشاہ ہیں۔ کھانے میں پسندشمارا بریانی۔ گھر بلیک پنک پسند ہے اچھا اب اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

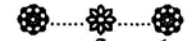
مسکان علی

تمام آنچل قارئین کو میرا پیار بھر اسلام۔ تمام قارئین کیسے ہیں آپ سب؟ میں 6 جون 2001ء کو کراچی دھوپ میں پیدا ہوئی تو سب جل کے رہ گئے (گری میں)۔ اچھا میں ہم چار بہنیں اور ایک بھائی ہے ٹپنے بابا جانی سے بہت محبت ہے تو جناب اب آئے ہیں خوبیاں اور خامیوں کی طرف۔ خامی میری یہ ہے کہ غصے کی بہت تیز ہوں اور میری دوست کرن کہتی ہے کہ تم بہت مطلبی ہو حالانکہ یہ سب غلط ہے۔ پسندیدہ مشغلہ شاعری کرنا ہے۔ کلرز میں پنک اور پرل بہت پسند ہے کالج کی چوڑیاں جنون کی حد تک پسند ہیں۔ ویل بننے کا شوق حد سے زیادہ ہے دوستوں میں کرن رملز روٹی روماننا دیوار خنساء ہیں۔ فرسٹ ایئر سائیکالوجی کی طلبہ ہوں کھانے میں گول گپے اور بریانی پسند ہے۔ گانے بہت شوق سے سنتی ہوں ہمیشہ خوش رہو اللہ حافظ۔

پہلے اللہ کی ان نعمتوں کو تسلیم کرو اور اس کے بعد صدق دل سے پوری دنیا کو بتا دو تم پر اللہ کا کتنا بڑا کرم ہے اور تم اللہ کے اس کرم پر اس کے بہت مشکور ہو۔ یہ کہہ کر مولوی صاحب رکے نہیں باہر چل دیئے جاتے ہوئے اماں کو کہہ گئے۔

”جانے والوں کو جانا ہے زبردستی نہ روکنا بھلی لوک کچھ بچوں کو وقت سمجھاتا ہے ہم نہیں۔“ یہ کہہ کر وہ باہر چل دیے۔

”دیکھ سکندر بخت آج تک مولوی صاحب نے تیری کوئی بات نہ موڑی میں تیرے جانے پر خوش نہیں ہوں پر دل تے پتھر رکھ کے اجازت دے رہی ہوں مگر تم اپنا آپ نہ بھولنا اللہ کے آگے ماتھا ٹیکنا نہ چھوڑنا۔ اللہ کی یاد کا دیا دل میں ہمیشہ جلا رکھنا۔“ سکندر بخت نے آنکھیں کھولیں تو اماں کی آواز بھی کہیں گم ہو گئی تھی اور اماں تو کیا اب بھی اب کہیں نہ تھے وہ تو بخت کا انتظار سینے سے لگائے دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔

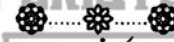


مارتھا اور عبداللہ کی اب اچھی اعذارا شیڈنگ ہو گئی تھی کبھی کبھی عبداللہ کو لگتا تھا کہ مارتھا اس میں کوئی غیر معمولی دلچسپی لے رہی ہے لیکن پھر مارتھا کا سادہ انداز اور صرف اسٹڈیز پر ڈسکس اسے مغالطے سے نکال دیتے۔ مارتھا اس سے گاہے بگاہے اسلام کے بارے میں ضرور معلومات لیتی رہتی اور پھر کچھ دن سے وہ اس کے فلیٹ پر بھی آنے لگی جو وہ اپنے فرینڈز اور نالڈو سے شیئر کرتا تھا۔ مارتھا بھی اس کو نماز پڑھتے دیکھتی تو بہت اچھا محسوس کرتی، آج بھی اتوار تھا اور وہ صبح ہی آگئی تھی۔ آج عبداللہ روزہ سے تھا تو مارتھا نے اس سے اس کے روزے کے بارے میں معلومات حاصل کیں اس کو حیرت ہوئی تھی کہ عبداللہ جب بھی اس سے بات کرتا تھا تو اپنی نظر بہت کم اوپر کرتا ایک ایسا ملک جہاں جگہ جگہ ترغیبات تھیں حسن جابجا بکھرا ہوا ہاں ایک حسین نوجوان کس طرح اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھا اس کی پہچی نگاہیں ضرور تار پڑتی تھیں لیکن وہ کسی کو تبلیغ نہیں کرتا تھا تو کسی پر تنقید بھی نہیں کرتا تھا لیکن وہ اپنے آپ کو روک نہ سکی اور پوچھ ہی بیٹھی۔

”عبداللہ تمہارے مذہب میں عورتوں کو تو پردے کا حکم ہے تم تو مرد پھر تم اپنے اوپر پابندی کیوں لگائے

ہوئے ہو؟“ عبداللہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”مارتھا ہماری کتاب قرآن پاک میں جس آیت میں عورت کو پردہ کا حکم ہوا اس سے ایک آیت پہلے مرد کو اپنی نگاہ بچی رکھنے کا حکم ملا۔ جانتی ہو مارتھا مذہب تو ہمیں اس بات کی اجازت بھی نہیں دیتا کہ ہم کسی غیر عورت کے ساتھ اکیلے کہیں پر بیٹھیں جیسے کہ اس وقت ہم دونوں اکیلے ہیں یہ بھی گناہ ہے ترغیب ہے۔“ مارتھا اس کی بات پوری طور سمجھ نہ سکی کہ عبداللہ کا اخلاق اس کو اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ اس کو اپنے فلیٹ پر آنے سے منع کرے مگر اس نے مذہب طریقے سے مذہب کے حوالے اس کو منج کر دیا تھا۔

”آئی ایم سوری عبداللہ..... مجھے تمہارے مذہب نے بہت متاثر کیا ہے اس لیے میں تمہارے پاس آتی تھی مگر اب احتیاط کروں گی۔“ وہ مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ عبداللہ نے دروازے تک اس کو رخصت کیا لیکن اس کو ایسا لگا جیسے کچھ کھو بیٹھا ہو۔



سکندر بخت کا دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اس اتوار کو فلیٹ کی دی ہوئی بے ہودہ پارٹی پر جائے لیکن زہبی تو آراستہ ہو کر جانے کو تیار بیٹھی تھی۔ کوئی چوٹی بار وہ سکندر بخت کو تیار ہونے کا کہنے آئی تو سکندر نے اس کو بھی پارٹی پر جانے سے منع کیا تو وہ غصے میں پھر گئی۔

”میں محسوس کر رہی ہوں تم دن بدن بہت پوزیو ہو رہے ہو جانے کن خیالوں میں کم رہتے ہو۔“ سکندر نے چڑ کر اس کو کھوڑا اور اسے اکیلے جانے کو کہہ دیا زہبی بڑبڑاتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی اور دروازہ بند کر کے نکل گئی۔ سکندر نے کوفت سے آنکھیں بند کر لیں۔

”تو کیا پایا سکندر تم نے اتنے سالوں میں اور کیا کھویا۔“ آج ملا خرم مولوی سعید احمد کا بیٹا اس کے سامنے کھڑا ہو کر احتساب کرنے لگا تھا۔

”نماز سے رشتہ تو عرصہ ہوا چھوڑ بیٹھے ہو ترقی کی دوز

میں یہ جو سائشیں تم نے اپنے آس پاس جمع کر رکھی ہیں ان کو تم نعمت کہتے تھے ناں مل گئی ہیں تو خوش کیوں نہیں ہو۔ اس پر اولاد ملی وہ بھی نعمت نہیں زحمت ہی بنی دوزخ کا ایسا ایندھن بنی کہ اس کے اعمال کا بوجھ بھی تمہارے کندھوں پر لاد گیا۔ بیوی ملی تو اس پر الزام کیا دھرو گے کیا جانتے نہ تھے اللہ کا وعدہ ”مومن عورتیں مومن مردوں کے لیے“ تو سکندر بخت تم کہاں رہے مومن؟ کون سا گناہ تھا جس کو تم نے اپنی زندگی آلودہ کرنے کے لیے نہ کیا ہو۔“ کچھ گناہوں کا قرض تو اولاد بھی چکاتی ہے اور وہ قرض اس کی بیٹی اس کی عائشہ چکار رہی تھی اور عائشہ کی غلطیوں کا بوجھ روز حشر اس کو ڈھونڈنا تھا۔

”یا اللہ میری نعمت کب میری آزمائش میں بدل گئی میں نے اپنے ہاتھوں خود کوتاہ کر لیا۔“

”مولوی احمد کی پوتی اگر گناہوں کی پوٹ بنی تو صرف اور صرف سکندر بخت تمہارے گناہوں کے بوجھ کی وجہ سے کاش ٹو بختو سکندر بخت کبھی بھی نہ بنتا۔“ اس کا سانس لینا دشوار ہو رہا تھا اور ذہن غنودگی میں جا رہا تھا۔ ”بختو پتر..... اٹھ دیو نہ کر اذان ہو گئی اے دیکھ اللہ دی پکار بڑی سوہنری اے اٹھ جا میرے پتر۔“ اماں کی آواز سکندر نے آنکھیں کھولیں اماں آس پاس کہیں نہ تھیں لیکن دیوار گیر گھڑی پر نظر ڈالی تو اماں کی پکار سمجھ میں آ گئی۔ عشاء کا وقت بانی تھا اس نے وضو کیا اور جامعہ نماز پر کھڑا ہو گیا۔ کتنے سال بعد اس نے شیطان کو دل سے نکالا تھا کچھ احساس نہ تھا۔ نماز کے دوران اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا آخری سجدے میں گیا تو یوں لگا جیسے سکون کا دریا اس کی رگوں میں اترنے لگا وہ اس کے ماں باپ کی دعاؤں نے اس کو صراطِ مستقیم کی طرف لوٹا دیا تھا اس نے نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو اس کی دعاؤں میں صرف ایک فرد کے لیے التجا تھی۔

”میری اولاد کو صراطِ مستقیم دکھا میرے مالک اور اسے بخش دے۔“ دعا کر کے وہ سجدہ میں گیا اور کس کو معلوم تھا کہ یہ سجدہ سکندر بخت کا آخری سجدہ ہوگا سجدہ

بھلا کوئی رسالت کا قداں نہیں ہے؟ کفار نے چھاپے ہیں میرے نبی ﷺ کے خاکے بھلا کوئی رسالت کا قدر دان نہیں ہے؟ پھر سے اس ظالم کو ہوئی کیسے یہ جرات کیوں بنایا اسے عبرت کا نشان نہیں ہے پوچھتے ہو میرے آقا ﷺ کی عظمت کیا ہے کیا تم میں پڑھا کسی نے قرآن نہیں ہے؟ وہ خیر البشر اللہ کے محبوب پیارے کیا میرا نبی ﷺ رحمت جہان نہیں ہے وہ محمد ﷺ وہ احمد وہ قوموں کا ہادی کوئی یاد تمہیں ان کا احسان نہیں ہے؟ وہ کامل وہ اکمل وہ رحیم وہ عادل کچھ تو بولو منہ میں تمہارے زبان نہیں ہے کوئی تو ہو جو آنکھیں دکھا کر پوچھے کیا کوئی عقل مند حکمران نہیں ہے؟ تاج فہم اسلام گرہم میں آجائے پھر دیکھنا کیسے بھاگتا شیطان نہیں ہے نورین لطیف..... ٹوبہ فیک سنگھ

میں ہی وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ زہبی بڑبڑاتی ہوئی لفٹ سے نکل کر تیزی سے گاڑی نکال کر لے گئی وہ بڑبڑاتے ہوئے ڈرائیو کر رہی تھی۔

”جانے سکندر کو کیا ہو گیا؟ خیر دفع کرو.....“ وہ پارٹی میں پہنچی تو سب کچھ بھول گئی برہنہ بازوؤں والا بے ہودہ لباس پہنے ہوئے وہ کہیں سے بھی مسلمان نہیں لگ رہی تھی۔

غصہ اور جوش میں وہ ڈرنک بھی کرنے لگی۔ پارٹی ختم ہونے پر وہ لڑکھرائی ہوئی گاڑی تک آئی اور گاڑی اشارت کی اس وقت وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ جو پاکستان موت کے خوف سے جانے سے انکاری تھی اس کو امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں بھی ہولناک موت سے کوئی نہیں

بجا پائے گا۔ راستے میں ہونے والے خوفناک حادثے میں وہ جاں بحق ہوگئی اور اب ابھی لوگوں کے ہجوم میں اس کا نیم برہنہ وجود مناشہ نہا ہوا تھا۔

میری آنکھ کسی آواز سے کھلی تھی یا آواز کچھ دور سے آ رہی تھی میرے لیے یہ آواز انجان نہیں تھی مگر جو کچھ بولا جا رہا تھا اس کا تصور میں اپنے فلیٹ کے اندر اس آواز سے کم از کم توقع نہیں کر سکتی تھی۔ میرے لاشعور میں یہ اجنبی سی آواز یوں کہہ لیں کہ یہ اجنبی زبان موجود تھی۔ کہیں بچپن میں یہ زبان میں نے پڑھی بھی تھی لیکن سب سے حیران کن بات یہ تھی کہ یہ آواز مار تھا کی بھی اور مار تھا اور قرآن پاک کو خوب صورت لہجے میں پڑھ رہی تھی اور پھر انگلش میں اس کا ترجمہ دہرا رہی تھی میں نے اپنے کان اس طرف لگا دیئے۔

”بھلا کون ہے جو ہمیں جنگل اور دریا کے اندھیروں میں راستہ بتاتا ہے اور اپنی رحمت سے پہلے کون خوش خبری کی ہوائیں چلاتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ اللہ ان کے شرک کرنے سے بہت بلند ہے۔“ مار تھا کی آواز آتا بند ہوگئی تھی اور میں جو ایک سرور کے عالم میں چلی گئی تھی مجھے اس کا خاموش ہو جانا ناگوار گزرا لیکن میرے اندر کچھ تھا جو میرا دل ہولے ہولے پھل رہا تھا۔

عبداللہ اور مار تھا کی ملاقات تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی مگر ابھی جب بھی مار تھا عبداللہ کو نظر آتی تو ہر بار اس میں کوئی حیرت انگیز تبدیلی محسوس ہوتی۔ آج بھی اس نے مار تھا کو دیکھا تو اس نے گاؤں نما میسپی پہنی ہوئی تھی اور سرخ رنگ کے رومال سے بالوں کو پوری طرح لپیٹا ہوا تھا۔ زہبی اور سکندر کی وفات کے بعد ان کی بیٹی تلاش کے باوجود پولیس کو دستياب نہ ہو سکی کاغذات میں اس کا نام عائشہ سکندر بخت تھا لیکن اس نام کی کوئی لڑکی مل نہ پائی۔ تفتیش کے دوران پتا چلا کہ عائشہ بہت پہلے اپنا گھر چھوڑ گئی تھی اور شاید اپنا نام اور مذہب بھی تبدیل

کر چکی تھی۔

گندگی کے ڈھیر سے بدلو کے بجکے اٹھ رہے تھے مگر بھوک ایسی عالم چیز ہے کہ جو ہر احساس پر جاوی ہو جاتی ہے۔ وہ تیزی سے ڈسٹ بن کھٹکال رہی تھی یہ ہوٹل کا ڈسٹ بن تھا اور اس میں سے مارٹینا کو کچھ نہ کچھ کھانے کو مل جاتا تھا۔ ڈیوڈ کے لیے اب وہ ایک بے کار چیز تھی ڈیوڈ کی وجہ سے اس کے پاپائے اس پر گھر کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند کر دیئے تھے اور قدرت کے معجزوں میں سے یہ بھی ایک معجزہ تھا کہ وہ اس کو کال گرل بنانا چاہتا تھا اس نے ڈیوڈ کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ ڈیوڈ نے غصے میں اس کے چہرے پر تیزاب ڈال دیا تھا وہ کوئی قانونی چارہ جوئی بھی نہ کر سکی۔ مہینوں وہ ہسپتال میں رہی ہسپتال میں جہاں اس کے چہرے کے زخموں کا علاج ہوتا رہا وہیں اس کو ڈرگز چھڑوانے کے لیے بھی اقدامات کیے گئے۔ جب وہ ہسپتال سے ڈسچارج ہوئی تو اس کے پاس رہنے کا ٹھکانہ بھی نہیں تھا نہ کھانے کو پیسہ بھوک سے بے حال وہ ڈسٹ بن کھٹکاتی لیکن اس کی بے حال ہستی کے سامنے کوئی بھیک کا سکہ بھی نہ پھینکتا کیونکہ وہ امریکا تھا جہاں بہت کم لوگ دوسروں پر ترس کی نگاہ ڈالتے ہیں۔

آج بھی جب وہ ڈسٹ بن میں سے برگر نکالنے میں کامیاب ہوئی تو اتنے میں ہوٹل کے باہر فائرنگ ہونے لگی شاید گورے کالے کے نسلی تعصب پر دو گروہوں میں لڑائی ہوگئی تھی۔ ابھی وہ پوری طرح کچھ سمجھ نہ پائی تھی کہ ایک گولی سنسنائی ہوئی آئی اور اس کی ٹانگ میں گویا آگ لگ گئی اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا کہ وہ ہاتھوں نے اس کو سنبھال لیا تھا۔

آج کیونی سینٹر میں عبداللہ اور مار تھا جو کہ اب زینب تھی ان کا سادی سے نکاح تھا مار تھا نے عبداللہ کو قبول اسلام کے بعد بتایا تھا۔

”عبداللہ میں آپ سے نہیں اسلام سے متاثر ہوئی تھی اسلام وہ مذہب جو مکمل ترین مذہب ہے بلاشبہ پیدائش سے لے کر موت تک کے ہر مرحلے کا حل قرآن پاک اور اسلام میں موجود ہے بلاشبہ قرآن پاک میں نایاب ترین الجھنوں کا حل موجود ہے۔ الحمد للہ اب میں مسلمان ہوں اور مذہب اسلام مجھے اس بات کا حق دیتا ہے کہ میں جس کو اپنا شریک سفر جن لوں اس کو نکاح کا پیغام بھی دوں تو میں آپ کو اپنے لیے منتخب کرتی ہوں۔“ عبداللہ نے مار تھا یعنی زینب کے پیغام کو اپنے والدین کی رضامندی سے قبول کر لیا۔

مار تھا انتہائی پریشان حالت میں ہسپتال میں عائشہ یعنی مارٹینا کے ساتھ موجود تھی، گولی نکال دی گئی تھی اور کچھ دن تک مارٹینا کو ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا جاتا تھا اور مار تھا جواب زینب تھی اپنے گھر میں مارٹینا کو نہیں لے جاسکتی تھی بہر حال اس نے کوشش کر کے کونسل سے اس کے لیے ایک کمرے کا فلیٹ حاصل کیا اور اس کو وہاں شفٹ کر کے دن اس کے پاس گزارتی اور اس کا پورا خیال رکھتی۔ مارٹینا سارا دن اس کو کوئی گالیاں دیتی لیکن وہ ان سنا کر کے اس کا خیال رکھتی کیونکہ مذہب اسلام اس کو یہی سکھاتا تھا۔

زینب کی مصروفیات پر عبداللہ کو زیادہ دھیان دینے کا موقع اس لیے نہ مل سکا کہ وہ خود ان دنوں بے حد مصروف ہو گیا تھا اس کو علم تو تھا کہ اس کے چچا چچی اس ملک میں موجود ہیں مگر اس نے ان سے رابطہ کرنے کی ضرورت نہ سمجھی تھی کیونکہ ان سے اس کے تایا اور والد دونوں نے کوئی تعلق نہیں رکھا تھا۔ لیکن پچھلے دنوں یہاں سے پاکستان رابطہ کیا گیا تھا کہ چچا چچی انتقال کر گئے تھے اور ان کی وارث ان کی بیٹی کا کچھ پتا نہ تھا۔ ایسے میں پاکستان سے کوئی ان کی تدفین کرے اور ان کی انشورنس وغیرہ کے مسائل کے لیے اس کے ابو معراج نے اس کو ان کاموں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا حکم دیا تھا۔ چچا اور

تمہارے نام کے حروف سے بہتر حرف ابجد میں نہیں ہیں

نجانے کب سے یہ موسم ستاروں کی دھرتی کے سینے پر فروزاں ہیں مگر ان کی نگاہوں نے تمہارے وصل کے لمحوں سے بہتر وقت دیکھا ہے نہ سوچا ہے ہوانے منظروں پر آج تک جو کچھ بھی لکھا ہے تمہارے نام لکھا ہے خط کے ٹوٹے تارے تمہارے بام سے گزریں تو رکنے کو چلتے ہیں فلک کو جو جتنے جذبے تمہاری آنکھ سے تریں تو پاتالوں میں گرتے ہیں تمہارے خواب سے روشن منارے وقت کے دریائے بے حد میں نہیں ہیں تمہارے نام کے حروف سے بہتر حرف ابجد میں نہیں ہیں

نادیہ عباس دیا قریشی..... موسیٰ اخیل

چچی کی تدفین کروانے کے بعد وہ اب اپنی اس کزن کی تلاش میں تھا جس کی فضا تصویریں اس کے پاس تھیں۔ اسی دوران ایک دن زینب صبح فجر کی نماز کے لیے اٹھی تو بے ہوش ہو کر گر پڑی عبداللہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے وہ اس کو ہسپتال لے کر گیا تو اس کو خوش خبری ملی کہ وہ باپ بننے والا ہے لیکن زینب کو کمزوری کے باعث چند دن ہسپتال میں رکھا گیا تھا۔

پھر یوں ہوا کہ ایک دن زینب نے آتا بند کر دیا اب وہ اس فلیٹ میں اکیلی تھی وہیل چیر گھسیٹ کر اپنا کام کرتی فریج میں موجود کھانا کچھ ٹائم تک تو کام چلا گیا لیکن جب وہ بھی ختم ہو گیا اور اس کا وجود گندگی میں لت



جنون عشق تک
سمیرا شریف طور

پت ہو گیا تب وہ اپنے لیے موت کی دعا مانگنے لگی اور یہی وہ لمحہ تھا جب اس کے منہ سے اللہ اللہ کی تکرار شروع ہو گئی اور اب وہ اللہ سے رحم صبر اور سکون کی دعا مانگتی۔
”اے اللہ تو جانتا ہے میں گناہ گار ہوں تو جانتا ہے میں گندگی میں تر ہوں۔ میں ایسی کیوں بنی اللہ جب تو نے مجھے ایک ایسے گھرانے میں پیدا کیا کہ میں پیدا کی مسلمان بھی تو میرے اعمال ایسے کیوں ہوئے۔ میرے اللہ اب تو میں اس قابل بھی نہیں ہوں کہ تیرے سامنے کھڑی ہو سکوں۔“ اس کے آنسو اس کے گالوں سے ہوتے ہوئے اس کے گریبان کو تر کر رہے تھے۔ ”اللہ تو مجھے صبر دے، تو ہی ہے جو مشکل کو آسانی میں بدلتا ہے اللہ تو نے مارتھا جیسی پیدا کی عیسائی کو مسلم بنادیا تو میں تو ایک مسلم گھرانے کی بھٹی ہوئی اولاد ہوں مجھے بخش دے مجھے صبر دے کیونکہ صبر سے ہی تو زم زم کے چشمے پھوٹتے ہیں یہی بتایا تھا ناں زینب نے مجھے۔“

اسے پتا بھی نہ چلا کہ کب زینب اندر آئی اور نرمی سے اس کے آنسو صاف کرنے لگی۔ آج تو زینب کو بھی پتا چل گیا تھا کہ عائشہ کی طرف اس کا دل کیوں کھینچتا تھا۔ آج وہ صبح سے بے قرار تھی اس کی طبیعت سببھی تو اس نے عبد اللہ کو مار بیٹا کے بارے میں شروع سے آخر تک بتایا اور معذرت بھی کی کہ وہ اس کو بتائے بغیر بیٹا جیسی لڑکی کا خیال رکھتی رہی لیکن عبد اللہ اس کو فخر سے دیکھ رہا تھا۔

”میری بیوی کو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا اتنا ہی مخلص و صابر۔“ اور پھر عبد اللہ نے بھی اپنے چچا کے تمام معاملات اس کے گوش گزار کیے اور اپنی نزن کی گمشدگی اور اس کی تصویروں کا بھی بتایا۔
”عبد اللہ آپ مجھے بھی ایک بار عائشہ کی فوٹوز دکھا دیں ہو سکتا ہے میں کوئی مدد کر سکوں۔“ اور تصویر دیکھ کر زینب اللہ کی قد رتوں پر حیران رہ گئی۔

”عبد اللہ..... مار بیٹا ہی عائشہ سکندر بخت ہے۔“ عبد اللہ حیرانگی اور شکر کے طے جلے تاثرات



مغرور ہی سہی، مجھے اچھا بہت لگا
وہ اجنبی تو تھا مگر اپنا بہت لگا
لپٹا ہوا گہر میں جیسے خزاں کا چاند
میلے لباس میں بھی وہ پیارا بہت لگا

”تو ٹھیک ہے میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں وہاں
جا کر اور پاس لے لیما۔“ وہ فوراً جانے کو تیار ہوئی۔ اگلے
نے ناگواری سے دیکھا جبکہ فرح زوبیہ اور شایان اس
وقت خاموش تھے فرح وجہ جانتی تھی جبکہ زوبیہ کے لیے
شہرینہ کا ایسی ٹیڈ بالکل نئی بات تھی۔ نیپو اگرچہ شہرینہ کی
ناراضی اور نکاح سے متعلق انکار کے بارے میں آگاہ
نہیں تھا پھر بھی اس وقت وہ شہرینہ کا رویہ اور اگلن کی
ناگواری نوٹ کر گیا تھا۔
”اگس اوکے اگر اگلن بھائی منع کر رہے ہیں تو نہیں
جاتے پھر کبھی سہی۔“

”یہ کون ہوتے ہیں ہمارے کہیں آنے جانے
کے بارے میں فیصلہ کرنے والے؟ تم جانتے ہو میں
ایسی تمام ایکٹیویٹیز میں ضرور حصہ لیتی ہوں میں ضرور
جاؤں گی۔“ اس نے تو واضح اگلن کی نفی کرتے اپنے
جانے پر اصرار کیا تو وہاں موجود خاموش تماشا کی بنے
بانی تینوں نفوس فوراً متحرک ہوئے تھے۔ جبکہ اتنے
واضح الفاظ پر اگلن کے چہرے کے عضلات میں
واضح کھنچاؤ پیدا ہوا تھا۔

”چھوڑو بھی یہ غزل کنسرٹ بھی کوئی دیکھنے والی چیز
ہے بورنگ کام۔ میں نے تو خواہوا ہی نیپو کے پوچھنے پر
حالی بھری تھی میرا ارادہ کہیں اور جانے کا ہے کیوں یار
اور کون سی جگہ ہیں یہاں جو تفریح کے لیے اچھی
ہیں۔“ شایان نے فوراً بات بدل دی۔

”بالکل! بلکہ میں سوچ رہی ہوں ہم جو ایک دودن
ادھر ہیں انہی دنوں میں اسلام آباد اچھی طرح گھوم
لیں۔“ زوبیہ نے بھی کہا تو ماحول میں چھائی کشیدگی میں
قدرے کمی آئی تھی۔ اگلن نے بے پروائی سے دوسری
طرف منہ کر کے باہر کی طرف دیکھتی شہرینہ کو دیکھا اور
پھر بائیں کلائی میں بندھی رسٹ وایج کو۔

”رات بہت گہری ہو رہی ہے میرا خیال ہے فی
الحال تو گھر چلنا چاہیے ویسے بھی سفر کی تھکان کے سبب
نیند بھی آ رہی ہے۔“ اگلن کا انداز اب بھی دو ٹوک تھا

شہرینہ بالکل خاموش تھی۔ اگلن کا ہے بگا ہے
لاہوری طور پر شہرینہ کی خاموشی نوٹ کرتا رہا تھا وہ اس
کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہتا تھا لیکن شہرینہ کا سرد انداز
الفاظی ظاہر کرتے تیز خدو خال اور لباس اگلن کو شہرینہ کو
دیکھنے پر مجبور کر رہے تھے عثمان صاحب کو ایک کال آئی
تھی۔ وہ فائدہ کو لے کر ڈرائیور کے ہمراہ واپس چلے گئے
تھے جبکہ بیک پارٹی ابھی بھی وہیں موجود تھی۔ نیپو کے کچھ
لاست غزل کنسرٹ میں گئے ہوئے تھے وہ اسے بھی بلا
رہے تھے۔ نیپو نے شایان سے ذکر کیا تو وہ فوراً جانے پر
آمادہ ہو گیا تھا جبکہ اگلن انکار کر دیتا ہے۔

”تم نے جانا ہے تو نیپو کے ساتھ چلے جاؤ لیڈرز
ہمارے ساتھ ہیں میں ان کو ساتھ لے جانے کے حق
میں نہیں ہوں۔“ اگلن کا قطعی انداز تھا، شہرینہ نے
ناگوارنگا ہوں سے اگلن کو دیکھا۔ ایسے شوڑا ایسے کنسرٹ
پر جانا دوستوں کے ہمراہ انجوائے کرنا ان کے گھر عام
کی بات تھی۔

”اگلن بھائی یہ بہت اچھا کلاسیکل ٹائپ غزل
کنسرٹ ہے، ماما کا جانے کا موڈ نہیں تھا سو میں نے
لاستوں کو پاس دے دیئے تھے ورنہ میں شہری اور ماما تو
اکثر ایسے شوڑ میں انوائٹڈ ہوتے ہیں۔“ نیپو نے بتایا۔

”تب تم لوگ ایز آ گیٹ جاتے تھے لیکن مجھے یہ
سب پسند نہیں۔“ انداز اب بھی دو ٹوک تھا۔ شہرینہ نے
بہت سنجیدگی سے اگلن کو دیکھا۔

”پاس کہاں ہے؟“ شہرینہ نے پوچھا۔

”میں پاس تھے جو ہفتہ پہلے آئے تھے ماما نے جانے
سے انکار کر دیا تھا تو میں نے دودستوں کو دے دیئے تھے
اور ایک خود رکھ لیا تھا۔ دوستوں کے ساتھ جانے کا
پروگرام تھا لیکن پھر شایان بھائی آ گئے تو پھر ان کے ساتھ
آؤنگنگ کا پروگرام بن گیا تھا۔“ وہ وضاحت دے رہا
تھا۔ ”سوچا تھا کہ اگر جلدی فارغ ہو گیا تو وہیں سے
دوستوں کے ساتھ نکل جاؤں گا۔“ اس نے بتایا۔

شہرینہ کے بارے میں پوچھتی ہے زبیدہ سے تمام
صورت حال جان کر فائدہ کو مزید پریشانی ہو جاتی ہے۔
شہرینہ گھر سے نکل کر مارکیٹ سے ضرورت مند بچوں
کے لیے چیزیں لیتی دارالاطفال آ جاتی ہے بچے شہرینہ کو
دیکھ کر خوش ہو جاتے ہیں لاست مسٹر شہرینہ کو سوسل
ورک کے حوالے سے پروجیکٹ ملا تھا تب وہ اپنی ٹیم
کے ساتھ یہاں آئی تھی شہرینہ کو یہاں آ کر کچھ سکون
محسوس ہوتا ہے۔ فائدہ گھر آ کر اماں بی کو فون کرتی
شہرینہ کے بارے میں بات کرتی ہے جس پر اماں بی
بھی پریشان ہو جاتی ہے اور اسلام آباد آنے کا کہتی ہیں
دوسری طرف اماں بی اگلن شایان اور زوبیہ فرح کو لے
کر اسلام آباد پہنچ جاتی ہیں۔ شہرینہ کسی سے بھی ملنا نہیں
چاہتی ہے لیکن عثمان صاحب کے کہنے پر وہ اماں بی
سے ملنے آتی ہے جبکہ شہرینہ فرح کو بھی نظر انداز کر دیتی
ہے۔ فائدہ عثمان صاحب اسے بھی شہرینہ کی بدتمیزی
کے حوالے سے بات کرتی ہے عثمان صاحب انہیں ہی
قصود وار ٹھہراتے ہیں تب فائدہ شہرینہ اور اگلن کے
درمیان ہونے والے معاملات کا پوچھتی ہے جس پر
عثمان صاحب وقتی جذبات کا کہتے شہرینہ کو اس نکاح کو
تسلیم کرنے کا کہتے ہیں۔ لاہور سے آئے مہمان اگلن
شایان زوبیہ اور فرح آؤنگنگ کا پروگرام بناتے شہرینہ کو
بھی شامل کر لیتے ہیں۔

اب آگے پڑے

گزشتہ قسط کا خلاصہ
شہرینہ گھر آتے ہی اپنے کمرے میں بند ہو جاتی
ہے وہ اپنے کمرے کی ہر چیز کس نہس کر دیتی ہے۔
اسے اگلن کے ساتھ اپنا نکاح ہو جانے پر غصہ ہوتا ہے
فائدہ شہرینہ کے کمرے میں آتی ہے تو کمرے کی حالت
دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے اور وہ شہرینہ سے بات کرنا
چاہتی ہے لیکن شہرینہ ان کو کمرے سے جانے کا کہتی
بدتمیزی سے پیش آتی ہے جس پر وہ شہرینہ کو واپس آ کر
بات کرنے کا کہتی ہے فائدہ کو لیڈر کلب کی میٹنگ میں
جانا ہوتا ہے۔ فائدہ کے جانے کے بعد شہرینہ کا دل
چاہتا ہے کہ وہ کمرے کے ساتھ خود کو بھی آگ لگائے
اسے اپنے والدین پر بھی غصہ ہوتا ہے اس کے انکار پر
بھی انہوں نے اس کا نکاح اگلن سے کر دیا تھا مسلسل
بجٹے موبائل کو اٹھانے کی غرض سے وہ بیڈ کی طرف
جانے لگتی ہے تب کالج اس کے پاؤں میں چبھ جاتا ہے
تکلیف کی لہر جسم میں دوڑ جاتی ہے۔ شہرینہ بچن میں آتی
ہے اور زبیدہ (مازہ) اسے ڈاکٹر کو بلانے کا کہتی تو وہ
اس کے غصہ کا نشانہ بن جاتی ہے۔ میٹنگ میں آ کر بھی
فائدہ کا ذہن مسلسل شہرینہ کی طرف ہوتا ہے اس میٹنگ
میں وہ عثمان فاروق (شوہر) کے کہنے پر آتی تھیں۔
عثمان فاروق اور فائدہ کو ایز آ چیف گیٹ انویٹیشن ملا
تھا عثمان اپنے لفٹ اور بڑی شیڈل کے سبب نہیں آتے
تب فائدہ مجبوراً گھر کے نمبر پر کال کرنی زبیدہ سے

شایان نے بھی اپنے موبائل پر وقت دیکھا رات کے گیارہ بج رہے تھے وقت واقعی کافی ہو چکا تھا جبکہ شہرینہ ایک بار سب سے تعلق ہو کر پھر باہر دیکھنے میں مجبوری تھی۔ رات کی تاریکی میں گاڑی صاف شفاف رستوں پر تیزی سے رواں دواں تھی۔

”ہاں جھکن تو واقعی ہو رہی ہے میرا خیال ہے گھر واپس چلنا چاہیے۔“ شایان نے بھی کہا تو شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ شایان ڈرائیونگ کر رہا تھا فرنٹ سیٹ پر آگن شایان کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی فرح کے ساتھ شہرینہ زویہ کے ساتھ فرح بیٹھی ہوئی تھی فرح کے ساتھ شہرینہ تھی اور شہرینہ کے ساتھ اسارٹ سائیڈ بیٹھ ہوا تھا۔

اسی دوران شہرینہ کا موبائل بجنے لگا فرح اور زویہ مختلف مقامات سے کی جانے والی شاپنگ کو ڈسکس کر رہی تھیں۔ شایان ٹیپو سے اسلام آباد میں موجود کچھ اور کینک پوائنٹس کے بارے میں معلومات لے رہا تھا جبکہ آگن خاموش تھا شہرینہ نے کال یک کی۔

”ہاں زین بولو۔“ آگن نے ہلٹ کر دیکھا سبھی اپنی اپنی باتوں میں بڑی تھے حتیٰ کہ ٹیپو بھی۔ اس نے طبعی دھیان نہیں دیا تھا کہ شہرینہ کے نمبر پر کس کی کال آئی ہے اور وہ کس سے بات کر رہی ہے آگن کی ہمنوی تن گئی تھیں۔ اس نے بیک دیو مرر سے دیکھا اتنی دیر سے سب سے تعلق کا اظہار کرتے خاموش بیٹھی شہرینہ نہ صرف مسکرا رہی تھی بلکہ اس وقت اس کے چہرے کے عضلات میں ایک دم جتن کی جگہ نرمی پیدا ہو گئی تھی۔

”نہیں یار۔ ایسی بات نہیں۔“

”ارے۔۔۔۔۔“ وہ ہنسی تھی کھلکھلائی خوب صورت ہنسی۔ آگن کے چہرے کی جتنی میں اضافہ ہوا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بیک دیو مرر سے شہرینہ کو مسلسل دیکھنے پر مجبور تھا اندر سے کوئی چیز بھی جو اسے مسلسل دیکھنے پر اکسار رہی تھی شہرینہ کی آواز دھیمی تھی۔

”اوکے“ نہیں۔۔۔۔۔ کچھ گیسٹ آئے تھے لاہور سے۔“

”ہاں انہی کے ساتھ بڑی تھی۔۔۔۔۔ بس آف کورٹا اوکے۔۔۔۔۔ کل کالج میں ملتے ہیں۔“ وہ ہنسی کھلکھلائی ہنسی آفگ کے کان پھر متوجہ ہوئے۔

”شہرینہ جسے آپ بڑی نیک پر دین سمجھتے ہیں“ اصل میں کیا ہے کبھی اس کے کالج میں آکر دیکھئے گا ہر دوسرے لڑکے سے تو اس کی دوستی ہوتی ہے اور اس کا کلاس فیو لن کے گروپ کا لڑکا زین شاہ وہ تو مرتا ہے اس پر۔“ کسی کے کہے گئے الفاظ ایک دم آگن کی سماعتوں میں گونجنے لگے تھے آگن نے لب بھینچ لیے تھے۔

”کہا ناں کل ضرور آؤں گی اوکے سی یو بائے۔“ اختتامی جیلے کہہ کر موبائل کان سے ہٹا کر اس نے سرافٹ کر سامنے کی طرف دیکھا تو چونکی۔ بیک دیو مرر سے اسے مسلسل دیکھتا آگن۔۔۔۔۔ آگن کی آنکھوں میں ہوا عجیب سا تاثر تھا۔

شہرینہ کے چہرے پر بھی ایک دم ناگواری کی لہر چھائی تھی باقی لوگ ابھی بھی اپنی اپنی باتوں میں اچھے ہوئے تھے اس نے پھر مرر کی طرف دیکھا آگن اب نہیں دیکھ رہا تھا۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا وہ شخص اب باہر کی طرف دیکھ رہا تھا شہرینہ نے ناگواری سے اس کے سر کو دیکھ کر خود بھی گردن باہر کی طرف گھمائی۔ جانے پہچانے رستے دکھائی دینے لگے تو اس نے ایک گہرا سانس لیا کچھ دیر بعد ایک ناپسندیدہ اعصاب شکن سطر سے نجات ملنے والی تھی۔

شہرینہ روٹین کے تحت ابھی تھی فائٹ صبح خیز تھیں۔

اماں بی بھی جلدی اٹھ گئی تھیں نماز کے بعد وہ تلاوت میں مصروف تھیں۔ وہ صبح کے وقت خالصتاً دیہاتی انداز کا ناشتا کرتی تھیں فائٹ نے ملازماؤں کو ناشتے کا شیڈول بتا دیا تھا جبکہ اماں بی کے لیے ناشتا تیار کرنے وہ خود کچن میں آئی تھیں ملازما نے اماں بی کے لیے لسی بنادی تھی ساتھ میں تھی اور مکھن لگی روٹی، قیے کا تازہ سالن۔ اماں بی کے لیے انہوں نے ٹرے خود

سجائی باقی لوگوں کا ناشتا انہوں نے ٹیبل پر لگوا دیا تھا زویہ اور شایان نے لیٹ اٹھنا تھا۔

فرح ٹیپو شہرینہ اور فائٹ کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر اماں بی اور فرح بھی موجود تھے۔ شہرینہ بہت سنجیدگی سے بریڈ کا ٹیس لے کر اس پر جام لگا کر دانتوں سے کتر رہی تھی دائیں ہاتھ میں چائے کا گگ تھا جبکہ ڈائننگ ٹیبل پر تازہ تیار کیا ہوا کئی قسم کا کھانا موجود تھا۔ قیہ اٹھنے کا سالن، حلوہ پوری، چنوں کا سالن کے علاوہ کئی طرح کی اور اشیاء بھی تھیں لیکن شہرینہ نے کسی بھی چیز کی طرف دیکھا تک بھی نہ تھا۔

یہ سب یقیناً فائٹ نے اپنے مہمانوں کی خدمت کے لیے کروایا تھا شہرینہ نے سرسری سا اس سارے سیٹ اپ کو دیکھا بریڈ ختم کر کے وہ چائے کی چسکیاں لے رہی تھی جبکہ آگن بھی تیار سوئڈ بوئڈ وہیں چلا آیا تھا اسے دیکھ کر شہرینہ کے عضلات ایک بار پھر تناؤ کی کیفیت پیدا ہوئی تھی جبکہ آگن نے اس کی طرف دیکھا بھی نہ تھا۔ آگن بڑا فریش تھا اماں بی نے بہت محبت سے اسے دیکھا تھا۔

”کہاں کی تیاری ہے۔“ اماں بی نے اپنا روائتی سا ناشتا کرتے ہوئے کو محبت آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

”بابا صاحب نے ایک کام کہا تھا سوچا وہ کرلوں۔“

”کب تک واپس آؤ گے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”تین چار گھنٹے تو لگ ہی جائیں گے۔“ اس نے

اپنی رست واپج دیکھتے ہوئے کہا۔ شہرینہ نے اپنا خالی گگ ٹیبل پر رکھا۔ آگن نے اسے دیکھا اس کے چہرے پر شدید تناؤ کی سی کیفیت رقم تھی۔ لائٹ ٹی پنک اوڈ آف وائٹ ٹراؤزر شرٹ میں بلبوس تھی کندھے پر حسب عادت مظفر ٹائپ لائٹ سا سوٹ سے بیچ کرنا اسکارف تھا۔ چہرہ میک اپ سے مبرا تھا تاہم آنکھوں پر سجالائز اس کی آنکھوں کے ٹیبل پن کو دھاتا تھا کر رہا تھا۔

آگن و لگڑ ٹائپ کی عورت سے مل چکا تھا وہ اس کے ظاہری حلیے سے ہی اس کے معیار کا اندازہ لگا لیتا تھا لیکن

اس وقت شہرینہ کے ظاہری حلیے اور چہرے کے خدو خال سے وہ کچھ بھی جان نہ پایا تھا۔ ناگواری کی شدید لہر نے چہرے کا نہ صرف احاطہ کیا بلکہ آنکھوں کے تاثر میں بھی واضح فرق آیا تھا۔

”شہری بیٹا۔۔۔۔۔ ٹھیک سے ناشتا تو کر لیتی۔“ فائٹ خاموش تھیں اماں بی نے ہی ٹوکا تھا۔ انہوں نے نوٹ کیا تھا کہ شہرینہ نے صف ایک بریڈ کا پیس اور چائے کا گگ لیا تھا۔

”میں کر چکی ہوں میں اتنا ہی ناشتا کرتی ہوں۔“ وہ سنجیدگی سے کہتے جانے لگی۔

”پاؤں کا زخم کیسا ہے اب؟“ وہ مسلسل پاؤں دبا کر آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔

کل آؤنگ پر بھی وہ سارا وقت ایسے ہی چلتی رہی تھی بلکہ زیادہ تر وہ ہر جگہ جا کر کسی ایک مخصوص جگہ پر ہی بیٹھی رہی تھی کم ہی گھومی پھری تھی۔ اس نے بار بار اٹھنے اور اپنی جگہ چھوڑنے کی یا گھومنے پھرنے کی کوشش نہ کی تھی۔ اسے یہ زخم کیسے لگا تھا؟ کسی نے بھی پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

”ہاں اب زخم کیسا ہے؟“ زخم اگرچہ پہلے سے کافی بہتر تھا مگر چلنے میں ابھی بھی دقت ہو رہی تھی۔

”ٹھیک ہے۔“ اس نے سرسری سا کہا اور پھر وہاں سے جانے لگی۔

”شہری۔“ اب کی بار اماں نے پکارا۔

”آج ذرا جلدی آ جانا“ آج زویہ اور فرح کا شاپنگ کارو گرام ہے۔ مجھے تمہارے پاپا کے ساتھ کسی انویٹیشن میں جانا ہے میں ان کو ٹائم نہیں دے سکوں گی۔“

”ایم سوری میرے پاس خود ٹائم نہیں ہوگا۔ آج ہمارے گروپ کا سوسنگ پریکٹس کا شیڈول ہے کالج کی طرف سے مجھے وہاں جانا ہوگا۔“ آگن نے الجھ کر دیکھا۔

”تم اپنا یہ شیڈول کی اور دن کے لیے رکھ چھوڑا نا کو کمپنی دینا بھی ضروری ہے۔“ اماں نے پھر کہا تو اس نے

ایک گہرا سانس لیا۔

”ایم سو ری آپ جانتی ہیں میں کسی کے لیے اپنا شیڈول تبدیل نہیں کرتی۔ میری پریکٹس بہت ضروری ہے پہلے ہی اپنے پاؤں کے زخم کی وجہ سے کافی حرج کر چکی ہوں۔“

”تم اس سوئمنگ ایونٹ سے ایکسکوپوڈ کیوں نہیں کر لیتی۔“ انہوں نے آہستگی سے کہا۔

”کیوں؟“

”تمہارے پایا تمہارے لاسٹ سوئمنگ گیم کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہوئے تھے ان کا خیال ہے کہ ہمیں اب ایسی گیمز میں حصہ نہیں لینا چاہیے وہ منع کر رہے تھے۔“ انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔ اتنے لوگوں کی موجودگی میں اس بات نے شہرینہ کا چہرہ تپا دیا تھا۔

”کیوں ان کو کیا آرگومنٹ ہے؟“ اس کے لہجے میں کئی گھم جیکہ باقی لوگ خاموش تماشا بنے ہوئے تھے۔

”انہوں نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی کہا ہوگا، تم اب ٹین اتن پچی تو ہو نہیں کہ ہر بات سمجھائی پھروں۔“ مہمانوں کی موجودگی میں شہرینہ کا اپنی ٹیڈ ان کو پسند نہیں آیا تو انہوں نے بھی کچھ سختی سے کہا۔

”کاش ٹین اتن میں آپ نے ہر بات سمجھائی ہوتی تو اب آپ کو مجھ پر اتنا وقت برباد نہ کرنا پڑتا۔ آپ جانتی نہیں میں اب ان گیمز سے پیچھے نہیں ہٹنے والی اس آ پارٹ آف مانی لائف۔“ وہ جی سے کہہ کر وہاں سے چلی گئی فائنل کے ایک گہرا سانس لیا اگلن نے خالہ کو دیکھا اس کا انداز نہ سوچ تھا۔

”شہرینہ جسٹ فار ایک سرساز کے لیے سوئمنگ کرتی ہے پایا قاعدہ گیمز میں حصہ لیتی ہے؟“ فرح نے پوچھا۔

”شروع میں تو جسٹ فار ایک سرساز کے لیے ہی کرتی تھی پھر اسکول لائف میں آ کر وہ باقاعدہ گیمز میں حصہ لینے لگی تھی، بہت اچھی سویمر ہے لیکن لاسٹ ٹائم اس نے انٹر کالج ویمن یونین کی طرف سے حصہ لیا تو

اس کے پایا نے مجھے منع کیا تھا کہ آئندہ شہرینہ کی بھی گیم میں حصہ نہیں لے گی۔“ انہوں نے تفصیلاً بتایا اگلن خاموشی سے ماتشا کر رہا تھا۔

”کہتی ہوتی بات کروں؟“ اماں بی نے پوچھا تو فائنل نے نفی میں سر ہلایا۔

”وہ کسی کی نہیں سنتی عثمان کو کہوں گی وہ خود ہی اس سے بات کر لیں گے ان کے سامنے ہی بس چپ ہوتی ہے ورنہ مجھے تو صاف انکار کر دیتی ہے۔“ فائنل گ اٹھا کر چائے پینے لگ گئیں۔

”ہم شاپنگ کے لیے کیسے جائیں گے پھر؟“ فرح نے پوچھا۔

”کرتی ہوں بیچ کچھ۔“ انہوں نے کہا لیکن اسی پل غصے سے تہی شہرینہ لاؤنچ میں داخل ہوئی۔

”میری گاڑی کہاں ہے؟“ اس نے آتے ہی پوچھا یقیناً وہ لاؤنچ سے ہو کر آئی تھی، کندھے پر بیک اور ہاتھ میں فائل تھی۔

”تمہارے پایا کی گاڑی پر اہم کر رہی تھی رات کو وہ تمہاری گاڑی لے گئے۔“

”تو میں کیسے جاؤں گی اب کالج۔ ڈرائیور کہاں ہے اسے کہیں گھر والی گاڑی نکالے۔“

”ڈرائیور گاڑی لے کر گیا ہے تمہارے پایا کے کچھ گیسٹ آئے تھے ان کو ریسیو کرنا تھا۔“

”تو پایا کا اپنا ڈرائیور کہاں ہے؟“ اسے ایک دم غصہ آنے لگا تھا۔

”کیا ہو گیا ہے شہری تمہارے پایا کو لے کر گیا ہوا ہے رات مجھے گھر ڈراپ کرنے کے بعد وہ تمہاری گاڑی لے کر ڈرائیور کے ساتھ چلے گئے تھے۔“

”آف..... کیا مصیبت ہے یہ۔“ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ہر چیز کو آگ لگا دے۔ ایک اسائنمنٹ کے سلسلے میں اس کی آج کلاس میں پریزینٹیشن تھی اس کا خیال تھا کہ وہ آج ذرا جلدی جا کر زین کے ساتھ مل کر کچھ پوائنٹس ڈسکس کرے گی۔

”لیکن بی گاڑی۔“

”تم اپنے کسی کلاس فیلو کو کہو وہ تمہیں پک کر لیں گے گاڑی ایک دم گھنٹے بعد سروس سے واپس آئے گی۔“

”اسنے بڑے سیاستدان کی بیٹی ہو کر میں دوستوں کی منتیں کرتی پھروں حد ہوتی ہے کسی چیز کی دوستوں کی نظروں میں کیا اسٹیشن رہ جائے گا میرا۔“ وہ بہت بخور رہی تھی۔

”مجھے اپنے ہائی فائی اسٹیشن سے بھی نکل کر دیکھ لیا کرؤ انسان کو اپنا بیک گراؤ نہیں بھولنا چاہیے۔“ فائنل نے مسکرا کر کہتے اس کا غصہ کم کرنا چاہا تھا لیکن شہرینہ کے اندر کا غبار مزید بوائٹنگ پوائنٹ پر پہنچ رہا تھا۔ اگلن ماتشا کر چکا تھا اس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کیے اور کھڑا ہو گیا۔ اسی وقت شہرینہ کا موبائل بجا تھا۔

”ہیلو۔“ وہ انتہائی بے زار سے بولی۔

”گاڑی خراب ہے۔“ وہ کسی کو بتا رہی تھی۔

”وہ بھی گھر پر نہیں۔“ لہجے میں کئی تھی۔

”اللہ کے لیے زین میں پہلے ہی بہت غصے میں ہوں مجھے اور پیش مت دلاؤ۔“

”ہاں بڑی پروا ہے تمہیں میری۔“

”چلو دیکھ جیتی ہوں اتنی پروا ہے ناں تو چندہ منٹ میں گاڑی لے کر آ جاؤ میں مان لوں گی۔“ اگلن نے بہت سختی سے اسے دیکھا تھا۔

”اوکے..... اوکے ہائے..... آئی ایم وینٹنگ۔“

اگلن نے اسے دیکھا۔ وہ کال بند کر کے پلٹ کر وہاں سے جانے لگی تھی۔ اس نے پوسٹنگ لگا ہوں سے اسے دیکھا اور پھر فائنل کو۔

”اگر آپ اجازت دیں تو میں شہرینہ کو ڈراپ کر دوں۔“ اگلن کی آواز کافی بلند تھی وہاں سے پلٹ کر جاتی شہرینہ ایک دم رکی تھی۔ اس نے حیران ہو کر اگلن کو دیکھا جبکہ اگلن اماں بی اور فائنل کی طرف متوجہ تھا اماں بی کی ہاتھیں کھل اٹھی تھیں۔

”اس سے اچھی اور کیا بات ہوگی شہری خوا خواہ

پریشان ہو رہی ہے مجھے تو خیال ہی نہیں آیا کہ تم بھی ڈراپ کر سکتے ہو اور تم لوگوں کی گاڑی گھر پر ہی ہے۔“

فائنل ایک دم خوش ہوئیں۔

”لیکن میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی میں نے زین کو کال کی ہے وہ مجھے کچھ دیر میں پک کر لے گا۔“

”زین کو منع کر دو اگلن چھوڑ دے گا۔“ فائنل نے کہا تو شہرینہ کو ایک دم ہوا آ گیا۔

”ان کے ساتھ جانے سے بہتر ہے کہ میں چھٹی کر لوں میں نے کہا ناں کہ مجھے ان کے ساتھ نہیں جانا سو بار بار غلط باتوں کے لیے مجھے فورس مت کیا کریں۔“ انداز طعنی تھا۔

”آپ ہر بات پر ماما سے کیوں آرگومنٹ کرتی ہیں زین ہمارا کوئی فیملی ممبر نہیں ہے جس پر آپ ٹرسٹ کر رہی ہیں میرا خیال ہے آپ اگلن بھائی کے ساتھ چلی جائیں۔“ نیو جوانی دیر سے خاموش تھا اس نے اکتا کر کہا۔

”بھاڑ میں جاؤ تم سب۔“ وہ غصے سے کہہ کر وہاں سے اندر کی طرف چل دی۔ اگلن نے فائنل کو دیکھا انہوں نے بے بسی سے کندھے اچکائے تھے۔ اگلن اپنے کمرے میں آیا اور اپنی چیزیں لے کر وہ کمرے سے نکلا تو راہداری کے درمیان میں شہرینہ کھڑی کینہ تو زنگا ہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”کیا مسئلہ ہے آپ کو؟ خبردار آئندہ میرے کسی بھی معاملے میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کی تو وہ اور لڑکیاں ہوتی ہوں گی جو آپ کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کو پہل رہی ہوں گی آئندہ میرے سامنے بھی آئے تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“ اگلن نے بہت سختی سے اسے دیکھا اور

سنا۔ شہرینہ تو اسے دیکھ کر پہلے ہی آگ میں جل رہی تھی۔ اب اسے گھر میں چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے دیکھ کر اس کے اندر تو گویا ایک قیامت برپا تھی اور ایسے میں اسے کالج ڈراپ کرنے کی آفر اس کا بس نہیں چل رہا تھا

کراسے صفحہ ہستی سے مٹا دے۔

”اس سے اچھی اور کیا بات ہوگی شہری خوا خواہ

”اس سے اچھی اور کیا بات ہوگی شہری خوا خواہ

”اس سے اچھی اور کیا بات ہوگی شہری خوا خواہ

”اس سے اچھی اور کیا بات ہوگی شہری خوا خواہ

”اس سے اچھی اور کیا بات ہوگی شہری خوا خواہ

”اس سے اچھی اور کیا بات ہوگی شہری خوا خواہ



online magazine .pk / recipes

aanchal.com.pk

روزگارنگ اپنا دنیا ہے آرائش دلچسپ ہے تریہ

سے اُنق

نازہ شمارہ شائع

ہو گیا ہے

نمبر 2017 کے شمارے کی ایک جھلک

ایکسٹون: ناول Mark Arundel نے لکھا اس میں ایک ریٹائر فوجی کو ایک شخص کی جان بچانے کی ذمہ داری دی جاتی ہے جبکہ کئی دشمن اسے مارنے پر تلے ہوتے ہیں ہر چہرے میں ایک نیا انکشاف ہوتا ہے دلچسپی اور سنسنی خیز واقعات سے پر ناول۔

موشد: بہت سے ایسے زندہ وجودوں میں سے ایک جو بازار حسن کے کونھوں اور گلیوں میں جھڑکیاں اور گالیاں کھائے ہوئے وقت کی ٹھوکروں میں پروان چڑھتے ہیں۔ ہاں البتہ قدرت نے حالات و واقعات کا جو کھیل رچایا تھا اس کی بدولت اس کے وجود کی ترکیب میں ان لطیف جذبوں کا آہنگ کجا ہوا یا تھا جو جذبہ باقی حالت کی معراج ہوا کرتے ہیں۔

خلوص... دیانت... ادب... ایثار... خدمت... شکر گزاری... کیفیت و احساس کی صورت و جوہر رکھنے والے محبت کی یہ بنیادی اجزا آدودہ اور خون کے ذریعے اس کے جسم و جان کا حصہ بنے تھے۔ بد معاش کی دنیا نے اسے مرشد مانا اور پھر... وہ کسی کامرید ہو گیا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

”لو آ گیا ہوں میں تمہارے سامنے کیا کر لو گی۔“ انداز بہت طنزیہ اور چلیجنگ تھا شہرینہ کا جی چاہا کہ واقعی اس کا منہ نوج لے۔

”تم.....“ وہ پھنکاری تھی اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اُگلن نے وارن کرنی اُگلن کو نیچے کرتے اس کا ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں جکڑ لیا۔ اس وقت وہ بیک کندھے پر اور فائل بائیں ہاتھ میں لیے ہوئے تھی۔

”تم جیسی لڑکی کو سیدھا کمرے لیے قطعی مشکل نہیں بچا جان اور خالہ نے تمہیں زیادہ ہی سرچڑھا رکھا ہے پہلے تم جو بھی تھی وہ سب ایک طرف اب یہ بھی مت بھولنا اب کہ تم میری منکوحہ ہو۔“ اُگلن کا انداز بہت سنجیدہ اور سرد تھا۔

”ہاتھ چھوڑیں میرا۔“ وہ بہت غصے سے بولی ساتھ ہی ساتھ ہاتھ چھڑانے کی مزاحمت بھی کر رہی تھی لیکن اُگلن کی مضبوط گرفت کے سامنے اس کی ساری مزاحمت بے کار جا رہی تھی۔

”کوئی مجھے کتنا ہی ناپسند کیوں نہ ہو جس کا ہاتھ ایک بار تھام لیا بھی رستے میں نہیں چھوڑا۔ یہ اور بات ہے کہ تم سے یہ رشتہ نفرت کی بنا پر بھانا پڑے گا۔“

”بیوی۔“ جو اب وہ چیخی۔

”چینو گی تو اپنے ہی گھر میں اپنا تماشا بنواؤ گی اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ تمہارے مقابلے میں سبھی مجھے ہی سپورٹ کریں گے۔“ اُگلن کا انداز بالکل سرد تھا۔ شہرینہ نے نہایت بے بسی سے اسے دیکھا۔

”میرا خیال ہے تمہیں کالج سے دیر ہو رہی ہے میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا۔“ اس نے اس کا ہاتھ پکڑے پکڑے چلنا شروع کر دیا تھا۔ شہرینہ چیخ رہی تھی لیکن اس کی مزاحمت پر بھی اُگلن نے ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ دونوں کا شور سن کر فائقہ اور فرح سامنے آئیں۔

”کیا ہوا؟“ فائقہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

”میں محترمہ کو ان کے کالج چھوڑنے جا رہا ہوں چونکہ یہ سیدھے انداز میں ساتھ نہیں چل رہی تو زبردستی

لے جانے کا حق رکھتا ہوں۔“ وہ بہت سنجیدہ تھا لیکن آنکھوں میں کچھ ایسی بات ضرور تھی کہ فائقہ اور فرح دونوں مسکرائیں تھیں۔ شہرینہ جیسی آفت کی پرکال لڑکی کو اُگلن ہی ہینڈل کر سکتا تھا، فرح نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی تھی وہ اسے اسی طرح پکڑے باہر کی طرف آیا تھا۔

اس نے ایک ہاتھ سے شہرینہ کا ہاتھ تھامے دوسرے ہاتھ سے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا شہرینہ کو فرنٹ سیٹ پر بٹھا کر دروازہ لاک کرتے وہ خود دوسری طرف آ کر بیٹھا تھا۔ شہرینہ نے سیدھے ہوتے ایک دم طیش میں آتے سارا اسٹیرنگ گھما ڈالا تھا۔ اُگلن نے بمشکل اس کے دونوں ہاتھ بائیں ہاتھ میں مقید کرتے اسے قابو کیا تھا۔

”تم سمجھتے کیا ہو خود کو؟ میں تمہاری زرخیز نہیں ہوں تم نے میرے ساتھ یہ سب کرنے کی جرأت بھی کیسے کی؟ تمہیں اندازہ ہی نہیں میں تمہارے ساتھ کیا کر سکتی ہوں۔“ وہ زنجی شیرنی کی طرح پھنکار رہی تھی۔ اُگلن نے بڑے ریلیکس موڈ میں اسے دیکھا۔

اس کا سرخیاں چھلکا تا چہرہ غصے کی زیادتی و شدت سے انگارہ بنا ہوا تھا، مارے طیش کے شہرینہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ یا تو اُگلن کو ہی مار ڈالے یا پھر اپنا حشر نثر کر لے۔

”میری جرأت کی تو بات ہی نہ کرو، بحیثیت منکوحہ تم پر وہ سب اختیار رکھتا ہوں جن کا تم بھی مجھے چاہیے نہ ہی کرو تو بہتر ہے اور رہ گئی میری جرأت کی بات تو تمہیں تمہارے ہی گھر میں تمہاری ماما اور کزن کی موجودگی میں یوں پکڑ کر لایا ہوں کہ کتنی ہو اس چیز کو چینیج۔“ اُگلن نے اس کے ہاتھ چھوڑ کر اس کی طرف منہ کرتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تو ایک پل کو شہرینہ لاجواب ہوئی لیکن اگلے ہی پل شدید بے بسی کے احساسات طوفانی جذبات کے ریلے میں بہتے ایک دم پھراٹھے تھے۔ اس نے بہت غصے سے اپنا ہاتھ اُگلن کے اسٹیرنگ پر رکھے ہاتھوں پر مارا تھا۔

”تم مجھے جانتے نہیں تم میرے ساتھ جو بھی

کرو گے میرے دل میں تمہارے خلاف نفرت ہی بڑھے گی۔ میں تمہیں بھی معاف نہیں کروں گی اپنی ہر زیادتی کا بدلہ لوں گی۔“ وہ جذبات کی رو میں بہہ رہی تھی۔ اپنے نفع و نقصان سے بے خبر اُگلن کی نفرت میں بہتے اسے بس ڈوب دینے کو تڑپ رہی تھی اُگلن نے اسے ایک پل کو غور دیکھا شہرینہ عثمان بلا کی حسین لڑکی تھی۔

وہ حسن پرست ہوتا تو ایک پل میں گھائل ہو جاتا لیکن شہرینہ کے تئیں اس کے انداز و اطوار اس کا لب و لہجہ یہ سب ایسے عناصر تھے کہ وہ اسے چاہ کر بھی دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اسے اول روز کی طرح ہی ناپسند تھی لیکن جس طرح وہ واضح و برلا انداز و الفاظ میں اس کی ذات کی نفی کر رہی تھی اس کے اندر کا انا پرست مرد اس قدر تو بہن آئین سلوک پر اسے بھی جواباً بری طرح رد کر دیتا چاہتا تھا۔

اس نے رات جس طرح اس کی نفی کی تھی اُگلن نے سوچ لیا تھا وہ اسے رد کرے گا بالکل اسی انداز میں جس طرح وہ اسے رد کر رہی ہے لیکن وہ اس طرح رد کرنا چاہتا تھا کہ یہ لڑکی ٹوٹ کر اس کے قدموں میں گرے لیکن اسے توڑنے کے لیے اُگلن کو اندر سے اب مضبوط بننا تھا۔ اس قدر کہ وہ جب چاہے اس لڑکی کی انا اور اس کے پندار کے محل کو چکنا چور کر سکے۔

”تم اپنے ہنر آزمائی میں بھی دیکھتا ہوں تم کہاں تک جاتی ہو اپنی اس نفرت میں۔“ شہرینہ نے لب دانتوں تلے دبائے تھے اُگلن پر کسی بھی بات کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ اُگلن نے ایک دو پل اسے دیکھا اور پھر اس نے کنیشن میں چائی تھمائی تھی۔

”لاک کھو لو مجھے تمہارے ساتھ کہیں نہیں جانا۔“ وہ پھر پھنکاری۔
”کھول سکتی ہو تو کھول لو۔“ اس نے مسکرا کر کہا تھا۔ ڈرائیور نے گیٹ اوپن کر دیا تھا۔ اس نے گاڑی ہاتھ دے پر ڈال دی تھی شہرینہ نے کچھ لمبے اُگلن کو بخور دیکھا۔

”تم بہت غلط کر رہے ہو میرے ساتھ اپنے ساتھ اور ان سب لوگوں کے ساتھ جن سے میرا نام جڑا ہوا ہے۔ تم مجھے زبردستی اپنے ساتھ باندھ سکتے ہو میرے والدین کو ٹریپ کر سکتے ہو لیکن میری نفرت میں کمی نہیں لاسکتے اوکے ایسے تو ایسے ہی ابھی میں بھی دیکھتی ہوں تم میرے ساتھ کہاں تک سفر کر سکتے ہو۔“ اُگلن کے تیوروں اور چہرے کے تاثرات نے اسے چونکا دیا تھا۔

اُگلن حد سے زیادہ سنجیدہ تھا لیکن اس کی آنکھوں کا تاثر از حد سرد مہری لیے ہوئے تھا۔ یعنی وہ اسے یہ سب کچھ جان بوجھ کر اذیت سے دو چار کرنے کے لیے کر رہا تھا اور وہ اپنے چیخنے چلانے سے اسے سکون مہیا کر رہی تھی۔ وہ یک دم ساکت ہوئی اور پھر ایک دم پرسکون ہو گئی تھی وہ چیخ چلا کر اسے فتح کا احساس کیوں دلاتی۔ اُگلن نے اسے دیکھا وہ جو چند پل پہلے چلا رہی تھی غصے سے سرخ انگارہ ہو رہی تھی اب ایک دم پرسکون ہو گئی تھی اس نے گودیوں میں فائل کھول کر اس کے صفحات پلٹنے شروع کر دیئے تھے وہ ایک دم اتنی پرسکون کیسے ہو سکتی تھی؟ اس کے اندر کھد بد شروع ہو گئی تھی اس کے سامنے ایک لمبی سڑک تھی اور مقابل ایک ہاتھ کے فاصلے پر بیٹھی یہ لڑکی تھی جو ایک معما سا بن گئی تھی۔ وہ جذباتی لحاظ سے کمزور لڑکی تھی لیکن وہ جذباتی لحاظ سے کوئی کمزور مرد نہ تھا اسے اپنے جذبات و احساسات ہر چیز پر قابو تھا اس کا اور اس لڑکی کا کوئی مقابلہ نہ تھا تو پھر وہ اس سے ضد کیوں باندھ رہا تھا۔

اس نے اسے دیکھا وہ ایسے بن گئی تھی گویا اسے اُگلن کی موجودگی یا ناموجودگی سے اب کوئی غرض نہ تھی۔ کچھ پل پہلے جس کے لیے اس ناپسندیدہ شخص کے ساتھ سفر کرنا زندگی و موت کا مسئلہ بنا ہوا تھا اب وہ ہندی کی طرح پرسکون تھی۔ اُگلن کو اپنے سب ارادے منی کے ڈھیر بننے محسوس ہو رہے تھے کچھ پل بعد شہرینہ کا موبائل بجنے لگا تھا۔ اس نے بیک سے موبائل نکال کر دیکھا کہ بن کی کال تھی اس نے اُگلن کو دیکھا اور پھر کال پک کر لی۔

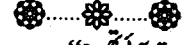
”ہاں زین.....“

”نہیں۔“

”ہاں۔“

”ٹھیک ہے اوکے۔“

”اوکے اللہ حافظ۔“ اُگلن کی نگاہ سامنے سڑک پر تھی لیکن ذہن شہرینہ عثمان کی طرف تھا کچھ دیر بعد کالج آ گیا تھا اُگلن نے خود اتر کر دوسری طرف آ کر لاک کھولا تھا۔ شہرینہ خاموشی سے اپنا بیک اور فائل لے کر باہر نکل گئی تھی۔ اُگلن کے اپنی ٹیڈ سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ اُگلن کے ساتھ چیخ چلا کر مقابلہ کرنے کی بجائے بالکل خاموش رہ کر اسے زچ کرنا زیادہ آسان تھا۔ شہر اُگلن نے اسے جاتے دیکھا تھا وہ کالج میں داخل ہوئی تو اُگلن نے بہت سنجیدگی سے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔



”کس کے ساتھ آئی تھی؟“ زین سے ہیلو ہائے کے بعد اس نے پوچھا۔

”بتایا تھا ناں کہ لاہور سے مہمان آئے ہوئے ہیں انہی میں سے ایک نے ڈراپ کر دیا تھا۔“

”تمہاری گاڑی کو کیا ہوا؟“

”پاپالے گئے تھے۔“

”پریزینٹیشن دیکھ لیتے ہیں تھوڑی دیر بعد کلاس شروع ہو جائے گی۔ کل مہمانوں کی وجہ سے کچھ نہیں کر پائی ورنہ میں نے سوچ رکھا تھا کہ اس میں کافی ساری چیزیں اور ایڈ کروں گی۔“ اس نے کہا تو زین نے سر ہلا دیا۔

وہ دونوں گروپ کے پاس آگئے تھے حوریہ عباس دونوں کی منتظر تھی ان کے گروپ میں ایک اور لڑکا جو ادارہ لڑکی صبا بھی شامل تھے۔ پانچ افراد پر مشتمل اس گروپ میں بھی افراد کافی لائق تھے سوائے صبا کے باقی چاروں کافی ہائی فیلٹیو سے لی لاگ کرتے تھے۔ صبا ایک مڈل کلاس گھرانے سے تعلق رکھتی تھی شروع میں کسی بھی گروپ کا حصہ نہ تھی۔

حوریہ کو وہ بہت پسند تھی اس نے اسے اپنے گروپ

میں شامل ہونے کا کہا تھا لیکن اس نے زین اور جواد کی وجہ سے انکار کر دیا تھا لیکن بعد میں حوریہ کی کوششوں سے ایک اسائنمنٹ کے ذریعے ان کے گروپ کا حصہ بنی تھی کہ اس اسائنمنٹ میں اس کے نمبر زب سے زیادہ تھے باقی لوگوں کو اس اسائنمنٹ کے لیے اس سے مدد لینا پڑی تھی اس کے بعد ان لوگوں کے گروپ میں وہ اکثر دکھائی دینے لگی تھی اور پھر رفتہ رفتہ وہ ان کے گروپ کا حصہ بن گئی تھی۔ صبا کاپس پوائنٹ اس کا عیب اور حجاب استعمال کرتا تھا۔

وہ ایک مڈل کلاس مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی شروع شروع میں اس کے عیب پر کالج میں کافی چوٹ کی جاتی تھی لیکن پھر وقت گزرنے کے ساتھ عیب اس کی پہچان بنتا چلا گیا تھا وہ عیب کے بغیر بھی دکھائی نہ دی تھی۔

شہرینہ اور حوریہ اس کے گھر بھی جا چکی تھیں وہ لوگ کافی با اخلاق تھے جبکہ وہ زین اور جواد سے اب بھی کچھ حد تک ریزروسی ہو کر ملتی تھی جبکہ شہرینہ اور حوریہ سے بہت فریٹک تھی وہ ان دونوں کے بارہا اصرار کے باوجود بھی ان دونوں کے گھر نہیں آتی تھی۔ ایک دفعہ صبا کی بہن کے میڈیکل ایڈمیشن میں کچھ گھپلا ہو رہا تھا ٹیسٹ کلیئر تھا نمبرز بھی اچھے تھے لیکن داخلہ چار جزی کی وجہ سے یہ لوگ کافی پریشان تھے۔ تب پہلی بار اس نے شہرینہ سے بات کی تھی اور شہرینہ نے عثمان صاحب سے کہہ کر اس کا کام منٹوں میں کر دیا تھا تب سے وہ شہرینہ کی کافی مشکور تھی۔ اس وقت بھی وہ بانچوں مل کر پریزینٹیشن پر ڈسکس کر رہے تھے یہ گروپ پریزینٹیشن تھی جسے گروپ کی طرف سے شہرینہ پریزنٹ کر رہی تھی لیکن اہم پوائنٹس سبھی نوٹ کر رہے تھے۔

”اچھا چھوڑو کتنا بورنگ کام ہے۔“ حوریہ کچھ دیر بعد ہی اکتا گئی تھی اس نے اپنا لیپ ٹاپ بند کیا تو بھی نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ وہ ان سب میں سے اسٹڈی سے جی چرانے والی لڑکی تھی لیکن ہنر اس کے بھی بہت اچھے آتے تھے۔

”میرا خیال ہے کہ اوڑن سال ساری پرینٹیشن تقریباً مکمل ہی ہے اور شہرینہ بہت اچھے سے بیچ کر لے گی۔“
 ”بالکل۔“ جواد کے کہنے پر اس نے فوراً سر ہلایا۔
 ”مجھے بہت بھوک لگی ہے ناشتا نہیں کر کے آئی چلو کینٹین چلتے ہیں۔“ حوریہ نے کہا تو شہرینہ نے اپنا موبائل دیکھا۔ ابھی کلاس شروع ہونے میں آدھا گھنٹہ باقی تھا وہ حوریہ اور صبا کینٹین کی طرف آ گئیں۔
 وہ گھر سے ناشتا کر کے آئی تھی اس نے صرف چائے پینے کو ترجیح دی تھی جبکہ حوریہ نے اپنے لیے برگر اور کولڈ ڈرنک منگوائی تھی صبا نے کچھ بھی لینے سے انکار کر دیا تھا وہ گھر سے اچھی طرح ناشتا کر کے آئی تھی۔ وہ لوگ بیٹھ کر ابھی کھا رہی تھیں جب اچانک فریخہ نے پیچھے سے شہرینہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
 ”کیسی ہو شہری؟“ شہرینہ نے پلٹ کر دیکھا اور فریخہ کو دیکھ کر ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔
 ”فائن۔“ اس کا انداز لیا دیا سا تھا۔ وہ اس وقت فریخہ کے ساتھ ٹائم ویسٹ کرنے کے موڈ میں نہ تھی۔
 ”نکتنی بے وفائو کی ہو تم شایان کی شادی کے بعد تو تم نظر ہی نہیں آئیں حتیٰ کہ میں نے کئی بار تمہارے ڈیپارٹمنٹ کے چکر بھی لگائے۔“ وہ بہت اپنائیت کا اظہار کرتے کہہ رہی تھی شہرینہ سنجیدہ جبکہ حوریہ کا موڈ اسے دیکھ کر بگڑنے لگا تھا۔
 ”لو آگئی چیکو۔“ وہ بڑبڑاتی تو صبا نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی تھی۔
 ”سنا ہے زودیہ وغیرہ تمہاری طرف آئے ہوئے ہیں آؤ جنگ کے لیے۔“ وہ مزید بولی۔
 ”ہاں۔“ وہ ابھی بھی سنجیدہ تھی۔ شادی میں جو کچھ ہو چکا تھا اس کے بعد اس کا ان میں سے کسی کو بھی منہ لگانے کو دل نہیں کر رہا تھا۔
 ”چلو اچھی بات ہے ماما کہہ رہی تھیں کہ وہ آج کل میں ان لوگوں کو دعوت پر بلائیں گی۔“
 ”ہم.....“ اس نے بس ہنکار بھرا۔

”شادی کی تصاویر بہت اچھی آئی ہیں میرے موبائل میں ہم لوگوں نے خوب انجوائے کیا تھا تمہاری کافی تصاویر ہیں میرے پاس آپٹکلی وہ ڈالس کرتے ہوئے اور پھر بعد میں وہ تمہارے نکاح والی۔“ وہ اس قدر روانی سے بول رہی تھی شہرینہ جو سنجیدہ سی بیٹھی ہوئی تھی فریخہ کی آخری بات پر ایک دم سیدھی ہوئی صبا اور حوریہ بھی ہنسی مچ گئی تھی۔ شہرینہ کے چہرے پر پریشانی چھا گئی تھی۔
 ”نکاح..... کس کا نکاح؟“ وہ اس سے پہلے کہ کچھ کہتی حوریہ فوراً بولی فریخہ ہنسی اس کی ہنسی بڑی حظ اٹھاتی ہوئی تھی۔ وہ ایک نظر میں ہی بھانپ گئی تھی کہ شہرینہ نے اپنی دوستوں کو اپنے نکاح کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔
 ”شہرینہ کا نکاح۔“ وہ ہنس کر بولی۔
 ”شہرینہ کا نکاح.....؟“ دونوں نے بے یقینی سے شہرینہ کو دیکھا اور شہرینہ نے فوراً موبائل پر وقت دیکھا۔
 ”شہرینہ تم نے بتایا نہیں دوستوں کو شہرینہ کا کچھ دن پہلے اسے تیار ازاد سے نکاح ہوا ہے۔“ وہ شہرینہ کو دیکھ رہی تھی اور مسکرا کر دوستوں کو بتا رہی تھی وہ حیران تھیں۔
 شہرینہ اچانک انگلیں جیسے آسان شکار کو اس کے ہنپوں سے نکال کر لے اڑی تھی فریخہ تو اندر ہی اندر جل رہی تھی۔
 ”اگلے جیسا ہر لحاظ سے مکمل اور شاندار مرد کا اس طرح ہاتھوں سے نکل جانا وہ بھلا کیسے برداشت کر لیتی۔
 رخشندہ اور فریخہ کا تو حسد کے مارے برا حال تھا اور اب اگر شہرینہ سے سامنا ہوا تھا تو بھی وہ اسے معاف کرنے والی نہ تھی۔
 ”فریخہ پلیز..... ہماری کلاس ہونے والی ہے پھر بات کر رہے گے۔“ وہ فوراً کھڑی ہوئی جبکہ فریخہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔
 ”شہرینہ بتاؤ تو سہی یہ کیا کہہ رہی ہے۔“ حوریہ بھی آدھی کولڈ ڈرنک وچیں چھوڑ کر فوراً کھڑی ہو گئی تھی۔
 انہوں نے کاؤنٹر پر پے منٹ کی اور تیزی سے وہاں سے

”میں تم لوگوں کو سب بتا دوں گی لیکن ابھی کلاس ہونے والی ہے زین یا جواد سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں بس اتنا کہو گی کہ اس نکاح کی میرے نزدیک کوئی حیثیت نہیں سو میں نے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔“ وہ جلدی سے کہہ رہی تھی حوریہ اور صبا نے خاموشی سے اسے دیکھا۔
 ”اوکے لیکن کلاس کے بعد تم ہمیں سب کچھ بتاؤ گی“ ایک لفظ بچ بچ۔“ شہرینہ نے سر ہلادیا۔ وہ ذہنی طور پر ڈسٹرب ہوئی تھی لیکن اس نے خود کو جلد ہی بحال کر لیا تھا کچھ دیر بعد ان کی کلاس شروع ہو گئی تھی۔ اس کی پریزینٹیشن کافی اچھی رہی تھی۔
 سر نے اور کلاس فیلوز نے اسے بہت اچھے انداز میں اپریٹیشن کیا تھا اس کی اگلی کلاس فری تھی زین کو اردو ڈیپارٹمنٹ کی طرف کچھ کام تھا وہ جواد کے ساتھ اسی طرف چلا گیا تھا وہ تینوں لائن میں آئی تھیں اور پھر اس نے ان کو سب تفصیل سے بتا دیا تھا۔ اگلے کے ساتھ ہونے والی تمام جھڑپیں دل میں موجود بدگمانیاں و فرتیں ہر چیز دونوں نے از حد خاموشی سے سب سنا تھا آخر میں اس نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس وقت اگلے اپنی دادی بہن بھائی اور بھابی کے ساتھ ان کے گھر میں موجود ہے۔
 ”بڑی فنی سی کہانی ہو گئی ہے تو یہ۔“ صبا نے کہا تو شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ دوستوں میں موضوع گفتگو بننے سے خوف زدہ بھی لیکن اب فریخہ کی حماقت کی وجہ سے سب کچھ بتانے پر مجبور تھی۔
 ”تصور کرو کی نہیں تمہارے پاس نکاح کی۔“ شہرینہ نے گھورا تو صبا نے حوریہ کا کندھا ہلایا۔
 ”جس چٹوٹن میں بے چاری کا نکاح ہوا ہے ایسے میں کس کو تصویر بنانے کی سوجھ بوجھ ہے۔“
 ”ہے تو ایسا ہی لیکن شادی وادی کی تصاویر تو ہوں گی تمہارے پاس۔“
 ”ہوئی تو بھی میں تمہیں نہ دکھاتی۔“

”چلو کوئی بات نہیں میں فریخہ سے کہہ دوں گی اس کے موبائل میں تو ہیں وہ دکھا دے گی۔“ شہرینہ نے گھورا تو وہ ہنس دی۔
 ”اپنا موبائل دو۔“ اس نے اس کے ہاتھ سے موبائل لیا۔
 ”پاسورڈ بتاؤ۔“ جیسے ہی اس نے آن کیا تو موبائل پاسورڈ مانگنے لگا۔ شہرینہ نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر پاسورڈ لگا کر پٹرین کھول کر اسے موبائل دے دیا تھا۔ حوریہ نے گیلری کھول لی تھی تصاویر اس کے سامنے تھیں پھر صبا بھی دیکھنے لگی۔
 ”بتاؤ یہ کون کون ہیں؟“ زودیہ اور فرح کی کل کی گئی تھی تصاویر تھیں جو فرح نے اس کے موبائل سے لیں تھیں۔
 ”یہ زودیہ ہے اور یہ فرح۔“
 ”اب شرافت سے باقی کے بارے میں بتاتی چلو تم جانتی ہو تم نے ہمیں نہ بتا کر جو خطا کی ہے اس کی سزا کیا ہو سکتی ہے۔ ہم تم سے ناراض نہیں ہو رہے ہیں تو یہ ہماری شرافت ہے ایسا نہ ہو تمہیں ہماری تحقیر قسم کی ناراضگی سہتا پڑ جائے۔“ شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا ایک ایک کر کے وہ ان کو سب تصاویر دکھا رہی تھی۔
 ”یار ساری دنیا کی تصاویر اس میں موجود ہیں جس کو دیکھنا مقصود ہے وہ تو کہیں نہیں۔“ حوریہ نے کہا تو اس نے حیرت سے سر جھٹکا۔
 ”وہ شخص اس قابل ہرگز نہیں کہ اس کی تصاویر میں اپنے موبائل میں رکھتی پھر دو۔“ حوریہ اور صبا نے بغور اسے دیکھا۔
 ”پر سنائی کیسی ہے؟“ حوریہ نے اس کی نفرت کا اندازہ لگایا۔
 ”پاپا سے کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔“
 ”واؤ اس کا مطلب ہے کافی ڈشنگ پر سنائی ہے پھر تو۔“ شہرینہ نے گھورا تو وہ ہنس دی۔
 ”قسم سے تمہارے پاپا کی پر سنائی آج بھی اس قدر

شاندار ہے کہ کئی کنواری لڑکیاں دل ہاتھ میں لیے ان کے رستے میں بیٹھے کو ترجیح دیں گی۔

”یکومت۔“ اس نے موبائل اس کے ہاتھ سے چھینا۔

”ارے دیکھئے تو دو ہو سکتا ہے آگے جا کر اس کی تصویر نکل آئے۔“ شہرینہ نے ان سنی کرتے موبائل اپنے بیگ میں رکھ لیا۔

”اس کا مطلب ہے کافی زبردست انسان ہے بہر حال شہرینہ کی باتوں سے مجھے وہ کوئی بہت زیادہ ناقابل برداشت انسان نہیں لگتا۔ جس طرح کے واقعات شہرینہ بتا رہی ہے ہمارے گھر کے سردوں کی بھی یہی سوچ ہوتی ہے۔ وہ بھی اپنی عورتوں کے بارے میں اس طرح پوزیو ہیں جس طرح مسٹر فلن کا بتایا ہے اس میں نفرت کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔“ صبا نے حقیقت پسندی سے سچائی پر جی بات کی۔

”تم میری دوست ہو یا اس کی بہن۔“

”تمہارے ناطے تو اب ساری کا رشتہ بنتا ہے۔“ اس نے ہنس کر کہا شہرینہ نے لب سمجھنے لیے تھے۔

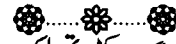
”بہر حال کوئی حتمی رائے دینے سے پہلے ضروری ہے کہ ایک بار تمہارے ان مسٹر فلن صاحب سے مل لیا جائے تو بہتر ہوگا۔ کیا خیال ہے بقول اس کے کہ آج کل اسلام آباد میں ہی ہے اور ان کے گھر ہی رہائش پذیر ہے۔“ حورینہ نے بھی سنجیدہ ہو کر کہا۔

”ہرگز نہیں تم لوگ اسے دیکھئے ہرگز نہیں جاؤ گی۔“

”ہم یونیورسٹی سے واپسی پر تمہاری طرف چل رہی ہیں تمہاری گاڑی بھی نہیں ہے تمہیں اور صبا کو ڈراپ کرنا میری ذمہ داری ہے۔“ حورینہ نے فوراً پروگرام بتایا۔

”میں نے گھر نہیں بتایا۔“ صبا نے ٹالنا چاہا۔

”کوئی بات نہیں گھر کال کر کے آئی سے اجازت لے لیتا آج جانا پکا ہے۔“ ان کا پروگرام پکا تھا صبا نے سر ہلایا جبکہ شہرینہ اس لمحے پر افسوس کر رہی تھی جب فریج کی حفاظت کے سبب اس نے ان کو سب کچھ بتایا تھا۔



شہرینہ کی سوئمنگ بریکس تھی لیکن حورینہ اور صبا کی وجہ سے اس نے انسٹرکٹر کو کال کر کے اپنے ننڈے کا کپہہ دیا تھا وہ سوئمنگ پول جانے کی بجائے حورینہ کی گاڑی میں آ بیٹھی تھی صبا نے بھی اپنے گھریات کر لی تھی وہ بھی ساتھ تھی۔ سارا رستہ حورینہ اور صبا فلن کا نام لے لے کر اس کا دماغ چالتی رہی تھیں اللہ اللہ کر کے گھر آیا تو ان کی زبان رکی تھی۔

فائدہ یہ کہ حسب پروگرام عثمان کے ڈرائیور کے ساتھ کسی انویٹیشن پر جا چکی تھیں۔ شہرینہ کی گاڑی گھر آ چکی تھی گھر والی گاڑی بھی موجود نہ تھی شایان اور زوبیہ گھر والی گاڑی لے کر باہر گھومنے گئے ہوئے تھے فرح گھر پر ہی تھی اماں بی کے پاس۔ وہ زبیدہ کو خاطر مدارت کا سامان اچھے انداز میں تیار کرنے کا کہہ کر ان دونوں کو لے کر اپنے کمرے میں ہی آ گئی تھی۔

صبا چند ایک بار ہی ان کے ہاں آئی تھی لیکن ہر بار ان کے گھر آ کر وہ اس کے گھر کی امارت دیکھ کر کچھ پل کے لیے خاموش ضرور ہوتی تھی۔ وہ حیران ہوتی تھی کہ اس کی شہرینہ کی نجمانے کیسے دوستی ہوگئی وہ تو خود کسی بھی طرح شہرینہ کے قابل نہ سمجھتی تھی لیکن وقت گزرنے پر اس نے ہمیشہ اس کو بہت زیادہ محبت کرنے والی ہر اچھے برے میں ساتھ رہنے والی دوست پایا تھا۔ وہ دل سے اس کی قدر کرتی تھی وہ گزرے وقت میں اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ شہرینہ مزاج اور زبان کی تیز تھی لیکن دل کی بہت اچھی تھی جن لوگوں سے اس کا مزاج مل جاتا تھا وہ ان کے ساتھ دل بھی ملا لیتی تھی۔ فرح کو علم ہوا کہ گھر میں شہرینہ کی فریڈ آزائی ہوئی ہیں تو وہ خود ہی شہرینہ کے کمرے میں آ گئی تھی۔

”مجھے فرح کہتے ہیں۔“ سلام دعا کے بعد فرح نے اپنا تعارف کروایا تھا تو دونوں مسکرائیں۔

”ہم جانتے ہیں۔“

”کیسے ہم تو پہلی بار مل رہی ہیں۔“

”شہری آپ کا کافی ذکر کرتی ہے ناں۔“ حورینہ نے شرارتی نگاہوں سے شہرینہ کو دیکھ کر کہا تو فرح نے خوشگوار حیرانی سے شہرینہ کو دیکھا۔

”حیرت ہے اللہ کرے یہ ذکر خیر ہی ہو۔“ فرح نے بھی کہا تو شہرینہ نے غصے سے دیکھا وہ ہنس دی۔

”اصل میں ہماری یہ کزن آل ٹائم غصے میں رہتی ہے تو میں سوچ رہی تھی میرا ذرا کچھ اچھے الفاظ میں نہیں ہوا ہوگا۔“ وہ ان کے پاس ہی بے تکلفی سے بیٹھ گئی۔

”میں زبیدہ کو دیکھتی ہوں اس کو چائے کا کہا تھا۔“ وہ ان کو لوگوں کو وہیں چھوڑ کر باہر آ گئی تھی گھر میں اتنے ملازمین تھے مالکان کچھ کھائیں یا نہ کھائیں ملازمین کے لیے ضرور پکاتا تھا زبیدہ نے کچھ تیکری کا سامان لڑکے کو بیچ کر منگوا لیا تھا اور کچھ چیزیں فوراً گھر سے نکالیں تھیں۔

”پہلے چائے اور ساتھ میں ریفریجیٹ بجھاؤ پھر کچھ دیر بعد کھانے پینے کا سامان لے آنا۔“ وہ کہہ کر واپس کمرے میں آئی تو حیران ہوئی۔

فرح اماں بی کو بھی وہیں لے آئی تھی اب یہ چاروں کافی خوشگوار موڈ میں بات چیت کر رہی تھیں۔ فرح تو مکمل طور پر ان دونوں سے مکمل مل چکی تھی یوں جیسے یہ شہرینہ کی نہیں فرح کی ہی دوست تھیں جبکہ شہرینہ تو دوستوں سے بھی فریک ہونے میں سالوں لگاتی تھی۔

”یارتو دونوں تو اچھی خاصی ہوٹیلی لحاظ سے بھی ٹھیک ٹھاک ہو پھر تم دونوں نے شہرینہ سے دوستی کیسے کر لی؟“

فرح نے شرارتی نگاہوں سے شہرینہ کو دیکھتے کہا تو حورینہ بے اختیار ہنسی۔

”بس دماغ خراب ہو گیا تھا۔“

”بکواس نہیں کرو۔“ اس نے غصے سے حورینہ کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

”ویسے ایمان داری سے بتاؤں شہرینہ جیسے لوگ دل کے بہت سچے ہوتے ہیں اندر باہر سے ایک جیسے غصے اور مزاج کی تیزی ان کے دل کی سچائی تو دھندلا نہیں سکتی

ایسے لوگ جس سے بھی رشتہ بناتے ہیں بہت فہم ہولر بناتے ہیں۔“

”یہ تو ہے۔“ فرح نے بھی سر تسلیم خم کیا۔ زبیدہ چائے لے آئی تھی ساتھ ہلکا ہلکا ریفریجیٹ تھا ان لوگوں نے چائے بہت خوشگوار موڈ میں پنی تھی۔ چائے کے بعد اماں بی لاؤنج میں جا بیٹھی تھیں جبکہ وہ ان تینوں کو لے کر گھر دکھانے لگی تھی پچھلے دنوں سارے گھر کی کلر اسکیم اور سیٹنگ چھنچ کی تھی۔ اماں نے شہر کے ہائی فائی ہوم انٹیریئر کمپنی کی خدمات لی تھیں سارا گھرج کر بہت ہی شاندار لگ رہا تھا۔ صبا گھر دیکھ کر متاثر ہو رہی تھی جبکہ حورینہ سہرا رہی تھی وہ اوپر والے پورشن میں تھیں جب آٹن گھر لوٹا تھا وہ اماں بی کے پاس آ گیا تھا انہوں نے چائے پانی کا پوچھا تو اس نے پہلے فریش ہونے کا کہا ایک دو منٹ بعد وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ وہ لباس لے کر واش روم میں ٹھس گیا تھا کچھ دیر بعد وہ بیچ کر کے فریش ہو کر کمرے سے نکلا تو اسے بھوک لگ رہی تھی وہ آج سارا وقت بزی رہا تھا۔ وہ کبھی بھی اسلام آباد آنے پر راضی نہ ہوتا اگر یہاں کے کچھ کافی عرصے سے پینڈنگ کام اسے اثریٹ نہ کرتے۔ اس نے نگاہیں اماں بی کے لیے رضا مندی دی تھی لیکن حقیقتاً وہ اپنے کام نبھانے کے لیے آیا تھا۔ وہ کمرے سے نکلا تھا اماں بی سے پتا چل گیا تھا کہ خالہ گھر نہیں تھیں زوبیہ اور شایان باہر نکلے ہوئے تھے جبکہ فرح گھر پر تھی۔

”فرح کہاں ہے؟“ وہ واپس اماں بی کے پاس چلا آیا۔

”شیر کی ساتھ ہے شاید اوپر گئی ہے۔“ آٹن نے سر ہلایا اس کا خیال تھا کہ وہ فرح کو کھانے پینے کے لیے کچھ لانے کو کہے گا اس نے کچھ دیر فرح کا ویٹ کیا لیکن فرح نہ آئی تو وہ خود ہی کچن میں آ گیا۔ کچن سے بڑی اشتہاء انگیز کھانوں کی خوشبو کچن اٹھ رہی تھی۔

”کچھ چاہیے صاحب۔“ زبیدہ اسے دیکھ کر فوراً متوجہ ہوئی۔

”ہاں کھانا چاہیے“ فرح کو کہیں میں لاؤنج میں اماں بی کے پاس ہوں ادھر ہی کھانا بھجوا دیں۔“ ٹرے میں انواع و اقسام کی کھانے کی اشیاء سجائی گئیں۔ ایک سرسری سی نگاہ ڈال کر وہ واپس باہر نکل گیا تھوڑی دیر بعد فوراً باہر کی راہ لی تھی ڈرائنگ ہال میں کھانا لگا کر وہ اوپر والے پورشن میں چلی آئی وہ چاروں وہاں خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔

”کھانا لگا دیا ہے شیری بی بی۔“ اس نے مودبانہ انداز میں کہا۔ وہ تینوں اچھی تھیں اس نے فرح کو دیکھا۔ ”فرح بی بی شیر اگلن صاحب آچکے ہیں آپ کو بلا رہے ہیں کہہ رہے تھے کہ کھانا لے کر ادھر ہی آ جائیں وہ اماں بی کے پاس ہیں۔“

”بھائی کب آئے؟“ ”کچھ دیر پہلے۔“ وہ چاروں نیچے آ گئیں۔ ”فرح اور صبا اگلن کو بیوی دیکھنے آئی تھیں لیکن یہاں آنے پر علم ہوا تھا کہ وہ گھر نہیں لوٹا ابھی تک تو وہ نامیدی ہوئی تھیں مگر اب اگلن کا نام سن کر وہ پھر بے شوق ہوئی تھیں۔ شہرینہ انہیں ڈرائنگ ہال میں لے آئی تھی۔ فرح بھی اگلن کو کھانا دے کر ان کے ساتھ ہی آ گئی تھی۔ کھانے کے بعد صبا اور حور بی اگلن سے ملنے کے لیے شہرینہ کو اشارے کر رہی تھیں جبکہ وہ مسلسل نظر انداز کر رہی تھی۔

”فرح آپ کی اماں بی سے ملنا ہے کیا کر رہی ہیں وہ۔“ حور بی نے خود ہی فرح سے کہا۔

”وہ تو بھائی کے ساتھ کھانا کھا رہی ہیں۔“ ”ہمیں دیر ہو رہی ہے ایسا کرتے ہیں ان سے مل لیتے ہیں اور پھر نکلتے ہیں۔“ صبا نے بھی کہا تو شہرینہ کے لاکھ آٹھ کھیں دکھانے پر وہ اماں بی سے ملنے (لیکن درحقیقت اگلن کو دیکھنے) لاؤنج میں چلی آئیں جبکہ شہرینہ کاریڈور میں ہی ٹھلنے لگی تھی۔ اگلن فرح کے ساتھ اجنبی لڑکیوں کو دکھ کر چونکا تھا۔ ایک کی ڈرائنگ تو سیم شہرینہ جیسی ہی تھی لیکن دوسری کو دیکھ کر وہ احتراماً لشعوری طور پر کھڑا ہوا تھا۔

”السلام علیکم؟“ دونوں نے کہا، اگلن نے محض سر ہلایا تھا۔ ”کھانا کھالو۔“ اماں بی نے کہا تو حور بی مسکرائی۔ ”آپ کھائیں ہم ابھی کھا کر آئے ہیں ہم نکل رہے تھے جانے کے لیے تو سوچا کہ آپ سے مل لیں آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔“ حور بی نے مہذبانہ انداز میں کہا۔

”اگلن بھائی یہ دونوں شہرینہ کی فرینڈز ہیں۔“ فرح نے تعارف کروایا تو اگلن نے ایک گہرا سانس لیا۔ حور بی کی ڈرائنگ نے تو نہیں البتہ صبا کے عبا یا اور اشارے اسے ضرور حیرت زدہ کیا تھا شہرینہ کے حلقہ احباب میں ایسی ڈھکی چھپی لڑکی بھی ہو سکتی ہے وہ ماننے کو تیار ہی نہ تھا۔ اگلن کو دونوں نے بطور خاص دیکھا تھا صبا کو اس کا کھڑے ہو کر احترام دینے کا یہ انداز بہت اچھا لگا تھا۔ اس نے بلا وجود دونوں کی طرف نہیں دیکھا وہ ایک سرسری نظر ڈال کر اماں بی کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

”اوکے اماں بی اگر آپ پھر آئیں تو ضرور بتائیے گا میری گرینڈ مڈر بھی بالکل آپ کے جیسی ہیں آپ سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے میں آپ سے پھر بھی ملنے آؤں گی۔“ حور بی نے کہا اس کے سچے میں خلوص اور محبت تھی۔ اماں بی کو بھی یہ دونوں بچیاں بہت بھائی تھیں انہوں نے ہاتھ اٹھایا تو دونوں نے جھک کر ان سے پیار لیا۔

”ضرور آنا میں شیری کو کہوں گی وہ تم دونوں کو دوبارہ لے کر آئے۔“ انہوں نے کہا وہ سر ہلا گئی تھیں۔ ایک دو اور باتوں کے بعد وہ اللہ حافظ کہہ کر وہاں سے نکل آئی تھیں اگلن دوبارہ بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔

”ماشاء اللہ بڑی نیک بچیاں ہیں۔“ اماں بی نے کہا تو اگلن نے مسکرا کر دیکھا۔

”بس ایک ہی نیک لگتی ہے دوسری تو آپ کی پوتی کا ہی پوتی لگی۔“ ”لباس پر نہ جاؤ اخلاق دیکھو کیسا سلجھا ہوا ہے۔“

”آج کے دور میں انسان کی پرکھ دینا اس کے لباس سے ہی کرتی ہے ظاہری حلیے ہی انسان کے کردار کی پہچان کرواتے ہیں ورنہ اندر جھانک کر کس نے دیکھا ہوتا ہے کہ وہاں کس قدر اخلاقیات موجود ہیں۔“ اگلن کا انداز سنجیدہ تھا اور کچھ حد تک طنزیہ بھی۔

”شیری جذباتی ضرور ہے کم عقل نہیں کہتے ہیں انسان کے دوست اس کے کردار کے عینہ دار ہوتے ہیں اس کی محبت ہی اس کے کردار کے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اس کی دوستوں کو کچھ کر خوشی ہوئی کہ وہ بہت اچھی بچیاں لگی تھیں۔“ اگلن محض مسکرایا تھا۔

بری تو اسے بھی نہیں لگی تھیں لیکن وہ محض ظاہری حلیہ دیکھ کر فیصلہ کر لینے والا انسان نہ تھا دونوں بظاہر بااخلاق مہذب اور سچی ہوتی ہی نظر آتی تھیں وہ سر جھٹک کر کھانے میں بڑی ہو گیا تھا فرح ان سے مل کر اگلن کے پاس آ گئی تھی کہ پوچھ لے کہ کھانا وغیرہ میں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ شہرینہ کے کمرے سے اپنے بیگز اور بکس لے کر وہ لان میں آ گئی تھیں۔

”اگلن صاحب بظاہر تو بہت ہی ڈینٹ اور چارمنگ لگے دیے شیری تو ہے ہی لگی اتنا اچھا بیک گراؤ نہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایسا شاندار ہزبینڈ مل رہا ہے۔“

”تم لوگ جانتی ہو کہ مجھے ان چیزوں کی طلب نہیں اس شخص کا نام میرے سامنے بار بار مت لؤ میرا اور اس کا یہ رشتہ جو بڑوں کی خواہش اور ضد کا نتیجہ ہے اب بہت دیر تک نہیں چلنے والا ایک نہ ایک دن یہ ختم ہو کر ہی رہے گا۔“ صبا نے اسے بخور دیکھا۔

”اس قدر سختی رائے؟ ابھی آغاز ہے اخلاقی لحاظ سے وہ مجھے اچھے انسان لگے ہیں۔ تم بھی اپنے رویوں میں پک پیدا کرو ہو سکتا ہے سب ٹھیک ہو جائے۔“ صبا نے کہا۔

”میں اس شخص سے نفرت کرتی ہوں وہ مجھے اچھی لڑکی نہیں سمجھتا جو مجھے ڈی گریڈ کرے گا تم دونوں جانتی

”ہو کہ پھر میں جو کرتی ہوں۔“ ”ٹھیک ہے جو بھی ہو وہ ماضی تھا وہ سب یہ رشتہ بننے سے پہلے تھا اب تم ان کی دوائف ہو یقیناً ان کے دل میں بھی گنجائش پیدا ہوئی ہوگی۔ تم بھی گنجائش پیدا کر دو خود کو پُر سکون رکھنے کی کوشش کرو سب ایک جیسا نہیں رہتا ہمیشہ وقت کے ساتھ ساتھ ہر چیز بدلتی ہے۔ میں نے ایک نظر میں ہی اندازہ لگا لیا ہے کہ وہ عورت کو عزت دینے والے مرد ہیں۔ تم اگر خود کو ان کی پسند کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرو گی تو وہ بھی یقیناً بدلتی گے اگر دونوں ہی آکر رہے تو بہت نقصان ہو سکتا ہے۔“ صبا نے محل سے سب کچھ وضاحت سے سمجھایا۔ شہرینہ نے خاموشی سے سنا۔

”میں ان کو پسند نہیں کرتی۔“ ”کوئی اور ہے کیا؟“ حور بی نے بہت آسانی سے پوچھا۔ شہرینہ تو کئی لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی تھی دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

”وہ زین ہے کیا؟“ یہ صبا تھی شہرینہ نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا اس نے لب بھج لے لیے تھے چہرے کے عضلات ہچکچ گئے تھے حور بی نے صبا کو دیکھا۔ صبا نے کچھ اور بھی کہا نا چاہا تھا لیکن حور بی کے کلمہ کے اشارے سے منع کرنے پر وہ خاموش ہو گئی۔

”اوکے چلتے ہیں آج کا دن تمہارے ساتھ تمہاری کزن اور اماں بی سے مل کر بہت اچھا گزارا۔“ حور بی نے کہا تو شہرینہ نے محض سر ہلایا وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں واضح مین نے گیٹ کھول دیا تھا۔ وہ خاموشی سے کھڑی رہی تھی حور بی ہاتھ ہلاتی گاڑی گیٹ سے نکال کر لے گئی تھی شہرینہ نے ان کو جاتے دیکھا تھا۔ اس کے اندر بڑی عجیب سی کیفیت پیدا ہو رہی تھی اندر جانے کا اس کا دل نہیں کر رہا تھا وہ لان کی گھاس پر چلنے لگی دل میں عجیب سا موسم تھا اور چہرے پر گہری سوچ کا سایہ۔

فرح آئی تھی اس کے پاس شاپنگ کے لیے جانا تھا۔

زویہ اور شایان تو گھوم پھرائے تھے وہ کافی تھکے ہوئے تھے دونوں نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا جبکہ فائقہ ابھی بھی نہیں لوٹی تھیں انہوں نے رات میں عثمان کے ساتھ ہی آنا تھا۔ نیپو گھر پر ہی تھا درمیان میں کچھ دیر وہ گھر سے نکلا تھا دو تین دن کی چھٹی باٹی تھی اس کی اس کے بعد اس نے پھر مری ہاسٹل میں چلے جانا تھا وہاں سے اویلول کر رہا تھا آج کل اپنے دوستوں کے ساتھ انجوائے کر رہا تھا۔

”سوری یار میں تو نہیں جاسکتی کل اگر ٹائم ملا تو دیکھیں گے۔“ اس نے انکار کر دیا۔
 ”اف..... کتنے بورنگ ہو تم لوگ خالہ کی اپنی ایکسٹریز ہیں چچا جان وہ بھی انتہائی بڑی ہیں آفاق بھائی موجود نہیں ہیں اور ایک تم ہو جو جیسے کاٹ کھانے کو دوڑتی ہو یار میں ادھر گھومنے پھرنے آئی ہوں گھر میں بند ہونے نہیں۔ عجیب لوگ ہو گھر آئے مہمان کی ایسے مہمان نوازی کرتے ہیں کیا؟“

”تو مجھے کیا کہہ رہی ہو جا کر اپنی خالہ اور چچا کو کہو ناں۔“ اس نے ناراضی سے کہا تو فرح نے گھورا۔
 ”یہ سارے دکھڑے تمہاری ناراضی کے لیے نہیں رو رہی آرام سے اٹھو اور میرے ساتھ چلو۔“ اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔
 ”پلیز فرح میں تھک گئی ہوں پاؤں کے زخم کی وجہ سے بہت زیادہ چل پھر نہیں سکوں گی۔“ اس نے ٹالنا چاہا۔
 ”اور اگر تم آج اپنے صبح بتائے گئے شیدول کے مطابق سوئمنگ کی پریکٹس کے لیے چلی جاتی تو تب تھکن نہیں ہوتی تھی اور پاؤں میں بھی درد نہیں تھا۔“
 ”کیا مسئلہ ہے یار تمہارا بھائی گھر پر موجود ہے اسے ساتھ لے جاؤ اور میری جان چھوڑ دو۔“
 ”بہت بری ہو تم ہم تمہاری خاطر اتنی دور سے آئے تھے۔“
 ”فار یو کانسڈ انفارمیشن میری خاطر نہیں اپنے بھائی

اور بھادج کی خاطر آئی ہو اور تفریح کے مقصد سے آئی ہو مجھ پر احسان جتانے کی ضرورت نہیں۔“ وہ حد سے زیادہ صاف گوئی۔
 ”بڑی بے حس ہو۔“
 ”لیکن تمہاری فیملی کے بہت سے لوگوں سے کم ہوں۔“ وہ ترکی پر تکی بولی۔
 ”انگلن بھائی کے طعنے مت دو ان سے نکاح سے پہلے بھی تمہارا اور میرا ایک رشتہ تھا اسے فراموش کر سکتی ہو۔“

”تم نے اگر اپنے اس بے حس بھائی کا نام بھی لیا تو بس تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دوں گی میرے پاس بیٹھنا ہے تو شرافت سے بیٹھو۔“ وہ فوراً بے مروت بن گئی تھی فرح نے اسے بغور دیکھا یعنی اس پر کسی بھی بات کا کوئی اثر نہ تھا انگلن کے نام پر تو وہ ایک دم چراغ پا ہو جاتی تھی۔
 ”انگلن بھائی سے تمہارا جو رشتہ ہے اس کو تم کیسے فراموش کر سکتی ہو۔“

”میں ایسے کسی بھی رشتے کو نہیں مانتی جو بھی ہوا تمہارے بڑوں کی سازش سے ہوا ہے ورنہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں اس سے کس قدر نفرت کرتی ہوں۔“
 ”وہ کبھی کھارٹو کہ دیتے تھے چلو مان لیتی ہوں کہ وہ کافی زیادہ روڈ ہو جاتے ہیں لیکن تم بھلا ان کو کیسے رٹیکٹ کر سکتی ہو؟“

”بالکل ایسے ہی جیسے وہ میری ذات کی نفی کرتے ہیں مجھے ڈی گریڈ کرتے رہے ہیں۔“ وہ بہت مطمئن انداز میں بولی۔
 ”وہ سب غلط فہمی کی بنا پر ہوتا رہا ہے تم بھول نہیں سکتی وہ سب۔“ فرح نے محل سے کہا۔
 ”میری زندگی کو سب کے سامنے مذاق بنادیا گیا ہر موقع ہر لمحے میری تشہیک کی گئی۔ میری ذات پر کچھڑ اچھالا گیا میں وہ سب بھلا کیسے بھول سکتی ہوں ماما پاپا دونوں کو ٹریپ کیا گیا آپیشلی پاپا کو تو میں بھلا اس کرب اور دکھ کو بھول سکتی ہوں۔“ وہ تو جیسے ڈٹ گئی تھی فرح نے

ایک گہرا سانس لیا۔

”بات اپنی ذات کے دفاع کے ساتھ ساتھ میری انگو اور سیلف ریسپیکٹ کو برٹ کرنے کی بھی ہے میں کوئی غیر نہ تھی کہ جس کے اخلاق و کردار پر انہیں کوئی شک و شبہ ہوتا۔ میں ان کی سچی پچازاد تھی وہ بھلا میرے ساتھ وہ سب کیسے کر سکتے تھے لیکن انہوں نے تو کوئی لحاظ و مروت باقی نہ رہنے دیا تھا۔“

”وہ سب غلط تھی بھی ہو سکتا ہے۔“

”کچھ بھی ہو لیکن میں اب اپنے موقف سے نہیں ہٹنے والی اور پلیر فرخ اگر تم چاہتی ہو کہ بحیثیت مہمان میں تمہیں پروٹوکول دونوں آدمیوں سے مس بی ہو نہیں کروں تو پلیر آئندہ مجھ سے اس ٹاپک پر بات مت کرنا اینڈ ڈینس آل۔“ فرخ نے ایک گہرا سانس لیا شہرینہ کا انداز از حد نہ لپک تھا۔ وہ واقعی اپنے دل و دماغ میں اب کوئی گنجائش نکالنے والی نہ تھی۔ شہرینہ کے لیٹنے کے ساتھ آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔ فرخ نے اسے دیکھا اور آہستگی سے اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔

ایمان بی نے بلایا تھا وہ شکوہ کر رہی تھیں کہ وہ ان کے پاس نہیں آ رہی اور نہ ہی بیٹھ رہی ہے۔ اس نے بہت شکوہ کتناں نظروں سے ان کو دیکھا۔

”جو کچھ ہو چکا ہے اس کے بعد آپ کو لگتا ہے کہ ہم دونوں کے پاس ایک دوسرے کے لیے کوئی گنجائش نکلتی ہے۔“

”کوئی بھی رشتہ انسان کو بندگی تک نہیں لے کر جاتا۔ دل میں گنجائش ہو تو بندگیوں میں بھی رستے نکل آتے ہیں۔ اپنے دل کو وسیع کرنا پڑتا ہے اپنے طرف کا پناہ دانا۔ تنگ مت کرو کہ اس میں تمہاری اپنی ذات اپنے دل کی خواہشیں بھی نہ سما سکیں۔“ ایمان بی نے سمجھایا۔ اس نے خاموشی سے ان کو دیکھا۔

”ظرف بڑا کرنے سے دل میں گنجائش نکلتی ہے“

معاف کرنے سے رشتے بچتے ہیں اور بدلہ لینے یا مقابلہ

کرنے سے رشتے ٹوٹتے ہیں باظرف اور عقل واسطے لوگ رشتوں کو جوڑنے کا کام کرتے ہیں اور بے وقوف لوگ رشتوں کو ختم کرنے کا۔“

”چلیں سمجھ لیں کہ میں بے وقوف ہی سہی۔“ اس نے تکی سے کہا۔

”خند نہیں کرتے“ ضد رشتوں کا تقدس ہی نہیں ان کا حسن بھی گہرا دیتی ہے۔“

”میں یہ رشتہ رکھنا ہی نہیں چاہتی آپ بار بار مجھے فورس مت کریں۔“ ایمان بی نے انتہائی بے بسی سے اسے دیکھا۔

”یہ رشتہ ہمارے دل کی اولین خواہش تھا۔“

”میں نے ٹھیکہ نہیں لے رکھا ہر ایک کے دل کی خواہشوں کی تکمیل کا آپ کی خواہشوں کے لیے میں اپنی بحیثیت نہیں دے سکتی وہ بھی ایک ایسے شخص کے لیے جو انتہائی بے حس اور سیلف کش ہے جس سے میں بے انتہا نفرت کرتی ہوں۔“ وہ ابھی بھی ڈبی ہوئی تھی۔

”آپ سے میں بے پناہ محبت کرتی تھی آپ کی ہر خواہش سر آنکھوں پر لیکن آپ نے جو کہا ہے وہ میری بساط میرے ضبط سے بہت بڑھ کر ہے ایم سوری۔“ وہ کہہ کر کھڑی ہوئی ایمان بی کی آنکھیں ڈبڈبائے لگی تھیں جبکہ شہرینہ نے دیکھنے کے باوجود انور کو دیکھا تھا۔

اس کا اس قدر نقصان ہو چکا تھا اس کے بعد تو اب اس کا کسی سے بھی بات کرنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ رے بغیر وہاں سے چلی گئی اور ایمان بی نے بہت کچھ سوچنے کے بعد ایک گہرا سانس لیا تھا۔

ایمان آئے تو ایمان بی نے ان سے بات کی۔

”میں چاہتی ہوں کہ آگن اور شہرینہ کی رخصتی کروا دوں۔“ انہوں نے چونک کر ایمان بی کو دیکھا۔

اس وقت بھی اپنے کمرؤں میں جا چکے تھے جبکہ عثمان اور فائقہ دونوں ادھر ہی تھے ایمان بی خود چل کر ان کے پاس آئی تھیں۔

”نہیں ایمان بی..... یہ نہیں ہو سکتا ابھی آپ کی خواہش کا احترام تھا جو میں نے قبول کر لی وہ ابھی پڑھ رہی ہے۔ ذہنی طور پر اخلاقی اور جذباتی ہر لحاظ سے وہ ابھی شادی کے قابل نہیں۔ آپ ٹینشن نہ لیں سب ٹھیک ہو جائے گا شہرینہ بھی وقت کے ساتھ ساتھ سمجھ جائے گی وقت کی تلخ سب کچھ یاد پوری کر دیتی ہے۔“ عثمان کا انداز دو ٹوک تھا ایمان بی نے ایک گہرا سانس لیا۔

”مجھے شہرینہ کی ضد سے ڈر لگنے لگا ہے اس کا رویہ ہم سب کے ساتھ اور خاص طور پر آگن کے ساتھ بہت خراب ہے۔“

”وقت کے ساتھ سمجھ جائے گی ڈونٹ وری۔“

”اور اگر نہ مانی شادی کے لیے تو.....“ وہ پریشان تھیں۔

”وہ مان جائے گی ابھی کچھ وقت دیں اسے سمجھنے کے لیے۔“ ایمان بی نے شخص سر بلایا فائقہ سنجیدگی سے دونوں کو دیکھ رہی تھیں وہ ساری گفتگو میں ایک لفظ بھی نہ بولی تھیں۔

”میں سوچ رہی ہوں کہ کچھ دن اور رک جاؤں عرصے بعد چکر لگتا ہے فائقہ بھی مصروف رہی ہے۔ ایسے میں شہرینہ جی کو کچھ ٹائم دوں گی نجائے کیوں مجھے لگتا ہے کہ وہ تم دونوں کی سرگرمیوں کی وجہ سے ڈسٹرب رہتی ہے اس ساری جذباتوں کے پیچھے اس چیز کا بہت ہاتھ ہے کہ تم دونوں اسے وقت نہیں دے رہے۔“

”چلیں مان لیتا ہوں لیکن میں اب ہر وقت گھر پر نہیں رہ سکتا۔ فائقہ ہر وقت بڑی نہیں ہوتیں اور نہ ہی یہ ہر وقت میرے ساتھ ہوتی ہیں۔ یہ شہرینہ کو اچھا خاصا وقت دیتی ہیں شہرینہ بائے بیچر ہی ایسی ہے جذباتی ضدی اور موڈی۔“ ایمان بی خاموش رہی تھیں وہ کچھ وقت اور بیٹھیں اور پھر اٹھ کر آئیں۔

نجائے کیوں انہوں نے دونوں میاں بیوی کے درمیان عجیب سی سرد مہر کی محسوس کی تھی۔ اس لیے تو وہ رکنا چاہتی تھیں رک کر اس گھر کے حالات و واقعات کا

جائزہ لینا چاہتی تھیں تاکہ اصل صورت حال کا جائزہ لے کر کسی بہتری کے لیے اقدامات کیے جاسکیں۔

ایمان بی نے اگلے دن شہرینہ کے کالج جانے کے بعد آگن کو بلایا اور اسے بہت کچھ سمجھایا تھا۔

”وہ جذباتی“ ضدی اور عمر گھر بھی ہے حالات و واقعات کو سمجھ نہیں سکتی لیکن تم ایک قابل ذمہ دار سمجھ دار مرد ہو پچھے جو ہوا سے بھول کر آگے بڑھو لڑکیاں میوم کی طرح ہوتی ہیں جذبات کی ذرا سی آج پر پکھل جاتی ہیں میں نہیں چاہتی ماں باپ کی طرف سے ہٹنے والی کی وجہ سے وہ کچھ الٹا سیدھا قدم اٹھالے۔“ آگن نے ایمان بی کو بغور دیکھا۔

”کیسی کمی؟“ ایمان بی نے ایک گہرا سانس لیا۔

”عثمان اپنی سیاست میں لگا رہتا ہے فائقہ کو بھی ساتھ دینا پڑتا ہے ان حالات میں بچے نظر انداز ہوئے ہیں۔ لڑکے تو باہر وقت گزار کر ٹھیک ہو جاتے ہیں لیکن لڑکیاں بہت جلد متاثر ہوتی ہیں۔ اب تمہیں ہی خیال رکھنا ہوگا شہرینہ تو کسی بھی قسم کی لپک دکھانے کے موڈ میں نظر نہیں آ رہی۔ اس کے نزدیک یہ رشتہ محض ایک مجبوری کا سودا ہے جسے وہ جب ضد میں آئی تو توڑنے میں دیر نہیں لگائے گی لیکن یہ رشتہ میری خواہش ہے اور امید ہے تم عمل مزاحی کا مظاہرہ کرو گے ایسا کچھ بھی نہیں ہونے دو گے۔“

”جی ٹھیک ہے۔“ یہ رشتہ تو آگن کی اپنی ضد اور اتنا کا مسئلہ بن گیا تھا۔

ایک عالم کی موجودگی میں یہ رشتہ طے ہوا تھا اس کی رضامندی شامل نہ تھی لیکن ایمان بی کی محبت کے لیے اس نے یہ رشتہ باندھا تھا لیکن اس رشتے میں اس کی اتنا عزت اور اس کا وقار بھی شامل ہو گیا تھا۔ اب جو بھی تھا جیسا بھی تھا مجبوری کا سودا ہی سہی یہ سچ تھا کہ شہرینہ عثمان اب اس کی بیوی تھی۔ اس کے نام سے منسوب اس کی ذات کا حصہ تھی۔ اس کی اتنا ہی مسئلہ تھا بلکہ اس کی



اس درد کی دوا

نادیہ احمد

جب ہو سکے تو بھلا دینا رنجش دل کی
کہ محبتوں کا اصول ہے درگزر کرنا
تیرے طرز تغافل سے گلہ تو نہیں
ہمیں آتا نہ تھا دلوں میں گھر کرنا

”میں کہتی ہوں اٹھاؤ اپنا سامان اور نکلو یہاں سے ابھی کے ابھی۔“ زہرہ کی رعونت بھری آواز سن کر وہ سر تا پا کانپ ہی تو گئی تھی۔
”کچھ تو میرے حال پر رحم کیجئے“ میں یہاں سے نکل کر کہاں جاؤں گی۔“ ہاتھ جوڑے التجائیہ لہجے میں کہا جانے والا جملہ بھی اس کے تنے ہوئے اعصاب اور ماتھے کی تیوریوں کو ختم نہ کر پایا تھا۔
”تم نے تو بڑا رحم کیا ہمارے حال پر..... ہماری نیکی کا خوب صلہ دیا۔“ وہ ہاتھ نچاے لڑا کا عورتوں کی طرح بولی۔ غصے میں اس کا تنفس تیز چل رہا تھا۔ فریہ جسامت کے باعث بہت دیر تک کھڑے رہنا محال تھا سو پاس رکھے صوفہ پیٹا نگ پے ٹانگ جمائے دھنس گئی۔
”یقین جانیں میں بے قصور ہوں..... میں نے کچھ نہیں کیا۔“ وہ پیروں میں جا بیٹھی۔
”بس بس..... تمہاری ان جھوٹی وضاحتوں کی ضرورت نہیں ہے ہمیں۔“ زہرہ نے دھتکارہ۔
”کیا آپ کو بھی مجھ پہ اعتبار نہیں؟“ وہ پلٹی پاس

☆.....☆☆☆
ہر طرف خاموشی اور اندھیرے کا راج تھا۔ شام ڈھلے ہی سڑکیں ویران اور گلیاں سنسان ہو جاتی تھیں پھر آج تو بارش اور آندھی نے سردی کی شدت میں بھی

”یہاں کیسے آگئے؟“ وہ کرسی تھکیٹ کر بالکل شہرینہ کے ساتھ والی چیز پر بیٹھا۔
”شاپنگ کے بعد کھانے کا پروگرام بن گیا تھا۔“ فرح نے کہا۔
”آرڈر لکھوایا ابھی آرڈر نہیں۔“ اس نے میٹھاٹھا کر دیکھتے ہو چھا۔
”ابھی لکھواتا ہے۔“ ان لوگوں نے ویر کو آرڈر لکھوایا۔

یہ ایک بڑا شاندار ہوٹل تھا ہوٹل کے لان میں بڑا فیسٹول قسم کا علاقائی آرینج منٹ کیا گیا تھا ٹریڈ شینل قسم کا یہ ہوٹل تھا۔ زوہیہ بار بار باہر جا کر وہاں موجود آرائش کی اشیاء دیکھنے کی ضد کر رہی تھی فرح اور زوہیہ دیکھنے نہیں تو شہرینہ اپنے موبائل کے ساتھ مصروف ہوئی۔ وہ بار بار فریڈز کے ساتھ اس ہوٹل میں آچکی تھی اس کے لیے یہاں کچھ بھی نیا نہ تھا۔ وہ اپنے موبائل میں اس قدر محو تھی کہ اسے علم ہی نہ ہو سکا کہ آٹن کے ساتھ باتوں میں مصروف شایان کب اٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ وہ چونکی تو اس وقت جب آٹن کھد رہا تھا۔
”موبائل سے زیادہ ضروری کچھ اور بھی ہوتا ہے تم کچھ دیر کے لیے اپنے موبائل کو ایک طرف نہیں رکھ سکتی۔“ شہرینہ نے الجھ کر دیکھا، آٹن کا لہجہ نہ مٹتا تھا اور نہ ہی تعجب اڑاتا۔ وہ بالکل نارمل لہجے میں بول رہا تھا اس نے جہاں ہو کر اسے دیکھا اور پھر باقی خالی چیزز کو جبکہ آٹن بغور اسے دیکھ رہا تھا اس کی نگاہوں میں عجیب سا تاثر تھا شہرینہ کا دل بڑے عجیب سے انداز میں دھڑکا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



عزت نفس اور وقار کا بھی مسئلہ بن گئی تھی وہ اب اسے کسی بھی قیمت چھوڑنے والا نہ تھا۔ شہرینہ جیسی لڑکیوں کو ہینڈل کرنا مشکل ضرور تھا لیکن ناممکن نہ تھا اس نے سوچ لیا تھا کہ اسے اب ہینڈل کرنے کے لیے اس کے دل و دماغ میں جگہ بنانا بھی۔ یہ نہ صرف اب دل کی ضد بھی اس نے بہت زیادہ سوچا تھا ہر پہلو پر اور پھر اماں بی کو ڈھیر ساری تسلیاں دے کر وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

اس نے فرح سے بات کی فرح شیری کے کالج آتے ہی اس کے سر ہو گئی تھی مجبوراً شہرینہ کو ماننا ہی پڑا تھا۔ فرح شہرینہ زوہیہ اور شایان پھر چاروں شاپنگ کے لیے جا رہے تھے شایان گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا زوہیہ فرنٹ سیٹ پر تھی۔ پہلے کی نسبت شہرینہ کا موڈ اب بہتر تھا وہ ان کو مختلف آؤٹ پرلے لکرائی فرح اور زوہیہ نے کافی کچھ خریدا تھا شہرینہ نے بس ایک دو چیزیں بی بی تھیں شایان اور زوہیہ کی کافی انڈر اسٹینڈنگ ہوئی تھی دونوں بہت خوش تھے۔ ہر لمحے کو دل سے انجوائے کر رہے تھی ان کو خوش و خرم دیکھ کر شہرینہ کو اچھا لگا تھا لیکن دل میں ایک ہوک سی بھی اٹھی تھی۔ شاپنگ کے بعد فرح نے بھوک بھوک کا شور مچایا جبکہ زوہیہ کا ابھی کچھ اور چیزیں خریدنے کا موڈ تھا وہ لوگ ابھی وہاں آ کر بیٹھے ہی تھے کہ ارد گرد دیکھتے شہرینہ چونکی چند لمحوں کے فاصلے پر آٹن بھی دو درودوں کے ساتھ موجود تھا۔
آٹن نے ان لوگوں کو دیکھا تھا یا نہیں لیکن وہ اسے یہاں دیکھ کر حیران ضرور ہوئی تھی شایان بھی آٹن کو دیکھ چکا تھا وہ اٹھ کر اس کے پاس چلا گیا۔ اس نے آٹن کے پاس جا کر بتایا تھا اور پھر نیل کی طرف اشارہ کیا، آٹن نے دیکھا تو پہلی نگاہ اس پر پڑی تھی وہ بھی اسی طرف دیکھ رہی تھی نگاہ ملنے پر وہ نظر پھیر گئی تھی۔ آٹن نے شایان کو اپنے ساتھیوں سے ملوایا تھا۔ یہ اس کے کچھ کلائنٹ تھے جن سے وہ کچھ ضروری معاملات ڈسکس کر رہا تھا پندرہ منٹ بعد وہ ان کو اللہ حافظ کہہ کر ان کی طرف آ گیا تھا۔

”سب ہو جائے گا۔“ اپنے تئیں سلی دلا کر وہ ایک بار پھر واپس باورچی خانے میں جا گئی۔ ویسے بھی جتنا وقت زہرہ کے سامنے ہوئی دل کو بس ایک ہی دھڑکا لگا رہتا کہ کسی بھی بات کو بہانہ بنا کر اس کی صلواتیں شروع

فجر کی نماز کے بعد بیک یارڈ میں لگے مویے کے جھاڑ سے پھول چنتے ہوئے وہ اس قدر محو تھی کہ اسے اپنے پیچھے روٹان کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی۔

زہرہ کی طبیعت اور مزاج کے پیش نظر نشانے اتنے سالوں میں اس گھر میں رہنے کا جو واحد اصول سیکھا تھا وہ اپنے کام تک محدود رہنا تھا۔ وہ اس گھر کی فرد نہیں ملازمہ تھی تو اسے افراد خانہ سے بھی اپنا تعلق ویسا ہی رکھنا تھا۔ رومان کی آمد کے بعد زندگی میں جیسے بھونچال آگیا تھا۔ اس کی طبیعت میں بے تکلفی کا عنصر غالب تھا جبکہ نشانہ درجہ چشمیدہ۔

”تم امی سے خوف زدہ ہونٹا؟“ وہ مسکرایا۔ زہرہ کے دل میں اس کے لیے محبت و وسعت سے بخوبی واقف تھا وہ پر نہیں جانتا تھا زہرہ سے نشا کا سلوک کتنا عامیانه ہے۔ وہ اسے گھر میں ملازمہ کے طور برداشت

نہیں کر پاتی اپنی ہو کیونکہ ہائے گی۔

”انہیں تو میں منتوں میں مناسکتا ہوں۔ بس تم ایک بار اقرار و محبت کرو۔ دل تمہاری زبان سے اقرار و فاسقے کا تمنا ہی ہے۔“ اس کے لہجے میں اتنی قطعیت تھی کہ نشا نا چاہتے ہوئے بھی اس کی بات کا اعتبار کرنے پہ مجبور تھی۔ محبت کی گہرائی نا پنے کے لیے کوئی آگے ایجاد نہیں ہوا۔ دل و نگاہ وہ واحد احساس ہیں جو اس جذبے کی صداقت کی گواہی دیتے ہیں اور وہ روہان کی نظروں میں محبت کے جتنو بخونی دیکھ سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆

”ہائے میں لٹ گئی میں برباد ہو گئی۔“ شام ڈھلے زہرہ کے کمرے سے آتی رونے، کر لانے کی دلدوز آوازیں سن کر وہ دونوں ہی اس کے کمرے کی طرف بھاگے۔ دروازہ کھلا تھا اور وہ بستر پہ بیٹھی ماتھا پیٹ رہی تھی۔ سامنے ہی زہرہ کا ڈبہ کھلا پڑا تھا۔

”کیا ہوا امی سب خیریت تو ہے۔ آپ روکیوں رہی ہیں؟“ روہان نے ماں کو یوں بے حال دیکھا تو گھبرا کر پاس آیا جبکہ نشا خوف اور پریشانی کی ملی جلی کیفیت میں دروازے میں ہی کھڑی رہی۔

”میرا وہ جزاؤ ہمار جو تمہارے بابا نے کتنے پیار سے بھویا تھا میرے لیے۔“ وہ تڑپ کر بولی۔

”کیا ہوا آپ کے ہار کو؟“ وہ ناگہی سے بولا۔

”ابھی لا کر کھولا تو غائب ہے۔“ اس نے ایک بار پھر سینہ پٹا۔ روہان کے سینے سے ایک پُر سکون سانس خارج ہوا۔ وہ تو اس کہرام پہ کچھ اور ہی نتیجہ اخذ کر رہا تھا۔

”کہاں جاتا ہے امی یہیں گھر میں ہی ہوگا۔ آپ اپنی الماری چیک کریں۔“ اس نے نکل سے سمجھایا۔

”ہر جگہ دیکھ لیا بچے کہیں نہیں مل رہا۔ ارے یوں غائب ہوا ہے جیسے گدھے کے سر سے سینک۔“ زہرہ دونوں ہاتھوں میں سر تھاٹھ انتہائی پریشانی سے بولی۔

”حیرت ہے سب اپنے ہی تو ہیں یہاں اور سارے

ملازم بھی باعتبار..... پھر کون چرا سکتا ہے وہ ہار؟“ اب تو روہان کو بھی حیرت ہوئی۔ گھر میں بحفاظت رکھی چیز جا کہاں سکتی تھی۔

”خیر سب اپنے تو نہیں ہیں اور کسی کی نیت بدلتے کیا پتا چلتا ہے بیٹا۔“ زہرہ نے کھا جانے والی نگاہوں سے دروازے پہ کھڑی نشا کی طرف دیکھا۔ وہ خوف سے کانپ گئی۔

”ہائے میرا دل تو بیٹھا جا رہا ہے میرے مرحوم شوہر کی نشانی تھی۔“ روہان نے نظروں کا تعاقب کرتے نشا کو دیکھا تو زہرہ نے پتینتر بدلا اور رونا پتیننا شروع کر دیا۔

”میں ملازموں سے پتا کرتا ہوں۔“ روہان اس افتاد پہ عجیب گھبراہٹ میں مبتلا ہو گیا۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا پر زہرہ کے جملے نے قدم روک لیے۔

”ملازم تو مجھ جانتے تک نہیں اس کمرے میں انہیں کیا خبر ہوگی۔“ وہ پٹا۔

”تو پھر کس سے پوچھیں؟“ اس نے سوال کیا۔

”پوچھنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ سب کی تلاشی لو۔ ارے جس نے بھی اڑایا ہے اس کے حلق میں انگلی ڈال کر نکلواؤں گی اپنا ہار۔“ زہرہ دانت پیستی دھمکی آمیز لہجے میں بولی۔ اس کی نگاہیں سر سے پاؤں تک نشا کا تجزیہ کر رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆

”دیکھ لیے اس بد ذات کے کر تو ت۔ تم تو اسے اپنے دل کی رانی بنارہے تھے اور یہ چوری نکلی۔“ زہرہ کی چنگھاڑنی ہوئی آواز اب تک اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ اس کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ ایک پل کو یوں لگا کہیں لڑکھڑا کر گری نہ جائے تو بے اختیار دیوار کا سہارا لے کر خود کو گرنے سے روکا۔ جو کچھ ہوا ایسا تو بھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ نفرت اور تکبر انسان کو اس درجہ سفاک بنا دیتا ہے کہ وہ بہتان

لگانے جیسا گناہ عظیم کرتے بھی دریغ نہیں کرتا۔

”کیا آپ کو بھی لگتا ہے یہ چوری میں نے کی ہے؟“ وہ سر تھاٹھ خاموشی سے کھڑا تھا۔ اس کا گناہ محبت تھا سو اس کے ہاتھوں رسوا ہو رہا تھا۔

”چور کے منہ پہ تھوڑے ہی لکھا ہوتا ہے۔“ زہرہ نے روہان کے لاکھ منع کرنے کے باوجود ڈرائیور اور چوکیدار کے ساتھ ساتھ نشا کے کمرے کی بھی تلاش لی تھی۔ ہار اس کی الماری سے نکلا تھا۔ اس کا بس چلتا تو نشا کا خون ہی پی جاتی۔ روہان اس وقت سے مستقل خاموش تھا بس اب تو زہرہ ہی بول رہی تھی۔

”میں کہتی ہوں اٹھاؤ اپنا سامان اور نکلو یہاں سے ابھی کے ابھی۔“ وہ حکم پر انداز میں بولی۔

”کچھ تو میرے حال پر رحم کیجئے میں یہاں سے نکل کر کہاں جاؤں گی۔“ اسے کیا خبر تھی رحم کا لفظ زہرہ کی لغت میں مفقود تھا۔ دو سال جیسے تیسے برداشت کیا پر جس دن سے بیٹے کی زبانی اس سے شادی کی خواہش کا اظہار سنا تھا اس کی تو سائیس تنگ ہو رہی تھیں۔ ہیرے سا بیٹا ایک ملازم پہ دل و جان سے فدا ہو رہا تھا۔ وہ یہ بات کیوں کر برداشت کرئی۔ روہان کو تو اس نے تسلی دے دی تھی کہ جو ان بیٹے کی بغاوت منظور نہ تھی پر اس کا دماغ اس دن سے پلاننگ کر رہا تھا۔

”تم نے تو بڑا رحم کیا ہمارے حال پر۔ ہماری نیکی کا خوب صلہ دیا ہے۔“ نشا کو روہان کی نظروں میں گرانے کا اس سے اچھا حریہ نہیں تھا اس کے پاس۔

”یقین جانیں میں بے قصور ہوں میں نے کچھ نہیں کیا۔“ تھارخانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ اس کی فریاد زہرہ کے دل کی دیواروں سے ٹکرا کر بے اثر لوث آئی تھی۔

”تمہاری ان جھوٹی وضاحتوں کی ضرورت نہیں ہے ہمیں۔“ روہان اب بھی خاموشی سے تماشا دیکھ رہا تھا۔

”کیا آپ کو بھی مجھ پہ اعتبار نہیں؟“ وہ جو محبت کے عوی کرتا اسے اپنے دل و نگاہ کی دہائیاں دے رہا تھا

بس ایک ہی بل میں بے اختیار نظر آ رہا تھا۔

”بس بہت ہوا تمہارا ڈرامہ اب یہ معصومیت کا کھیل کہیں اور جا کر کھیلنا۔ اس گھر میں تو تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں۔“ اس سے پہلے کہ اس آہ و فغاں کا طوفان روہان کے جذباتی دل پہ دستک دے اسے اس منظر سے ہٹانا ضروری تھا۔ ہاتھ پکڑ کر نکال باہر کیا اور اب وہ اپنا مختصر سامان تھاٹھے اس دھند بھری رات میں بے ترتیب قدموں سے چلتی کسی گمنام منزل کی طرف سفر کر رہی تھی۔ ذہن کے پردوں پہ ذلت و رسوائی کا دھواں اس درجہ بڑھ گیا کہ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور وہ ہوش کھو بیٹھی۔

”پاپا.....“ گاڑی ایک جھٹکے سے روک لی گئی تھی۔ بروقت بریک نا لگتا تو یقیناً وہ چکی جاتی۔ اندر بیٹھی نوال نے خوف سے چیخ ماری۔

”اوہ بانی گاڑی۔“ ارحم کے تو اپنے ہاتھوں کے طوطے اس غیر متوقع ایکسیڈنٹ سے اڑ گئے تھے۔

”تم بیٹھو میں دیکھتا ہوں۔“ دروازہ کھولتے ہوئے اس نے نوال کو تائید کی جو برابر کی سیٹ پہ بیٹھی تھی۔ اس نے خاموشی سے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ ارحم پریشانی سے گاڑی سے باہر نکلا جہاں نشا بے ہوش پڑی تھی۔

☆☆☆☆☆

اس کی آنکھ کھلی تو خود کو بستر پہ پایا۔ پاس کرسی پر نوال بیٹھی اسے نہایت دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ یک دم اٹھ بیٹھی۔

”لیٹی رہیں۔ ڈاکٹر نے آپ کو ریٹ کرنے کا کہا ہے۔“ اسے تیزی سے اٹھا دیکھ کر نوال نے تسبیہ کی۔

”بر میں یہاں..... اور آپ؟“ اس نے حیرت سے پہلے اس آٹھ نو سالہ گڑیاسی بچی کو دیکھا اور پھر ایک نظر اس کمرے اور بستر پہ ڈالی۔ اسے احساس ہوا وہ اس وقت کسی ہسپتال یا کلینک میں ہے۔

”میں نوال ہوں۔ ویسے بابا مجھے پرنس کہتے ہیں۔ آپ ہماری گاڑی کے سامنے گر کر بے ہوش ہو گئی

تھیں۔ اتنا سارا خون بھی نکلا۔ پایا تو بہت پریشان ہو گئے تھے۔ پھر ہم آپ کو یہاں لے آئے۔“ ایک دم اس کا ہاتھ اپنے ماتھے پہ گیا جہاں پٹی بندھی ہوئی تھی اور درد کی ٹپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ اس کی باتیں سنتی خود کو کمپوز کرتے ہوئے ساری صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”نوال یہ تمہارا برگر.....“ اسی پہل دروازہ کھلا اور تیس بتیس سالہ انتہائی خوب اور ویل ڈریس شخص بے تکلفی سے اندر داخل ہوا۔

”السلام علیکم! اللہ کا شکر ہے آپ کو ہوش آ گیا۔ کیسی طبیعت ہے آپ کی؟“ نوال اسے دیکھ کر تیزی سے کرسی سے اٹھی اور اپنا برگر پکڑ لیا جبکہ وہ نشا کو ہوش میں دیکھ کر قدرے محتاط ہوا۔ خوش اخلاقی سے کہتا ہوا اس کے بید تک چلا آیا۔

”میں ٹھیک ہوں..... شکریہ۔“ نشا نے بھی اخلاق نبھایا۔

”آپ اچانک میری گاڑی کے سامنے آ گئیں.....“ وہ پاس رکھی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ نوال سامنے رکھے صوفے پہ جا بیٹھی تھی اور اب برگر کھا رہی تھی۔

”غلطی میری تھی۔ مجھے ہی احتیاط سے سڑک پار کرنی چاہیے تھی۔“ وہ شرمندگی سے بولی۔

”یہ میرے دوست کا کلینک ہے۔ بے فکر رہیں آپ کا یہاں نسلی بخش علاج ہوگا اور علاج کے تمام اخراجات میں ادا کروں گا۔“ ارم کی بات سن کر اسے شدید حیرت ہوئی۔ کیا آج بھی دنیا میں احساس نامی شے باقی ہے۔ کوئی قصور نہ ہوتے ہوئے بھی کسی اجنبی پہ یہ کرم۔

”آپ اپنے گھر والوں کا پتہ یا کوئی کانٹیکٹ نمبر دے دیں تو میں اس سے رابطہ کر لوں۔“ اس نے ریست وائچ میں وقت دیکھا۔ نوال کی ساگرہ تھی تو اسے ڈر پہ لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ ریسٹورنٹ پہنچنے سے پہلے یہ حادثہ ہو گیا اور وہ افراتفری میں اسے ہسپتال لے جانے

کی بجائے اپنے دوست کے کلینک لے آیا ورنہ تو ہسپتال والوں کی انویسٹی گیٹن کے چکر میں ڈرتا ہوا پولیس کیس نہ بن جاتا۔

”میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔“ سرگھوم رہا تھا سو بیڈ سے ٹپک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

”نوال کی طرح۔“ نوال کی آواز پہ اس نے حیرت سے آنکھیں کھولیں۔

”نوال.....“ ارم نے گھر کا۔

”سوری یہ بس یونہی..... کچھ بھی بولتی رہتی ہے۔“

اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

”کوئی تو ہوگا دور پار کا رشتہ دار جس کو انعام کیا جاسکے؟“ نشا نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ لب بکھینچنے خاموش بیٹھا رہا۔

☆☆☆☆☆☆

”یہ آپ کا کمرہ ہے۔“ اس کا مختصر سامان ملازم پہلے ہی کمرے میں پہنچا چکا تھا۔ آٹھ سالہ نوال کی اکیلے پرورش کرنا ارم کے لیے اتنا آسان نہ تھا۔ گھر میں ان دونوں کے علاوہ ایک ادھیر عمر کل وقتی ملازمہ فضیلہ بوا بھی تھیں جو برسوں سے نوال کی دیکھ بھال کر رہی تھیں۔

ارم انہیں گھر کا فرد ہی سمجھتا تھا۔ ارم کا دوست ڈاکٹر تابش نشا کی کہانی سن چکا تھا۔ اسے ملازمت کے ساتھ جانے پناہ درکار تھی اور ارم اس کی مدد کر سکتا تھا۔ ڈاکٹر تابش کے کہنے پہی ارم نے نشا کو ملازمت آفر کی۔ وہ پڑھی لکھی تھی اور نوال کے لیے بطور ٹیوٹر بہترین انتخاب ثابت ہو سکتی تھی۔

”میں آپ کا احسان کیسے چکا پاؤں گی۔“ نشا نے تشکر سے کہا۔

”اتنے ہماری بھر کم الفاظ بول کر مجھے شرمندہ مت کریں۔ اپنی بے تحاشا مصروفیت کی وجہ سے نوال کو وقت دینا مشکل ہو جاتا ہے۔ فضیلہ بوا کے تو اب ہاتھ نہیں لگتی وہ۔“ وہ مسکرائی۔

”بہت کیوٹ ہے ماشاء اللہ آپ کی بیٹی۔“ چابی کی

کڑیا سی ادھر ادھر بھاگتی نوال کو دیکھ کر نشا نے محبت سے کہا۔ وہ تو نشا کے گھر آنے پہ پھول نہیں سار ہی تھی۔

”اور شرارتی بھی۔“ وہ کچھ سوچ کر ہنسا۔

”اس کی والدہ کی وفات ہو چکی کیا؟“ چونکہ اب

تک کسی نے بھی ذکر نہ کیا تھا تو نشا نے خود سے سوال کر لیا۔ ارم کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہوئی تھی۔ اس کی جگہ ماتھے پہ چند ناگوار سلوٹیں نمودار ہوئیں۔

”نہیں ہماری علیحدگی ہو چکی ہے اور پلیز اس کا ذکر

نوال سے مت کیجئے گا۔ پھر اس کے سوال جواب شروع ہو جاتے ہیں۔“ نشا اس کے چہرے پہ واضح ناپسندیدگی

دیکھ کر جھل سی ہوئی۔ وہ ملازمہ تھی اسے بہر حال کسی کی ذاتیات میں جھانکنے کی ضرورت نہ تھی۔

”میں امید کرتا ہوں آپ سمجھ جائیں گیں۔“ اس کی

شرمندگی کو محسوس کرتے ارم کچھ دھیمبا پڑا۔ وہ فوراً ہی

وہاں سے چلا گیا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے نشا نے کمرے کا

جائزہ لیا اور نڈھال سے انداز میں بستر پہ جا بیٹھی۔ چند

لمحے وہ چھت کو گھورتی رہی۔ پتا نہیں ابھی اس کی قسمت

میں مزید کیا لکھا تھا۔ اسے احساس تھا آج سے اس کی

زندگی کے ایک نئے باب کا آغاز ہو رہا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

”کیڑے پڑیں ایسی سنگ دل عورت کے پھول سی بچی پہ الزام تراشی کر کے نکال باہر کیا۔“ فضیلہ بوا پچاس

سے اوپر کی ایک باتونی خاتون تھیں۔ ان کے دل میں جو

ہوتا اسے ان کے لبوں تک آنے سے روکنا کسی کے بس

میں نہ تھا۔ گھر پہ ان کا مکمل کنٹرول تھا اور باقی ملازموں

کی تو ان سے جان جاتی تھی۔ نشا کی داستان غم سن کر

آبدیدہ ہوتے ہوئے انہوں نے کیا خوب لب کشائی

کی تھی۔

”ایسے مت کہیں بوا مجھے ان سے کوئی گلہ نہیں۔ بس

اتنی دعا ہے اللہ انہیں ہدایت دے۔“ نشا کے حوصلے کو

سلام تھا کہ دو سال کی بے لوث خدمت کے باوجود زہرہ

نے جو سلوک اس کے ساتھ کیا وہ اب بھی اسے بددعا

نہیں دینا چاہتی تھی۔

”ان حالات میں بھی آپ ان کے لیے ایسے

جذبات رکھتی ہیں۔ انہوں کی زیادتیاں سہہ کڑ جہاں نہ

عزت ملی تالافت۔“ کوئی ان حالات میں کیسے اتنا کمپوز

رہ سکتا ہے۔ ارم کوچ میں حیرت ہوئی تھی۔

”یہ سب تو مقدر کے فیصلے ہیں پڑ میں اتنا جانتی ہوں

میری تقدیر بنانے والا مجھ سے بہت محبت کرتا ہے اور

اس نے اگر میری زندگی میں مشکلات رکھی ہیں تو وہی

ان کا حل بھی کرے گا۔“ نشا کی بات نے فضیلہ بوا کو اور

بھی اپنا مطمح کر لیا تھا۔ وہ اس کی مصمصیت، صبر اور

حوصلے کی گریوہ ہو رہی تھیں۔

”بننا دنیا در مندوں سے خالی نہیں۔ اچھا برا وقت

سب پر آتا ہے اور کڑے وقت میں صبر سے کام لینے

والوں کے ساتھ اللہ ہوتا ہے۔“ وہ برجستہ بولیں۔

”یہ تو بالکل سچ کہا آپ نے بوا۔“ نشا نے تائید کی۔

”اس وقت جب بے سرو سامانی کے عالم میں گھر

سے نکلی تھی تو کہاں سوچا تھا اتنی آسانی سے ملازمت اور

رہائش کا بندوبست ہو جائے گا۔ آپ کی اچھائی کو دیکھتی

ہوں تو پھوپھو کی برائی نظر ہی نہیں آتی۔“ وہ تہہ دل سے

ان کی شکر گزار تھی۔ بے شک مشکلیں دور کرنے والی اللہ

کی ذات ہے پر وسیلہ وہ اپنے بندوں کو ہی بناتا ہے۔

”برے کو یاد رکھنا اور اچھے کو فراموش کر دینا رب کی

تقسیم سے گلہ کرنے کے مترادف ہے۔ میرے نزدیک

یہ کفرانِ نعت ہے۔“ اس کڑے وقت میں ان لوگوں نے

اسے عزت و احترام کے ساتھ اپنے پاس رکھا تھا۔ وہ

اس نیکی کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی تھی۔

”دیکھا اسے کہتے ہیں ایمان۔“ سیکھو کچھ اس لڑکی

سے۔“ فضیلہ بوا کی آواز پہ نشا نے چونک کر دیکھا جن کی

توپوں کا رخ اس وقت چائے پیتے ارم کی طرف تھا۔ نشا

نے بے اختیار ارم کو دیکھا۔

”ارے میں تو کہتی ہوں اتنا رویہ ماضی کا ڈھول گلے

سے اور اپنا گھر سالو۔“ سنجیدہ تو وہ ہمیشہ رہتا تھا پرا بھی

اس کے چہرے پر وحشت تھی۔
”بوا آپ پھر شروع ہو گئیں۔“ وہ سخت لہجے میں بولا۔

”ہماری تو زبان گدی سے نکلوا دو تم پھر بھی جوتی لگتی ہے کہہ کر رہیں گے۔ زیادتی کسی کی اور سزا جگتو تم اور وہ معصوم جان۔ ساری عمر اس کی یادوں کو دل سے لگا کر ماتم کرتے رہو۔ خوشیوں کو حرام کر لو خود پہ۔“ فیصلہ بوا یہ کسی کا غصہ کہاں اثر کرتا تھا۔ وہ جو کہنا چاہتی تھیں ڈنکے کی چوٹ پہ کہہ دیا کرتی تھیں۔ ارحم نے بے بسی سے چائے کا کپ میز پہ رکھا اور پیر پختا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

”دیکھا چلا گیا ناں۔ مجال ہے جو کوئی ہماری اس گھر میں سن لے۔ جلیہ دیکھا کیا بنا رکھا ہے۔ صورت سے ہی مجنوں لگتا ہے۔ پر وہ بھی تو کجخت کی بیٹی۔ چند ماہ کی بچی چھوڑ کر چلی گئی۔ نہ اس کی محبت دیکھی نہ ہی اپنی اولاد کی چاہت۔“ نشان تمام حقائق سے انجان تھی جو آج اس پر آشکار ہو رہے تھے۔ مختصر الفاظ میں فیصلہ بوا نے اسے ارحم کی اپنی بیوی سے علیحدگی کا قصہ کہہ سنایا تھا۔ نشان کو واقعی افسوس ہوا تھا۔ اتنے دنوں میں اس شخص کے بارے میں وہ بس اتنا جانتی تھی کہ وہ ایک بے لوث اور پر خلوص انسان ہے۔ اس کے اندر کیا دکھ پل رہا ہے وہ اب تک اس سے نا بلدی تھی۔

”آٹھ سال ہو گئے پلٹ کر خبر تک نہ لی اپنی بچی کی۔ وہ عورت نہیں عورت ذات کے نام پہ دھبہ ہے۔“ فیصلہ بوا نے دوپٹے کے پلو سے آنسو پونچھے۔ نشان کو آج صبح معنوں میں احساس ہوا تھا کہ دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں جس کا واسطہ نہ ناکی صورت تکلیف سے تازہ ہو۔ کچھ لوگ اس پر قابو پا لیتے ہیں۔ کچھ اسی میں زندگی گزار دیتے ہیں۔ کامیاب وہی ہے جو بوائے نوٹے اس کیفیت سے نکل جائے۔

☆☆☆☆☆

”دو ماہ ہو گئے یہ بستر تو جان ہی نہیں چھوڑ رہا بس

اب تو جان دے کر اس سے جان چھوٹے گی۔“ روحان نے کمرے میں قدم رکھا تو زہرہ کی کراہتی آوازیں کانوں کے پردے سے ٹکرائیں۔ وہ لب کانٹا ماں کے بستر تک چلا آیا۔ ہڈیوں کے مرض میں مفلکی زہرہ اپنے بھاری وجود کے باعث اٹھنے بیٹھنے سے بھی قاصر تھی۔

”عروہ سے کہا تو جانتی ہیں وہ میری کم ہی ستی ہے۔“ اس کا ہاتھ سہلاتے وہ بے بسی سے بولا۔ یوں بھی بیوی تو ماں کی پسند کی تھی۔ اونچے خاندان کی بیٹی ہونے کا غرور ایک طرف اس پر زہرہ کی منظور نظر بھی۔ وہ اسے کہہ بھی کیا سکتا تھا۔

”نیکر سے پھول نہیں ملتے بیٹا۔ یہ سب تو میرے اپنے کرموں کا پھل ہے۔“ بالا خروقت و حالات نے اسے بتا ہی دیا تھا کہ ہر چنگتی شے سونا نہیں ہوا کرتی۔

”بوا ظلم کیا میں نے نشا پہ۔ آج وہ ہوتی تو کیا بھلا مجھے یونی.....“ وہ سسکی۔ آج فقط پچھتاوہ باقی رہ گیا تھا۔ اس بستر پہ لیٹا ہوا ظلم یاد آتا تھا۔

”اس گناہ میں تو میں بھی برابر کا شریک ہوں۔ سوچتا ہوں آپ سے شادی کی بات نہ کرتا تو اسے یوں زیر عتاب نہ آتا ہوتا۔“ روحان کو اس کی تابعداری لے ڈوٹی تھی۔ ماں کی بات مان کر اس نے نشان کو ناقابلِ حلالی نقصان پہنچایا تھا۔ وہ اگر اس سے محبت کے دعویٰ نہ کرتا تو شاید اس کا تاسف اتنا گہرا نہ ہوتا۔

”اللہ جانے معصوم کہاں بٹک رہی ہوگی۔ کن

حالوں میں ہوگی۔“ اب رہ رہ کر زہرہ کو نشا کی یاد ستاتی تھی۔

”اللہ اس کی حفاظت کرنا اور میرے گناہوں کو معاف کر دینا پروردگار۔“ آہیں بھرتے روتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھ بلند کر کے اللہ کے حضور گڑ گڑا کر معافی مانگی۔ روہان اسے روتا ترہتا دیکھ کر شدید اپ سیٹ ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆

”راجا اپنی رانی کی ہر بات کیوں مانتا تھا؟“ اس کے بازو کا ٹکڑہ بناتے وہ کہانی میں پوری طرح محو تھی۔

”اس لیے کہ وہ اپنی رانی سے شدید محبت کرتا تھا۔“ گمرے کے دروازے پہ کھڑے ارحم کے قدم رک گئے۔ اس کا دھیان اب اندر سے آتی آوازوں پر تھا۔

”محبت کیا ہوتی ہے آئی؟“ اتنے عرصے میں نوال کی کہانی سننے اور اس دوران سوال و جواب کرنے کی عادت بالکل نہیں بدلی تھی۔ فرق اتنا تھا پہلے وہ اپنے پاپا سے کہانیاں سنتی تھی اور اب یہ کام نشا کے ذمہ تھا۔ ارحم کو کہانیاں نہیں آتی تھیں۔ وہ کتابوں سے پڑھ کر اسے ملاتا تھا۔ نشا اس کی خاطر ہر رات چھوٹی چھوٹی کہانیاں خود بتاتی تھی۔

”محبت ایک ان دیکھا جذبہ ہوتا ہے۔ وہ جو ہمیں اچھے لگتے ہیں جن کی ہمیں پروا ہوتی ہے ان کی ہر بات ہمیں اچھی لگتی ہے۔ ان کی کسی بات سے انکار ممکن نہیں ہوتا اور ان کے لیے اپنا آپ قربان کر کے خوش محسوس ہوتی ہے۔“ وہ چپ چاپ کھڑا اس کا لطف محبت سن رہا تھا۔

”ایسی محبت تو میرے پاپا بھی مجھ سے کرتے ہیں۔“ وہ ہنسا۔

”محبت راجا رانی یا شہزادے شہزادی تک محدود نہیں نوال یہ تو کائنات کی اساس ہے۔ بندے کی اپنے رب سے محبت رب کی نبی ﷺ سے محبت ماں اور باپ کی اولاد سے محبت.....“ اس کے بالوں میں اگھلیاں چلاتے اس نے مزید کہا۔

”کیا آپ کو کسی سے محبت ہے؟“ نوال نے یک دم سوال کیا۔ وہ مسکرائی۔

”ہاں ہے ناں..... مجھے آپ سے بے حد محبت ہے۔“ نشا کی آواز پر ارحم چونکا۔ کس طرح آسانی سے یہ اچھی لڑکی اس گھر اور ان کی زندگی کا حصہ بن گئی تھی۔

”مجھے بھی آپ سے بہت محبت ہے کیونکہ آپ کی کہانیاں پریوں کی کہانیوں سے زیادہ اچھی ہوتی ہیں۔“

آنچل کی چاہب سلیک اناچل

ماہنامہ
حجاب
کراچی

شائع ہو گئے ہیں

ملک کی مشہور معروف قذکاروں کے سلسلے دار ناول، ناولٹ اور افسانوں سے راست ایک مکمل جزیہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں موجود جو آپ کی آسودگی کا باعث بنے گا اور وہ صرف ”حجاب“ آج ہی ہا کرے کہہ کر اپنی کاپی بک کرالیں۔

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی متنسلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

Infoohijab@gmail.com

info@aanchal.com.pk

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں

021-35620771/2

0300-8264242

اس کے گلے میں بانٹیں ڈالے وہ ہر سکون تھی۔
 ”اچھا تو اب جلدی سے آنکھیں بند کرو اور سو کے
 دکھاؤ صبح اسکول بھی تو جانا ہے ناں۔ پھر کل ہم نوال کو
 ایک اور کہانی سنائیں گے۔“ نشا نے پیار سے اسے خود
 سے جدا کیا اور اس کا مکمل ٹھیک کرتے ہوئے اس کے
 ماتھے پر بوسہ دیا۔

”جن اور پری کی؟“ اسے یقین دہانی کروا کر وہ
 ہو لے سے اس کے بستر سے نکلی اور دروازے کی طرف
 پلٹی ہی تھی کہ ارم کو دیکھ کر کھٹکی۔

”خاصی اچھ ہوگی ہے پاپ سے۔“

”بچہ محبت کے متلاشی ہوتے ہیں۔ جو انہیں
 چاہت دے اسی کے ہو جاتے ہیں۔“ وہ دونوں اب
 کوریڈر میں کھڑے تھے۔ کل رات فضیلہ بوا پھر وہی
 بحث چھیڑ پھی تھیں ارم خاصا غصے میں تھا۔ نشا یہ سوچ کر
 کچھ پریشان تھی کہ شاید وہ اس سے بھی ناراض ہوگا پر
 اس کا نارمل رویہ دیکھ کر وہ اب خاصی مطمئن تھی۔

”معذرت چاہتی ہوں انجامانے میں آپ کی دل
 آزاری ہوگئی۔ میں نہیں جانتی تھی وہ تو فضیلہ بوا
 نے.....“ سینے پہ ہاتھ باندھے وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔
 ”اس کی ضرورت نہیں۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔ وہی
 ہمیشہ کی طرح دونوں انداز جیسے کسی کو اس کے دل میں
 جھانکنے کی اجازت نہ ہو۔

”ویسے بوا کی بات کچھ غلط بھی نہیں۔ آپ ایک
 انسان کی برائی کو گلے لگا کر تمام عمر بین کرتے بھی رہیں
 تو کون سنے گا یہ آہ و زاریاں۔“ وہ خود کو روک نہیں پاتی
 تھی۔ ”حادثات راہ چلتے انسانوں کے ساتھ بھی
 ہو جاتے ہیں تو کیا کوئی چلنا چھوڑ دیتا ہے۔ زندگی رکتی
 نہیں۔“ زندگی نے اس کے ساتھ کون سا اچھا سلوک کیا
 تھا تو کیا اس نے جینا چھوڑ دیا تھا۔ ارم کے پاس تو نوال
 تھی اس کے پاس تو ایسا کوئی سہارا بھی نہیں تھا پھر بھی وہ
 زندہ خوش اور مطمئن تھی۔

”زندگی پر یوں کی کہانیوں سے بیکسر مختلف ہوتی

ہے۔“ وہ جتانے والے انداز میں بولا۔ نشا کو اندازہ ہوا
 یقیناً وہ اس سے پہلے اس کی بات سن چکا تھا۔
 ”ہاں، سچ اور بھیا نک۔“ وہ سینے پہ ہاتھ باندھے
 سنجیدگی سے بولی۔

”یہاں سنو دوائٹ کی مدد کو سات بونے نہیں آتے۔
 انسان ان دیکھی تقدیر کی بے رحمی کا شکار ہو جاتا ہے۔“
 اس کی آنکھوں میں دیکھتے اس نے مزید کہا۔ ارم
 خاموش تھا۔ دل ہی دل میں پشیمان۔ زندگی میں محبت
 کے نام یہ اگر اس کے حصے میں دھول آئی تو یہ اس کی
 قسمت تھی۔ اپنے احساس کمتری کو اس اجنبی لڑکی پہ
 نکالنے کی اسے بھلا کیا ضرورت تھی۔ اتنا کچھ سہہ کر بھی
 وہ مطمئن و شاد تھی، گو تنہا بھی پر سکون تھی اور ارم نوال
 کے ہوتے ہوئے بھی خوشیوں اور محبت کے وجود سے
 خائف و تالاں تھا تو یہ اس کا قصور تھا۔ خود اس نے اپنے
 دل کے دروازوں پہ قفل ڈال لیا تھا۔

”حقیقی کرداروں کی زندگی میں گھٹنے والے زہر کا
 تریاق کسی شہزادے کے محبت بھرے بوسے سے نہیں
 ہو پاتا پھر بھی میں سمجھتی ہوں محبت بذات خود ہر زہر کا
 تریاق ہوتی ہے۔ نفرت کے بیج سے بننے والے درخت
 کی جڑیں کتنی ہی گہری کیوں نا ہو جائیں، محبت کی تندو
 تیز آندھی انہیں اکھاڑ بھیکتی ہے۔ بس آپ کے جذباتوں
 میں سچائی ہونی چاہیے۔“ دل کو طمانیت دیتا اس کا ہر
 حرف ارم کو یہ احساس دلا رہا تھا کہ نفرت کے زہر کا
 تریاق فقط شہزادے کے بوسے کا محتاج نہیں ہوتا۔ اس
 درِ محبت کی دوا کسی پری کے جادوئی حروف سے بھی تو
 ممکن ہے۔ کیا عجب تھا کہ آج وحشت کی اس دیوار میں
 دراڑ پڑنے لگی تھی۔ یہ محبت کے وجود پہ پڑے قفل کے
 کھلنے کا لمحہ لمحہ زیت تھا۔



اس انداز سے اس شخص کے
پیار بھرے جیون کو پڑھا
کہ وہ بھولے سے بھی نہ جان پایا
کہ اس کی ہر ادا سے واقف ہو گیا کوئی

”بھلا ہماری بچی ایسے گھر میں جا کر کیا کرے گی جہاں ساس کا بس چلے تو ہر وقت بیچ ہاتھ میں لے کر اللہ کرے اور سر صاحب دن بھر پچھر..... ہونہ۔“ یہ میری امی بیگم رضیہ۔ ارے نام پہ نہ جائیں بھلے سے پرانا سا ہو لیکن میری الزا ماڈرن ماں جیسی کوئی ہو ہی نہیں سکتی اور جس بچی کی بات کر رہی ہیں وہ میں یعنی زرافشاں گل۔

”لیکن دیکھیں ناں مسز گل..... بچی کی شادی جتنی جلدی اور اچھے گھرانے میں ہو اتنی ہی اچھی بات ہے اور میں یقین دلاتی ہوں آپ کی بیٹی وہاں بھی نازوں سے ہی رہے گی۔“ اور یہ ہیں ہماری ایک جاننے والی جو رشتے کرواتی ہیں۔ ان کا نام رضوانہ ہے پر سب انہیں رشی آنٹی ہی کہتے ہیں کیوں کہ یہ رشتے جو کرواتی ہیں۔ اب آپ کسی حد تک تو سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ میں تعلیم سے فارغ ہو کر شادی جیسے موضوع کے لیے تیار ہو گئی ہوں لیکن پھر ہر گھر کی طرح یہاں بھی مسئلہ ہے۔

”بھئی رشی۔ کوئی ہمارے جیسا گھر نہ دیکھو ناں تو بات بنے۔ اتنے رشتے کروا چکی ہو بس میری ہی بیٹی کے وقت تمہیں دین دنیا یاد آ جاتی ہے لے دے کے۔“ رشی آنٹی کا من ایک دم پھیکا پڑ گیا تھا۔ مجھے دیکھا اور میری پلیٹ میں جھانکنے کی کوشش کی لیکن میں بھی استادھی پلیٹ اور پیچھے کر لی۔

”ٹھیک ہے مسز گل میں دوبارہ کوشش کروں گی۔ اب پلتی ہوں۔“ وہ تپا کر انھیں اور مجھے گھورا۔ ای بھی انھیں اور کیٹ تک چھوڑنے گئیں اور میں مزے سے ٹانگ پہ

”ٹانگ چڑھائے کھانے میں مشغول رہی۔“ تمہیں پتا چلا وہ پچھلی گلی میں جو تمہارے ہی اسکول میں پڑھا کرتی تھی نازیہ۔ اُس کا ایک ڈیرے سے رشتہ ہوا ہے۔ اب تو اُس کی عیاشی ہو گئی۔ رضیہ صوفہ پیٹ کر بیٹھیں۔

”امی..... عیاشی کیسے؟ ڈیریوں میں شادی ہو رہی ہے اُن کا تو آوے کا آدائی بڑا ہوا ہوتا ہے۔“ میں نے بھی منہ بسورتے ہوئے کہا۔

”بس..... بس۔ تم سے ناشکری کروالوں وہی کافی ہے ناں۔ ایک تو اچھا رشتہ نہیں ملتا اور نہیں کسی کے رشتے کا بتاؤں تو اُس میں سے بھی مین میخ نکالتی ہو.....“ انہوں نے ہنکارہ بھرتے ہوئے کہا۔

”امی آپ بات بھی تو ایسی کریں ناں جس میں کچھ اچھا بھی ہو۔ لڑکی کی خواہش ہوتی ہے کہ لڑکا ڈاکٹر کوئی ہائی کلاس کا بندہ یا کوئی فوجی ہو۔ آج کل تو ویسے بھی مردم شماری والے فوجیوں کو ساتھ لے کر آرہے ہیں۔ لڑکیاں ضرور چھپ چھپ کر دیکھتی ہوں گی۔“ میں نے ٹھنڈی آہ بھری تو امی کی جانب سے پیٹھ پر ایک زبردست قسم کی دھب لگی۔

”تم اور تمہارے یہ فضول قسم کے خواب۔“

”کیا امی۔ اب میں اپنا تھوڑی نہ بتا رہی تھی تو لڑکیوں کی بات کر رہی تھی۔ اپنی پیٹھ سہلاتے ہوئے میں نے دھکی انداز میں جواب دیا۔

”ہاں سب جانتی ہوں۔ بے شرم نہ ہو تو۔ میں یہاں

تمہارے لیے جمل خوار ہو رہی ہوں اور تم اُن فوجیوں کے پیچھے پاگل ہو گئی ہو۔“

”صرف آپ کی بیٹی ہی نہیں اور لڑکیاں بھی تو ہیں اس دنیا میں جو فوجیوں پہ مرنی ہیں۔“ میں نے دوبارہ جواب دیا۔

”اب بس کرو۔ جتنا ٹھونسٹا تھا رشی کے سامنے ٹھونس لیا ناں اب جا کر برتن کچن میں رکھ آؤ اور اچھے سے صفائی بھی کر لینا۔“ امی نے مجھے آنکھیں دکھائیں اور مجھے مجبوراً اٹھنا پڑا۔

لو جی آگئے ہم اپنے کچن میں..... کیا کہا؟ میں نے اپنا تعارف نہیں کروایا؟

اوہو معذرت ہاں۔ امی کی باتوں میں مجھے یاد ہی نہیں رہا۔ اچھا ایک منٹ رکیں میں ذرا چائے کا پانی چڑھا دوں پھر باتیں کرتے ہیں۔

”اچھا جی۔ اب غور سے سنیں۔ میرا نام زرافشاں ہے۔ اچھا نام ہے ناں؟ میں اگلیوں اولاد ڈارے نہیں..... نہیں میں اگلیوں بیٹی ہوں باقی تو میرے دودھ بھائی بھی ہیں لیکن وہ چھوٹے ہیں اس لیے سارا دھیان آج کل امی کا مجھ پر ہی ہے۔“ ایک طرف چائے بن رہی تھی دوسرے طرف زرافشاں برتنوں سے خوب انصاف کر رہی تھی۔

”چلیں جی میری چائے تو بن گئی اور برتن بھی دھل گئے اب میں تھوڑا آرام کروں۔ نام و نام تو جان گئے ناں؟“ زرافشاں نے چائے کا گگ اٹھایا اور اپنے کمرے میں موجود ٹیبل پر آ گئی۔

”بھئی بھئی سوچتی ہوں ہم لڑکیوں کو بھی کیا کیا شوق ہوتے ہیں۔“ زرافشاں نے کین کے بنے بھولے میں بیٹھ کر گرم چائے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے سوچا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں چل رہی تھیں اور محترمہ زرافشاں صاحبہ بال کھولے بھولے میں بھول رہی تھیں۔

”زری اوزری۔“ زرافشاں بے نیاز بھولے میں مگن تھی اور رضیہ بیگم سے پکار رہی تھیں۔

”زری..... مجھے پتا ہے تم ٹیبل میں بیٹھی ہوئی ہو اپنے

آؤ فوراً۔“ وہ جو موسم کا لطف لے رہی تھی ناگوری سے اٹھی اور سامنے گلے پاز کے پاس آئی۔

”کیا ہے..... کیوں چلا رہی ہیں؟“

”تم سے کوئی کام دام تو ہوتا نہیں۔ بس ذرا کچن کا کام کیا کہہ دیا محترمہ تو بس اپنے آپ کو مظلوم قوم ہی سمجھنے لگتی ہیں۔“ رضیہ بیگم نے ابرو اچکائے۔

”امی آپ بھی ناں.....“ ابھی میں کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ مجھے کسی کی ہنسی کی آواز آئی۔

”کیا ہوا۔ اب کیا منہ میں نکلتی ڈال بیٹھی ہو جو جواب نہیں دے رہی ہیں؟“

”امی..... آپ ایسے تو.....“ ابھی جملہ مکمل ہی نہیں کیا کہ پھر سے لگا کوئی ہنس رہا ہے۔

”دفع“ مجھے آج پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔ اب نیچے آؤ اور میری مدد کرو۔“ رضیہ بیگم نے بھناتے ہوئے کہا اور اندر چلی گئیں۔

”یہاں تو کوئی نہیں ہے۔ شاید میرا وہم ہوگا۔“ زرافشاں نے اپنے ٹیبل کے ساتھ جڑے گھر کے ٹیرس میں جھانکا اچھی طرح دیکھ کر کے ہی وہ نیچا گئی۔

☆.....☆.....☆.....☆

”تمہیں یہ لگتا ہے کہ میں یہیں بیٹھا ہوں گا کہ محترمہ مجھے ڈھونڈے گی اور میں دیکھ جاؤں گا..... واہ جی واہ۔“ اظہر سیٹی بجاتا کسی دھن میں مگن ہاتھ میں بائیک کی چابی کھمٹا کر بیڑھیاں اترنے لگا۔

”آرام سے..... آرام سے۔ کسی دن ہڈیاں ہی نہ تڑوا بیٹھو۔“

”کیسی ماں ہیں آپ؟ لوگ اپنی اولاد کو دعا دیتے ہیں خاص کر بیٹوں کو اور یہاں تو اٹالیا کہا جا رہا ہے؟“ اظہر نے ہنکارتے ہوئے کہا۔

”تو میرے پیارے لاڈلے سے بچے صاحب اور کیا کہوں؟ جس قدر تیز رفتاری سے بیڑھیاں اتر رہے ہوتے ہوں ناں بس میرا دل ہی جانتا ہے کس قدر ہول اٹھ رہے ہوتے ہیں۔“ اظہر کی امی سمجھنے سے دل تھام کر بلند

آواز میں ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔

”اچھا..... اچھا ٹھیک ہے۔ آپ دعائیں کریں گی تو مجھے کچھ نہیں ہوگا پھر۔“

”میں تو ہر وقت ہی اپنے بیٹے کے لیے دعائیں کرتی ہوں۔ ابھی تو چھٹیوں میں آئے ہو گھر میں بھی تک جایا کرو کچھ وقت اور یہ اس وقت کہاں جا رہے ہو؟“ سمیہ نے جو کرز پہننے اظہر سے پوچھا۔

”میں پارک میں جا رہا ہوں۔ اب جو کرز پہن کر کرسی شادی میں تو جانے سے رہا۔“ اظہر نے منہ بسورا۔

”تمہیں شادی میں جانے کا شوق تھا تو بیٹا پھر کیوں فوج میں گئے؟“ ٹھوڑی پہ ہاتھ رکھے سمیہ نے اپنے جوان بیٹے کو دیکھا جو فوج میں تھا اور آج کل چھٹیوں پہ آیا ہوا تھا۔

”آپ کو کیا پتا اماں حضور۔ آج کل لڑکیوں کے بھی غرے ہو گئے ہیں۔“ شرارتی انداز میں اظہر نے آنکھ مٹکانی۔

”غضب خدا کا..... کیا بول رہے ہو؟“ سمیہ نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

”تو اس میں غلط کیا ہے..... اب یہ بتا دیں جیسے پہلے لڑکوں کو شوق ہوتا تھا کہ وہ فوج میں جائیں گے اپنے ملک کی خدمت کرنے کے لیے اب لڑکیوں کو بھی شوق ہوتا ہے کہ ان کے شریک حیات فوجی ہوں۔“

”ارے ہٹو پرے۔ یہ لڑکیوں کے بھی زرا ہے ہی شوق ہیں۔ یہاں فوجی گھر پر تو رہتا ہی نہیں کہ بیوی کی فرمائشیں پوری کرے اور باتیں سن لو بس۔“ اظہر نے اس بات پہ ایک بلند ہنسنے لگایا۔

”اب کیا منہ بھڑا کر رہے ہو تالاق؟“

”اماں حضور..... میں یہ سوچ رہا ہوں کل کلاں کو میری بیوی آئے گی تو آپ اس کا کیا حشر کریں گی؟“ اظہر نے ان سے لپٹ کر کہا۔

”وہی کروں گی حشر جو ہماری ساس مرحومہ نے ہمارا کیا تھا اور کیا۔“ سمیہ کے لہجے میں کڑواہٹ واضح تھی۔

”سمیہ جب شادی کر کے آتی تھیں تو ان کی ساس ہر

معاہلے میں دخل دیتی تھیں۔ مثال کے طور پر کہیں گھومنے بھی جانا ہو تو ساتھ ہوتی تھیں۔ ساس کی خدمت کر کے بھی شاباشی نہ ملنا جو ساسوں کا کام ہوتا تھا سمیہ نے پوری زندگی ساس کے ایسے ستم کے ساتھ ہی گزاری تھی اور جہاں بات خود کی بہو کی آتی تو ایک ساس ویسی ہی ساس کو روپ دھارتی ہے جیسا وہ اپنی ساس کا دیکھ چکی ہوتی ہے البتہ کچھ سائیں اچھی بھی نکل آتی ہیں بہر حال یہ ایک الگ ہی بحث ہے ناں کیوں؟“

”توبہ..... توبہ تو لڑکیاں صبح ہیں آج کل کی جو پہلے ہی ڈیمانڈ رکھ دیتی ہیں کہ ہمیں ساس کے ساتھ نہیں رہنا وہ تو سانس بھی نہیں لینے دیتیں۔“ اظہر کی بات سن کر سمیہ نے ہنسیوں سیکھیں۔

”تو پٹ جائے گا میرے ہاتھوں اچھا۔ نکل جا جہاں جانا ہے تجھے۔“

”سوچ لیں اماں حضور۔ کیا پتا آپ کا یہ خوب صورت وجاہت سے بھرپور بیٹا کی لڑکی کے چکر میں نہ باہر جا رہا ہو۔“ اظہر اٹھ کر دروازے پہ پہنچا اور مرکز سمیہ کو چھیڑا۔

”واہ..... واہ میں صدقے میں واری۔ بیٹا ایسا کچھ بھی ہونا نا وہ لڑکی میرے گھر میں تو کم از کم قدم نہیں رکھے گی ابھی سے بتا رہی ہوں۔“ انگلی اٹھا کر سمیہ نے اظہر کو تنبیہ کی اور اظہر ہنستا ہوا گھر سے باہر چلا گیا۔

☆.....☆.....☆.....☆

”جس دن مجھے یہ پتا چل جائے کہ ہم لڑکیوں پہ یہ ستم کیوں ہوتا ہے میں نے قسم سے یہ سب کام مردوں سے ہی کروانے ہیں خاص کر یہ والا کام۔“ سوسوں کرتی زرافشاں نے غصے سے چھری پیاز پہ ماری اور اپنی اُمی کو دیکھا۔

”کیسی ماں ہیں آپ؟ آپ کی بیٹی یہاں آنسو بہا رہی ہے اور آپ کو کوئی فکر ہی نہیں۔“ منہ بناتے آنسو دکھاتے ہوئے زرافشاں نے رضیہ سے کہا۔

”مگر مجھ کے آنسو تو سنا اور پڑھا تھا آج تم نے فقط پیاز چھیل کر دکھا بھی دیئے۔“

”کیا..... کیا..... کہا؟ مگر مجھ کے آنسو ہیں؟ یہ تو ان پیازوں کا پیار ہے جو میری آنکھوں سے چھلک رہا ہے۔ مارے باندھے زرافشاں نے پیاز کا شائق شروع کی۔

”چلو کوئی تو ہے جو تم پہ پیار برسا رہا ہے اپنا۔“ رضیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہ میری ماں ہیں؟ وہ ویسے ایک طرف میری کتنی فکر ہے کہ ایسا گھر لے جہاں کام دام بھی کرنے کو نہ ملے اور دوسری طرف ایسا ظلم ڈھایا ہوا ہے مجھ پہ کہ جس کی حد نہیں۔“ پیاز کاٹنے کے بعد ہانڈی میں جس میں تیل گرم ہو رہا تھا پیاز ڈالی تھی۔

”ہاں تو بے شک نوکر چاکر ہوں لیکن لڑکی کو کام آنا چاہیے۔“

”تو ایسے کام کیوں بھی جس سے شدید تشدد کیا جا رہا ہو جیسے یہ پیاز والا کام؟“

”ہاں تو اور یہ کام کون کرے گا؟“

”امی..... اگر نوکر چاکر کا ایسا ہی تھا تو آپ نے گھر میں نوکر کیوں نہیں رکھا؟ سارا کام تو خود کرنی ہیں۔“

زرافشاں کی بات پر رضیہ بیگم نے گھورا۔

”ہاں..... ہاں مجھے ہی شوق تھا نوکر ہوں لیکن ہماری ساس اور سرس کو تو بس یہی تھا کہ بہو آئے اور وہی کام کرے نوکر کے ہاتھ کے کپکپے کھانے میں مزہ جو نہیں آتا تھا انہیں۔“

”ارے تو امی..... یہاں تو آپ کے ساس سر نہیں ناں پھر کیوں نوکر نہیں رکھا؟ مجھے تو کرائی کیوں بنا رکھا ہے؟“ ناک بھوں چڑھاتے ہوئے زرافشاں نے رضیہ کو دیکھا۔

”تا کہ کل کو اگر تم نوکر والے گھر بھی جاؤ تو کم از کم ان کے کام سے کوئی نقص نکالو تو چھوڑیں نہ دیکھو اور پھر چھوٹا موٹا کام ہر لڑکی کو آنا چاہیے سمجھیں؟“ زرافشاں نے سر ہلا کر جیسے اتنا کیا۔

”ویسے امی۔ سب سے آسان کام ناں یہ روٹی پکانا ہے۔“ اب وہ سالے سارے نکال کر رہی تھیں۔

”کہہ تو ایسے رہی ہو جیسے تمہیں گول روٹی پکانی آتی ہے ناں؟“

”کیا ہے امی؟ کبھی تو کسی بات پہ میری تعریف کر دیا کریں۔“ زرافشاں نے رو ہاکی ہوتے ہوئے کہا۔

”کیا تعریف کروں؟ ابھی تو کچھ ایسا ہے ہی نہیں جو تعریف کروں۔ البتہ جب رشتے والے آئیں گے بھی جھوٹی تعریف کرنی پڑتی ہے۔“

”بھی تو.....“

”تبھی تو کیا ہاں؟“ رضیہ نے گھورا۔

”تبھی تو آپ کے مطلب کا رشتہ نہیں آتا کہ پول نہ کھل جائے آپ کی بیٹی کی یا پھر دینی لوگ ہیں وہ کیا سوچیں گے کہ اس عمر میں بھی دیکھو رضیہ بیگم جھوٹ بوٹی ہے۔ تو یہ تو ب۔“

”اللہ معاف کرے۔ کسی بیٹی سے واسطہ پڑا ہے میرا بھی۔ جسے کوئی شرم و لحاظ ہی نہیں۔“ زرافشاں اب ہونٹ دبا کر رہی۔

”اب کھڑی میرا منہ کیا تک رہی ہو؟ سالن کو دیکھو میں جاری ہوں نماز پڑھنے۔“

”اچھا ذرا میرے لیے بھی پڑھ لیجئے گا میرا مطلب میری جانب سے۔“ رضیہ بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔

”ہائے سوچو تو..... میری شادی کے بعد میرے وہ جب میرے لیے پیاز کاٹ رہے ہوں۔“ آف اور میں اُن کے آنسو پونچھوں۔“ زرافشاں خیالی پلاؤ پکانے میں مگن ہو گئی۔

”آپی..... او آپی۔“ زرافشاں کو جیسے ہوش ہی نہیں تھا۔

”آپی..... امی پوچھ رہی ہیں کھانے کا۔“ زرافشاں کا چھوٹا بھائی اُسے پکار رہا تھا لیکن خود وہ میڈم تو کسی اور جہان میں پہنچی ہوئی تھیں۔

”ہائے میں مر گئی۔ کیا ہوا..... اتنی زور سے کیوں چلا رہے تھے تم؟“

”کیا ہو گیا؟ علی اتنی زور سے کیوں چلائے؟“ رضیہ بیگم بھی کچن میں آن پہنچی اور دونوں کو دیکھ کر گھبرا گئیں۔

”آپی کو کب سے بلا رہا تھا لیکن وہ جواب ہی نہیں دے رہی تھیں تو اونچی آواز میں بلانا پڑا کیا کرتا؟“ علی رضیہ بیگم کے پاس بھاگتا ہوا گیا اور تیز سانس لیتے ہوئے بولا۔

”جھوٹا کہیں کا..... کوئی نہیں امی۔ اس نے مجھے بلایا ہی نہیں بس چلایا اتنی زور سے۔“ زرافشاں نے بھی ہڑبڑا کر کہا۔

”نہیں..... آپی جھوٹ بول رہی ہیں۔“ زرافشاں نے غصے سے گھورا اور آنکھیں دکھائیں۔

”کیا کروں میں تمہارا تالاق..... اور یہ مہک کیسی آ رہی ہے؟ ذرا سالن تو دیکھو کہیں جل تو نہیں گیا۔“ رضیہ بیگم کے کہنے کی دیر ہی گئی کہ فوراً وہ مڑی اور بے ہوشی میں ہانڈی کا ڈھکن اٹھایا۔

”میرا ہاتھ۔ ایک دم سے ڈھکن نیچے گر۔“

”ستیا ناں۔ کب بڑی ہو گئی تم؟ علی جاؤ تم یہاں سے۔“ علی کو کچن سے بھگایا اور خود زرافشاں کے پاس آئیں۔ سالن کی آج بند کی۔

”سالن دیکھنے کو کہا تھا ہاتھ چلائے کو نہیں۔“

”سوری امی۔“ زرافشاں منمائی۔

”تمہاری عمر کی لڑکیوں کی تو اب شادیاں کیا بنے بھی ہو گئے ہیں اور ایک تم ہو کوئی کام ڈھنگ سے نہیں کر سکتیں۔“ رضیہ بیگم نے مہم لگاتے ہوئے ڈنپا۔

”ایک منٹ..... میرے ان کاموں سے میری شادی کیا لیا دینا؟“

”چپ کر واماں سے زبان لڑاتی ہو؟“

”تو اور کس سے لڑاؤں؟ اب ساس تو فی الحال ہے نہیں میری۔“

”توبہ..... توبہ۔ بہت شوق ہو رہا ہے ساس کے پاس جانے کا؟“ زرافشاں ہنسی۔

”شوق مجھے نہیں آپ کو ہو رہا ہے میری شادی کرنے کا۔“

آنچل کی جانب سے ایک اہم نچل

ماہنامہ
حجاب کرچی

شائع ہو گیا

ملک کی مشہور معروف قلم کاروں کے سلسلے دار ناٹو، ناٹو اور افسانوں سے راستہ ایک مکمل جریہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں موجود جو آپ کی آسودگی کا باعث بنے گا اور وہ صرف ”حجاب“ آج ہی ہا کرے کہہ کر اپنی کاپی بک کر لیں۔

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

Infoohijab@gmail.com
info@aanchal.com.pk

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں

021-35620771/2

0300-8264242

”اچھا بس بس۔ جاؤ کمرے میں۔ میں خود ہی کھانے کا دیکھتی ہوں۔“
”یا ہو۔۔۔۔۔۔ یہ ہونی ناں خالص امیوں والی بات۔ میں آزاد۔“

”ہٹ بدعاش۔“ خوشی میں وہ جھومتی ناچتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اُس کی واحد جائے پناہ اُس کا ٹیرس تھا۔ چھوٹا سا لیکن اُس کی ہی پر اپنی تھا وہ۔ نیچے کے پورشن میں کچن ڈرائنگ روم لاؤن اور ایک روم تھا باقی تین کمرے اور چھوٹا سالانہ اوپر تھا۔ ٹیرس والا کمرہ زرافشاں کو ملا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆
”اماں۔۔۔۔۔۔ میں گھر آ گیا ہوں۔“ اطہر تھا کا ہارا گھر آیا اور سیمہ کو آواز دی۔

”ہاں۔۔۔۔۔۔ ہاں بتا چل گیا ہے۔ فریش ہو جاؤ میں کھانا لگا دیتی ہوں۔“ وہ بچن سے جواب دیا۔
”او کے موم۔“

”مگر یہ کا پتر ہونہ۔۔۔۔۔۔ سیمہ نے منہ بسورہ اور کھانا لگانے لگی۔ اطہر کے کالو بھی عشاء پڑھ کر آ چکے تھے۔
”السلام علیکم ابو۔ کیسی طبیعت بچا کی؟“

”الحمد للہ میں ٹھیک برخوردار۔ تم سناؤ۔ تمہارا کیا حال ہیں فوجی؟“ شہزادہ صاحب نے مسکراتے ہوئے بیٹے کا حال پوچھا۔

”آپ کے برخوردار جب سے آئے ہیں گھر تو تک ہی نہیں رہے۔ روز باہر چلے جاتے ہیں۔“ سیمہ نے کھانے کے برتن میز پر رکھتے ہوئے شکوہ کیا۔

”تو بھی اب رہ کر بھی کیا کرے بچہ؟ اب یہ تم عورتوں کی طرح ہر وقت بیوی اور ذرا سے وغیرہ تو دیکھنے سے رہا۔ کیوں ٹھیک کہا ناں؟“ دونوں باپ بیٹے نے ایک دوسرے کو آنکھوں آنکھوں میں اشارہ کیا۔

”صح بات ہے۔ ماں اپنے بیٹے کی فکر میں گھل رہی ہوتی ہے۔ لیکن بیٹے صاحب کو دو بل کی بھی فرصت نہیں کہ پاس بیٹھ جائیں۔“ سیمہ نے ناراضگی سے کہا۔

”تو بھی ایک کام کرو بیٹے کے لیے رشتہ ڈھونڈنا شروع کر دو۔ پھر دیکھنا یہ کیسے گھر میں بیٹھا رہے گا۔“ باپ کی بات سن کر اطہر کو کھانسی آ گئی۔

”ارے۔۔۔۔۔۔ ارے آرام سے کھاؤ۔ لو پانی پو۔“
”کیوں برخوردار کیا کہتے ہو؟“ اطہر جھینپ گیا۔
”ہائے میرا بچہ۔ دیکھو تو کیسے شرمایا گیا۔“ سیمہ نے بلائیں لینا شروع کر دیں۔

”تو بس زوجہ بیگم کس کا انتظار ہے۔ لگ جاؤ مشن پ۔“
”آپ لوگ آرام سے کھانا کھا لیں مجھے بھی کھانے دیں۔ مہربانی کر کے۔“ اطہر نے سنجیدگی سے کہا تو دونوں نے چپ سادھ لی۔

”ویسے تمہاری کوئی پسند ہو تو بتانا ضرور۔ تمہاری ماں اس بات کا ضرور خیال رکھے گی۔“ تھوڑی دیر بعد شہزادہ صاحب نے پھر سے بات چھیڑی۔

”ابو۔۔۔۔۔۔ کم از کم ابھی تو کھانا کھانے دیں۔ اس حوالے سے بات بعد میں بھی تو ہو سکتی ہے ناں؟“ اطہر نے نظریں پلٹتے ہی جمانی رکھیں۔

”اچھا چلو۔ کھانا کھاؤ۔“ سیمہ نے بھی چڑ کر کہا۔
☆ ☆ ☆ ☆ ☆

کھانا کھا کر اطہر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ یہ لوگ جس کالونی میں رہتے تھے وہاں سب کے ایک جیسے مکان تھے۔ اطہر چھل قدمی کے ارادے سے ٹیرس کی جانب آیا تو رضیہ بیگم کی آواز گونجی۔

”کھانا لے کر آئی ہوں تمہارے لیے کھالینا۔“
”جی۔“ ہلکی سی آواز میں زرافشاں نے جواب دیا۔ وہ اس وقت آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھنے میں مصروف تھی۔

”درد کیا ہے؟“
”آپ ٹھیک ہے۔“ زرافشاں بنا رضیہ کو دیکھے جواب دے رہی تھی۔

”یہ آسمان کو جواب دے رہی ہو یا مجھے؟“ رضیہ بیگم نے تھوڑا اونچی آواز میں کہا۔

”مجھے آسمان اس وقت اچھا لگ رہا ہے اور جواب آپ کی بات کا ہی تو دے رہی ہوں۔“
”پتا نہیں تمہارا کیا ہوگا لڑکی؟“ رضیہ بیگم وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

”کیوں بھی۔۔۔۔۔۔ میرا کیا ہونا ہے؟“ حیرانگی سے زرافشاں گویا ہوئی۔

”کل کو شادی ہوگی تو ساس کو بھی ایسے ہی جواب دوگی۔۔۔۔۔۔ اور ساس سے پوچھنی خدشیں کراؤ گی؟“ یہ بات سنتے ہی اطہر کی ہنسی چھوٹ گئی۔

”کمال کی ماں ہیں آپ بھی۔ جب میں شادی کی بات کروں تو زمانے بھر کی شرم مجھے دلا دیتی ہیں اور خود جب دل کرے شادی کی بات لے کر بیٹھ جاتی ہیں۔“

”اچھا۔۔۔۔۔۔ اچھا بس۔ تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔ کھانا خنڈا ہو رہا ہے کھالینا۔ میں چلتی ہوں۔“ رضیہ بیگم ٹھیس اور ٹرے کی جانب اشارہ کیا۔

”کھالو گی۔“ منہ دوسری جانب پھیر کر جواب دیا۔
اطہر نے چھل قدمی شروع کی اور ہر تھوڑی دیر بعد ایک ایک کر زرافشاں کو دیکھنے لگتا۔ وہ بے خبر آسمان کو تک رہی تھی جہاں چاند کے ارد گرد بے شمار ستارے منڈ لارہے تھے۔ اپنے ہاتھ کو سہلاتی ہوئی وہ جھولے سے سامنے رکھی پچھریاں اور کھانا کھانا شروع کر دیا۔

”مجھے بھی یہی لڑکی پسند آتی تھی؟“ وہ پلر کے ایک جانب کھڑا اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سامنے بیٹھی زرافشاں کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ دل ایک دم ہی اس لڑکی کا گرویدہ ہو گیا تھا۔ اطہر نے گہری سانس لی اور واپس اندر چلا گیا۔

اس کی صورت آنکھوں میں گھومتی رہی اور اطہر ساری رات کر دھنسی بدلتا رہا۔ رات کے کس پہر اُس کی آنکھ لگی اُسے پتا ہی نہ چلا۔ جس وقت آنکھ کھلی تو وہ پہر ہو رہی تھی۔ وہ آنکھیں مسلتا ہوا بغیر منہ ہاتھ دھوئے تیزی سے سڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے آیا۔

”آرام سے بیٹا۔ کتنی دفعہ کہوں؟“ سیمہ نے ڈپٹا۔

”اوہ تو یہ ہے آپ کا وہ بیٹا جو نون میں ہے؟“ اطہر جو ویسے ہی بیڑھکے چلے میں تھا اپنے سامنے ماں کے علاوہ کسی اور کو پا کر ایک لمحے کو چونکا۔

”جی۔۔۔۔۔۔ جی وہ آج پتا نہیں کیوں یہ دیر سے جاگا اور ایسے ہی نیچے آ گیا ورنہ ہمیشہ فریش اور اچھے چلے ہی رہتا ہے۔“ سیمہ نے ہاتھ مسلے اور نظریں چما کر اپنے چشم و چراغ کو گھورا۔

”ارے کوئی بات نہیں مسز شہزادہ۔۔۔۔۔۔ اب لڑکے تو ہوتے ہی ایسے ہیں۔ اگر یہ سب لڑکیاں کریں تو اچھا نہیں لگتا۔“

”کیوں اچھا نہیں لگتا؟ کیا لڑکیاں انسان نہیں ہوتیں؟ ان کا بھی دل کرتا ہوگا کہ کبھی وہ بھی دیر سے سوئیں۔ دیر سے جائیں گھر کا کام نہ کریں۔ کیوں اماں حضور۔“ وہ بنا تمہید باندھے دونوں خواتین کے درمیان بیٹھ گیا۔ گوکہ یہ اس کے مزاج کے خلاف تھا لیکن بچانے کیوں وہ یہ حرکت کر گیا تھا۔ جب کہ اس کی یہ حرکت پر سیمہ نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔

”ہاں۔۔۔۔۔۔ ہاں۔ کیوں نہیں بھی میرا تو ایک ہی بیٹا ہے میں اپنی بہو پر ہی ایسے ارمان نکالوں گی ناں جو بالکل بیٹی کی طرح رہے میرے پاس۔“

”واہ۔۔۔۔۔۔ یہ تو اچھی بات ہے لیکن سچ کہوں مسز شہزادہ۔ ساس بن کر سب بھول جاتے ہیں کہ بہو بھی کسی کی بیٹی ہوتی ہے اور بس زمانے بھر کا ظلم شروع ہو جاتا ہے۔ اُس خاتون نے کہا تو اطہر نے فوراً تانسید کی۔

”بے فکر ہیں آئی۔ یہاں آپ کو یہ مثال بھی ملے گی۔ کیوں کہ بہر حال میری ماں بھی کسی کی بہو تو ظاہر ہے اپنی بہو کے ساتھ بھی وہی رویہ اختیار کرے گی ناں۔“ وہ جو دونوں خواتین چائے پی رہی تھیں ایک دم گڑبڑا گئیں۔

”لاحول ولا قوہ۔ کیوں اپنی ماں کو بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہو؟“ سیمہ نے دانت پیس کر کہا۔

”ارے کمال کرتی ہیں آپ بھی اماں حضور۔ ابھی کچھ

دن پہلے ہی تو آپ نے سبکی عرض کیا تھا مجھ سے..... یاد کریں یاد کریں۔ ”اٹھرنے اپنے دانت دکھائے اور سہمہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کہیں سے موٹا ڈنڈا ہاتھ لگے اور اٹھرنے کی دھناتی شروع کر دیں۔ کاش یہ کام وہ پہلے کر دیتی تو آج فیوت نہ داتی۔

”میں نے کب کہا تھا ایسا؟ پلیز میرے بیٹے کی باتوں کو سنجیدگی سے مت لیجئے گا۔ اسے مذاق کرنے کی عادت ہے۔“

”جی جی آئی۔ میں بس ایسے ہی۔ اچھا ویسے تعارف تو کروائیں۔“ امی کو تنگ کرنے میں اسے بے حد مزہ آرہا تھا۔

”ہاں..... یہ رضوانہ ہیں۔ رشتے کرواتی ہیں۔ تمہارے لیے بات کر رہی تھی اچھا ہوا انہوں نے تمہیں بھی دیکھ لیا اور تمہاری حرکتوں کو بھی اب صحیح رشتہ لے کر آئیں گی۔“ سہمہ نے کہا تو رضوانہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

”ارے بالکل بے فکر رہے گا۔ رشی ہے ناں بھریوں پوں دیکھئے گا رشتوں کی لائن لگا دینی ہے۔“ رضوانہ نے چٹکی بھائی اور فرضی کارل جھاڑے۔

”مجھے لائن ہی تو نہیں لگوانی ناں۔“ اٹھرنے سر کھجایا اور دھیمی آواز میں بڑبڑایا۔

”کچھ کہا اٹھرنے؟“

”جی..... نہیں تو اماں۔ اچھا میں فریش ہونے جارہا۔ آپ دونوں خواتین جی بھر کے محلے والوں کی برائیاں کریں۔ اللہ حافظ۔“ اٹھرنے مسکراتے ہوئے اٹھا اور پھر سے تیزی سے بیڑھیاں چڑھتا ہوا پتا گیا۔

”آپ کا بیٹا تو ماشاء اللہ بڑا ہی ہنس مکھ ہے۔“ رضوانہ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

”ارے اتنی جلدی! ابھی تو آئی تھیں۔“ سہمہ نے جیسے گہری سانس لی جو لگ رہا تھا خوشی میں لی ہو۔

”ہاں وہ ابھی برابر والے گھر میں بھی تو جاتا ہے ناں۔“

”اچھا..... میری زیادہ جان پہچان نہیں کسی سے۔

یہاں آئے ہوئے کچھ ہی مہینے تو ہوئے ہیں۔ یہ تو تم ہو جو ہر گھر میں چکر لگاتی ہو ورنہ میں کہاں نکلتی پھروں۔“

”ارے تو برابر والی مسز گل سے مل لیا کریں گھڑی دو گھڑی کے لیے وقت نکال لیں۔ وہ بہت اچھی ہیں۔ وہ بھی اپنی بیٹی کے لیے رشتہ ڈھونڈ رہی ہیں۔“ رضوانہ نے فوراً اپنے مطلب کی بات سامنے رکھ دی۔

”اچھا..... اچھا۔ چلو اللہ اس کا نصیب اچھا کرے اور جلد ہی کوئی اچھا سا لڑکا مل جائے آمین۔“

”جی آمین۔ چلیں میں چلتی ہوں۔ اللہ حافظ۔“ سہمہ اسے دروازے تک الوداع کہنے آئی تھی جب کہ رشی کچھ سوچ کر زرافشاں کے گھر آئی۔

”ارے رشی آئی کسی ہیں آپ؟“ اوپر ٹیرس پر کھڑی زرافشاں نے دروازے پر کھڑی رشی کو دیکھا اور حال چال پوچھا۔

”میں ٹھیک ہوں تم سناؤ؟ آؤ ذرا دروازہ ہی کھول دو نیچے۔“ رضوانہ نے کہا تو اثبات میں سر ہلاتی زرافشاں نیچے آئی۔ سہمہ بخوراس لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔

”مسز شہزادہ یہ زرافشاں ہے۔ میں نے بتایا تھا ناں ابھی آپ کو۔“

”اوہ..... ہاں اچھا اچھا..... یہ ہے؟“ مسکراتے ہوئے سہمہ نے کہا۔

”کیا رشی آئی۔ میرا ان کے کسی بیٹے سے رشتے کی بات چلا رہی ہیں یا سوچ رہی ہیں۔“ آواز بگنی سی تھی لیکن اتنی واضح تھی کہ سہمہ نے بھی سن لی۔

”ارے..... تم بھی ناں زرافشاں۔ بتا نہیں کیا کیا سوچ لیتی ہو۔ یہ آج کل کی لڑکیاں بھی ناں۔“ رضوانہ نے ہنسنے ہوئے کہا اور سہمہ کو دیکھا۔

”کیوں کیا ہو گیا آج کل کی لڑکیوں کو؟ بھی اگر شادی کی بات کہہ سکتے ہیں گھر والے تو خود لڑکی نے پوچھ لیا تو کون سی قیامت آئی؟“

”اوہو چپ کر لڑکی۔“ رضوانہ نے اُسے گھورا۔

”کوئی نہیں بیٹا۔ اچھا ہے مل کر اچھا لگا۔ پھر ملاقات

ہوگی۔ تم سے بھی رشی۔“

”جی..... جی مسز شہزادہ۔ پھر ملتے ہیں۔“ زرافشاں کے ساتھ رضوانہ اندر آئی اور سہمہ بھی کانوں کو ہاتھ لگاتی اندر چلی گئی۔

”توبہ..... توبہ یہ آج کل کی لڑکیاں۔ اتنی تیز کوئی شرم و لفاظی نہیں۔“ وہ اندر آ کر صوفہ پہ بیٹھ گئیں اور زرافشاں کے بارے میں سوچنے لگیں جب ہی اٹھرا ان کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

”اماں حضور..... یہ جو محترمہ تشریف لائی تھیں یہ کیا واقعی رشتے کروا تیں؟“

”نا معقول تجھے شرم نہیں آتی یوں سر جھاڑ منہ پھاڑ آ کر بیٹھ گئے ہمارے بیچ؟“ سہمہ کو ایک دم یاد آیا تو تیز لہجہ میں کہا۔

”ہاں توباب مجھے کیا تھا کہ دن دیہاڑے میرے گھر میں میری والدہ کے علاوہ بھی کوئی خاتون موجود ہوں گی اور میں تو بس ایسے ہی مذاق کر رہا تھا ناں۔“

”سوچتی ہوگی وہ تمہارے بارے میں کہیں رشتے کی بات کرے گی تو کیا کہیں گی۔“ سہمہ نے سر ہٹا لیا۔

”اوہو..... کیا ہوگا زیادہ سے زیادہ وہ لوگ خوش ہو جائیں گے کہ دیکھو ایسا فوجی اور ہر دم مذاق مستی کرنے والا بندہ کہاں ملے گا؟“ اٹھرنے سہمہ کو گلے لگایا۔

☆.....☆.....☆.....☆

”میں سچ کہہ رہی ہوں رضیہ برابر والی مسز شہزادہ کو اپنے بیٹے کے لیے اچھی بڑھی لکھی لڑکی چاہیے اور میں نے آپ کی بیٹی کا ذکر بھی کیا ہے بلکہ وہ ابھی دیکھ بھی چکی ہے اپنی لڑکی کو۔“ رضوانہ کو سہمہ کے بارے میں تفصیل سے بتا کر اب اصل موضوع کی طرف آئی تھیں۔ مسز گل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی تمام معاملات طے کر دیں۔

”اچھا انہوں نے میری بیٹی کو دیکھ لیا۔ پھر ان سے ضرور پوچھنا کہ کیسی لگی اور ان کا بیٹا کیسا ہے؟“

”میں نے دیکھا ہے اچھا ہے۔ لہذا چڑا ہے دکنے میں بھی اچھا ہے سچی۔“ رضوانہ نے آنکھیں میچ کر بتایا

جب کہ اس کی ساری باتیں پوشیدہ ہی رکھی تھیں۔

”خود مسز شہزادہ کیسی ہیں؟ بھی میں ابھی سے بتا رہی ہوں مجھے ایسی ساس نہیں چاہیے جو میری بیٹی کو بلا وجہ ٹوٹے اور ان کے گھر میں کوئی نوکر ہے؟“ رضوانہ بیگم نے ہاتھ نچا کر صاف بات کی۔

”خود کی بیٹی کو دیکھا ہے؟ کھانا کانا آتا نہیں اور بات کرنے میں تو ایسی فرارے باز ہے کہ بس.....“ رضوانہ نے دل میں سوچا۔

”نوکر تو نہیں ہے البتہ وہ لوگ اچھے ہیں اور یہاں نئے ہیں غالباً آپ کی بھی ان سے علیک سلیک نہیں ہوئی ناں۔“

”اچھا..... ٹھیک ہے مل لیں گے کسی دن۔“ گہرا سانس لیتے ہوئے رضیہ بیگم نے کہا۔

”لیکن آپ بھی تو زری کو کچھ دیکھا دیں ناں۔“ ڈرتے ڈرتے رضوانہ نے کہا۔

”ارے تو تھوڑا بہت تو آتا ہے ناں۔ آگے بھی سیکھ لے گی اور ویسے بھی جہاں نوکر ہوتے ہیں وہاں کام کی کیا ضرورت میری بیٹی کو؟“ رضیہ بیگم نے بالکل دوستانہ انداز میں رضوانہ کو کہا تو وہ بھی جبراً مسکرا کر فقط سر ہلاتی رہ گئیں اور الوداعی کلمات کہہ کر رضیہ بیگم کے ساتھ وہاں سے باہر نکل آئیں۔

رضیہ بیگم نے انہیں دروازے تک چھوڑا اور باہر جھانک کر دیکھا کہ کہیں سے برابر والے گھر کا فوجی بیٹا انہیں بھی دکھ جائے۔

”امی..... رشی آئی چلی گئی تو آپ کیوں باہر کھڑی ہیں؟ اندر آ جائیں ناں۔“ وہ جواہر ٹیرس پہ کھڑی ہوا خوری کر رہی تھی نیچے کھڑی رضیہ کو دیکھا تو چلا کر بولی۔

”آرام سے بول..... گلے میں کیا لاؤ ڈاؤنٹیکر فٹ کر رکھا ہے۔ اتنی زور سے بولتی ہو کہ دل ہی اچھل کر حلق میں آجاتا ہے۔“ دروازہ بند کیا اور وہیں سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

”آپ کا دل تو واقعی بہت کمال کا ہے بھی۔ ہر بات پر

اچھل کر حلق میں آجاتا ہے اور ایک ہمارا دل ہے وہیں کا وہیں رہتا ہے۔ وہ جو گرمی میں بھی کالی کڑنی اور جیٹ پھن کر غضب ڈھارہی تھی۔ اس بات سے بے خبر کہ اطہر نیچے کھڑا اُسے دیکھ رہا ہے۔ وہ دونوں ہاتھ کمر میں رکھے مسکراتے ہوئے اُس دوشیزہ کو دیکھ رہا تھا۔

”چپ کر اور یہ بتاؤ پر کیا کر رہی ہے؟ نیچے آ اور برتن اٹھا کچن سمیٹ۔“

”ہاں میرا بس یہی کام رہ گیا ہے ناں وہ رشی آنٹی آتی ہیں سب کھانی کے چلی جاتیں ہیں اور میں خالی بیٹھیں دیکھ کر دل جلا جلا کر بس دھونی رہوں۔“

”نہیں تو اور کیا کرنا ہے؟ بھوک نہ دھو۔“ رضیہ بیگم نے چلا کر کہا۔

”کہاں سے آپ ماڈرن ماں لگتی ہیں ہماری؟ ہر کام تو ہم سے کرواتی ہیں خاص کر وہ پناز کاٹنے والا سب سے گندہ کام۔ کہاں سے ماڈرن ہیں آج مجھے یہ بتا دیں آپ۔“ زرافشاں نے جس قدر معصومیت اور مسکین چہرہ بنا کر کہا اطہر کا بس نہیں چل رہا تھا ایک زوردار تہہ لگائے۔

”الٹے کسٹرول کر خود کو“ اطہر نے دل میں کہا۔

”تم باز نہیں آؤ گی ناں۔“ رضیہ بیگم نے اپنی چہل اتاری اور ہاتھ میں لے لی۔

”یہ دیکھو۔ یہ ظلم ہو رہا ہے اپنی اولاد پر وہ بھی لڑکی پر؟ نہ میں یہ پوچھوں ذرا کہ کون سا میرے گھر میں نوکر ہیں جو آپ میرے کسی ہوتے سوتے سسرال میں نوکر دیکھ رہی ہیں؟“

”تمہاری تو ابھی میں پٹائی لگاتی ہوں..... آتی ہوں اوپر۔“ رضیہ بیگم نے دانت پیسے اور زرافشاں اچھل پڑی اور سر پٹ بھاگی اور جا کر کمرے کا دروازہ لاک کر لیا۔ اطہر وہیں کھڑا ان کی ڈائلاگ بازی سن کر دوہرا ہوئے جا رہا تھا۔ رضیہ بیگم تیزی سے چلتی ہوئی آئیں اور زرافشاں کے کمرے کا دروازہ زور زور سے پینے لگیں۔

خود زرافشاں میڈم مزے سے موبائل پر ہینڈ فری لگا کر گانوں سے لطف اندوز ہونے لگی۔ بیڈ پر لیٹی اپنے

بیروں کو ایک دوسرے پر دیکھے جھلارہی تھی۔

”نالا لاق اولاد..... یہ خوب ہے لاک تو لاک بند کنڈی بھی لگا دیتا کہ چابی سے کھولنا پڑے تب بھی نہ کھول سکے ہونہ۔“ آنے دو خود ہی جب نیچے آئے گی تو سیدھا کروں گی۔“ رضیہ بیگم جھلانی ہوئی نیچے آئیں اور محترم زرافشاں اپنے موبائل میں مگن رہی۔

☆.....☆.....☆.....☆

”تمہاری چھٹیاں کب تک ہیں؟“ رات کھانا پر شہرہ صاحب نے پوچھا۔

”ابھی تو بچہ آیا ہے اور آپ اُس سے جانے کا پوچھ رہے ہیں؟“ سیمہ نے برا سامنا بنایا۔

”ابو..... ابھی کچھ دن ہوں مزید۔ آپ کہیں۔“ اطہر نے چاول پلیٹ میں نکالتے ہوئے جواب دیا۔

”نہیں بس ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔ چلو تم آرام سے کھا کھاؤ۔“ شہزاد صاحب نے سیمہ کو دیکھا جو آنکھیں دکھا رہی تھی۔

”اور تم سناؤ بیگم۔ بہو ڈھونڈنے والا مشن کہاں تک پہنچا؟“

”مجھ سے کیا پوچھ رہے ہیں اپنے صاحب زادے سے پوچھیں۔“ سیمہ نے ہنکارا بھرا۔

”میں نے کیا کرویا جو مجھ سے پوچھنا ہے؟“ اطہر نے حیرانی سے اپنی ماں کو دیکھا۔

”دیکھیں..... دیکھیں ذرا اسے۔ کتنی معصومیت سے پوچھ رہا ہے جیسے کچھ جانتا ہی نہ ہو۔“ اطہر نے انہیں بخور دیکھا۔

”مجھے بتا دیں بھی میں نے کیا کیا ہے؟ کھانے کے وقت یہ باتیں لے کر بیٹھ جاتے ہیں آپ لوگ۔ سکول سے کھانا تو کھانے دیا کریں۔“

”بس تم رہتے دو۔ یہی ایک وقت ہوتا ہے جب تمہارے ابو بھی ہوتے ہیں تو آرام سے بات چیت ہو جاتی ہے اُس وقت تم ایسے منہ نہاتے ہو اور پھر اگلے دن شادی شادی کر رہے ہوتے ہو۔“ سیمہ بھی کم کہاں تھی

”اف میرے اللہ.....“ اطہر نے گہری سانس لی۔

”یہ میں کیساں رہا ہوں بر خوردار؟“

”ابو..... میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔ اب امی ہی کسی رشتے والی کو گھر لے آئیں اور میرا بغور معائنہ کر دیا اور تفتیش بھی ہوئی تو کیا میرا حق نہیں بنتا کہ میں امی کو تنگ کروں؟“

”ہاں..... ہاں کرو ماں کو تنگ۔ میں بھی ایسی بہو لاؤں گی جو بس میری ہی بات سنے۔“ سیمہ نے ہنوز نظریں پلٹتے ہی جمائے رکھیں۔

”لائیں گی تو تب ناں جب میں بھی مانوں گا رشتے کے لیے۔“ اطہر نے دھونس جماتے ہوئے کہا۔

”دیکھا..... دیکھا۔ اس کا مطلب صاف ہے کہ کوئی لڑکی ہے۔ کون ہے وہ بتاؤ مجھے اب۔“ سیمہ کی بات سن کر اطہر نے سر تھما لیا۔

”بھئی کہہ تو چکا ہوں کوئی نہیں ہے۔ کھانے کے وقت اس طرح کی باتیں نہیں کیا کریں بھی ہر بات کا اپنا ایک وقت اور ماحول ہوتا ہے۔“

”ویسے زوجہ بیگم۔ برخوردار بات کہہ تو صحیح رہے ہیں۔“

”تمہارے لیے تو واقعی وہی لڑکی صحیح ہے تیز زبان والی لیکن افسوس مجھے وہ ایک آنکھ نہ بھائی۔“ سیمہ نے دل میں سوچا۔

”ہاں آپ بس اس کی ہی سنیں میری تو کوئی بات سمجھنی ہی نہیں ہے ناں جیسے؟“

”بھئی اب اگر کوئی نہیں ہے تو زبردستی تو یہ بھی لانے سے بد۔“ شہزاد صاحب نے اطہر کا دفاع کیا۔

”ٹھیک ہے نہیں ہوگی کوئی لیکن جب میں شادی کی بات کر رہی ہوں تو پوچھیں ذرا اس سے کہ یہ مان کیوں نہیں بہا۔“ سیمہ کا لہجہ ترے تیز ہوا۔

”میں نے کب کہا ایسا؟ خود ہی بات کر رہی ہیں خود ہی الجھ رہی ہیں آپ۔“ اطہر نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

”اور ہاں جو کرنا ہو کریں مجھ سے پوچھیں نہیں اب۔“ نے زاری سے گہری سانس لی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

”کھانا تو کھا لیا۔“

”نہیں ابواب بھوک نہیں۔“ ڈرامائی انداز میں ہاتھ اٹھا کر اطہر نے کہا اور بیڑیاں چڑھ گیا۔

”آپ بھی حد کرتی ہیں کبھی بھار۔“ شہزاد بھی اٹھے۔

”لو میں نے کیا کہا ایسا؟“

”کچھ نہیں آپ تو کچھ کہتی ہی نہیں اس بات کا ہی تو افسوس ہے۔“ سیمہ نے منہ بسورا اور برتن سینے لگی۔ اطہر کمرے میں آیا اور بیڈ پر لیٹ گیا۔

بچوں کی طرح چمچلنے کے بعد اُس نے تکیہ اٹھا اور اپنے منہ کے اوپر رکھا۔ تکیہ ہٹا کر ہلکی رفتار میں چلتے ہوئے پٹکے کو دیکھا اور کچھ سوچ کر وہ اٹھا اور میسر تک آیا۔

”وہ ہوگی یا نہیں ہوگی۔“ دل میں خیال آیا۔

”کوئی دیکھ تو نہیں رہا یہاں۔“ مایوس ہو کر وہ واپس کمرے میں جانے کے لیے بڑھا ہی تھا کہ کسی کی آہٹ سنائی دی۔

”اوہیلو لڑکی۔“ زرافشاں مگن جھومتی ہوئی گانا گا رہی تھی۔

”ارے چیخو تو نہیں یہاں دوسرے لوگ بھی رہتے ہیں کیوں کان بھاڑنے میں لگی ہوئی ہو۔“ زرافشاں تھوڑا اور آگے آئی اور اچانک سے آنکھیں کھولیں اور چیختی تو ساتھ میں اطہر بھی چلا یا۔

”ک..... کون ہو تم؟“

”میرے خیال سے لڑکا ہوں اور تم لڑکی۔ مجھے نہ پوچھنے کی ضرورت ہے نہ تمہیں بتانے کی۔“ اطہر دیوار کی اوٹ سے اپنا چہرہ اُس کی میسر کی طرف کئے ہوئے تھا اب اطمینان سے جواب دیا۔

”شرم نہیں آتی؟ یوں کسی کے بھی میسر میں جھانکنا خاص کر لڑکی کے۔“ زرافشاں نے ہینڈ فری اتاری اور گھبراہٹ چہرے سے واضح تھی وہ محظوظ ہوا۔

”نہیں مجھے بالکل بھی شرم نہیں آتی لیکن

”نہیں بھی نہیں آتی یہ بھی مجھے پتا ہے۔“ اطہر نے زبان چڑائی۔

”تم.....“

”ہاں..... میں کیا؟“

”بھئی میں نے ایسا کیا کر دیا جو بے شرم کہہ رہے ہو؟ نہ جان نہ پہچان ایویں میں خواخواہ۔“ زرافشاں نے دانت پیسے۔

”رات کے وقت جہاں لوگ سکون سے سونا چاہتے ہیں تم اپنی بے سری آواز میں اتنی اونچی آواز کے ساتھ گانے گاؤ کی تو کس کے کان سلامت رہیں گے؟“

”کیا..... کیا..... کہا.....! میں بے سری؟ تم ہو گے بے سُرے۔“

”اجی ابھی تک آپ نے میری آواز سنی ہی کہاں ہے میں جب گاتا ہوں ناں تو لڑکیاں یوں فدا ہونے لگتی ہیں۔“ اطہر نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ اس کی بات سن کر زرافشاں تلملائی۔

”ویسے مجھے صبح اٹھ کر تمہارے گھر والوں سے شکایت کرنی پڑے گی۔“ ایک دم اُس نے چہرے پہ سنجیدگی طاری کی۔

”کیوں..... شکایت کرنی پڑے گی؟“ زرافشاں نے تھوک لٹکا۔

”تو اور کس سے کرنی ہے تمہاری شکایت؟ پڑوسیوں کے حقوق سے ناواقف لڑکی۔“

”اے لڑکے..... زیادہ بولا ناں تو یہیں سے ہی تمہارے بال کھینچ کر تمہیں نیچے گرا دوں گی سمجھ۔“ اطہر تھوڑے فاصلے پر جا کر کھڑا ہو گیا زرافشاں کے ارادے واقعی خطرناک لگ رہے تھے۔

”دیکھا..... ڈر گئے ناں۔ اب زیادہ بولا ناں تو میں ہی تمہارے گھر آ جاؤں گی کل۔ بلکہ ابھی کہو تو ابھی آ جاؤں اور پوچھوں کہ یہ لڑکیاں رات کو کیا کر رہے ہاں؟“ اب کی بار زرافشاں آگے بڑھی اور اطہر کی ٹیس کی جانب منہ کیا تو اطہر ایک دم اُس کے منہ کے قریب ہو گیا۔

”تو آ جاؤ ناں۔ کس نے منع کیا ہے۔“ شریری مسکراہٹ سجاتے ہوئے ہلکی آواز میں اطہر نے کہا تو زرافشاں ایک دم پیچھے ہوئی۔ ”ہاں تو کیا فرما رہی تھیں محترمہ آپ؟“ زیر لب مسکرا کر اطہر نے زرافشاں کو دیکھا۔

”دیکھ لوں گی میں تمہیں کسی دن صبح سے۔ ابھی میرا موڈ اچھا نہیں ورنہ.....“

”ورنہ کیا؟ کیا؟ بتاؤ بتاؤ۔“ خونخوار نظروں سے زرافشاں نے اطہر کو دیکھا اور غراتے ہوئے کہا۔

”دفع ہو۔“ اور پھر پچھتی ہوئی واپس اپنے کمرے کی طرف آ گئی۔

”ہائے آج کی یہ حسین ملاقات اور ہماری رومانٹک گفتگو یاد رہے گی۔“ سر پر ہاتھ پھیر کر ہنستا ہوا وہ بھی کمرے میں آ گیا اور گہری سانس لے کر بیڈ پہ لیٹ گیا۔

”آج واقعی سکون کی نیندا آئے گی۔“

☆.....☆.....☆.....☆

”کیا لکھ رہی ہیں؟“ اگلے دن صبح زرافشاں نے نچترتی اور رضیہ بیگم کو کچھ لکھتے دیکھا تو پوچھا۔

”اٹھ گئی مہارانی کیسی گزری رات؟ کھانا تو اچھے سے کھایا تھا ناں؟“ تنکی نظروں سے رضیہ بیگم نے زرافشاں کو دیکھا تو اُسے یاد آیا کہ رات سے اُس نے کچھ نہیں کھایا۔

”امی..... ناشتہ ہے یا میں خود بناؤں؟“ افسردہ چہرہ رکھنا ہیات معصومیت سے زرافشاں نے پوچھا۔

”ہاں..... ہاں یہاں تو آپ کے لیے ہزار نوکر ہاتھ باندھے کھڑے ہیں ناں جو صبح شام بس آپ کی خدمت کے لیے تعین رہیں؟“ پین پیچ کر غصے سے رضیہ بیگم نے جواب دیا۔

”چلو کچن میں جاؤ کم از کم چائے تو پکاؤ باقی میں کلا ہوں۔“ کھلکھلاتے ہوئے اُس نے رضیہ بیگم کو گلے لگایا اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔ چائے کا پانی چڑھاتے ہوئے ایک بار پھر اُسے پیاز کاٹنے کا آرڈر آیا تھا۔

چلی گئیں اور زرافشاں نے برتن سمیٹے۔

☆☆☆☆

اطہرستی سے اٹھا اور بستر پر یونہی بیٹھا رہا آنکھیں بند کر کے رات والے واقعے کو سوچ کر منکر کیا اور انگڑائی لیتے ہوئے وہ اٹھا اور فریش ہونے چل دیا۔ اطہر کی صبح حسب معمول ہوئی تھی جب کہ رات زرافشاں سے ہونے والی ملاقات نے اسے مسرور کر رکھا تھا۔

”صبح بخیر اماں حضور۔“ وہ جوکل روٹھ کر کھانا چھوڑ کر چلا گیا تھا آج اچھے موڈ میں سیمہ سے بات کر رہا تھا۔

”کیا بات ہے جناب۔ کل والا غصہ کس طرح اڑن چھو ہو گیا کہ آج ماں سے اتنے اچھے انداز میں بات کی جا رہی ہے۔“

”آپ کا مسئلہ پتا ہے کیا ہے؟“ سیمہ کو اطمینان سے کہہ دیا۔

”آپ کسی حال میں خوش نہیں۔ آپ کا بیٹا جب آپ سے نخرے کرتا ہے تو اُسے منانے کے بجائے چھوڑ دیتی ہیں اور جب وہ بھول بھال کر آپ اچھے موڈ میں بات کر لے تو آپ کو یہ بھی ہنسنہیں؟“

”اپنی یہ فوجی اکڑ وہیں جا کر دکھاؤ مجھے نہ دکھاؤ سمجھے۔“
سیمہ نے منہ پھلا کر کہا۔

”اور اب آپ روشنی ہوئی محبوبہ کی طرح منہ پھلا کر بیٹھ گئی ہیں۔“

”تم کس طرح فوجی بنو گے مجھے تو سوچ سوچ کر رہی ہوں اٹھ رہے ہیں۔“ سیمہ نے ایسے سر پکڑا جیسے بس ابھی ہی چکرا جائیں گے۔

”میں بہت اچھا فوجی ہوں۔“ اظہر نے مسکرا کر کہا۔

☆.....☆.....☆.....☆

”اُس لڑکے کی وجہ سے میرا تیسرں پہ جانے کا ہی دل

یہیں لڑ رہا نجانے کب کہاں سے ٹپک پڑے۔ وہ میگزین کے اوراق کو بے دردی سے الٹ رہی تھی جب کہ ٹیسٹس پر جانے کے لیے دل پھل رہا تھا۔

204 2014

”ہاں یہ ٹھیک ہے یہ کرنا چاہیے۔“ ایک خیال اسے
گدگدایا، محبت نے بھی اپنے حصار میں لے لیا تھا لیکن
ابھی وہ ان چیزوں کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

”اصل میں ہم یہاں نئے ہیں زیادہ نہیں بس کچھ ماہ ہوئے ہیں اور رضوانہ سے آپ کے بارے میں سنا تو سوچا مل ہی نلوں تو خالی ہاتھ آنا اچھا نہیں لگا۔“

چھوٹی سی ڈاننگ میل کی کرسی پر بیٹھی۔
 ”نہیں، کبھی ماہر کبھی اندر بھی۔“

”اچھا اچھا..... اور گھر میں کون کون ہے؟“
”جی میں میرے شوہر اور دو چھوٹے بیٹے ہیں ایک

”میرا بس ایک ہی بیٹا ہے اور شوہر ہیں۔ اچھا پلیر چائے میں چینی نہیں ڈالیے گا۔“ سیمہ نے حائے لکائی

رضیہ سے کہا۔
مرد تار رضیہ بیگم مسکرائیں۔

”امی مجھے سمجھ نہیں آ رہا! ان دونوں میں سے کون سا بہنوں اب آپ دیکھ لیں پھر نہ کہیں گے کہ رشی کے آگے بے عزتی.....“ وہ بے پروائی سے دواستری شدہ جوڑیے ہاتھ

میں تھا مے چن کے دووازے میں کھڑی پوچھ رہی تھی اس
ات سے بے خبر کہ گھر میں کوئی مہمان بھی آیا ہوا ہے۔
غیر بیگم نے اسے غصے سے گھورا۔

آنجا

”السلام علیکم آپ وہ برابر والی آنے ہیں ناں؟“ وہ اُسی بڑھنے والے حلیے میں سیمہ سے ملی۔

”اوہ تو آپ دونوں مل چکے ہیں؟“ رضیہ نے حیرانی

”ہاں بس دو گھڑی کے لیے۔“ مسیمہ نے جواب دیا۔
”اچھا آپ جائے لیں اور تم زری کا کرتار ہو جاؤ۔“

رضیہ بیگم نے چائے اور دیگر لوازمات رکھے۔ زرافشاں بھی اثبات میں سر ہلاتی ہوئی چلی گئی یہ بھی غنیمت تھا کہ اس نے مزید کوئی بات نہیں کی تھی۔

”وہ کیا ہے ناں۔ اکلوتی ہے“ تو اکثر میں بتاتی رہتی ہوں کہ کیا پہنو کیا نہیں ورنہ اس کا بس چلے تو ہر وقت یہ عجیب حلیے میں ہی رہے۔ آج کل کی لڑکیاں

”ارے کوئی بات نہیں، مسز شیلا! اچھا، یہ ہاں۔“

آپ سے مشورہ لیتی ہے ورنہ آج کل کی لڑکیاں تو فیشن کے نام پہ نجانے کیا کیا پہنتی ہیں۔“ سیمہ نے جبراً مسکرا کر جواب دیا۔

”یہ برابر سے آئیں ہیں۔ تو اس کا مطلب وہ لڑکا ان کا اپنے کمرے میں جاتے ہوئے زرافشاں نے خود کلامی کی۔“

”اف اب اگر یہ آئیں ہیں تو وہ لڑکا بھی یہاں آئے گا؟ یعنی وہ آکر میری شکایت نہ کر دے۔ اف میرے لئے“ زرافشاں اتنی ڈر ہو کر نہ تھی لیکن اطمینان سے اُسے کچھ

عزیز بھی نہ لگ رہا تھا۔
 ”تو رضوانہ کو آج آنا ہے یہاں؟“ سیمہ نے چائے کا
 پیالہ لیتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں۔ بس وہی رشتے کی وجہ سے۔“ گہرا سانس

205

لے ہوئے رضیہ بیگم نے جواب دیا۔
”تو کیا کہیں رشتہ نہیں ہو رہا؟“

”اے..... نہیں نہیں بہن رشتے تو بہت ہیں لیکن
میں کوئی زرافشاں کے جوڑ کا نہیں مل رہا۔“ رضیہ بیگم نے
صافحت دی۔

”اچھا اچھا..... کوئی بات نہیں مل جائے گا کوئی
پہاڑی۔“

”بی ان شاء اللہ“ دونوں اب ادھر ادھر کی بات
لے لگی تھیں۔

☆.....☆.....☆.....☆

دوسری طرف اطہر جو ابھی تک سویا ہوا تھا اٹھا تو فریٹش
اور نیچے آیا۔

”اماں؟“ وہ اب سیدہ کو آوازیں دینے لگا۔

”اماں کہاں ہیں آپ؟“ کچن میں بھی آ کر دیکھا۔
”یہ اماں حضور کہاں چلی گئیں؟ اوپر کمرے میں جا کر
اٹھائیں۔“ وہ واپس اوپر کمرے میں آیا لیکن بے سود۔

”اے وہ خالی تھا۔“

”پتا نہیں کہاں چلی گئیں۔“ بوڑھاتے ہوئے وہ ٹیرس
لے چلا آیا۔

زرافشاں نے بی بی پنک شلوار قمیص پہنے گرمی میں بھی بلا
لی، ٹوب صورت لگ رہی تھی۔ لمبے گھٹنے بال جو اس نے
مسل رکھے تھے ہوا سے اڑ رہے تھے اور وہ آنکھیں بند
لے اس سب سے محظوظ ہو رہی تھی وہیں اطہر بھی نظر بھر کر

اٹھ کھڑا تھا۔

”کیا بات ہے آج تو بڑی بیماری لگ رہی ہو.....“ یہ
ہی زرافشاں نے آنکھیں کھولیں اور منہ پھیر کر دوسری

ہاٹ دیکھا تو اطہر اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”شرم نہیں آتی یوں لڑکی کو دیکھ رہے ہو؟“ زرافشاں
ایک دم خود کو پوچھ گیا۔

”کیا کروں جب صبح ہی صبح ایک حسین دلربا کو دیکھوں
کا دل نظر میں پھیرنے کا دل ہی نہیں چاہے گا۔“ اطہر نے
کہہ لی سانس لی اور ہاتھ باندھ کر اُسے دیکھا۔

”آپ کی امی میرے ہی گھر میں موجود ہیں۔ آپ
کہیں تو جا کر آپ کی شکایت لگا دوں؟“

”ابھی جائیں شوق سے شکایت لگائیں۔ بلکہ میرا نام
تو پوچھ لیں غلیں میں ہی بتا دیتا ہوں۔ اطہر نام ہے میرا۔
یاد سے میری اماں حضور کو بتائیے گا۔“ اطہر نے جی بھر کے
شوخ انداز میں کہا۔

”اور ہاں پلیز رات میں جب ٹیرس یہ آئیں تو
کچھ کھانے کے لے آئیے گا جیسے کوئی چپس، مٹکوں، آکس
کریم ٹھیک ہے میں آپ کا رات گیا رہے جے تک انتظار
کروں گا نہیں۔“

”آیا بڑا میرا انتظار کرنے والا۔ ہونہہ میں کیا اس کی
نوکر ہوں، سمجھتا کیا ہے خود کو؟“ اطہر کو زرافشاں نے اوپر
سے نیچے تک دیکھا اور سر جھٹک کر کمرے میں چلی گئی۔

اطہر نے بھی دیکھ لیا تھا کہ سیدہ زرافشاں کے کمرے سے
نکل رہی ہیں تو وہ بھی ہوشیار ہو گیا اور نیچے چلا آیا۔

رات کا انتظار دونوں جانب بے صبری سے ہو رہا
تھا۔ رات کا کھانا دونوں نے ہی غلجٹ میں کھایا اور
کمرے کی طرف تقریباً بھاگے۔ دس بجے تک دونوں
اپنے اپنے کمروں میں موجود تھے۔ زرافشاں وقت

گزاری کے لیے اپنے موبائل میں موجود گانے سن رہی
تھی اور بار بار وقت دیکھ رہی تھی۔ دوسری طرف اطہر بے
صبری سے گیا رہے جتنے کا انتظار کر رہا تھا۔ موبائل میں
نیٹ یوز کر لیتا بھی غلجٹ لگتا۔ دونوں وقت سے پہلے
ٹیرس پریش جانا چاہتے تھے۔

”کیا کروں کیا کروں اف..... ٹیرس میں جاؤں نہ
جاؤں۔ وہ وہاں پہلے سے ہی موجود ہوگا تو؟ نہیں ہو سکتا
مذاق کیا ہوگا مجھے بس تنگ کرنے کے لیے۔“ وہ ابھی ہاتھ
کے ناخن کترتی سوچ و بچار میں تھی اور بار بار دیوار کی کھڑکی
پر وقت دیکھ رہی تھی۔

”کیا کروں کیا کروں اف..... ٹیرس میں جاؤں نہ
جاؤں۔ وہ وہاں پہلے سے ہی موجود ہوگا تو؟ نہیں ہو سکتا
مذاق کیا ہوگا مجھے بس تنگ کرنے کے لیے۔“ وہ ابھی ہاتھ
کے ناخن کترتی سوچ و بچار میں تھی اور بار بار دیوار کی کھڑکی
پر وقت دیکھ رہی تھی۔

”کیا کروں کیا کروں اف..... ٹیرس میں جاؤں نہ
جاؤں۔ وہ وہاں پہلے سے ہی موجود ہوگا تو؟ نہیں ہو سکتا
مذاق کیا ہوگا مجھے بس تنگ کرنے کے لیے۔“ وہ ابھی ہاتھ
کے ناخن کترتی سوچ و بچار میں تھی اور بار بار دیوار کی کھڑکی
پر وقت دیکھ رہی تھی۔

”کیا کروں کیا کروں اف..... ٹیرس میں جاؤں نہ
جاؤں۔ وہ وہاں پہلے سے ہی موجود ہوگا تو؟ نہیں ہو سکتا
مذاق کیا ہوگا مجھے بس تنگ کرنے کے لیے۔“ وہ ابھی ہاتھ
کے ناخن کترتی سوچ و بچار میں تھی اور بار بار دیوار کی کھڑکی
پر وقت دیکھ رہی تھی۔

”کیا کروں کیا کروں اف..... ٹیرس میں جاؤں نہ
جاؤں۔ وہ وہاں پہلے سے ہی موجود ہوگا تو؟ نہیں ہو سکتا
مذاق کیا ہوگا مجھے بس تنگ کرنے کے لیے۔“ وہ ابھی ہاتھ
کے ناخن کترتی سوچ و بچار میں تھی اور بار بار دیوار کی کھڑکی
پر وقت دیکھ رہی تھی۔

”کیا کروں کیا کروں اف..... ٹیرس میں جاؤں نہ
جاؤں۔ وہ وہاں پہلے سے ہی موجود ہوگا تو؟ نہیں ہو سکتا
مذاق کیا ہوگا مجھے بس تنگ کرنے کے لیے۔“ وہ ابھی ہاتھ
کے ناخن کترتی سوچ و بچار میں تھی اور بار بار دیوار کی کھڑکی
پر وقت دیکھ رہی تھی۔

”کیا کروں کیا کروں اف..... ٹیرس میں جاؤں نہ
جاؤں۔ وہ وہاں پہلے سے ہی موجود ہوگا تو؟ نہیں ہو سکتا
مذاق کیا ہوگا مجھے بس تنگ کرنے کے لیے۔“ وہ ابھی ہاتھ
کے ناخن کترتی سوچ و بچار میں تھی اور بار بار دیوار کی کھڑکی
پر وقت دیکھ رہی تھی۔

”کیا کروں کیا کروں اف..... ٹیرس میں جاؤں نہ
جاؤں۔ وہ وہاں پہلے سے ہی موجود ہوگا تو؟ نہیں ہو سکتا
مذاق کیا ہوگا مجھے بس تنگ کرنے کے لیے۔“ وہ ابھی ہاتھ
کے ناخن کترتی سوچ و بچار میں تھی اور بار بار دیوار کی کھڑکی
پر وقت دیکھ رہی تھی۔

”کیا کروں کیا کروں اف..... ٹیرس میں جاؤں نہ
جاؤں۔ وہ وہاں پہلے سے ہی موجود ہوگا تو؟ نہیں ہو سکتا
مذاق کیا ہوگا مجھے بس تنگ کرنے کے لیے۔“ وہ ابھی ہاتھ
کے ناخن کترتی سوچ و بچار میں تھی اور بار بار دیوار کی کھڑکی
پر وقت دیکھ رہی تھی۔

”یہ ابھی تک نہیں آئی؟“ وہ وہیں کھڑا انتظار
کرنے لگا۔

”کیا کروں باہر جاؤں یا نہ جاؤں؟“ زرافشاں کمرے
میں ٹہل رہی تھی اور اسی سوچ میں محو تھی کہ جائے یا نہ
جائے۔

”وہ انتظار کر رہا ہوگا ناں؟“ خود کلائی کرتے ہوئے سر
کھجایا اور واپس آ کر بیٹھی۔

”بھاڑ میں جائے بھلے سے انتظار کرے۔ میں نے
تھوڑی نہ کہا تھا آنے کو؟“ وہ دونوں گھٹنے موز کر بیٹھی اور بے
چینی سے سر گھٹنے پہنکایا۔

”کیا مصیبت ہے بھئی؟“ پاس رکھے موبائل کو دیکھا
جو اس وقت گیا رہا بج کر دس منٹ کا وقت بتا رہا تھا۔ اطہر
نے بھی چہل قدمی شروع کر دی۔

”اس لڑکی کو کہا بھی تھا کہ آئے۔ ایک تو اس کا نام بھی
نہیں پتا کہ بلا سکوں۔“ وہ جھنجھلایا۔ دونوں کو انتظار کرتے
ہوئے آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا۔

”اب تو وہ چلا گیا ہوگا۔ انتظار تھوڑی نہ کر رہا ہوگا۔
جا کر دیکھتی ہوں۔“ زرافشاں اٹھی اور ٹیرس تک آئی۔ ٹیرس
کا دروازہ آہستہ سے کھولا اور باہر آئی۔ اپنی ٹیرس کی
ریلنگ پر آ کر اس نے اطہر کی ٹیرس پر جھانکا۔

”ہونہہ..... چلا گیا۔ بڑا آیا تھا انتظار کرنے والا۔ آدھا
گھنٹہ بھی انتظار نہ کر سکا۔“

”ابھی آپ کہیں تو پوری زندگی آپ کے انتظار میں
گزار دوں آپ بس حکم کریں۔“ وہ اچانک سے سامنے آیا
جو دیوار کی جانب کھڑا تھا کہ زرافشاں دیکھ نہ سکے۔

زرافشاں کا دل زور سے دھڑکا۔

”مہربانی کر کے چیخنا نہیں۔“ زرافشاں نے منہ
کھولا یہ تھا شاید چیخنے کے لیے لیکن اطہر کی بات سن کر
گھورتی رہ گئی۔

”یہ..... کیا پتہ تیری تھی؟“

”لو کون سی بد میزبانی..... میں نے کیا کیا؟“ اطہر نے
دوبارہ سوال کیا۔

”کیا مطلب؟“

”اب مجھے یہاں نظر آئے ناں میں نے تمہاری امی
سے پکا شکایت کر دینی ہے سمجھے؟“ انگلی کا اشارہ کرتے
ہوئے زرافشاں نے اُسے دھمکایا۔

”کیا مطلب؟“

”چھپ چھپ کر دیکھ رہے تھے کہ میں آئی یا نہیں؟“
زرافشاں نے ناک سیڑھی۔

”او میڈم..... مجھے کوئی شوق نہیں چھپ چھپ کر
کارروائی کرنے کی۔ یہ تو تھک گیا تھا تو دیوار سے لگ گیا
کہ چلو تھوڑی کمر سیدھی کر لوں۔ تم کیا سمجھنے لگی کہ میں تمہیں
سر پرانز دینے لگا تھا؟“ اطہر نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”سر پرانز مائی فٹ۔ سمجھتے کیا ہو خود کو ہاں؟ کہ حکم
دو گے اور میں وہ کام کر لوں گی؟“ زرافشاں نے منہ
پھیر کر کہا۔

”کام کیا تو ہے؟ لیکن لگتا ہے آدھا ادھورا..... چہ چہ
چہ.....“ اطہر نے تاسف سے سر ہلا کر کہا۔

”کون سا کام؟“ وہ جوڑنے کی مٹی بات سن کر اُسے
دیکھنے لگی۔

”بی بی میں نے کچھ کھانے کی چیزیں منگوائی تھیں۔
یاد آیا؟“ اطہر نے ہاتھ باندھ کر نہایت ہی سلیقے سے کہا۔

”اوہ..... اچھا اچھا۔ ہاں یاد آیا۔ ویسے تمہیں کیا ہر
وقت بھوک لگی رہتی ہے یا یہ کوئی مخصوص وقت ہوتا ہے؟“

اب جیسے وہ بھی لڑنا چھوڑ کر بیٹھے انداز میں بات کرنے لگی
تھی جیسے دونوں کوئی بہت پرانے دوست ہوں۔

”نہیں ویسے تو نہیں۔ پر مجھے ملنا تھا ناں تم سے تو سوچا
کیوں نہ کھاتے بیٹے چپیں بھی لگا لیں۔“ شرارتی انداز
میں زرافشاں کو دیکھ کر مسکرایا۔

”کیا مطلب؟“

”کیوں؟ اب تو ہم دوست بن گئے ناں دیکھو اب مگر
نا نہیں۔“ اطہر نے اپنی مسکراہٹ دہائی اور سامنے کھڑی
زرافشاں کو دیکھا۔

”تم؟“ زرافشاں نے ہمنویں سیڑھیں اور غصے
سے دیکھا۔

”ہاں میں؟“

”اب مجھے یہاں نظر آئے ناں میں نے تمہاری امی
سے پکا شکایت کر دینی ہے سمجھے؟“ انگلی کا اشارہ کرتے
ہوئے زرافشاں نے اُسے دھمکایا۔

”اب مجھے یہاں نظر آئے ناں میں نے تمہاری امی
سے پکا شکایت کر دینی ہے سمجھے؟“ انگلی کا اشارہ کرتے
ہوئے زرافشاں نے اُسے دھمکایا۔

”اب مجھے یہاں نظر آئے ناں میں نے تمہاری امی
سے پکا شکایت کر دینی ہے سمجھے؟“ انگلی کا اشارہ کرتے
ہوئے زرافشاں نے اُسے دھمکایا۔

”اچھا بابا اچھا..... نہیں دکھوں گا اب۔ ویسے ہے تو یہ میرا میرس لیکن کیا کریں جب آپ ہی منع کر دیں۔ بس ٹھیک ہے۔ بندہ ویسے بھی چند دن کا مہمان ہے۔“ منہ کا زاویہ لگاڑتے ہوئے اطہر نے کہا۔

”کیا مطلب چند دن کے مہمان؟“ زرافشاں کی حیرت سے آنکھیں پھیل گئیں۔

”اوہ..... معذرت بس کبھی کبھی یاد دہانی کروانی پڑتی ہے خود کو کہ میں مزید یہاں نہیں رہ سکتا۔ کچھ دن کی بات ہے برداشت کر لیں پھر تو زندگی کا کیا بھروسہ۔“ اطہر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا لیکن چہرے پر افسردگی چھا رہی تھی۔ گہری سانس لی اور الوداعی غلمات کہہ کر کمرے میں چلا گیا۔

زرافشاں جیسے سکتے میں تھی اور اطہر صاحب مزے سے بیڈ پر لیٹ کر زرافشاں کی حلیہ کو سوچ سوچ کر مسکرا رہے تھے۔

اطہر تو سکون سے سو گیا لیکن رات بھر زرافشاں کے دل و دماغ میں اطہر کی بات چھائی رہی۔ اس کی بات سمجھ نہیں آئی تھی اور نہ ہی اس نے کوئی وضاحت دی تھی اس لیے وہ رات تک ابھتی رہی۔ اگلے دن زرافشاں رضیہ کے چگانے پر ہی اٹھی تھی۔ نیند سے بوجھل آنکھوں سے وہ رضیہ کی بات سننے اور سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی جو مسلسل اسے وقت کا احساس دلانے کے ساتھ نیچے آنے کا کہہ رہی تھی بلا خراس نے سوئے ہوئے ذہن کو بیدار کیا۔ وہ فریٹ ہو کر نیچے آئی تو رضوانہ بیٹھی ہوئی تھی۔

”کل آئی تھی میں کہاں تم تھیں تم؟ اور آج دن چڑھے تک سوئی رہی ہو۔ خیر ہے ناں؟“

”جی ریش آئی۔ بس ایسے ہی رات کتاب پڑھ رہی تھی تو وقت نہیں دیکھا اور بس۔“ وہ ان کے سامنے والے صوفہ پہ بیٹھ گئی۔

”اچھا ٹھیک ہے اور سناؤ کیا ہو رہا ہے آج کل۔“

”بس کچھ خاص نہیں آپ سنا میں کوئی خبر دیں محکمے کی۔“

”اچھا تو سنو۔ وہ نازیہ ہے ناں جس کا وڈیرے سے رشتہ ہوا ہے۔ سنا ہے وہ کسی لڑکے کو پسند کرتی تھی۔“ وہ جو انہماک سے رضوانہ کو نرہی تھی بات سن کر منہ بسورا۔

”کوئی نئی بات کریں ریش آئی۔ یہ بات تو ہم سب کو پتا ہے کہ وہ اپنے کسی لڑکے کو پسند کرتی تھی۔“

”ارے نہیں نہیں۔ وہ تو اُس کے خالہ کا بیٹا تھا ناں یہ کوئی اور لڑکا ہے۔“ رضوانہ نے بڑی رازداری سے بات کی۔

”کیا کہہ رہی ہو آئی..... واقعی تو اب اُس وڈیرے کا کیا ہوگا؟“

”ارے ہوتا کیا ہے۔ وڈیرے کی بھی یہ تیسری شادی ہے۔ ہاں نہیں تو۔“ رضوانہ کی بات سن کر زرافشاں کا مارے حیرت کے جیسے منہ کھل ہی رہ گیا۔ جب کہ رضوانہ اب سے پوری تفصیل بتانے لگی تھی اور وہ رات کا قصہ بھلائے انہیں حیرت سے سن رہی تھی۔ رضوانہ نئی بات ختم کر کے اٹھی۔

”اچھا میں اب چلتی ہوں۔ ابھی تک سرزہراؤ کے بیٹے کے لیے رشتہ ہی ہاتھ نہیں آ رہا۔“

”کون سرزہراؤ؟“ زرافشاں نے پوچھا۔

”ارے وہ برابر والی۔ سیمہ نام ہے ان کا۔ طویا تھا ناں اُس دن۔“ رضوانہ نے یاد دلایا۔

”ہاں ہاں..... وہ ہمارے گھر بھی آئی تھیں کل ہیں ناں امی۔“ رضیہ نے گھور کر دیکھا اور چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اس بات کی خبر رضوانہ کو ہو۔

”اچھا کمال ہے مجھے بتایا نہیں آپ نے رضیہ بیگم؟“

”ہاں وہ یاد نہیں رہا ہوگا۔ ہماری ہی اتنی ہزار باتیں ہوتی ہیں کہ بس۔ خیر جا رہی ہو تو میرا سلام بھی دے دینا۔“ رضیہ بیگم نے ایسے جواب دیا جیسے ان کی کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔

”ہاں ضرور۔ آپ نے ان کا بیٹا دیکھا؟“ رضوانہ کی بات سن کر زرافشاں کی آنکھوں کے آگے پچھلی رات والا منظر گھومنے لگا۔

”ہاں اب تو وقت بھی کم ہے اُس کے پاس اس لیے سرزہراؤ چاہ رہی تھیں کہ.....“ رضوانہ اور رضیہ بیگم باتیں کر رہے تھے لیکن زرافشاں نے ساری بات سننے کے بجائے بس یہ آخری بات ہی آئی۔

”کیا واقعی اُس کے پاس وقت کم ہے؟“ زرافشاں نے فکر مندی سے پوچھا۔

”ہاں اور کیا۔ اس لیے وہ چاہ رہی ہیں کہ کہیں رشتہ ہو جائے تو اچھا ہے۔“

”اوہ اچھا ٹھیک۔“ زرافشاں نے سر ہلانے میں اکتفا کیا۔

”چلیں میں اب چلتی ہوں۔ پھر ملاقات ہوگی۔ اللہ حافظ۔“ رضوانہ ان سے مل کر پھر سیمہ کے ہاں چلی گئی۔ جب کہ زرافشاں ایک بار پھر اٹھ گئی تھی۔

”پھر کیا سوچا آپ نے؟“ رضوانہ نے پوچھا۔

”کچھ کہوں رضوانہ۔ مجھے بہو کے طور پر وہ بالکل بھی نہیں بھائی۔ ہاں ویسے اچھی ہوگی۔ لیکن میرا دل نہیں مان رہا۔“

”لیکن سرزہراؤ وہ دیکھی بھالی بچی ہے میری۔ کافی سالوں سے جانتی ہوں اور پھر دیکھیں آپ کے پڑوس میں ہی تو رہتی ہے اور اچھے لوگ ہیں۔“

”کون سا نبھوں نے رشتے کی بات کی ہے جو اتنا کہہ رہی ہو؟“ سیمہ نے چڑ کر کہا۔

”تو آپ ان آئی کی بات مان کیوں نہیں لیتیں؟“ اطہر نے کہا۔

”کیا..... کیا کہا؟“ سیمہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ انہیں اس تہ اطہر کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔

”مبکی تو کہہ رہا ہوں؟ اچھی لڑکی ہے۔ مجھے اچھی لگی۔ اگر رشتہ ہو جائے تو حرج نہیں۔“ وہ ان کے بیچ آ کر بیٹھا اور مسکرا کر ان کی بات دہرائی۔

”تم ہوش میں تو ہو..... کیا کہہ رہے ہو؟ اور خواتین کی باتوں میں نہ پڑو تو اچھا ہوگا۔ جاؤ یہاں سے۔“ سیمہ کو یوں اطہر کا اظہار کرنا سخت ناگوار گزرا تھا۔

”آپ کو جو فیصلہ کرنا ہے کریں لیکن میری بات بھی سن لیں۔ مجھے وہی لڑکی پسند ہے اور اسی سے شادی کرنے کا سوچ رہا ہوں۔“ اطہر اٹھا اور اپنے نیک ارادے سے آگاہ کر گیا۔

”نی الحال یہاں سے جاؤ مجھے بات کرنے دو۔“ سیمہ نے دانت پیسے اور جانے کا عندیہ دیا۔

”ٹھیک ہے لیکن آئی آپ..... آپ نے میرا پیغام اُن تک ضرور پہنچانا ہے۔ ٹھیک ہے ناں۔“ مسکین کی شکل بنا کر اطہر نے رضوانہ کو دیکھا۔ رضوانہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا جواب دے بس وہ دونوں ماں بیٹے کو دیکھتی رہیں۔

”رضوانہ..... اس کی بات سننے کی کوئی ضرورت نہیں..... میں نے کہہ دیا ہے ناں میں بالکل نہیں چاہتی ایسا ہو۔“ سیمہ نے غصے سے رضوانہ کو دیکھا۔

”میں چلتی ہوں سرزہراؤ۔ پھر آؤں گی۔ اللہ حافظ۔“ رضوانہ وہاں سے چلی گئی۔ سیمہ کو اطہر پہ غصہ تھا۔ رضوانہ کے سامنے اس نے اس طرح سے بات کر کے ان کی عزت ہی گنوا دی تھی۔ اگر وہ واقعی زرافشاں سے محبت کرتا تھا تو انہیں ضرور بتاتا۔

”کیا بات ہے زوجہ بیگم..... سب خیر ہے ناں؟“ رات جب سیمہ کمرے میں سونے کے لیے آئیں تو ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر شہزاد صاحب نے پوچھا۔

”کچھ نہیں بس ایسے ہی۔“

”کچھ تو ہے بتانا نہیں چاہتیں تو ٹھیک ہے۔“ شہزاد صاحب نے نظر بھر کر سیمہ کو دیکھا۔

”وہ اصل میں بات یہ ہے کہ.....“ سیمہ نے ساری بات ان کے گوش گزار کر دی۔

”ہمم..... تو یہ بات ہے۔“

”اب بتائیں کیا کروں؟“ سیمہ نے پریشانی سے شہزاد صاحب کو دیکھا۔

”اس میں حرج ہی کیا ہے۔ اگر ہمارے لاڈلے صاحب کو کوئی لڑکی پسند آئی ہے تو ٹھیک ہے۔“

”آپ ہمیشہ اطہر ہی کی طرف داری کرتے ہیں۔“

مجھے وہ لڑکی ذرا بھی پسند نہیں۔“ سیمہ نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

”لیکن ہمارے بیٹے کو تو پسند ہے ناں۔ تم موقع تو دو اس بچی کو کیا پتا تمہیں بھی پسند آجائے۔“

”اچھا اچھا..... ابھی سو جائیں پھر بات کریں گے اس موضوع پر۔“

”جو حکم بیگم صاحبہ“ شہزاد صاحب سونے کے لیے لیٹ گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

دو دن تک اطہر ٹریس یہ نہیں آیا۔ زرافشاں روز اطہر کا انتظار کرتی نہ چاہتے ہوئے بھی۔ اُس رات بھی وہ ٹریس کی ریلنگ کے پاس کھڑی موبائل پر لگانے سن رہی تھی کہ اطہر کی آمد کا اُسے پتا نہیں لگا۔

”اوہ آپ.....!“ زرافشاں نے پینڈز فری اتاری۔

”جی جی میں۔“

”کافی دن بعد نظر آئے، خیریت تو تھی؟“ زرافشاں نے بلا جھجک پوچھا۔

”ہاں بس طبیعت ذرا بوجھل تھی۔“ زرافشاں کو اطہر کی ہوئی پرانی بات یاد آئی۔

”اوہ تو خیال رکھا کریں ناں اپنا۔“

”ہاں اب تم نے کہا ہے تو ضرور رکھوں گا۔“ اطہر کی بات سن کر وہ جھینپ گئی۔

”اچھا سنو۔“ اطہر نے پکارا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

”تم کیاروز ٹریس یہ آتی ہو؟“

”ہاں..... مجھے اچھا لگتا ہے۔“

”اچھا واقعی؟“ اطہر مسکرایا۔

”ظاہر ہے کیوں اچھا نہیں لگے گا۔“ سر کو جھک کر زرافشاں نے جواب دیا۔

”اب تو مجھے بھی اچھا لگنے لگا ہے آتا یہاں لیکن.....“

اطہر کہتے کہتے خاموش ہوا۔

”تمہیں کچھ پکارنا آتا ہے؟“

”کیا مطلب؟“ اطہر نے زرافشاں کو دیکھا اور ہنسا۔

”مطلب کچھ کھانا پکانا آتا ہے؟“

”شرم نہیں آتی لڑکیوں سے ایسے سوال کرتے ہوئے؟“

”کیا اب اس میں بھی شرم..... میں نے کون سا تمہاری عمر پوچھی؟“ اطہر نے مسکرا کر کہا۔

”میں نے کوئی لطیفہ سنایا ہے کیا؟“

”نہیں نہیں..... جو خود لطیفہ ہو وہ کیسے لطیفہ بنا سکتی ہے؟“ اطہر نے اب کی بار لمبی دبا کر کہا۔

”ہاں یہ بات تو ٹھیک کہی۔ لیکن مطلب کیا ہوا اس بات کا؟“ زرافشاں نے ناچھی سے پوچھا۔

”انف..... کچھ نہیں۔ یہ بتاؤ مجھے کل کیا پکا کے کھلا رہی ہو؟“

”کیا.....! میں کیوں کچھ پکانے لگی اور تمہیں کھلانے لگی؟“ زرافشاں نے غصے سے اسے کھورا۔

”ارے بتایا تو تھا میں.....“

”ہاں ہاں..... پتا ہے۔ کتنی دفعہ کہو گے؟“

زرافشاں چڑی۔

”تو ٹھیک ہے اب کل دوپہر تم میرے گھر آؤ گی اور کچھ پکا کر بھی لاؤ گی جی نہیں۔“

”کیا.....! میں کیوں آنے لگی بھلا؟“ زرافشاں نے کمر پہ ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

”کیوں کہ میں نے کہا ہے اس لیے۔ اب چلو میں سونے جا رہا ہوں۔ کل دوپہر کو ملے ہیں۔“ زرافشاں نے پیر غما اور اطہر مڑے سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اگلی صبح اچھٹے ہی زرافشاں فریش ہوئی اور چکن میں آگئی اس کا ارادہ آج کچھ پکانے کا تھا۔

”امی..... میں سوچ رہی ہوں برابر والی آنٹی سے مل آؤں۔“

”نہیں.....! کیا کس سے ملنا ہے؟“ رضیہ بیگم نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

”میرا مطلب۔ وہ آنٹی آئی تھیں ناں ہم سے ملنے تو کیوں نہ آج ہم جائیں دوپہر میں اور کچھ پکا کر بھی

لے جائیں۔“

”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“ رضیہ بیگم نے اس کے ماتھے پہ ہاتھ رکھا۔

”کیا کر رہی ہیں امی؟“ زرافشاں نے اُن کا ہاتھ ہٹایا۔

”دیکھ رہی ہوں کہیں بخار تو نہیں ہے جو ایسی باتیں کر رہی ہو؟“ دونوں ڈائمنگ ٹیبل پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

”میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی..... جیسے وہ ملنے آئیں تھیں ویسے ہمارا بھی تو فرض بنتا ہے ناں۔ تو بس یہی کہا کر آپ بھی چلیں مل کر آتے ہیں اور کچھ اچھا سا پکا بھی لیں بلکہ کہیں تو میں بھی آپ کی مدد کروں گی۔“

”تم..... اور میری مدد بس یہی کر گیا تھا..... میرے خیال سے ہمیں ڈاکٹر کے پاس واقعی جانا چاہیے۔ تمہاری طبیعت خراب لگ رہی ہے مجھے۔“ وہ کھڑی ہوئیں تو زرافشاں نے اُن کا بازو پکڑا۔

”امی..... میں نے جانا ہے وہاں وہ بھی دوپہر میں ہی بس مجھے کچھ نہیں پتا۔ اگر آپ نے میری مدد نہیں کی تو میں خود ہی کچھ نہ کچھ پکالوں گی اور لے جاؤں گی۔“ حتمی انداز میں زرافشاں نے ٹیبل پر مکا مارتے ہوئے کہا۔

”جو جی میں آئے کرو اور جانا ہو تو خود ہی چلی جانا۔ میں نہیں جانے لگی تمہارے ساتھ کہیں۔“ وہ انھیں اور زرافشاں بل کھا کے رہ گئی۔ پورا وقت اُس نے اسی سوچ میں گزار دیا کہ کیا پکائے۔ دوپہر میں اُس کے دونوں بھائی اسکول سے آئے تو آتے ہی بھوک بھوک چلاتا شروع کر دیا۔

”کیا مصیبت ہے..... آتے ہی کوئی چلاتا ہو؟“ ابرو اچکا کر زرافشاں نے علی اور ناصر کو دیکھا۔

”تو کیا کریں ہم بھی انسان ہیں اور بھوک لگتا تو فطری بات ہے۔ اب ہم بھوک کی حالت میں بھوک بھوک نہیں چلائیں گے تو کیا کہیں گے؟“ ناصر نے تیوری چڑھا کر کہا۔

”یہ آج کل کے بچے بھی ناں۔“ وہ بڑبڑائی۔

”تم نے تو کہا تھا کہ پکاؤ گی کچھ نہ کچھ کیوں اب صرف سوچنے میں ہی وقت ضائع کر دیا؟“

”وہ امی..... میں ناں کوئی اچھی سی ترکیب سوچ رہی تھی کہ کیا پکاؤں اس لیے وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔“ وہ منمنائی تو رضیہ بیگم نے اُسے غصے سے دیکھا اور دونوں بھائی زرافشاں پہ ہنسنے لگے۔

”میں نے ہانڑی چڑھا دی ہے جا کر دیکھ لینا۔“ زرافشاں طویاؤں کر لیا اگلی اور چکن میں جا کر کچھ گھمائی لگی۔

کچھ دیر میں کھٹکی بھی تو رضیہ بیگم نے ہی دروازہ کھولا۔

”السلام علیکم آئی۔“ آنے والے نے سلام کیا۔

”جی علیکم السلام؟“ رضیہ بیگم نے دوپٹے سے اپنا منہ پونچھا۔

”میں اطہر ہوں۔ برابر والے گھر میں رہتا ہوں۔“

”اوہ اچھا اچھا۔ فوج والے ہوناں..... مسز شہزاد کے بیٹے؟“ اطہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

”آؤ..... آؤ۔“ زرافشاں چکن سے باہر نکلی تو سامنے اُسے دیکھ کر چوکی۔

”یہ یہاں کیوں آیا ہے؟“

”زری..... ذرا بچے کے لیے پانی تو لاؤ ٹھنڈا۔“ جی امی کہتی ہوئی وہ پانی کا گلاس لے آئی اور اطہر کو دیا۔

”وہ اصل میں آنٹی کچھ روز میں جانا ہے میں نے تو سوچا مل ہی ہوں۔“ اطہر نے پانی غناغٹ پیتے ہوئے کہا۔

”اچھا کیا.....“ مجھے بھی ملنا تھا یہ زری میرا مطلب زرافشاں نے کہا تھا آج ملنے کا لیکن بس مصروفیت میں وقت نہیں ملا۔“

”اوہ..... تو آپ لوگ گھر آنے کا ارادہ کئے ہوئے تھے؟“ اطہر نے ترجمانی نظروں سے زرافشاں کو دیکھا۔

”امی ہم آگئے اب کھانا دیں ناں جلدی سے۔“ علی اور ناصر بھی کمرے سے نکل آئے تو سامنے کسی اور کو دیکھ کر مہذب انداز میں ملے اور پھر باتیں شروع کر دیں۔

”تم اب آئے ہی گئے ہو تو ہمارے ساتھ ہی کھانا کھانا ٹھیک ہے؟“ رضیہ بیگم نے مروتا کہا جبکہ وہ ڈھٹائی کی انتہا

کرنا ہوا فوراً بولا۔

ہوئے کہا۔

”کیا یہ بات سب کو پتا ہے کہ وہ.....“
 ”کو تمہیں نہیں پتا؟ اُس دن رضوانہ بھی یہی کہہ رہی تھی کہ بس کچھ ہی دن ہیں۔“ رضیہ نے سر جھٹک کر کہا۔
 ”تو یہ کیا بات ہوئی اب ہر کوئی اپنی موت کا یوں اعلان کرتا پھر رہا ہے کیا؟“ رضیہ بیگم نے جیسے ہی یہ سنا اُن کی تو سٹی ہی گم ہو گئی ہانڈی کا ڈھکن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔
 ”کیا بکواس کر رہی ہوتی؟“

”سچ ہی تو کہا ہے اور اُس نے مجھے خود بتایا تھا کہ وہ کچھ دن کا ہی مہمان ہے۔“
 ”ذرا سوچ کچھ کر بولا کرو کہ کیا بول رہی ہو۔“ رضیہ بیگم نے ڈھکن اٹھایا اور کانوں کو ہاتھ لگا کر بولیں۔
 ”نہیں امی جی یہ کوئی ٹائم نہیں ہے جس کو ہم اپنی مرضی سے روک لیں۔“ رضیہ بیگم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ یا تو اپنا سر پیٹ لیں یا سامنے کھڑی لڑکی کی ٹھیک ٹھاک پٹائی کر دیں۔

”ارے نالائق وہ فوجی ہے۔ چھٹیوں پر آیا ہوا ہے ضرور اُس نے یہی بات کی ہوگی ایسے کسی تم اُس کی بات کو اٹالے گئیں۔“ زرافشاں بھی سوچ میں پڑ گئی۔
 ”اور ایک منٹ رکو۔ یہ کیا کہا تم نے اُس نے بتایا تھا تمہیں.....!“ یہاں زرافشاں پر یہ انکشاف ہوا کہ اطہر فوجی ہے یعنی وہ جانے کی بات اسی لیے کر رہا تھا اسی سوچ میں تھی کہ اچانک سے رضیہ بیگم کے سامنے بات کہی جو پکڑی گئی اُس کو بھی جھٹکا لگا اور منہ کھل گیا۔

”امی..... وہ..... میرا مطلب یہ نہیں..... میرا مطلب ہم..... میں کیا کہوں۔“ وہ گڑباز کی گئی۔
 ”سیدھے سیدھے ساری بات بتاؤ مجھے۔“ رضیہ بیگم نے اُس کا کان پکڑا اور وہ درد اور خوف کے مارے ساری بات سچائی کے ساتھ بتاتی چلی گئی۔

”تو یہ ہے اصل بات۔“ ساری بات سننے کے بعد رضیہ بیگم نے فقط یہی کہا۔
 ”امی..... آپ کو برا نہیں لگا؟“

”ٹھیک ہے آئی اب آپ اتنے پیار سے کہہ رہی ہیں تو کھا ہی لیتے ہیں۔“ اطہر نے شرم کو بالائے طاق رکھ کر سامنے بیٹھی زرافشاں کو دیکھا جو مٹی جھینچنے غصے سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

”ہائے میں مر گئی یہ کیا ہوا..... ازری اور زری؟“
 ”جی..... جی..... امی۔“ وہ بھاگ کر کچن کی طرف گئی۔

”کیا..... میں نے گو بھی صحیح حالت میں تمہیں دی تھی یہ کیا حشر کر دیا؟“ رضیہ بیگم نے ہانڈی کی طرف اشارہ کیا۔
 ”وہ امی آپ نے ساری گو بھی ثابت ہی ڈال دی تھی اس لیے میں نے ٹھیک کر دی۔“ اپنے تئیں اُس نے بڑے فخر سے کہا۔

”تم نے گو بھی کی سبزی نہیں اُس کا حلوہ بنا دیا ہے نالائق۔“

”امی آہستہ بولیں باہر مہمان بیٹھا ہوا ہے کیا سوچے گا؟“

”ہونہ اور تم اُسی مہمان کے گھر جانے کا کہہ رہی تھیں کہ کچھ پکا کر لے جاؤں گی۔ ساری سبزی کا ملیدہ بنا دیا اور اب یہاں کھڑی میرے سر پر باتیں کر رہی۔“ باہر بیٹھا اطہر اُن کی گفتگو سے محظوظ ہو رہا تھا۔

”اب جاؤ جا کر فریق سے کیا پٹکا لو اور فرائی کر دو تب تک میں بچوں سے کہہ کر تان منگوائی ہوں۔“

”آئی اگر کوئی مسئلہ ہے تو بتائیں میں اچھا کھانا بھی پکا لیتا ہوں۔“ باہر آتی رضیہ بیگم کو اطہر نے پیشکش کی۔

”ارے نہیں نہیں بیٹا۔“ ہاں تم ان بچوں کے ساتھ جا کر تان لے آؤ اگر برانہ لگے۔“

”ارے اس میں برا لگنے والی کیا بات ہے؟ میں بھی تو آپ کے بیٹوں جیسا ہوں ناں۔ بس ابھی گیا اور ابھی آیا۔“ اطہر نے بچوں کو اپنے ساتھ لیا اور باہر کی راہ لی۔

”کتنا پیارا بچہ ہے ناں۔ بس کچھ دن ہی ہیں اور پھر.....“ رضیہ بیگم واپس کچن میں آئیں اور ہانڈی دیکھتے

”میں اب کیا جواب دوں اس بات کا..... اگر وہ تم سے اتنا فری ہو رہا تھا تو تمہیں کیا ضرورت تھی بجائے اُس سے بات چیت کرنے کے اُس کو لڑکا سا جواب دے دیتیں پہلی ہی ملاقات میں تو وہ سیدھا ہو جاتا اور یہ اس طرح ملنا مجھے سن کر ہی اتنا عجیب لگ رہا ہے۔“ رضیہ نے جبر جبری لی۔

”سوری امی..... مجھے پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا۔“ زرافشاں نے شرمندگی سے سر جھکایا۔
”ٹھیک ہے لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں آئی۔ اب وہ مہمان بن کر آیا ہے لیکن تم بات نہیں کرنا بہتر ہوگا بس کھانا لگا کر اپنے کمرے میں چلی جانا۔“ زرافشاں نے اثبات میں سر ہلایا۔

”کھنی بجی ہے۔ میرے خیال سے وہ لوگ آگئے ہیں۔ چلو کھانا لگائیں۔“ نیل کی آواز پر رضیہ بیگم نے کہا اور دروازہ کھولنے چلی گئیں۔

ست روئی سے زرافشاں نے کھانا لگانا شروع کیا اور بجائے اپنے کمرے میں جانے کے وہ سارا ناٹم کچن میں ہی رہی۔ اطہر چاہ کر بھی اس کی ایک جھلک دیکھ نہیں پایا تھا۔

☆.....☆.....☆.....☆

”میں تمہیں بتا رہی ہوں ناں رضوان۔ بڑا لڑکا پاگل ہو گیا ہے۔ تم کوئی اور اچھی سی لڑکی ڈھونڈ لو۔“ سیمہ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گھر میں غیر معمولی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے اس بات کا یقین کر لیا تھا کہ اطہر گھر میں نہیں ہے جب ہی رضوان کو فون کیا تھا۔

”نہیں..... مجھے وہ لڑکی بالکل بھی پسند نہیں آئی۔ نہ بات کرنے کی تہیز ہے نہ کوئی سلیقہ ہے۔ میں اپنے بیٹے کے لیے گھر بیلو اور گھنڑ لڑکی چاہتی ہوں ایسی جھلی لڑکی نہیں۔“ رضوان کی بات سن کر وہ ہوا بولیں۔

”ہاں اور میرے بیٹے سے پھر ملاقات ہو جائے تو اُس کے سامنے یہ بات نہ کرنا میں خود ہی اُسے سمجھا لوں گی۔“ سیمہ نے فون رکھا اور سانس خارج کر کے اطہر کو فون

کرنے لگیں۔

”بس اماں آ رہا ہوں کچھ دیر میں۔“ اطہر گھر آیا تو پوچھ گچھ شروع ہو گئی۔

”تمہیں وہ لڑکی کب کیسے کس طرح اور کیوں پسند آئی؟“

”کب پسند آئی..... جب اُسے پہلی بار میرس پہ دیکھا..... کیسے آئی؟ بس آگئی۔“ اطہر نے کندھے اچکائے اور سیمہ کو دیکھا۔ ”کس طرح اور کیوں آئی؟ اب یہ بھی کوئی پوچھنے والا سوال ہے اماں پسند تو پسند ہوتی ہے جیسی بھی ہو۔“ اطہر نے جھجپ کر کہا۔

”ہونہ..... مجھے وہ لڑکی ایک آنکھ نہیں بھائی۔ اور میرا بیٹا دیکھو.....“

”اس میں حرج ہی کیا ہے ایک تو خود آپ کہتی ہیں کوئی پسند ہو تو بتاؤ اور دوسری طرف میری پسند کو ہی رد کر رہی ہیں..... کیا یہ کھلا تضاد نہیں؟“

”چپ کرو۔“ سیمہ نے غصے سے آنکھیں دکھائیں۔ ”نہ اُسے ڈھنگ سے بات کرنی آتی ہے نہ وہ سلیقہ شعار لڑکی ہے۔ ایسا کیا ہے اُس میں جو میں بہو کے طور پر اُسے قبول کر لوں؟“

”تو کیا ضروری ہے بس ایسی ہی لڑکی سے شادی کی جائے جو ایک دم فریٹک ہو کیا وہ لکڑی بہری موٹی اندھی یا کانی ہے؟“

”استغفر اللہ میں نے کب کہا وہ بچی ایسی ہے۔ اللہ نہ کرے وہ ایسی ہو بلکہ کوئی بھی.....“ سیمہ دل تھام کر بیٹھ گئیں۔

”بس وہ بے وقوف سی ہے پیاری ہے اُسے تو کھانا پکانا بھی نہیں آتا لیکن چلے گا۔ میری ماں جو ہے اُسے ہر کام سیکھانے والی۔ ایک دم فریٹک کرویں گی میری اماں حضور..... کیوں؟“

”ہاں ایک کام کرتے ہیں میں یہاں ایک ماہ میں فریٹک بہو بنائیں گا ادارہ کھول لیتی ہوں اور ہر لڑکی کو گھر گزرتی سکھاؤں گی ٹھیک ہے ناں؟“ سیمہ کے طنز یہ لہجہ

پراطہر نس دیا۔

”میری پیاری اماں..... بس صرف ایک لڑکی اور کوئی نہیں۔“ وہ اُن سے چٹ گیا۔

”ہو دور..... مجھے سوچنے کا وقت دو۔“

”نہیں ناں..... میں نے چلے جانا ہے پھر تو کیا پتا کب آؤں گا اور اتنے ماہ سوچنے میں ہی گزار دیں گی تو کہیں اُس کی کہیں اور بات نہ پکی ہو جائے۔ آپ بس رشی آئی سے بات کریں ناں۔“ اطہر نے بچوں کی طرح ضد کرتے ہوئے کہا۔

”ٹنگ نہیں کرو مجھے..... دیکھوں گی اب جاؤ یہاں سے۔“

”میری پیاری اماں..... اطہر نے اُن کے گال پہ پیار کیا اور زرافشاں کو پانی پیو کی طور پر سوچ کر سر کاٹھا۔

☆.....☆.....☆.....☆

”ہاں تو کون سا میں نے غلط کہا..... ویسے لڑکا کتنا اچھا ہے ناں۔“ منسا رہی ہے کچی بہت بات ہے مجھے تو بہت اچھا لگا اور دیکھو ہے کچی بوٹی پر لگتا نہیں کہیں سے بھی۔“

رات کے وقت سب کا سونے کا سب سونے اپنے کمرے میں گئے لیکن ہماری ہیرن صاحبہ کانوں میں حسب معمول پینڈ زفری لگائے اور گانوں سے لطف اندوز ہو رہی تھیں لیکن ساتھ ہی ساتھ تیز تیز مارچ بھی کر رہی تھیں کیونکہ اطہر پر اپنا غصہ نکالنا تھا۔

”جھوٹ بولا تھا ناں اس نے مجھ سے ایسے ظاہر کیا جیسے واقعی ہونہیا نے دو اسے میرس پر پھر بتائی ہوں۔“ وہ غصے سے بڑبڑاتی ہوئی بولی۔

”اوہیلو میڈم..... کیا ہو رہا ہے؟“ اطہر نے بلند آواز میں کہا لیکن زرافشاں تیز تیز چلنے میں ایسی گن گنی کسانوں کی وجہ سے سن تو نہیں کی لیکن دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

”لگتا ہے غصے میں ہے یہ کیا کروں کہ یہ مجھے دیکھے۔“ اطہر نے خود کلامی کی اور سوچنے لگا۔

”آئیڈیا.....“ وہ کمرے میں آیا اور کاغذ قلم اٹھایا کر کچھ لکھ کر تہہ کر کے باہر آ گیا۔ پھر اُس نے چپکے سے کاغذ

زرافشاں کی جانب پھینکا اور چھپ گیا۔
”ہائے یہ کیا؟“ گھبرا کر زرافشاں نے اٹھ اٹھ دیکھا اور کاغذ اٹھا لیا۔

”کون پھینک سکتا ہے اس طرح یہ رقعہ؟“ دھڑکتے دل کے ساتھ اُس نے تہہ شدہ کاغذ کھولا اور جو لکھا تھا وہ پڑھا تو جھنجھلا کر کاغذ پھینکا اور بھناتی ہوئی دیوار کی طرف آئی۔

”مجھے اچھے سے پتا ہے۔ تم یہیں کہیں جھپے ہو..... سامنے آؤ۔“ اُس نے مٹھیاں پیچیں اور ابرو اچکا کر پکارا۔

”آپ بلائیں اور ہم نہ آئیں اب ایسے تو حالات نہیں۔ جی حکم کریں بندہ حاضر ہے آپ کی قسمت میں..... اود میرا مطلب خدمت میں۔“ اطہر نے بھی آنکھیں پٹپٹا کر خوش ہوتے ہوئے کہا۔

”آپ کی ہمت کیسے ہوئی یہ لکھنے کی؟“ زرافشاں نے دانت پیٹتے ہوئے کہا۔

”تو کیا کرتا؟ میں نے آواز دی لیکن محترمہ پتا نہیں کیا سننے میں ایسی گن تھیں کہ دیکھا ہی نہیں..... ہونہ۔“ اطہر نے بھی سر جھٹک کر جواب دیا۔

”تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ یہ گھٹیا بات لکھ کر مجھے بلاؤ۔“ ماتھے پہ بل لاتے ہوئے زرافشاں نے کہا تو اطہر نے ریلینگ پہ ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

”اچھا کیا ایسی بات لکھ دی جو محترمہ کو اتنی بری لگ گئی کہ گھٹیا کہنے لگیں؟“

”یہی ناں شادی والی بات۔ واقعی آپ میں شرم نام کی کوئی چیز ہی نہیں۔“ بلا جھٹک زرافشاں نے کاغذ پہ لکھی تحریر دہرائی تو اطہر کی ہنسی چھوٹ گئی۔

”تو کیا کروں؟ شرم نہیں ہے مجھ میں بھی چلو آج مان لیتا ہوں نہیں ہے شرم اور اب جو سوال میں نے کیا ہے مجھے اُس کا جواب بھی دو۔ چلو شاباش۔“ زرب لب مسکرا کر اطہر نے اُسے دیکھا۔

”کون سا جواب؟“ زرافشاں جی بھر کے ٹنگ ہوئی۔
”یہی ناں..... مجھ سے شادی کرو گی؟“ اطہر نے اس

لنظروں کے حصار میں لے کر گمبیر لہجے میں اس سے پھر استفسار کیا تو زرافشاں کی دھڑکن بے قابو ہونے لگی۔
 ”ایسے دہشتی ہو گی ناں محترمہ..... پیاری ہو جائے گا۔ پھر شادی کا کیا ہوگا ہماری؟“ زرافشاں بولھلائی۔
 ”مجھے نہیں پتا۔“ یہ کہہ کر زرافشاں پیر پختی تیز تیز چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔
 ”پتا تو میں لگا کر رہوں گا۔“ سیٹی بجاتا ہوا اطہر بھی اپنے کمرے میں چلا آیا۔

☆.....☆.....☆.....☆

”اماں..... پلیز میری بات سمجھیں۔ انہوں نے خود کہا ہے سب کو لانے کو۔“ اطہر نے منت سماجت شروع کر دی۔
 ”پہلے مجھے یہ بتاؤ تمہیں ایسی بھی کیا جلدی تھی اُن کے گھر جانے کی اور مزے سے کھانے کے آنے کی؟“
 رشتے کی ہمہ اطہر کی جانب سے جاری و ساری تھی لیکن سیمہ کو یہ بات بری لگ رہی تھی کہ بیٹا ماں کو بنا بتائے مسایلوں کے ہاں ہو کر بھی آ گیا تھا۔
 ”اب ایسی بھی کیا قیامت آگئی اس بات میں؟ بس یہی ناں کہ میں اُن سے ملنے چلا گیا آپ بھی تو گئی تھیں ناں اُس رشتے کرانے والی آنٹی کی بات سن کر؟“ اطہر نے نروٹھے پن سے کہا۔
 ”مجھ سے بحث نہ کرو تو اچھا ہی رہے گا۔ نالائق کیا سوچتی ہوں گی رضیہ بیگم اور پھر اُس رضوانہ نے بھی ذکر ضرور کیا ہوگا رشتے کے حوالے سے تو اب سزا گل بھی سمجھ رہی ہوں گی کہ ہم دو بچے لے رہے ہیں۔“ سیمہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

”ہاں تو سمجھنے دیں کون سا اس میں غلط بات ہے؟ میں تو بذاتِ خود یہ بات کہہ رہا ہوں مجھے وہ لڑکی اچھی لگتی ہے پسند ہے اب آگے آپ کا کام ہے وہاں جانا اور رشتے کی بات کرنا بس ختم۔“
 ”بس ختم..... کہہ ایسے رہے ہو جیسے جا کر ثانی خریدنی ہو۔“ سیمہ نے ہنکارا پھرا۔

”اگر آپ نے میرا یہ کام نہیں کیا ناں تو میں جانے سے پہلے خود اُن کے پاس جا کر اُن کی بیٹی سے رشتے کی بات کروں گا۔“ اطہر نے ڈھٹائی سے کہا۔
 ”شرم تو نہیں آتی ناں؟ ماں باپ زندہ ہیں اور جوان بیٹے کو شادی کی اتنی جلدی ہو رہی ہے؟“
 ”پہلے تو خود ماں باپ کو جلدی ہو رہی تھی اولاد کی شادی کی اب بیٹا خود کہہ رہا ہے تو شرم دلائی جا رہی ہے؟“ اطہر نے بھی دو بدو جواب دیا۔
 ”تم میں اور اُس لڑکی میں کوئی فرق ہی نہیں ہے۔ دونوں منہ زور ہو۔“

”تو جب ہم..... ہم مزاج میں تو پھر کیا مسئلہ ہے؟“ اطہر نے بچوں کی طرح چمکتے ہوئے پوچھا۔
 ”حد کر رہے ہو تم قسم سے اطہر۔ تنگ مت کرو۔“ سیمہ کو غصہ آ رہا تھا۔
 ”مجھے جب تک جواب نہیں ملے گا میں نے آپ کا پچھا نہیں چھوڑنا۔“
 ”اطہر..... تم یہاں اتنا مجھے تنگ کرتے ہو وہاں اپنے سینئر زکو بھی ایسے ہی تنگ کرتے ہو کیا؟“ سیمہ جھنجھلائی۔
 ”نہیں مجھے کچھ نہیں پتا اس ابو سے کہیں وہ کل چلیں اور رشتے والی آنٹی سے کہیں کہ وہ بات کریں کہ ہم آنا چاہتے ہیں۔“ اطہر نے بے صبرے پن کا مظاہرہ کیا۔
 ”اچھا اچھا..... ٹھیک ہے..... میں بات کروں گی تمہارے ابو سے اب میری جان بخش دو۔“
 ”یاہو۔“ اطہر چلایا اور سیمہ نے دونوں ہاتھ اپنے کانوں پر رکھ لیے تھے۔

☆.....☆.....☆.....☆

”بات سنو رضوانہ..... یہ برابر والی سرشہزاد کا فوجی بیٹا تو بہت ہی اچھا ہے۔“
 ”بالکل میں اُس سے ملی ہوں بچی بہت ہی اچھا لڑکا ہے۔ چلبلا بھی بہت ہے۔ ہماری زری کے لیے بہت اچھا رہے گا۔“ رضیہ بیگم نے رضوانہ کو فون کر کے اچانک اُس کے آنے اور کھانے کے حوالے سے بات بتائی۔

”کچ کہہ رہی ہو۔ فوجی لڑکا بھی مل رہا ہو اور با اخلاق بھی تو کون نہیں چاہے گا کہ اپنی بیٹی کی شادی اُس لڑکے سے کر دیاں۔“ رضیہ بیگم نے ٹھنڈی سانس لی۔
 ”تو آپ کہیں تو میں سرشہزاد سے بات کروں؟“
 ”ارے نہیں نہیں۔ ایسا چھان نہیں لگے گا۔ پتا نہیں کیا سوچیں گی وہ۔“

”لو بھلا اس میں سوچنے والی کیا بات ہے؟ کون سا آپ نے خود جا کر بات کرنی ہے..... جو بھی کرنا ہے میں نے ہی تو کرنا ہے۔ بس سب مجھ پہ چھوڑ دیں۔“ رضوانہ کی بات سے وہ کچھ متفق ہوئیں اور کام اُن پہ سوپ کر پڑ سکون ہو گئیں۔
 ”کیسی ہیں سرشہزاد؟“ رضیہ بیگم سے بات کر کے رضوانہ نے سیمہ کو فون کیا۔

”بالکل ٹھیک..... تم سناؤ ویسے اچھا کیا کہ تم نے فون کر لیا میں ابھی تمہیں ہی فون کرنے والی تھی۔“
 ”اچھا..... خیر تو ہے ناں؟“ رضوانہ نے اچھنبے سے پوچھا۔
 ”ہاں وہ..... رضیہ بیگم کی بیٹی کے لیے پوچھنا تھا۔ اُس کا کہیں رشتہ دیکھا تم نے؟“
 ”ہاں ایک دو جگہ دیکھ رہی ہوں۔ شاید کہیں بات بن جائے۔ آپ کہیں.....“
 ”اوہ..... سیمہ نے سن کر کہا۔
 ”کیوں خیر ہے ناں سرشہزاد؟“
 ”ہاں وہ..... سیمہ تذبذب کا شکار ہوئیں۔

”وہ اصل میں..... میں اپنے بیٹے اطہر کے لیے زرافشاں کا رشتہ مانگنا چاہتی ہوں۔ میں نے سوچا خود کہنے کے بجائے تمہیں کہوں۔ پر اگر کہیں اور دیکھ رہے ہیں تو.....“
 ”اگر آپ مان گئیں کیا؟“ رضوانہ کو یاد تھا اطہر نے خود اظہار کیا تھا اس رشتے کے لیے۔
 ”بھئی اب کیا کریں..... جب بیٹا خود پسند کئے بیٹھا ہے اور بعد ہے کہ ہمیں کرنی ہے تو میں کتنا منع کروں گی؟

آخر کو بیٹے کی ہی مانی ہے۔“
 ”اچھی بات ہے سرشہزاد میں اُن تک پیغام پہنچا دوں گی اور کچھ؟“ رضوانہ نے مزید پوچھا۔
 ”ہاں بس انہیں بتا دو ہم کل شام چائے پہ آئیں گے اور رشتہ طے کر کے ہی آئیں گے بس یہ کہنا کہ زیادہ تکلف نہ کریں۔“

”اچھی بات ہے۔ میں انہیں فون کر کے بتا دیتی ہوں۔“ سیمہ سے بات کر کے رضوانہ نے رضیہ بیگم کو کال ملائی اور ساری بات گوش گزار کر دی۔
 ”اف یہ کیا اچانک سے؟ ابھی تو میں نے فقط سوچا ہی تھا اور یہ.....“ رضیہ کے تو جیسے ہاتھ پیر ہی ٹھنڈے ہو گئے۔

”رضیہ بیگم اللہ جب مہربان ہوتا ہے ناں تو وہ یک دم سے اپنی نعمت اور رحمت نکھار کر دیتا ہے اور انسان کی نیت صاف ہو تو اللہ بھی اُس کی مدد کرتا ہے۔ آپ زیادہ نہ سوچیں بس جا کر زری بیٹی کو بتائیں اور میں بھی کل جلدی آ جاؤں گی پھر شام کی تیاری ساتھ کر کر لیں گے۔“
 ”جزاک اللہ پیاری رضوانہ۔ کچ یہ رشتہ ہو جائے میری تو جیسے عید ہو جائے گی۔“ رضیہ ہنسی۔
 ”ان شاء اللہ۔ اب کہا تو ہے انہوں نے۔ چلیں پھر کل ملاقات ہوتی ہے۔“ اب مرحلہ زرافشاں کو بتانے کا تھا جو کہ فی الحال رضیہ بیگم نے سوچا تھا کہ دن میں بتا دیں گیں۔

☆.....☆.....☆.....☆

”تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔“ اطہر زرافشاں کو انہماک سے آکس کریم کھاتا دیکھ رہا تھا۔
 ”اب کون سا سوال؟“ وہ بھی بنا اُسے دیکھے نیدیوں کی طرح آکس کریم کھانے لگی تھی۔
 ”کیا دو بارہ پوچھوں؟ اور یہ آکس کریم کھانا بند کر دو پلیز۔“
 ”دیکھو۔ میری آکس کریم ہے میں جیسے چاہوں کھاؤں تمہیں کیا؟“ اطہر کو آنکھیں دیکھاتے

”جی ٹھک۔“ وہ منائی۔
 میں مسئلہ نہ ہو۔“ اطہر نے تھوڑا سختی سے کہا۔

”اور ہاں۔ میں تو جیسا کہ چلا جاؤں گا تو جب تک میں واپس نہ آ جاؤں تم نے میری پسند کی ہر چیز پکاتا سیکھنی ہوگی۔“

”کما مطلب؟“ وہ چونکی۔

”بھئی اب ہماری بات کی ہونے جارہی ہے تو ظاہر ہے پھر تم کھانا کا صحیح طور سے کھو گی تو میں پہلے سے ہی بتا رہا ہوں مجھے کیا کیا پسند ہے تو جب دوبارہ آؤں گا تم نے میری پسند کے کھانے کا کر رکھنا ہوں گے۔“

”اچھا۔“ اطمینان کی بات سن کر اس نے سر ہلایا۔

”ہاں تو سنو۔ رس گلے گلاب جامن شیر خورمہ کو فتنے قوم نہارے بانے رہا ہائی کسب را غم“

”بس بس بس..... پتو کہیں کے کتنا کھاتے ہو؟ اور
 رسب مجھے سیکھنا پڑے گا کبھی بھی نہیں۔“ منہ پھرتے

”اچھا۔ بات ہے ہونہ۔۔۔۔۔ اب میں ناراض۔ جب

تک تم یہ پکاتا نہیں سیکھو گی میں نے بات ہی نہیں کرنی۔
 ”لہ حافظ۔“

”ارے رکو تو.....“ اطہر بنا اُس کی بات سنے ہنسی
باتے ہوئے کمرے میں چلا گیا۔ پوری رات سوچ بچار

اگلے دن دوپہر میں ہی رضوانہ آگئی تھی اور رضیہ بیگم

نے زبردستی اُسے پارلر بھیجا اور خود سکون سے شام کے لیے
وازمات تیار کرنے لگی۔ شام میں سب لوگ موجود تھے

شمال اطہر کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی فیروز سیوٹ جس

سلور کا کام تھا۔ ہلکے سے میک اپ میں وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔

رشتہ پکا ہوتے ہی ایک دوسرے کو میاں پرکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہی وہی رشتہ ہے جسے ہم نے پہلے ہی میں دیکھا تھا۔ لیکن یہی وہی رشتہ ہے جسے ہم نے پہلے ہی میں دیکھا تھا۔ لیکن یہی وہی رشتہ ہے جسے ہم نے پہلے ہی میں دیکھا تھا۔

شہزاد صاحب اور گل صاحب بھی خوش کمپوں میں
مگن تھے اور خواتین کی باتیں بھی چل رہی تھیں۔ اطہر
اپنے دو چھوٹے سے سالوں کے ساتھ باتیں اور کھیلنے
میں مگن تھا۔ جب کہ ایسی ایک جانب بس ہوں ہاں
کرنے کے لیے زرافشاں ہی رہ گئی تھی۔ رات کو یہ سب
اپنے گھر روانہ ہوئے تو زرافشاں نے فوراً سے پیٹر جا
کر گڑے بدلے۔

”اٹھو۔“
”جی اماں۔“ اٹھو نے ہنسکر اسکریمہ کو دیکھا۔

”ہاں سمجھیں کیا۔ تم نے تو اپنا کام کر لیا اب میرے
تھکے اچھا کام ڈال گئے ہو۔“ سیمہ نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

”آرام سے۔“ اپنے گال سہلائی ہوئی سیمہ بولی۔
 ”مجھے امید ہے اچھے سے“ وہ اپنی امی سے تو

”ہاں بس میرا یہی کام تو رہ گیا ہے۔ یہ نہیں کہ مجھے آرام نصیب ہو بس میں سب کو سکھانی پھروں

اچھا بس بس۔ پینک لرو اور جا را پی زرافشاں
سے مل لینا میسر ہے۔ خوش ہو جائے گی۔“ سیمہ نے اطہر

آنچل ﴿نومبر﴾

پیارے قارئین اینڈ سویٹ آج کل اسٹاف پیار بھرا
سلام قبول ہو۔ مبادولت کو معافیہ سلیم کہتے ہیں۔ ہم لوگ
خدا کے فضل سے نو بہن بھائی ہیں پانچ بہنوں کے بعد
میں 3 جون کے سکلٹے ہوئے دن اس دنیا میں شعلک کا
احساس بن کے تشریف لائی۔ میری امی باؤس وائف
ہیں اور میرے ابو زمیندار ہیں۔ میں کیا کرتی ہوں کچھ
بھی نہیں اور بہت کچھ کرنے کی کوشش (یہ اور بات ہے
کہ تا کچھ دھی جیں)۔ دوست کوئی نہیں کچھ لوگوں نے
اعتبار ایسا توڑا ہے کہ اس کی کرچیاں اب بھی درود پتی
ہیں تب سے اپنا ایک فارمولا ہے اعتبار کرنا اچھی بات نہ
کرنا اس سے بھی اچھی بات۔ ربی بات خامیوں کی تو
بہت ہیں اعتبار جلدی کر لیتی ہوں غصہ بہت آتا ہے
جھوٹ سے سخت نفرت ہے جی بھر کے محنت نہیں کرتی۔
شرائیں کرتی تھی مگر اب تو زندگی نے مجھ سے بہت
بڑی شرارت کر ڈالی کہ اپنا سب کچھ کھو بیٹھی ہوں۔
خوبیاں یہ ہیں کہ نماز پڑھتی ہوں پیار بہت کرتی ہوں
بے وفالوگوں سے بھی جب کوئی زیادہ درود ہے تو ہنس
پڑتی ہوں قسمت پر۔ کافی عرصہ سے بس آچل ہی
پڑھتی ہوں آج جب درد حد سے بڑھنے لگا تو سوچا
آچل سے کچھ کہہ دوں۔ پسندیدہ رائنرز میں سب سے
پہلے نازی جی کا ذکر کروں گی نازی جی تسی کریت او اس
کے علاوہ میرا شریف طور بھی بہت اچھی ہیں۔ شاعری
جنون کی حد تک پسند ہے آخر میں ایک ایسے شخص کا
شکریہ جس نے مجھے توڑا اور جینا سکھایا اور تمام لوگوں
سے یہ درخواست ہے کہ مت کھیلو لوگوں کے اعتبار سے
نہ تو روانہ کے وجود کو ضرور آگاہ کیجیے گا آپ کو، ہم سے مل
کر کہیں گے؟ فی امان اللہ حافظ۔

”ارے واہ..... یہ ہوتی ماں پیاری اماؤں والی بات۔“

219

218 آنچل نومبر ۲۰۱۷ء



جینا غیب سے ملنا مشق شب بیکل

یوں تو اس شہر میں ہر اک سے محبت ہے تمہیں
جانے تنہائی میں کس کس کا برا مانگتے ہو
اس کو سب علم ہے شہزاد وہ سب جانتا ہے
کس لیے ہاتھ اٹھاتے ہو دعا مانگتے ہو

روایتی عورت تھی جسے اس قسم کی چیزوں میں کبھی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اب بھی اولاد کے مجبور کرنے پر..... سچ ہے کہ اولاد کے پیدا ہونے سے قبل ہی عورت جو قربانیاں دینا شروع کرتی ہے تو یہ سلسلہ مرتے دم تک رکھنا ہی نہیں۔ اب یہی مثال لے لیں وہ بھی صفر ہونے کے باوجود محض اولاد کی خاطر مجھے اس ٹیکنالوجی کو بیکھنا پڑا اور اس میں دلچسپی بھی لینی پڑی ہے یہ بھی ایک طرح کی قربانی ہی ہوتی تھی۔

”توبہ“ اپنی سوچ پر مجھے خود ہی ہنس آ گئی۔ معزز میرا سب سے بڑا بیٹا لندن میں رہتا ہے وہاں وہ ایک سپر اسٹور میں شاپ منیجر ہے اس کی بیوی حقیقہ اسی اسٹور کے فنانس سیکشن میں کام کرتی تھی۔ ان کے تین بچے ہیں ارحم، اعظم اور فاریہ۔ عید میرا دوسرے نمبر کا بیٹا دینی کے ایک بینک میں جاب کرتا ہے اس کی بیوی میا وہاں کے ایک امریکن اسکول میں پڑھاتی تھی ان کے دو بچے ہیں اسمان اور عارب۔ میرے تیسرے بیٹے عابد کا امریکہ میں پاکستانی فوڈ کاؤنٹی ریٹیلرز کے ساتھ ریسٹورنٹ میں مدد کرتی ہے ان کی دو بیٹیاں ہیں حلیمہ اور شازدہ۔ سب سے چھوٹا اور میرا سب سے لاڈلا اظفر جس کی حال ہی میں شادی ہوئی ہے وہ اپنی نئی ٹولی وٹن عزمہ کے ساتھ

منحی سی اسکرین یا ٹیبلٹ ہوشربا..... میں تو دیکھ دیکھ کر لہن ہی ہو رہی تھی قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے بڈھے اور لہاں اب فیس بک پر اکاؤنٹ بنائے پروفاں میں پاؤں لٹائے بیٹھے تھے۔ میں یہ سب دیکھ کر دنگ ہو رہی تھی اور دنگ ہو کر ٹھک نہیں رہی تھی۔ عام لوگوں سے لے کر اداکاراؤں تک ہر سیاستدان سائنسدان کوہ جیا فوٹو گرافر پینٹر آرٹسٹ لک ڈریس ڈیزائنر پراپرٹی ڈیلر..... کون تھا جوہر گیا ہو فیس بک اکاؤنٹ اور پیج بنانے سے؟ آن لائن برنس میں بھی بگلہ لہن گاڑی زپور سے لے کر کپڑے جو تے کھلونے اسٹیشنری ہائی ٹیکنالوجی فرنیچر اینڈ کرافٹس کھانے پینے کی اشیاء فردوزن اور آن لائن فاسٹ فوڈ ہوم ڈیلیوری..... کیا تھا جوہر گیا ہو ہلکتے تھے؟ میرے جیسی زندگی کی پچھن بھاریں دیکھ لینے ہمارے پست عورت کے لیے تو یہ سب جادوگری ہی تھی۔ ساری زندگی گئی بندگی روٹین کے عام سے شب و روز گذرنے والی ایک سادہ گھریلو عورت جس کو اس عمر میں آکر فراغت نصیب ہوئی تو اولاد بچپوں کی طرح پر لگائے سے اڑ گئی اور مجھے وقت گزاری اور رابطے کے لیے یہ مشغلہ رہی۔ بڑھی لکھی ہونے کے باوجود فیس بک اور اس کی کارڈز کو لکھنے میں مجھے وقت لگ رہا تھا کیونکہ میں ایک عام

اُس نے سراٹھایا۔
”بہت“۔ زرافشاں کے چہرے پہ اداسی بکلی ہوئی تھی۔
”اب تو میرا جانے کا ہی دل نہیں کرنا ہا لیکن کیا کروں جانا تو ہے۔“ اطہر نے بچھینی سے کہا۔
”کتنے بچے جانا ہے؟“
”صبح سات بجے نکلتا ہے۔“ اطہر نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔
”ٹھیک ہے۔ جا کر آرام کریں تھک گئے ہوں گے۔ پینکنگ کر لی؟“
”ہم..... نہیں تھوڑی سی رہتی ہے۔“ اطہر نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔
”ٹھیک ہے جا کر کریں مکمل۔“ میں اب چلتی ہوں۔
”چلو ٹھیک ہے۔“ کندھے اچکاتے ہوئے اطہر کمرے میں چلا آیا۔ سارا سامان رکھ کر بیک بند کر کے سونے لیٹ گیا۔
فجر کے بعد اطہر کی روایتی تھی۔ وہ شہزاد صاحب کے ساتھ نکلا اور گاڑی میں بیٹھنے ہی لگا تھا کہ اچانک نظر نہیں پر گئی وہاں زرافشاں جیسی مسکراہٹ لبوں پر چائے کھڑی تھی۔ اسے ہاتھ ہلاتے اور مسکراتے ہوئے دیکھا۔
وہ اپنے منگیتے کو فوجی لباس میں دیکھ کر مسمرانسی ہو گئی تھی۔ اُس کے سامنے اُس کا منگیتا تو تھا لیکن ایک خوب صورت فیس بک چمچلا سا فوجی بھی تھا۔ ایک دوسرے کو ہاتھ کے اشارے سے دل بنا کر دکھایا اور اطہر جانے کے لیے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ زرافشاں بھی مسکراتے ہوئے ہل گئی۔
نیچے چلی آئی۔ آخر کو عید سے پہلے پہلے بہت کچھ دیکھا۔ اسے۔ کیونکہ اب اس نے اپنے دھول ماہیا کے لیے بہت سا کام بیکھنا تھا جس میں سرفہرست کھانا پکانا بھی تھا۔

دیکھا کتنا خیال ہے ایک ساس کو اپنی بہو کا۔
”بس۔ بس۔ زیادہ نہیں اچھا۔“ میں چلتی ہوں صبح کے لیے الارم لگا دینا اور دیر تک مت جاگتے رہنا سمجھے۔“ سیمہ نے اطہر کے ماتھے پہ پیار کیا اور چلی گئیں۔
”اف پینکنگ کب مکمل ہوگی۔“ اطہر نے لمبی سانس لی۔
”دیکھو تو صبح محترمہ ٹیرس پہ آئی ہیں یا نہیں۔“ وہ دبے پاؤں ٹیرس پہ آیا اور یو آر کی جانب ہی رہا۔
”اب کیا وہ اتنا ناراض ہو گیا ہے کہ آیا ہی نہیں ٹیرس پہ؟“ وہ لٹ کو دو انگلیوں سے موڑتی جھانک رہی تھی اور اطہر کا انتظار کر رہی تھی۔
”اب کیا کروں؟“ وہ افسردہ ہوئی۔
”مجھے یاد کرو اور کیا اور ہاں انتظار بھی۔“ اطہر کے اچانک وارد ہونے پر وہ چونکی۔ ”اور ایک کام اور بھی کر سکتی ہو۔ پوچھو کیا؟“ زرافشاں نے بھنویں سکیریں۔
”بھئی کھانا پکانا سیکھو گی۔ کیوں ہے ناں یہ بھی ایک کام۔“ اطہر نے ہنس کر کہا۔
”آپ ناراض ہیں؟“
”کس نے کہا ناراض ہوں؟ میں تو ایسے ہی اور ایک منٹ ایک منٹ۔ یہ کیا میں ایک ہی رات میں تم سے آپ یہ آگیا؟ کل تک تو لڑا کا بی بی تم تم کر کے بات کرتی تھیں اور آج کیا ہی پلٹ گئی واہ بھئی۔“ اطہر نے شوخ نظروں سے دیکھا۔

”بہت ہی فضول انسان ہیں آپ۔“ زرافشاں بلیش ہوئی۔
”میں بالکل بھی اپنی ہیر وٹن سے ناراض نہیں ہوں نہ ہو سکتا ہوں۔ البتہ اُسے تنگ کرنے میں جومرا آتا ہے ناں اُس کے بارے میں نہیں بتا سکتا کچھ بھی۔“ زرافشاں سر جھکائے کھڑی تھی۔
”مجھے یاد کرو گی؟“ زرافشاں نے بنا سراٹھائے نگی میں سر ہلایا۔
”جی.....! کتنا یاد کرو گی؟“ اطہر کے سوال پر

میرے پاس ہی رہتا ہے۔ وہ دونوں خاصے محب وطن تھے اس لیے کبھی کسی دوسرے ملک جانے کے بارے میں نہ سوچا نہ لیں۔ آفرز کو قبول کیا۔

نبی اللہ نے مجھے دی ہی نہیں، میرے چاروں بیٹوں نے شادی اپنی پسند سے کی تھیں اور نئی نسل کے جذبات اور تقاضوں کو سمجھتے ہوئے میں نے ہر بار خوشدلی سے ان کی راہیں ہموار کر کے، بہوؤں کو کشادہ دلی سے خوش آمدید کیا پھر ایک ایک کر کے پرندے اڑ گئے بس ایک انظرورہ گیا وہ ایک ایجوکیشنل این جی او میں پراجیکٹ ڈائریکٹر تھا اور اس کی بیوی عزہ اسی کی اسسٹنٹ ڈائریکٹر جی ہاں..... اسی طرح انڈر اسٹینڈنگ ہوتی تھی۔

میرے شوہر اشرف علی پچھلے برس مجھے داغ مفارقت دے گئے تھے، پچھتیس برس کا دور رفاقت جس کا کوئی پل آج بھی یادوں سے نکل نہیں ہوا تھا۔ وہ جمہور آف کامرس سے ریٹائر ہوئے تھے، کافی متحرک قسم کے انسان تھے خوش مزاج خوش گفتار اور بذلہ بخ۔ ان کی کمپنی میں کوئی بورڈ نہ ہوتا تھا انہوں نے بے حد متحرک اور مصروف ترین زندگی گزاری جبکہ مجھے گھر سے لگنا کچھ خاص پسند نہ تھا اس لیے کبھی بھی جاب کے بارے میں نہ سوچا۔ ساری عمر گھر گزرتی کے نام کر دی۔

اچھی صحت خوش گوار مالی وادارہ دینی زندگی اللہ کی دین ہوتی ہے سو اچھی صحت کے سہارے زندگی اچھی گزر رہی ہے۔ کیا جوانی کیا بوجھ یا کام کا بوجھ ہر عمر میں یکساں رہا، بیٹے جوان ہوئے تو صرف اپنے کپڑے استری کرنے کی ذمہ داری لی باقی سارے کام میرے ذمہ۔ میاں صاحب نے تو صفائی سترائی کے لیے میڈر بھی پھر لائڈری کے لیے میرا اعتراض کرتا بنتا بھی نہ تھا کیونکہ گھر بڑا لے لیا تھا، بچوں کی شادی ہونے والی تھیں کام کاج کا بوجھ بڑھنے والا تھا۔ بڑا کمزور وقت کی ضرورت تھا مگر ایک کنال کے ڈبل اسٹوری بنگلے کو سنبھالنا میرے بس کا روگ نہ تھا۔

عمیر شادی سے پہلے ہی لندن چلا گیا تھا اس کی شادی کے بعد اس کی بیوی حقیقہ دو سال میرے پاس ہی رہی پھر معمر اکلشس ہو گیا تو اسے بلالیا۔ عبید کو بھی بینک نے ہی دینی ٹرانسفر کیا تھا اس سے قبل دو گھنٹی کی سال میرے پاس رہا۔ حقیقہ اور سیماء جب تک پاکستان میں تھیں ہاؤس وانف ہی تھیں، جابز اپنے اپنے شوہروں کے پاس جا کر ہی شروع کی۔ عباد البتہ

پڑھنے کی غرض سے امریکہ گیا تھا وہیں اسے ملجیہ پسند آیا اور دونوں نے شادی سے قبل جاب کر کے ان تھک محنت سے سرمایہ جمع کیا اور شادی کے بعد وہیں چھوٹا سا ریسٹورنٹ کھول لیا۔ یہ ان دونوں کی باہمی پلاننگ تھی یوں ملجیہ میری وہ واحد بہن تھی جو شادی کے بعد محض چند ہفتے میرے پاس رہی وہ بھی مہمان کی حیثیت سے۔

اب انظرور کی بیوی عزہ ہے جو شاید تاحیات میرے پاس رہے تو پھر انظرور نے جزوقتی ملازماؤں کے علاوہ میرے لیے ایک کل وقتی ملازمہ بھی رکھ دی ہے جو برتن دھوئے اور دیگر چھوٹے موٹے کام کاج کے کرتی ہے۔ ایک طرح سے میری تنہائی کی ساتھی بھی وہی ہے میں نے کبھی باقاعدہ اشتہار لکھا کہ تھوڑی پڑھی لکھی مگر بے سہارا لڑکی کا انتخاب کیا جاہل کنوار ملازما میں میرے لیے ناقابل برداشت تھیں۔ آئیہ کی سولہ برس کی عمر میں شادی ہوئی اور اٹھارہ برس کی ہی جب وہ بیوہ ہوئی پھر کوئی تھا نہیں۔ شوہر اچھا تھا اس نے آئیہ کو انٹر تک پڑھا دیا تھا مگر اس کی زندگی اتنی ہی تھی۔ شوہر کے بعد سرال والوں نے منہ پھیر لیا، میکے کے نام پر صرف ایک شادی شدہ بہن ہی جو اس کا بوجھ اٹھانے سے قاصر تھی سو وہی کہیں تو کبھی کہیں رہتی۔ میں نے گھر میں سرورٹ کوارٹر نہیں بنوایا تھا اسے میں نے گھر میں ہی ایک کمرہ دے دیا تاکہ نظروں کے سامنے بھی رہے۔

ارے یہ کیا..... فیس بک اسکرول کرتے کرتے میں کہاں جا پہنچی بات یاد رہی تھی فیس بک کی جسے دیکھ دیکھ کر میں حیران ہونے جاری تھی۔ میرے پاس صرف میرے بچے ہی ایڈ ہیں اس لیے نیوز فیسٹ انہی کی اپ ڈیٹس سے بھری ہوئی ہوتی۔ مجھے تو خبر ہی نہ تھی کہ وہ فیس بک پر اتنے ایکٹو ہیں بیٹوں اور بہوؤں کی تصاویر پر سٹل تصاویر، گلوں پوز، رومانٹک پوز، رومانٹک کپشنز، برقعہ ڈے کی تصاویر، بیوہ سوری کی تصاویر اور کئی خاص مواقع کے پورے پورے ایجنڈے ہر برس کے یوں تصاویر کہ بندہ تصاویر دیکھ کر ہی پوری تقریب اینڈ کر لے۔ ایک دوسرے کے لیے محبت بھری کپشنز، محبتوں کا کھلم کھلا اظہار اور پھر ان کے مشنرز کو دوستوں کے لاکس اور منس جن میں مرد و زن دونوں ہی شامل تھے مجھے تھوڑا عجیب لگا۔ میاں بیوی کے ذہنی تعلقات اور جذبات سب کے سب ڈیک ناپ پر گردش کر رہے تھے۔

کون اپنی بیوی سے کتنی محبت کرتا ہے، کون سی بیوی اپنے

شوہر سے کیسے اظہار محبت کرتی ہے سب عیاں تھا کیا مسلمان کیا انگریز، کوئی فرق نہ تھا۔ کلونڈیلغیر کا ڈیر لگا تھا ہم بھی عجیب قوم ہیں طرز زندگی مغربی چاہتے ہیں اولاد مشرقی چاہتے ہیں جینا مغرب میں چاہتے ہیں اور مرنا مکہ کی بندہ میں۔ میں انکا کسان آؤٹ کرنے لگی تھی کہ ایک پوسٹ پر نظر پڑی عبید کی بیوی سیماء نے ایک پوسٹ عبید کی نام لائن پر ٹیئر لگی تھی میرا چونک کر کہنے کی وجہ اس کا کپشن تھا۔

I Can't Aford May Wife

کپشن عجیب سا تھا میں غیر ارادی طور پر پڑھنے لگی۔ اسٹیون میوز اور گوری کی شادی کو تین برس کا عرصہ گزرا تھا جب ان کا بیٹا ایڈ رائیڈ ہوا تو دونوں نے باہمی رضامندی سے فیصلہ کیا کہ گوری اپنے بیٹے کی دیکھ بھال کے لیے گھر پر رہے گی۔ اپنی بیوی کے لیے احسان مند کی اور شکر کے اظہار کے طور پر اسٹیون نے اس کے نام میں بک پر ایک پوسٹ لگائی جس کا کپشن سب ہی کو عجیب اور قدرے قابل اعتراض لگا لیکن اس کے الفاظ کچھ یوں تھے۔

”میرے دماغ میں کچھ دنوں سے ایک سوچ جاوی ہو رہی تھی کہ میں اپنی بیوی کا گھر بیٹوں کے رہنا انفرڈ نہیں کر سکتا۔“ یہ تمہیدی سطر اس کے جاننے والوں کے لیے اچھے کا باعث بنی کیونکہ اس جملے کو پڑھ کر دماغ میں پہلی سوچ یہی ابھرتی ہے کہ وہ نہیں چاہتا گوری مزید گھر پر رہے کیونکہ وہ اکیلے گھر کے اخراجات انفرڈ نہیں کر سکتا تھا لیکن معاملہ یہ نہ تھا آگے اس نے لکھا تھا۔

”میری بیوی گھر پر رہتی ہے ہمارے بچے کا پر کھ خیال رکھتی ہے اس کے ڈائریکٹ کر رہی ہے۔ اس کو فیڈ کر دیتی ہے اس کے ساتھ کھاتی ہے اسے سلاتی ہے جب وہ اپ سیٹ ہوتا ہے آرام پہنچانے کے متنب کرتی ہے۔ وہ ہمارے بچے کو اپنی محبت اپنا وقت اپنی طاقت اور اپنا آرام اس کی نذر کرتی ہے۔ وہ ہمیشہ اس کے قریب ہوتی ہے اسے سستی ہے بے شک یہ ایک فطری عمل ہے کہ والدین بن کر آپ اپنی اولاد کو پیار محبت دیتے ہیں لیکن ان تمام خدمات پر ایک خاطر خواہ رقم خرچ ہوتی ہے اگر آپ ان سارے کاموں کے لیے کسی اور کو ہائر کریں۔“

ذہنی ریسرچ کے مطابق اسٹیون نے ان تمام خدمات کی قیمت کا تخمینہ لگایا جو گھر میں اس کی بیوی سرانجام دیتی تھی۔

- 1۔ فل ٹائم مینی کی قومی اوسط ہفتہ واری تنخواہ 705 ڈالر یعنی 36,660 ڈالر سالانہ۔
- 2۔ گھر کی صفائی سترائی ہفتہ میں ایک بار 100-50 ڈالر اوسطاً یعنی 5200 ڈالر سالانہ۔
- 3۔ گھروں کی اور دیگر سودا سلف لانے کی ڈیوٹی چار گھنٹے ہفتہ واری کے حساب سے 65 ڈالر فی گھنٹہ یعنی 13,520 ڈالر سالانہ۔
- 4۔ شیف کے 240 ڈالر ہفتہ واری یعنی 12,480 ڈالر سالانہ۔
- 5۔ فنانس اسسٹنٹ یعنی بجٹ بنانا بلز ادا کرنا وغیرہ کے 15 ڈالر فی گھنٹہ برائے 5 گھنٹے ہفتہ واری یعنی 3900 ڈالر سالانہ۔
- 6۔ پروفیشنل کام کاج یعنی برنس ڈنر اور پارٹی وغیرہ کے لیے 75 ڈالر فی گھنٹہ 4 گھنٹے فی ڈنر سال میں تین بار یعنی 900 ڈالر سالانہ۔
- 7۔ لائڈری کے 25 ڈالر ہفتہ واری یعنی 1300 ڈالر سالانہ۔
- 8۔ سالانہ تنخواہ یعنی 73,960 ڈالر۔ یاد رہے کہ ان میں کوئی سبک کیوشل نہیں آف ٹائم کی سہولت شامل نہیں۔ اس کے علاوہ سالانہ ستر ہزار ڈالر سے زائد کمانے والا جو نسو (دیگر مشاغل) انجموت کرتا ہے وہ بھی شامل نہیں۔ میرٹ پلنر اور دیگر سہولیات بھی اس ڈیل میں شامل نہیں۔

”جو تو یہ ہے کہ میں شرمندہ ہوں ہر اس لمحے کے لیے جب کبھی میں نے اس کا دل دکھایا مذاق اڑایا طنز و تضحیک کا نشانہ بنایا۔ میں شرمندہ ہوں ہر اس لمحے کے لیے جب اس نے مجھ کو کیا ہو کہ اس کا ہماری کمائی پر اتنا حق نہیں جتنا میرا ہے۔ گھر بیٹوں کے طور پر اس کی تنخواہ جو بنتی ہے وہ میری تنخواہ سے دگنی ہے بہت عجیب و غریب ہی تھی لیکن یہ میرا اعزاز ہے اس اعتراف کے لیے کہ میں اپنی بیوی کو بحیثیت ایک ماں کے کتنی اہمیت دیتا ہوں۔ وہ ماں جس کی میں نے کبھی ان کاموں میں مدد نہیں کی، تم میرے لیے جواہرات سے بڑھ کر قیمتی ہو میں تمہیں انفرڈ نہیں کر سکتا۔“ یہاں پوسٹ ختم تھی۔ کمنٹ باکس میں میرے بیٹے نے اپنی بیوی کو کڑخانہ تحسین پیش کیا تھا۔

”میں تمہاری تمام تر خدمات اور قربانیوں کے لیے ہمیشہ تمہارا مشکور و احسان مند رہوں گا کہ تم نے میری اولاد کی



عشق ہمیں اس کیسے میرا روئے

بعد مرنے کے مرے تم جو کہانی لکھنا
کیسے برباد ہوئی میری جوانی لکھنا
یہ بھی لکھنا کہ میرے ہونٹ ہنسی کو ترسے
عمر بھر کیسے بہا آنکھ سے پانی لکھنا

تمام ہنر سایہ دار بیڑوں نے
تیرے بغیر دشتوں میں اپنے پیر بن کوتار تار
کریا ہے
اب کئی زرد ہے
کوئہ کو تیری تلاش میں بھٹک رہے ہیں
اداسیاں..... اداسیاں
میرے درپچوں میں گلابی دھوپ روز جمنا جاتی ہے
مگر اب اس کی آنکھوں میں
وہ جگمگا نہیں نہیں
جو تیرے وقت میں زمین کے صبح ماتھے پر
سورج کی کہکشاں سجائے آتی تھیں
زمین بھی میری طرح ہے
تیرے بغیر اس کی کوکھ سے بھی اب
کوئی گلاب آگ نہ پائے گا
زمین بانجھ ہو گئی ہے
اور میری روح کی بہاراں فرس کوکھ بھی
میری سوچ کے تصدف میں
”لیجئے جناب آپ کے لیے گرامر مائے حاضر

بہترین پرورش کی۔ میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا کہ تم
میرے لیے کتنی اہم ہو
I Love You My Wife
I Love You for being
my waife, I Love you

میں عجیب سے احساسات میں گھری کر سی سے انہی اور
کھڑکی کے پردے ہٹائے۔ سامنے والے کمرے میں
میری ہی طرح کے ریٹائرڈ لائف گزارنے والے بڑھا بڑھیا
کریوں پر بیٹھے خوش گپوں میں مصروف تھے۔ انہیں یوں بیٹھا
دیکھ کر میرے اندر تنہائی سرا بھارنے لگی تو میں نے واپس پردہ
مبار کر دیا۔

عید اور عید دو سال قبل ہی دہی شفٹ ہوئے تھے اس کے
دو دن بچے پاکستان میں ہی پیدا ہوئے اور پلے بڑھے تھے۔
سیرا کی خواہش تھی کہ وہ بھی جاب کرے لیکن عید کے نزدیک
بچوں کی ابتدائی پرورش زیادہ اہم تھی۔ اس لیے پاکستان میں
سیرا ہاؤس وائف بن رہی تھیں انہیں کے اسکول کوٹنگ ہو جانے کے
بعد اس نے جاب شروع کی تھی سیرا کے اس پوسٹ کو شیئر
کرنے کی وجہ سمجھا گئی تھی۔

میں نے ہمیشہ خود کو وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل کیا ہے
دور اور قریبی نسل کے تقاضوں اور معیار کو فرغ دہلی سے سمجھا اور
قبول کیا۔ مجھے ہرگز برا نہیں لگا کہ میری لگا بہو نے میرے بیٹے
کو اپنی خدمات جتائیں میرے دماغ میں تو میرے ماضی کی
فلم چل رہی تھی۔ میری شادی گھر میں مکمل طور پر محتاج
ساس میں اکلوتی بہو کام کاج کا اہل زندوں کی شادیوں کی
ذمہ داریاں اپنے بچے پالتا پھر ساس کی فونکئی مہمان داری
کیے بعد دیکھ رہے بچوں کی پیدائش راتیں جاگنا بے آرائی
بیاریاں اسکولنگ پڑھائی، سہولیات اور وسائل کی کمی اشرف
کی بے پناہ مصروفیات..... اس سے بھی زیادہ بلی لسٹ تھی جو
میں بنا سکتی تھی۔

لیکن ہم مغرب کی عورتیں نہیں ہیں وہاں فیملی سسٹم قائم ہوتا
جا رہا ہے ایسے میں اگر کوئی بیوی یہ سب کرتی ہے تو شوہر کا اتنا
احسان مند ہوتا بھی کم ہے لیکن یہ مشرق ہے ہم نے جہد مسلسل
سے پھر پورے زندگی گزار لی نہ کسی رونا دہی نہ خجائنا شہسری کی۔ یہ
آج کل کی مائیں ہیں جو زندگی مغربی طرز پر گزارنا چاہتی ہیں
لیکن حقوق اسلامی طرز کے دکار ہوتے ہیں۔ ان سے جب

ہائے یہ فیس بک مائیں
نہ پوری مغربی نہ پوری مشرقی



ہے۔“ غانیہ نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھا اور خود بھی شاہ میر کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ شاہ میر اسے دیکھ کر مسکرایا۔

”کیا بات ہے بڑی ذمہ دار ہو گئی ہو۔“ انداز چھیننے والا تھا وہ مسکرا دی۔

”ہوں دیکھ لیجئے کتنا خیال ہے مجھے آپ کا۔“ وہ جتاتے ہوئے بھرپور لہجے میں بولی تو شاہ میر نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

”آپ کا آفس کیسا جارہا ہے؟“ اپنی طرف دیکھتی شاہ میر کی بولتی نگاہوں سے وہ جھینپ کر اس نے بات کو دوسرا رخ دیا۔

”اچھا ہی جارہا ہے بار۔“ شاہ میر کا لہجہ تھکا تھکا سا تھا غانیہ بغور اسے دیکھنے لگی جواب چائے کے دھیرے دھیرے سپ لے رہا تھا۔

”آج میں کیسا لگ رہا ہوں؟“ اس نے شوقی سے پوچھا ایک غیر متوقع سوال پر غانیہ نے اس کا جائزہ لیا تھا فان لڑکی کی شرت پر ڈارک بلو پینٹ پہنے وہ بے حد چارمنگ لگ رہا تھا لیکن وہ چڑانے کے انداز میں بولی۔

”موصوف کو کچھ زیادہ تعریف کروانے کی عادت نہیں ہوتی جارہی۔“

”نہیں ایسی بات نہیں ہے۔“ اس نے فوراً جھٹلایا۔
”پھر کیسی بات ہے؟“ اس نے دلچسپی سے پوچھا اور شاہ میر نے دونوں ہاتھ سر کی پشت پر لے جا کر صوفے سے ٹیک لگائی اور اب اسے اپنی گہری نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھے جو عین اٹھا کر کاپی پر آڑی ترچھی لکیریں بنارہی تھی۔

”پتا ہے آج میں کیا چاہتا ہوں؟“ اس نے غانیہ سے پوچھا۔

”ہاں بتائیں۔“ وہ ہمد تن گوش آنکھیں پھیلانے اسے ہی دیکھ رہی تھی تب وہ بولا۔

”آج میں چاہتا ہوں صرف میری اور تمہاری باتیں ہوں کیا سمجھیں صرف میری اور تمہاری۔“ وہ معنی خیز

سے بھرپور گھیر لہجے میں بولا۔

”لیکن تم ہر بار بیچ میں ٹانگ اڑا کر بات کا رد دوسری طرف موڑ دیتی ہو۔“ اس وقت وہ کوئی چھوڑ معصوم بچہ لگ رہا تھا جس کی ضد نہ پوری ہونے پر غصے کے آثار اس کے چہرے پر جھلکنے لگتے ہیں جو سامنے والے کو پس پشت ڈال دیتے ہیں لیکن وہ بچی نہ تھی گھور کر اسے دیکھنے لگی۔

”تم کبھی نہیں سدھر سکتے۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑ پین اسے دے مارا جیسے شاہ میر نے بآسانی بیچ کر لیا۔
”تم سے تو شادی کے بعد نمٹوں گا دیکھتا ہوں کیسے پہلو جی کرتی ہو۔“ وہ ہنسی کرتے ہوئے مسکرایا غانیہ منہ چڑاتی لاؤنچ سے باہر نکل گئی۔

”سر آپ کی پرسنل پی اے کی سیٹ خالی تھی ایک لڑکی آئی ہے انٹرویو دینے۔“ پیون نے اطلاع دی۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا ابھی ابھی نگاہیں بے حد لہو رنگ چمکائی آنکھیں پیون کو اپنی طرف مسلسل دیکھتا پا کر وہ واپس حال میں لوٹ آیا اور سر جھٹک کر بولا۔

”کیا کہہ رہے تھے تم؟“
”وہ سر جی پی اے کی سیٹ خالی تھی ایک لڑکی انٹرویو دینے آئی ہے اگر آپ اجازت دیں تو بھیج دوں۔“ اس نے بتایا تو شاہ میر نے گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا۔

”خاور صاحب کے روم میں بھیج دو وہ انٹرویو لے لیں گے اگر سلیکٹ ہو جائے تو مجھے کال کر دینا میں اب گھر جاؤں گا۔“ وہ کہتے ہی اٹھ کھڑا ہوا پیون اثبات میں سر ہلاتا باہر نکل گیا۔

”السلام علیکم ماموں جان۔“
”ارے علیکم السلام!“ شاہ میر کو دیکھتے ہی وہ کل اٹھے۔

”کام کیسا رہا؟“ انہوں نے پوچھا۔
”فنا سنک۔“ وہ بے حد خوش تھا۔

”اچھا ہوا تم آگئے ورنہ میں سارے انتظامات اکیلے کیسے سنبھالتا۔“

”کوئی بات نہیں ماموں جان اب آپ کا بیٹا آگیا ہے نہ وہ ساری ذمہ داری پوری کرے گا۔“ شاہ میر کے اتکا کہنے پر وہ ہلکے ہلکے ہو گئے تھے سارے گھر میں شادی کی وجہ سے افراتفری مچی ہوئی تھی افضل صاحب کی دونوں بڑی بیٹیوں کی شادی تھی۔ شاہ میر آفس کے کام سے کچھ دنوں سے لاہور گیا ہوا تھا کام از حد ضروری تھا کہ وہ چاہ کر بھی جلدی نہیں آسکا سات آٹھ دن میں کام ختم ہوا اور اس نے واپسی کی راہ لی۔

افضل صاحب اور جیلہ دو ہی بہن بھائی تھے عرصہ دراز سے ان کی بہن بیٹیاں اوپر والے پورشن میں مقیم تھیں۔ دو سال قبل افضل صاحب کے بے حد اچھے دوست جو بہنوئی بھی تھے کا انتقال ہو گیا تھا۔ افضل اور پورین کی تین بیٹیاں تھیں صاحبہ مادیہ اور غانیہ بہن جیلہ اور اکرم کے بچے شاہ میر اور زاریہ تھے۔ زاریہ اور غانیہ ہم عمر ہونے کے ساتھ اچھی دوست بھی تھیں۔

”مادیہ جان نظر نہیں آ رہی؟“ لاؤنچ میں ادھر ادھر نظر دوڑاتے اس نے ماموں جان سے پوچھا۔
”وہ غانیہ اور زاریہ کو کپڑے دلانے لگی ہیں تمہیں تو پتا ہے جب تک دونوں ایک جیسی تیاری نہ کر لیں چین کہاں آتا ہے انہیں۔“ وہ ہنستے ہوئے بتا رہے تھے شاہ میر بھی مسکرا دیا۔

”وہ لہجہ کی تقریب بے حد شاندار طریقے سے منعقد کی گئی تھی دلہن کے روپ میں صاحبہ اور مادیہ دونوں بے حد پیاری لگ رہی تھیں تو سعود اور عبدالجبار بھی شہزادوں سے کم نہیں لگ رہے تھے وہ دونوں سنگے بھائی تھے شاہ صاحب ان کے والد افضل صاحب کے دور پرے کے رشتہ دار تھے۔

شادی کی ساری تقریبات بے حد سہل طریقے سے اہم پامانی تھیں۔ سارے انتظامات اور ذمہ داریاں شاہ میر نے بہت احسن طریقے سے اپنے کاندھوں پر اٹھالی

تھیں۔ ایک بھائی اور بیٹا ہونے کا پورا فرض نبھایا تھا افضل صاحب نے اسے بہت ساری دعاؤں سے نوازا تھا۔ بیٹا نہ ہونے کی صورت میں انہوں نے کبھی اللہ تعالیٰ سے شکوہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو شکر ادا کیا کرتے تھے کیونکہ شاہ میر ایک بیٹے کے سارے فرائض پورے کر رہا تھا۔

”آج کھانے میں کیا کیا ہے؟“ وہ ابھی آفس سے گھر لوٹا تھا شدت سے بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ کھانوں کی اشتہاء انگیز خوشبو منتھنوں سے ٹکراتی ہے حد بھلی لگ رہی تھی اس وقت وہ دونوں نند بھادج کھانا پکانے میں جتی ہوئی تھیں پھلے ہی جیلہ بیگم اوپر والے پورشن میں رہتی تھی لیکن کھانا وہ سب ساتھ ہی کھاتے تھے۔
”بس بیٹا بریانی دم پر ہے تم بیٹھو۔“ جیلہ بیگم نے مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

”اچھا ٹھیک ہے میں جب تک فریش ہو کر آتا ہوں۔“ وہ کہہ کر اسنے روم کی طرف بڑھ گیا زاریہ صاحبہ اور مادیہ باجی کے گھر گئی ہوئی تھی اور غانیہ کالج۔
”آہ..... قسم سے تھک کے چور ہو گئی ہوں میں۔“ وہ تھکن زدہ حالت میں آتے ہی صوفے پر ڈھسے گئی اور بنا یونیفارم چینج کے وہ آدھے گھٹنے سے ایسے ہی لیٹی تھی۔ پورین بیگم ابھی اندر آئی تو غانیہ نے انہیں دیکھتے ہی آنکھیں دوبارہ بند کر لیں وہ مسکرا دیں۔

”بیٹا شاہ میر کو کھانا دے آؤ۔“ پورین نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ غانیہ کا آنکھیں بند کیے ہی منہ بن گیا تھا۔
”بھئی امی۔“ وہ منع کرتی اس سے پہلے ہی وہ دوبارہ گویا ہوئیں۔

”جاؤ غانیہ..... شاباش اٹھو تم بھی کھا لو اور شاہ میر کو بھی دے آؤ اسے بہت بھوک لگ رہی تھی۔“
”جاری ہوں۔“ ان کے بے حد اصرار پر اسے اٹھتے ہی بی بی سوچ چپ چاپ فریش ہو کر کھانا گرم کر کے وہ شاہ

میں پہلی آئی اس کی عادت نہیں تھی کسی نہ کسی لڑکے کا دروازہ ناک کر کے اندر جانے کی اکثر اپنی اس عادت پر وہ پروین بیگم سے ڈانٹ کھا چکی تھی لیکن وہ بھی غانیہ بھی مان جائے تو بہت بڑی بات تھی۔ لڑکے میں قدم رکھتے ہی اس نے گہرا سانس لیا کیونکہ شاہ میر صاحب کھانے کا آرڈر کر کے خود نیند کے مزے لوٹ رہے تھے، بمشکل اس نے اپنا اٹمانے والا غصہ کم کیا اور دماغ میں ایک نئی شرارت سوچی تو لب خود خود مسکرا دیئے فرخ سے بچھٹے شاہ میر پر الٹ دی اس اقدام پر وہ ایک دم ہڑبڑا کر اٹھتا ہوا چلا۔

”یہ کیا حرکت ہے..... کیا تم باگل ہو؟“ جواب میں وہ لکھلکا کر ہنس دی۔ سرخ سرخ آنکھیں لیے وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔ آنکھوں میں مچھلی نیند کے باعث گلابی ڈورے پڑ گئے تھے پانی گرنے کی وجہ سے بال ماتھے سے چپک گئے اور اب ان سے قطرہ قطرہ بوندیں گر رہی تھیں۔

”کھانا لائی تھی آپ کے لیے۔“ وہ بڑی تابعداری سے بولی شاہ میر نے کچھ کہے بغیر اس کا اوپر سے نیچے تک کا جائزہ لیا۔ یلو شلوار پر وائٹ شیفون کی لانگ شرٹ پہنے بے پروائی سے یلو کلر کا دوپٹہ کاندھوں پر ڈالے وہ آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی وہ پوری توجہ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا غانیہ چھٹی اور جھٹھلا کر چلائی۔

”کیا ہو گیا ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟“ ”میں ماموں سے بات کرنے والا ہوں۔“ شرارت اس کی آنکھوں سے عیاں تھی وہ ناجی سے دیکھنے لگی۔ ”کس سلسلے میں؟“

”ہم دونوں کی شادی کے سلسلے میں۔“ ”کیا..... نہیں آپ ایسا نہیں کریں گے۔“ وہ رو دینے کو ہوئی تو شاہ میر مسکرا دیا۔

”تمہارے انکار کی کوئی ٹھوس وجہ بھی تو ہو۔“ اس نے تھوڑا سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔ اسے جواب میں کچھ نہ

سوچا تو کھانے کی جانب اشارہ کرنے لگی۔ ”کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔“ غانیہ کے کہنے پر اس نے ٹرے بند پر ہی رکھ لی اور پھر اسی ٹاپک پر آ گیا جس سے وہ بچنے کے لیے فرار کی راہیں ڈھونڈ رہی تھی۔ ”مجھ میں کچھ برائی ہے کیا میں کما تا نہیں ہوں یا نڈھ کرتا ہوں یا یہ کہ میری شکل بد صورت ہے..... ہاں بتاؤ؟“ وہ ناراض لہجے میں بولا تو غانیہ کا غصہ عود کر آیا۔ ”خدا نخواستہ میں نے ایسا کب کہا؟“

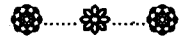
”ادھر دیکھو میری طرف۔“ وہ سر جھکائے بات کر رہی تھی اس کے کہنے پر جو سر اٹھا تو نظریں جھکنے کو تیار نہیں تھیں اس وقت وہ اپنے آپ کو بالکل بے بس محسوس کر رہی تھی۔

وہ بے حد وجہ یہ شخصیت کا حال تھا وہ چاہے جالے کے قابل، بچپن سے آج تک دہشتی آئی تھی آج جودلی کی نظر سے دیکھا تو نگاہیں بھی چیخ کر اس کی محبت کا اعتراف کر رہی تھیں۔ چاہے جانے کا احساس بھی کتنا خوب صورت ہوتا ہے یہ آج اسے معلوم ہوا تھا۔ بڑی بڑی سیاہ روشن آنکھیں چوڑی پیشانی پر بکھرے بال اور ہلکی بڑی ہوئی شیو گندی رنگت اور کھڑی ناک وہ بے حد غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا غانیہ کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔

”کیا ہوا غانیہ..... بتاؤ ناں کیا میری بات بری لگی ہے تمہیں؟“ غانیہ کی اس درجہ خاموشی پر وہ قدرے سنجیدہ ہوا جب وہ کچھ نہ دھتھے پن سے بولی۔ ”مجھے نہیں پتا جیسے آپ کی مرضی۔“ وہ نوالہ لیتی اٹھ کھڑی ہوئی وہ بھی کھانا کھا چکا تھا سو اس کے ساتھ ہی خود بھی کھڑا ہو گیا۔

پتا نہیں کیا کرو یا تھا اس شخص نے وہ بے بس ہو کر وہ گئی تھی اتنے دن سے وہ مسلسل انکار کر رہی تھی اب اس پوزیشن میں بھی نہیں رہتی تھی کہ انکار کرے کیونکہ کوئی جواز جو نہیں تھا۔ کوئی احتجاج نہیں کر سکتی تھی اور اس کی آنکھوں میں روشن ستاروں سے وہ ہار گئی تھی۔

”تھینک یو۔“ وہ کھل کر مسکرایا وہ جانے لگی تو اس نے پکارا۔ ”غانیہ.....“ وہ پلٹ کر دیکھنے لگی شاہ میر سینے پر ہاتھ باندھے مسکراتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ دو قدم آگے بڑھتا ہی وہ چھپاک سے کمرے سے باہر نکل گئی البتہ پیچھے شاہ میر کا بلند دبانگ قہقہہ واضح سنائی دیا تھا۔



”سر..... میٹنگ روم میں سب ہی آپ کے منتظر ہیں مجھے خاور صاحب نے بھیجا ہے۔“ در کر کے بتانے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا وہ اوکے کہتا آفس روم سے باہر نکل گیا۔

”سر..... یہ عازرہ علی ہیں جن کا پچھلے ہفتے سلیکشن ہوا تھا۔“ خاور صاحب کے بتانے پر بلا ارادہ ہی اس کی نگاہ اٹھی پھر فوراً ہی دوبارہ جھکا لی تھیں البتہ عازرہ نے انور اسے دیکھا تھا بے حد سرخ سرخ آنکھیں، کھڑی ناک اور پیشانی پر بڑی سلوٹیں کسی کو بھی اس سے بے تکلف نہیں ہونے دیتی تھیں بلاشبہ وہ بے حد خوب صورت تھا وہ مرعوب ہوئی اور اپنی پوری زندگی میں اس نے آج تک اتنا دھیہ مرد نہیں دیکھا تھا جتنا باس کی سیٹ پر بیٹھا شاہ میر لگ رہا تھا۔

آفس سے نکلے اسے کافی دیر ہو چکی تھی بے مقصد گاڑی سڑکوں پر گھماتے ہوئے آخر تک کر اس نے ایک جگہ روکی یہ وہی شاہنگ سینئر تھا جہاں وہ اکثر غانیہ کے ساتھ آیا کرتا تھا آج کتنے دنوں بعد وہ اس مال میں آیا تھا۔ غانیہ کی ڈیوٹھ کے بعد اس نے ہر اس جگہ جانا چھوڑ دیا تھا جہاں اس روٹھے قسم کی یاد اس کی اپنی ذات بھی بھلا دیا کرتی تھی۔

شام چار بجے کا وقت تھا ہلکی پہلی دھوپ نے سب جگہ اپنا چہرہ ڈال رکھا تھا اوائیل ڈیمبر کے دنوں میں یہ گرم گرم سنہری دھوپ بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت کر دہ نعمت تھی ایک الگ ہی مزہ دیتی وہ کارلاک کر کے شاہنگ

مال کے اندر چلا آیا تھا مختلف ڈیزائن کے ملبوسات پیچھر میں لٹکے بہت اچھے لگ رہے تھے بے اختیار ہی وہ ایک میروں کلر کی لانگ شرٹ جو پیچھر میں لٹکی ہوئی تھی گلے اور دامن پر ٹیس سی کڑھائی ہوئی تھی بے حد خوب صورت لگ رہی تھی وہ اٹھا کر بے خود سا دیکھنے لگا سامعوں میں پھر کسی کی آواز گونجی تھی۔

”شاہ میر یہ دیکھیں میں زاریہ کی شادی پر یہ ڈریس پہنوں گی، کیسا ہے؟“ وہ میروں شرٹ اپنے ساتھ لگائے اس سے مخاطب تھی اس کی دیتی رنگت پر یہ کلر مکمل بھی بہت رہا تھا۔ شاہ میر شوخ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئی تھیں اسے لگا اگر وہ یہاں ایک منٹ بھی اور رکا تو اس کی دماغ کی کوئی رگ پھٹ جائے گی۔ شاہ میر کی آنکھیں جلنے لگی تھیں وہ لمحہ بھی ضائع کیے بغیر تقریباً بھاگتے ہوا شاہنگ مال سے نکل آیا اور اگلے دس منٹ میں وہ گھر پہنچ گیا تھا۔ جیلے بیگم لاؤنج میں ہی براجمان تھیں وہ ان ہی کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا اور شاہ میر کا اداس چہرہ ان کا دل چیر گیا تھا۔

”امی..... ماموں نظر نہیں آ رہے کہیں گئے ہیں کیا؟“ شاہ میر نے متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا۔ ”افضل بھائی تو ابھی باہر گئے ہیں اور بھابی سو رہی ہیں۔“

”اچھا ٹھیک ہے۔“ ان کی پوری بات سن کر اس نے سر ہلایا وہ جانے لگا تب وہ کچھ ہلچلا کر کہنے لگیں۔ ”بیٹا تم شادی کر لو۔“ شاہ میر کے اعصاب مثل ہوئے تھے آنکھیں ابھرنے لگی تھیں۔ ”نہیں..... غانیہ کے بعد کوئی نہیں۔“

”لیکن بیٹا..... ایسا کب تک.....“ وہ پوری بات بھی نہیں کر پائی تھیں جب اس نے ان کی بات درمیان سے ہی کاٹ دی تھی۔ ”میں نے کہا نہیں تو نہیں۔“ بے حد غصوں لہجے میں

کہتے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا جبکہ جیلہ بیگم کی آنکھوں سے کئی آنسو چھلک پڑے تھے۔
پہلے جان سے پیاری بیٹی کی موت اور اب اکلوتے پیارے بیٹے کا بکھرا اور ٹوٹا پھونسا وجود انہیں مزید دکھ سے دوچار کر گیا تھا۔



”کیا کر رہی ہو تم دونوں؟“ شاہ میر پانی پینے پکن میں آیا تو ان دونوں کو وہاں کھڑے دیکھ کر پوچھنے لگا۔ وہ دونوں اس وقت پکن میں کھڑی رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں زاریہ شامی کہاب کا مصالحہ لیے اب اس میں مختلف اشیاء ملا رہی تھی البتہ غانیہ ایسے کھڑی تھی جیسے وہاں موجود ہی نہ ہو۔ شاہ میر کے پوچھنے پر زاریہ نے گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا اور بولی تو لہجے میں خود بخود بے چارگی دہائی تھی۔

”کچھ نہیں بھائی، بس امی نے کہا ہے کہ اب ہم دونوں کو بھی پکن شریف کو اپنے چہرے مبارک کے درشن کرواتے رہنا چاہیں ورنہ اچھا نہیں ہوگا اور پھر ہماری خوب سرف ایکسل سے دھلائی بھی ہو سکتی ہے۔“ اس کے چہرے پر بے چارگی کے تاثرات اب بھی پہلے کی طرح جوں کے توں تھے شاہ میر نے بڑی مشکل سے مسکراہٹ دہائی۔

”اچھا امی نے ایسا کہا؟ بتاؤ غانیہ.....“ اب کے اس نے غانیہ کو مخاطب کیا جو رخ موڑے کنگ بورڈ پر دھڑا دھڑ سلا د کے لیے کچھ بے کاٹ رہی تھی شاہ میر کے پوچھنے پر پلٹ کر اسے تنگی سے گھورنے لگی شاہ میر کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا تھا۔ غانیہ نے واپس چہرہ موڑا اور اس کی ہنسی کو بھی بریک لگے۔

”تو اچھا ہی ہے ناں پرینکیل لائف میں کبھی پراہلم نہیں ہوگی۔“ انداز اوجھا بھی بھی شرارتی تھا۔

”اچھا میں ابھی آئی ہوں۔“ زاریہ کو شاید کوئی کام یاد آیا تو وہ پکن سے باہر چلی گئی۔

”غانیہ.....“ شاہ میر نے پکارا جب وہ موڑ میں ہوتا تو

وہ اسے اس ہی تک نیم سے بلاتا تھا۔

”ہوں۔“ وہ اب بھی اپنے کام میں مصروف تھی۔

”یار خصہ سے کہو ناں باہر چلی جائے اب میں اس کے سامنے تو.....“ شاہ میر نے اس کے کان میں سرگوشی کی غانیہ کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں، سارا خون چہرے پر سٹ آیا پوری کندھاری اتار لگ رہی تھی اس وقت اگر شاہ میر اسے دیکھ لیتا تو شاید ہی نگاہیں ہٹا پاتا۔
حفصہ (ملازمہ) برتن دھونے کے بعد اب پکن کی صفائی کر کے خود ہی باہر چلی گئی شاہ میر نے سکھ کا سانس لیا۔

”آپ.....“ وہ ایک دم ہلٹی۔

”ہاں بولو“ وہ ہمہ تن گوش تھا صاف اسے تنگ کرنے والا انداز اپناتے ہوئے۔

”آپ..... آپ باہر جائیں پلیز۔“ سرخ چہرے لیے

وہ نگاہیں جھکائے بولی سرخ چہرے پر حیا م بار پلکیں اور ان پلکوں پر عارضوں کا کھٹنا شاہ میر کی دل کی دنیا کو تہہ بالا کر گیا تھا اس کا انداز بادل بار بار سا تھا شاہ میر نے بڑی دلچسپی سے دیکھتے ہوئے اس کے موتی روپ کو اپنی آنکھوں میں سمویا تھا۔ ان دنوں زاریہ کے رشتے کی بات چل رہی تھی عرفان شیرازی انہیں ہر طرح سے پرفیکٹ لگا، ویل ایجوکیٹڈ اور ڈشنگ پرسن لٹی رکھنے والا عرفان سب کو بے حد پسند آتا تھا۔ اس کے فیملی ممبر تقریباً سارے ہی بڑے لکھے اور سچے ہوئے لوگ تھے زاریہ اور عرفان کی تنگنی والے دن غانیہ اور شاہ میر کی بھی تنگنی کی رسم تھی سارے مہمان پہلے ہی گھر میں پہنچ چکے تھے۔ جس وقت اسے آج پر لا کر بٹھایا گیا پہلے سے ہی اسے براجمان شاہ میر نے اپنی مسکراہٹ دہائی تھی وہ تو

سگوا کیا کندھاری اتار بنی ہوئی تھی۔ سرخ اور وائٹ کنٹینٹن ڈریس میں ملبوس نفاست سے کیے میک اپ

اور جیوٹری نے تو کمال ہی کر دیا تھا وہ تو کوئی آسمان سے حور لگ رہی تھی تو دوسری طرف کاشن کے کلف زدہ سوٹ

میں ملبوس شاہ میر کی پرسنالٹی بھی غضب ڈھار ہی تھی ہال

میں بیٹھی کتنی خواتین نے غانیہ کے نصیب پر رشک کرتے ہوئے بے شمار آہیں بھری تھیں۔ زاریہ بہت پیاری لگ رہی تھی اس کا لباس بھی غانیہ کی طرح ہی تھا شادی کی ڈیٹ مکس ہو چکی تھی جو کہ ایک سال کے بعد کی رکھی گئی تھی ابھی وہ دونوں کامرس فائل ایئر کی اسٹوڈنٹ تھیں ایم کام پلٹتے ہوئے میں ابھی وقت تھا۔

مگنی کے بعد پہلے پھل تو وہ شاہ میر سے بات ہی نہیں کرتی تھی یہاں تک کہ اس کے آنے سے پہلے ہی اپنے کمرے میں چھپ جایا کرتی یہ ناراضگی نہیں بلکہ اسے شرم آتی تھی۔ اب جب سب نے سمجھا یا تو وہ شاہ میر کے ساتھ بھی کبھی آؤنگک پر بھی چلی جایا کرتی تھی پھر وہ آہستہ آہستہ پہلے والی غانیہ بن گئی شاہ میر سے مذاق کرنے والی زاریہ کو چھیڑنے والی بے وجہ تنگ کرنے والی جس سے زاریہ ہمیشہ جڑتی تھی۔



کبھی بھی یوں چلتے چلتے بے نشان منزل کی طرف

باؤں میں چھالے پڑ جاتے ہیں آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں

منظر اوجھل ہو جاتے ہیں بہت سے اپنے کھو جاتے ہیں

منزل پر بھی نہیں ملتی آنکھ میں پلتے سارے خواب

راکھ کی صورت ہو جاتے ہیں تعبیر پھر بھی نہیں ملتی

روح تک زخمی ہو جاتی ہے کبھی بھی یوں چلتے چلتے

بے نشان منزل کی طرف آفس روم میں غانیہ کی تصویر ہاتھ میں پکڑے اس کی

آنکھیں نم تھیں یہ تصویر تنگنی والے روز اس نے زبردستی اپنے موبائل میں کی تھی ورنہ غانیہ تو کسی صورت تصویر کے حق میں نہیں تھی ابھی وہ اور بھی روتا اس کے آفس روم

کے دروازے پر کھڑا کوئی اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔

”میں آئی کم ان سر؟“ دروازے پر عازرہ کھڑی تھی اس نے ایک نظر دیکھ کر سرشات میں ہلا کر اسے اندر آنے کی اجازت دی۔

”سر ان فائلوں پر آپ کے دستخط چاہیں۔“ اس نے شاہ میر سے کہا اور فائل اس کے سامنے رکھ دی۔

”کہاں کرنے ہیں؟“ شاہ میر فائل کھول کر سرسری سا پڑھنے لگا۔

”یہاں سر۔“ اس نے قدرے جھک کر فائل پر ایک طرف انگلی رکھی شاہ میر نے دستخط کر کے فائل واپس کر دی۔

”سر وہ.....“ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن رک گئی شاہ میر نے بخور سے دیکھا۔

”جی کیسے اپنی پراہلم؟“ اسے ہچکچاتے دیکھ کر شاہ میر نے پوچھا۔

”نہیں سر..... کچھ نہیں۔“ وہ واپس پلٹ گئی۔

”عازرہ کو.....“ بتائیں کیا بات ہے آپ پریشان لگ رہی ہیں؟“ وہ جانے لگی جب اس نے پکارا تو وہ لب

سے ایسے ہی کھڑی رہی۔ بہت کم بولتے پایا تھا شاہ میر نے اس لڑکی کو جانے کیسا دکھ تھا جو اسے زمانے سے

کترائے رکھتا تھا بڑی بڑی ساحر آنکھیں جو ہمیشہ جھکی رہتی تھیں جیسے اگر ایک پل کو بھی اٹھ گئیں تو سامنے والے

سے ان آنکھوں کا جمید چھپا نہیں رہے گا۔ وہ آفس میں بھی چادر ہی میں خود کو مقید رکھتی تھی وہ اپنے کام سے کام

رکھنے والی لڑکی تھی کبھی بکھار شاہ میر اسے دیکھ کر چونک جاتا تھا کیونکہ وہ زیادہ تر غانیہ کی عادات و اطوار سے

مشابہت رکھتی تھی وہ ابھی تک ایسے ہی خاموش کھڑی تھی شاہ میر انتظار میں تھا کہ اب وہ کچھ بولے شاید اس کے

پاس الفاظ نہیں تھے۔ ”کچھ چاہیے؟“ جب وہ کافی دیر تک کچھ نہیں بولی تو

شاہ میر نے جھجھکا کر پوچھا جواب میں اس نے اپنی

ماہر نکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور زور و شور سے اثبات میں سر ہلایا۔

”کیا؟“ شاہ میر نے آنکھیں پھیل کر پوچھا۔

”وہ سر..... ک..... کچھ..... اے..... اے..... اے..... اے..... اتنا کہنے میں ہی اس کی سانس پھولنے لگی تھی نہ چاہتے ہوئے بھی شاہ میر کے لبوں پر مسکراہٹ گھل گئی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے آج کتنے دلوں بعد وہ یوں مسکرایا تھا اسے خود بھی حیرت ہوئی تھی غائبہ کے جانے کے بعد اس نے مسکراہٹ سے جیسے اپنا باطن ہی تو ڈھلایا تھا۔

”ایڈوائس سیکری چاہیے؟“ شاہ میر کے پوچھنے پر ایک مرتبہ پھر پہلے کی طرح اثبات میں سر ہلایا۔

”اماں ابانے پسند کی شادی کی تھی اس لیے سہیال سے تعلق نہ رہا تھا اور دھپال میں ایک پھوپھو ہیں لیکن وہ ہمیں اپنے گھر رکھنے کو تیار نہیں اس لیے پچھلے پانچ مہینے سے ایک دارالامان میں رہ رہے ہیں اور یہ ایڈوائس بھی میں نے اپنے بھائیوں کی فیس کے لیے آپ سے لیا ہے۔“ اب وہ کافی حد تک سنبھل گئی تھی شاہ میر کی ہمت میں کسی آواز کی بازگشت ہونے لگی تھی۔

”آپ کو بھی کوئی پیاری لڑکی مل جائے گی شاہ میر اگر کوئی مجبور اور بے بس انسان ملے تو اسے بھی اکیلا نہیں چھوڑنا۔ کسی کے چلے جانے سے زندگی ختم نہیں ہوتی“ فریادیں ہمارے دروازے پر دستک دینے ضرور آتی ہیں بس ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولنے کی دیر ہوتی ہے۔“ اس نے آنکھیں سختی سے سچھ لیں غائبہ کے علاوہ کسی اور کا انصاف کرنا ہی سوہان بروہا تھا۔

”تم کیسے کہتی تھیں محبت میں بغاوت چلتی ہے عشق میں نہیں“ میرا دل آ کر دیکھو جو تمہارے عشق میں روز روتا ہے میں عشق میں بھی بغاوت کر لیتا اگر جو موت تمہیں دارا مہلت دیتی غائبہ..... وہ دل ہی دل میں غائبہ سے مخاطب تھا اس دن کے بعد سے اس نے عازنہ کی ہر طرح سے مدد کی اسے دارالامان سے نکال کر شہر کے

قریب ہاسٹل میں ان کا بندوبست کروایا اس کے بھائی اور اس کے لیے پک اینڈ ڈراپ کا مسئلہ بھی حل کیا ایک کل وقتی ڈرائیور روز انہیں لانا اور لے جاتا تھا۔



اس شام عرفان اور شاہ میر لان میں بیٹھے تھے جب مین ڈور سے غائبہ اور زاریہ کی انٹری ہوئی زاریہ کو دیکھ کر عرفان کے چہرے پر سوالیہ کالپ روشن ہوا تھا تو زاریہ کے چہرے پر بھی شرمیلی مسکان درآئی تھی جبکہ غائبہ اپنے فون پر مصروف بھی شاہ میر کو دیکھنے پر اس نے بھی اسے اسماں پاس کی تھی۔ ان دونوں ان کے بی کام فائل ایئر کے ایگزائم چل رہے تھے۔ دوپہر کی شفٹ تھی اس لیے وہ سرشام گھر لوٹی تھیں۔ شاہ میر اور عرفان کو لان میں ہی چھوڑ کر وہ دونوں اندر کی طرف بڑھ گئی تھیں ان دونوں کی دیکھا دیکھی وہ دونوں بھی اٹھ کر اندر چلے آئے لاؤنج میں وہ دونوں لچ کرنے میں مصروف تھیں۔ انہیں اتنے انتہاک سے کھاتے دیکھ کر شاہ میر کو شرارت سوچھی اس نے اپنے چہرے پر مصومیت طاری کرتے ہوئے کہا۔

”تو یہ تو بے“ اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔
”بالکل بھوک بلیوں کی طرح کھا رہی ہو جن کو دو دن سے کھانے کو کچھ نہ ملا ہو۔“ شاہ میر کے اس طرح کہنے پر انہیں برا تو بہت لگا لیکن ذہیت بنی کھاتی رہی جب وہ دوبارہ بولا تو عرفان کو اپنی کسی ضبط کرنا مشکل ہو گئی تھی۔
”ہم نے تو نایابے بھوکے دیکھے نہ سنے امی اور امی نظر نہیں آ رہی کہیں تم دونوں کو اس طرح کھاتے دیکھ کر بے ہوش تو نہیں ہو گئیں۔“ انداز ابھی بھی جھپٹنے والا تھا غائبہ تپ گئی۔

”جی نہیں پوچھ کر آئی ہوں میں ابھی امی نے بتایا آپ بی وی کافل ڈالیم آن کیے کوئی مووی دیکھ رہے تھے اور عرفان بھائی کیسے مزاج ہیں؟ آئی انکل ٹھیک ہیں؟“ اب وہ عرفان سے مخاطب ہوئی اور زاریہ اٹھ کر کمرے کی

جانب بڑھ گئی تھی جو ان دونوں کا مشترکہ تھا۔
”جی اللہ کا شکر ہے۔“ عرفان نے نہ مخصوص لہجے میں جواب دیا غائبہ مسکرا دی ساتھ اپنی مطلوبہ چیزیں بھی سمیٹنے لگی۔

”شاہ میر تم نیوز کاسٹر کی جاب کرو گے؟“ عرفان نے شاہ میر کو دیکھ کر پوچھا شاہ میر نے برا سامنے بتایا۔
”نہیں یار آفس کا کام کیا کم ہوتا ہے جو نئے دکھڑے پال لوں۔“
”نہیں اگر تم نہیں کرنا چاہتے تو غائبہ یا زاریہ سے پوچھ لو اگر وہ یہ جاب کرنا چاہیں تو.....“ اس نے شاہ میر کے انکار پر دوبارہ پوچھا غائبہ کے کان فوراً کھڑے ہوئے کچن کی طرف بروقتی وہ شاہ میر کے جواب کی منتظر تھی کہ وہ کیا کہتا ہے۔

عرفان جو خود ایک پروڈیوسر تھا اور اپنے والد ایاز شیرازی کا بزنس میں بھی ہاتھ بٹاتا تھا ابھی سچے دن پہلے ہی اسے ایک چینل سے نیوز کاسٹر کی آفر ہوئی تھی پہلے تو اس نے منہ نہ کر دیا تھا پھر شاہ میر سے پوچھ کر جواب دینے کا کہہ کر کچن کے لیے ٹائم مانگ لیا تھا۔

”مجھے نہیں بتایا راما ابونے زاریہ کی ذمہ داری تمہیں سونپی ہے وہ تمہاری منگیتیر ہے تم خود بہتر جانتے ہو خود اس سے رائے طلب کر لو اور رہی غائبہ کی بات تو میں ان ٹیوٹل مردوں میں سے نہیں ہوں جو عورت پر ضرورت سے زیادہ پابندیاں عائد کرتے ہیں۔ غائبہ خود اپنے فیصلے کی مختار ہے وہ حق رکھتی ہے اپنے لیے اچھا برا سوچنے بجھنے کا ماموں تو ویسے بھی اسے منع نہیں کریں گے اور میرا نہیں خیال کہ وہ کبھی بھی کوئی غلط قدم اٹھائے گی اگر وہ نیوز کاسٹر کی جاب کرنا چاہے گی تو میری طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں۔ اسے اجازت ہے یہ جیسے چاہے خوش رہے۔“ شاہ میر کے جواب پر عرفان نے اسے مسکرا کر دیکھا بہت متاثر ہوا تھا وہ شاہ میر اور اس کی باتوں سے آنے والے پانچ دن وہ ایگزائمز میں بہت زیادہ مصروف رہی تھی سپر ایک دن کے وقفے سے

ہو رہے تھے۔

اس دن عرفان سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں غائبہ سے اس کی رائے بھی لی تھی جس پر غائبہ نے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا۔ شاہ میر تو خوشی سے نہیال ہو گیا تھا اور اسے جاب کرنے کی اجازت دے دی تھی زاریہ کو اس جاب میں کوئی انٹرسٹ نہیں تھا۔ ویسے بھی ان کے خاندان میں لڑکیوں کی بات کا بھی مان رکھا جاتا تھا اور جاب وغیرہ کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ خود پروین اور جمیلہ بھی شادی سے پہلے جاب کیا کرتی تھیں شادی کے بعد چھوڑی تھی ایگزائمز سے فارغ ہونے کے بعد غائبہ نے نیوز کاسٹر کی جاب جو ان کر لی تھی اس کی دوپہر کی شفٹ تھی ایک سے تین کی۔ انہی دنوں غائبہ کی ایک کلاس فیلو نے ایک این جی او اوپن کرنے کی دلی خواہش ظاہر کی تھی جس پر غائبہ اور زاریہ نے بے حد خوش اسلوبی سے اس کے ساتھ تعاون کیا تھا فلاح و بہبود کے کاموں میں تینوں کا کوئی عٹائی نہیں تھا۔ اس این جی او میں عورتوں کے مسائل حل کیے جاتے اور ان کے حقوق کے لیے آواز اٹھائی جاتی، بے شمار غربت کے مارے لوگوں کے گھروں میں ہر مہینے راشن دیا جاتا اور ان کے بچوں کے پڑھائی کے اخراجات پورے کیے جاتے تھے۔ ان تین لڑکیوں کو اتنا بڑھ چڑھ کے کام کرتے دیکھ کر ابر کلاس کے بے شمار گھروں نے ان سے ہر طرح کا تعاون کرنا شروع کر دیا تھا وہ بھی ان غریب مصوم بچوں کو پڑھتا دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ اس لیے بہت جلد یہ این جی او اپنی جگہ بنا چکی تھی۔

عائشہ کی شادی کی دھوم مچ گئی وہ شادی ہو کر پہلے کچھ مہینے تو پاکستان میں ہی رہی پھر اس کا شوہر اسے امریکہ لے گیا اور وہیں شفٹ ہو گیا تھا غائبہ جانے سے پہلے ہی غائبہ کو جیمز مین کی سیٹ پر بٹھا گئی تھی اس سے پہلے عائشہ جیمز مین تھی اتنی کم عمری میں اتنی عزت و شہرت مل جانا بہت کم لوگوں کے نصیب میں آتا ہے۔ زاریہ انچارج بننے پر خوش تھی وہ دونوں ایک ساتھ ہی رہتی تھی

غانیہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

کچھ دنوں سے وہ بہت اداس دکھائی دے رہی تھی، کچھ دنوں سے وہ بہت اداس دکھائی دے رہی تھی، شاہ میر نے بھی اس کا اترا ہوا چہرہ کھونچنے کی بھرپور کوشش کی تھی لیکن کوئی منفی پہلو نظر نہیں آتا تھا۔ نیوز کی جاب بھی اس نے چھوڑ دی تھی وجہ صرف یہ تھی کہ اسے اپنی مرضی کرنے کی عادت تھی جو ایڈیٹر صاحب خبریں لکھ کر دیتے تھے وہ زیادہ جھوٹ اور کم کج پرستی ہوتی تھیں۔ غانیہ کو یہ بات کسی صورت ہضم نہیں ہوتی تھی ساری دنیا میں جھوٹ کا بازار گرم تھا ہر کوئی انسان جھوٹ بولنے پر فخر محسوس کر رہا تھا تو وہ اپنے تئیں ساری وہ خبریں نشر کرنے لگی تھی جو جچ ہوا کرتیں اسی سبب میرا کی جانب سے اس جھیل کو بند کرنے کے کڑوا گئے تھے کچھ لوگوں نے تو اس کے اس جذبے کو بے حد سراہا تھا اور کچھ لوگ اس کے دشمن ہو گئے ابھی ایک ہفتے پہلے ہی کی بات تھی جب وہ ایک بچے اپنی جاب پر پہنچی تو وہاں ایڈیٹر صاحب نے واضح لفظوں میں اس کی بے عزتی کر کے اسے جاب سے نکال دیا تھا۔

”مس غانیہ آپ اس دور میں رہ رہی ہیں تو اس دور کے طور پر ملتے جلتے بھی سیکھ لیجیے یہاں سب کچھ نہیں چلتا کچھ جھوٹ کا بھی سہارا لینا پڑتا ہے اور مزید یہ کہ اب آپ گھر جاسکتی ہیں معاف کیجیے گا لیکن آپ جیسے لوگوں کی ہمیں ضرورت نہیں۔“ ایڈیٹر صاحب کی باتوں نے اس کے سینے میں آگ سی بھردی تھی۔ یہ تھے مسلمان جن کا ظاہر و باطن کچھ تھا مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کے دل کتنے کالے تھے اس کی آنکھیں برس رہی تھیں۔ ان باتوں کو ہمیدہ بھر ہی بیٹھا تھا جب اسے دوبارہ جاب کرنے کا شوق چڑھا افضل صاحب کی تو وہ بھی ہی لاڈلی وہ کوئی بھی فرمائش کرتی فوراً پوری کر دی جاتی اسی وجہ سے اس کی طبیعت میں تھوڑا ضدی پن پایا جاتا تھا۔

شاہ میر نے اسے جاب کی اجازت دے کر اپنی زندگی کی سب سے بڑی اور سنگین غلطی کر ڈالی تھی اس وقت جو غانیہ کام انجام دے رہی تھی اس کی خبر نہ گھر میں

کسی کو تھی نہ شاہ میر کو البتہ ساتھ رہتی زار یہ بھی بے خبر تھی کہ آج کل وہ کیا کر رہی ہے۔

عائشہ زاری بہت سنگین رات تھی وہ کم عمر تھی غانیہ کو پہلی مرتبہ اسے دیکھ کر جھٹکا لگا تھا کیونکہ وہ کوئی اور نہیں اس کی کلاس میں پڑھنے والی لڑکی تھی۔ غانیہ اس کے بارے میں زیادہ تو نہیں اتنا ضرور جانتی تھی کہ اس کا صرف معذور باپ تھا ماں بچپن میں ہی انتقال کر گئی تھیں۔ اس کے علاج کے لیے وہ آئے دن کسی نہ کسی اسکول میں جاب کرتی تھی اس نے ایک بار غانیہ کے بے حد اصرار پر اسے بتایا تھا کہ اس کے باپ نے کچھ لوگوں سے قرضہ لے رکھا تھا جس کو چکانے کے لیے وہ بہت محنت کرتی تھی۔ اب یہاں عائشہ کو دیکھ کر اس نے اس کے حالت زار کے بارے میں دریافت کیا تھا جب وہ ہلک ہلک کر روئی سب بتاتی چلی گئی تھی غانیہ بغور اسے سنتی رہی تھی۔

”میرے والد نے اپنی کمپنی کے پاس سے قرضہ لیا تھا جب وہ چل سکتے تھے پھر ان کا کارڈ ایکسیڈنٹ میں ایک ٹانگ کا کٹ جانا میری زندگی کی روشنی چھین گیا تھا۔ پاپا نے جو قرضہ دکان کھولنے کے لیے لیا تھا کہ اس سے ایک چھوٹی موٹی پرچون کی دکان ہی کھولی تھی وہ سارا پیسہ پاپا کے علاج معالجے میں صرف ہو گیا پھر کچھ دن بعد ہی باس ہمارے گھر قرضہ مانگنے آئے میں اس وقت چودہ پندرہ سال کی تھی۔ پاپا کے علاوہ میرا اس دنیا کوئی نہ تھا۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھ تھے پاپا کے پاس دینے کو ایک پائی بھی نہیں تھی۔ تب پاپا کے پاس نے سفاکی کی انتہا کرتے ہوئے اپنے پندرہ سالہ بڑے بیٹے سے میرا زبردستی نکاح کر دیا لیکن غازان بہت اچھے تھے ان کا اتنا پیار پاکر میں پھر سے جینے لگی تھی جب ان کے باپ نے انہیں بیرون ملک بھیجا اور وہاں ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔“

”تو کیا غازان دوبارہ نہیں آئے؟“ غانیہ نے پوچھا۔

”لوگ کہتے ہیں ان کی موت ہو گئی لیکن مجھے یقین نہیں آیا۔“ وہ آنسو صاف کرتی بتانے لگی تھی۔ ”اس کا بس نہیں چلتا غانیہ یہ میری عزت کی دجیاں ادا میز دے تم میری مدد کرو گی میرے والد کے قاتل ہیں یہ لوگ میں انہیں سزا دلوانا چاہتی ہوں۔ تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا غانیہ یہاں ہر لڑکی کو مجبور ہونے کا تادان بھرتا پڑتا ہے۔“ وہ کھوئے ہوئے لہجے میں بول رہی تھی غانیہ کو کچھ سمجھ نہیں آیا۔

”کیا مطلب کیسا تادان؟“

”یہاں جاب کے نام پر غلط کام ہوتا ہے۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا کیا غلط کام؟“ وہ اب واقعی پریشان ہو گئی تھی ایک خوف ناک اندیشے نے اس کے جسم میں اپنے بچے گاڑے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ اس کے پاس جم پھوڑ رہی تھی غانیہ کی آنکھیں پھٹنے کے قریب ہوئیں۔

”تم..... تمہارے ساتھ بھی؟“ اس نے انک انک کر پوچھا۔ جواب میں عائشہ نے افسردگی سے اثبات میں سر ہلادیا۔

”یا اللہ مجھے شاہ میر نے کتنا منع کیا تھا۔“ اس کا دل دہل گیا تھا۔ ”پھر تو ہمیں یہ جاب ابھی چھوڑ دینی چاہیے۔“

”ہاں، لیکن اس سے پہلے میں انہیں پکڑوانا چاہتی ہوں آج پاس نہیں ہے تو صرف دو مرد اس روم میں یہاں کی پانچ لڑکیوں کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔“ عائشہ نے خالی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا جب غانیہ بولی۔

”ایک کام کر سکتے ہیں ہم۔“

”وہ کیا؟“

”یہ سب لوگ ہمارے ساتھ ہیں؟“ اس نے ہال میں موجود لوگوں پر نظر ڈال کر عائشہ سے پوچھا اس نے ہال میں سر ہلادیا۔

”ہم یہاں کھڑکی سے ان لوگوں کی ویڈیو بنائیں گے۔“

”نہیں یہ بہت مشکل ہے اگر انہیں ذرا بھی بھٹک پڑے گی تو ہماری موت عتق رب ہے۔“ عائشہ ابھی بھی ڈر رہی تھی جبکہ غانیہ کو کوئی ڈر نہیں تھا۔

”تم چپ رہو میں خود ان خبیث لوگوں کی ویڈیو بناؤ گی۔“ اور اگلے کچھ منٹ میں جو غلاطی سے بھرا کام اندر ہو رہا تھا وہ سب اس ویڈیو میں دکھنے لگا تھا۔

”لیکن یاران لڑکیوں کی واضح فوٹوز آ رہی ہے ان بے چاری کا کیا ہوگا یہ تو بلاوجہ بدنام ہو جائیں گی۔“ عائشہ فکر مند تھی۔

”میں ان کو ٹھیک کر والوں گی۔“ غانیہ کے کہنے پر اس نے سکون کا سانس لیا اور اللہ سے دعا کرتی رہی۔ کچھ شریف لڑکوں نے بھی ان کا بھرپور ساتھ دیا تھا دوسرے تیسرے دن ہی عائشہ نے اس کمپنی کے پاس اور اس کے دم ہلاتے وفاداروں کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا تھا جس کے سبب اس کمپنی کے سب لوگ جو غلط کاموں میں ملوث تھے لاک اپ میں بند تھے کوئی ثبوت نہیں تھا ان کے پاس عدالت میں کیس کی تاریخ 18 تھی اور غانیہ صرف 18 تاریخ کا انتظار کر رہی تھی۔ یہ ویڈیو والا ثبوت وہ آخری تاریخ والے دن ہی دکھانا چاہتی تھی اور جس کے سبب ان کے بچنے کے کوئی آثار نہیں تھے اور 18 نومبر اس کی زندگی کا آخری دن ہوگا یہ تو بھی خود غانیہ نے بھی نہیں سوچا تھا۔

تین سال پہلے غانیہ کا این جی اوز جو ایک دم چلتے چلتے اس کی ناگہانی موت کے سبب بند ہو گیا تھا وہ آج تین سال بعد بھی ویسے ہی بند پڑا تھا۔ شاہ میر نے خود اس این جی او کے مین ڈور پر ایک بھاری تالا لگایا تھا۔ وہ ہر دن اس دروازے کے قریب سے گزرتا تھا آج پھر وہیں کھڑا تھا آنکھوں میں نمی لیے اس نے ہاتھ بڑھا کر تالا کھولا دروازے کے قریب اوپر سے نیچے تک لگی وہ کاسنی پھولوں کی تیل جو اس نے اور غانیہ نے ساتھ لگا لگی تھی آج چھل مٹے میں تھڑی اپنی بے قدری پر ماتم

انہیں تھی۔ وہ یہاں آتا تو دل کو سکون بخشنے تھا لیکن دل تو
 ۱۱۔ لیکن ہو جاتا۔ ایک ایک چیز کو چھو کر دیکھتا وہ اس میز
 ۱۲۔ نیل کے قریب آ گیا جہاں وہ میز پر رکھی فریم شدہ
 تصویر میں اپنی پوری دلکشی لیے مسکرا رہی تھی۔ یہ وہی مکتبی
 ۱۳۔ روز کی تصویر تھی ایک شاہ میر کے آفس روم میں رہتی
 تھی دوسری غانیہ کی میز پر۔

یہ چراغ بے نظیر ہے یہ ستارہ بے زباں ہے
 ابھی تجھ سے ملتا جلتا کوئی دوسرا کہاں ہے
 انہی راستوں نے جن پر کبھی تم تھے ساتھ میرے
 مجھے روک روک پوچھا تیرا ہم سفر کہاں ہے
 میاؤں میاؤں..... ابھی وہ تصویر لیے کھڑا دیکھ ہی
 ہاتھ جب دائیں بلی اس کا دھیان پٹا گئی تھی۔ شاہ میر
 نہ چونک کر بلی کو دیکھا اور پھر ماضی میں بھٹک گیا۔
 اس دن موسم بہت پیارا اور ہاتھ صبح سے ہلکی پھلکی
 ۱۴۔ اندھ اندھ میں سرسبز لہراتے خوشنما پودے جولان میں
 لگے ہوئے تھے اللہ کی رحمت سے خوب لطف اندوز
 ۱۵۔ ہے تھے وہ دونوں اس وقت لاؤنج میں براجمان
 تھے۔ شاہ میر کو اندازہ تھا کہ وہ دونوں نے مسکراہٹ کا
 ۱۶۔ اشارہ کیا تھا۔ بارش نے اسے اچھا خاصا بھگو دیا تھا کافی
 ۱۷۔ لمبا تھا وہ اندازہ تھا اور اس کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے
 ۱۸۔ آئینہ منور سی دائیں بلی بھی آگئی۔ شاہ میر نے پلٹ کر
 ۱۹۔ الجھا بلی اس کا پانچ منہ میں دبائے بڑی آس بھری
 ۲۰۔ اکاؤں سے دیکھ رہی تھی۔

”اے شاہ میر.....“ غانیہ اور زاریہ کی بھرپور ہنسی تھی شاہ میر
 ۲۱۔ لپ لپ کر گھورا پھر بلی کو دیکھ کر گہرا سانس لے کر مسکرایا۔
 ۲۲۔ ”خفہ..... خفہ.....“ اس نے ملازمہ کو آواز دی
 ۲۳۔ ”عالمہ دوزی چلی آئی تھی۔“
 ۲۴۔ ”جی صاحب۔“

”اس بلی کو ایک برتن میں دودھ ڈال کر دو دیکھو یہ
 ۲۵۔ ہو رہی ہے شاید۔“

”اچھا صاحب۔“ خفہ جلدی سے کچن کی سمت
 ۲۶۔ لڑی اور جمٹ پٹ ایک برتن میں دودھ ڈال لائی اور

بلی کے سامنے رکھ دیا اب بلی دودھ پینے لگی تھی لیکن اس
 کی نظر پر شاہ میر پر ہی اچھی ہوئی تھیں وہ ہنستا ہوا کپڑے
 ۱۔ چنچ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اور جب
 ۲۔ واپس آیا تو دیکھا بلی غانیہ کی گود میں چڑھی بیٹھی ہے وہ
 ۳۔ شاید بارش کے باعث سردی محسوس کر رہی تھی غانیہ نے
 ۴۔ اسے مکمل میں لپیٹ رکھا تھا وہ اس کے قریب ہی صوفے
 پر بیٹھ گیا۔

”کیا بات ہے انسان تو انسان اب تو جانور بھی آپ
 کے عشق میں مبتلا ہونے لگے ہیں خیر تو ہے یہ واردت
 کب ہوئی میری جگہ تو سیو ہے نا؟“ ہلکے سے سرگوشی
 کی تھی غانیہ بے ساختہ ہنس دی تھی۔

اس کی لگائی گئی ہر چیز ہر تصویر میں اس کی یاد جھلکتی
 تھی۔ اس حادثے کے بعد افضل صاحب اور پروین
 بہت خاموش اور رنجیدہ ہو کر رہ گئے تھے۔ شاہ میر کو تو ان
 دونوں اپنا بھی ہوش نہیں رہتا تھا ایسا کون سا دل ہو گا جب
 وہ رویا نہیں تھا۔ شام کے پانچ بج رہے تھے بلی کہیں باہر
 چلی گئی تھی وہ بھی مین ڈور لاک کر تاپنی کاتھیں آ بیٹھا۔

غانیہ نے جس طرح ہڑبونگ چاکر جاب کی اجازت
 طلب کی تھی اب اس کے برعکس بڑی خاموشی سے یہ
 آفس والی جاب چھوڑ بھی دی تھی اور دوبارہ کہیں جاب
 کرنے کا نام تک نہ لیا تھا جس کی وجہ سے گھر میں سب
 ہی خوش تھے۔ آنے والے طوفان کی کسی کو بھی خبر نہیں تھی
 زاریہ اور عائشہ کی اسکول کے زمانے سے کبھی نہیں بنتی تھی
 اس لیے غانیہ اور عائشہ کے درمیان جو بھی گفتگو ہوتی وہ
 اس سے یکسر لاعلم ہی تھی۔ جس دن سے اس نے جاب
 سے ریزاؤں کیا تھا اس کے تھوڑی دن بعد اسے رائگ
 نمبر سے دھمکی آمیز کالز موصول ہونے لگی تھیں۔ وہ ویڈیو
 کیسٹ غانیہ کے پاس موجود تھی اس لیے رائگ کالز بھی
 اسے ہی موصول ہو رہی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر قبل موصول
 ہونے والی کال اس کا دماغ لگا گئی تھی وہ اس آفس کے
 ۱۔ باس رشید ربانی کا ہی فون تھا۔

”تو کیا سمجھتی ہے ہمیں جیل پہنچا کر سکھ کا سانس لے
 لے گی؟ ہم تیری زندگی ہی تجھ سے چھین لیں گے موت
 کی تاریکیوں میں دھکیل دیں گے تجھے۔“ وہ اپنے منہ
 سے زہرا گل رہا تھا غانیہ کا ضبط جواب دینے لگا تھا۔

”اور تم کیا سمجھتے ہو تم جیسے کالی بھیڑیوں سے میں ڈر
 جاؤں گی؟ مجھے نہیں معلوم کل کا سورج میرے لیے زندگی
 کی نئی نوید لے کر آتا ہے یا موت کا پیغام لیکن وہ دن
 دور نہیں جب تم جیسے لوگ موت کے گھاٹ اتارے جاؤ
 گے۔“ وہ چپ ہوئی جب دوسری طرف شخص پھر

انکارے چاہنے لگا تھا۔
 ”دیکھو ہم تمہیں شرافت سے کہہ رہے ہیں تم وہ
 ویڈیو کیسٹ ہمارے حوالے کر دو ورنہ.....؟“
 ”ورنہ کیا..... ہاں ورنہ کیا.....“ اس کے غرانے پر
 غانیہ اس سے زیادہ تیز چلائی تھی۔

”ورنہ ہم بری طرح پیش آئیں گے جان لو کہ تم
 ایک لڑکی ہو۔“ رشید نے ہنستے ہوئے کچھ جھٹلانا چاہا۔
 ”لڑکی ہوں مگر کنزرو نہیں سچ اور حق پر بغاوت کرنے
 والوں کو قتل کرنے کا جنون میرے سینے میں میری رگوں
 میں ابوبن کر گردش کرتا ہے۔ دل کرتا ہے تم جیسے لوگوں
 کے منہ پر تیزاب ڈال کر انہیں جلادوں جس منہ سے تم
 لوگ عورت کو گالی دیتے ہو۔ وہ ہاتھ کاٹ دوں جس سے
 ان پر ظلم کے پہاڑ توڑتے ہو۔ اپنے ملک کے ناسوروں
 کو ختم کرنا تو میرا بھی فرض ہے فرض ہے کہ عورت کو برباد
 کرنے والی ہر ذات کو زندگی سے ترسا دوں۔“ وہ بولنے
 پر آئی تو پھر بولتی ہی چلی گئی رشید ربانی کا وجود آگ پر
 تپنے لگا تھا۔

”اور ہاں کل وہ ویڈیو عدالت میں ضرور دکھاؤں گی
 جو کرتا ہے کرلو۔ تم جیسے عیاش لوگوں کی اصل صورت کیا
 ہے وہ دکھانی ہے سمجھے۔“ اتنا کہہ کر وہ کال ڈسکنکٹ
 کرنے ہی والی تھی جب وہ بولا تھا انداز میں بڑا غرور
 پن جھلک رہا تھا۔

”لڑکی سنبھل جا اب بھی وقت ہے تیرا عشق تیرا

کزن ہے ناں وہ ہماری دسترس سے دور نہیں۔“ دھمکی
 دی گئی تھی وہ پھر بھی متنبہ نہ ہو سکا۔

”جو کرتا ہے کرلو مجھے اپنے رب رحیم پر بے شمار
 بھروسہ ہے وہ ذات میرے شاہ میر کی حفاظت بھی
 کرے گی اور مجھے یہ کیس بھی جتوائے گی۔ تمہیں جیل کی
 سلاخوں کے پیچھے نہ دھکیلا تو میرا نام بھی غانیہ افضل
 نہیں۔“ یہ کیسا یقین تھا لہجے میں کیسا اطمینان تھا رشید
 ربانی آگے کچھ بول ہی نہ سکا۔ غانیہ نے کال کاٹ دی
 اور کمپیوٹر روم میں چلی آئی۔

”غانیہ یہ سب کیا ہے؟“ غانیہ نے چونک کر
 دروازے کی جانب دیکھا دروازے کی وسط میں وہ کھڑا
 تھا شاید اسے معلوم ہو گیا تھا وہ جو کر رہی تھی شاہ میر اس
 بات کی تہہ تک پہنچ چکا تھا غانیہ نے گہرا سانس لیا۔
 ”میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔“ وہ ذرا سا
 چلا کر بولا۔

”مجھے بالکل سمجھ نہیں آ رہا آپ مجھ سے کس کی
 بابت پوچھ رہے ہیں۔“ غانیہ جانتی تھی وہ کیا پوچھ رہا ہے
 پھر بھی انجان بننے کی کوشش کرنے لگی شاہ میر تاسف
 سے اسے دیکھنے لگا۔

”تم کیوں پرانے جھگڑے میں پڑنا چاہتی ہو
 کیوں اپنی جان جو کھوں میں ڈال رہی ہو یہ جانتے
 ہوئے اتنا پیار کرتے ہیں ہم سب تم سے کچھ تو خیال
 کرو۔“ غانیہ نے بغور اسے دیکھا اسے شاہ میر کی
 بات بالکل اچھی نہیں لگی تھی۔

”آپ مجھے حق اور سچ کی راہ سے ہٹانا چاہتے ہیں
 آپ چاہتے ہیں میں کسی کمزور اور بے بس انسان کی مدد
 نہ کروں آپ چاہتے ہیں جو ہو رہا ہے ہونے دوں۔
 میں بھی انہما میر سچ کر ضمیر فروشوں میں نام کھواؤں یہ
 چاہتے ہیں آپ۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ
 خود بخود بڑھتا گیا تھا۔

”آپ جانتے ہیں شاہ میر یہ ملک جس میں اب
 شاید ہی کوئی زندگی کی رتق باقی ہو لیکن ہماری پاک

فوج آج بھی پہلے کی طرح اپنی جانیں قربان کرتی ہے۔ پاک فوج ہر جنگ عظیم میں شہید ہوئی ہے اور اس عظیم قربانی کو اپنا فرض سمجھتی ہے جب وہ وطن کی بقا اور سلامتی کے لیے اپنی جان کی پروا نہیں کرتی تو کیا ہم عوام چھوٹے موٹے کیسز کا سلوٹن نہیں نکال سکتے۔ کیا ہم پر فرض نہیں ہم بھی اس ملک کے کام آئیں اس ملک میں پریشان رہنے والے لوگوں کی مدد کریں اور سچ اور حق کی راہ میں قربان ہو بھی گئے تو کیا حرج ہے اللہ ہم سے خوش ہوگا۔“

”یہ سب درست ہے لیکن زندگی کی بھی کچھ ترجیحات ہیں انہیں مت بھولو انہیں مت فراموش کرو اپنا نہیں تو ہمارا ہی خیال کر لو جو تم سے جان سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ غانیہ..... میں تم سے عشق کرتا ہوں میں تمہیں ہرگز کھوتا نہیں چاہتا۔ تم..... تم زندگی ہو میری اولین محبت ہو۔“ وہ اسے سمجھاتے سمجھاتے تھک گیا تھا مگر غانیہ پر اس کی باتوں کا ذرا بھی اثر نہیں ہوا تھا اور مذاق کے موڈ میں آ گئی تھی۔

”بات ذرا چھوٹی ہے مگر وزن رکھتی ہے زندگی زندگی ’زین ہوتی‘ زندگی میں محبت ہوتی ہے اور اگر مجھے کچھ ہو بھی جاتا ہے تو آج مری کل دوسرا دن ہوگا زندگی کب رکنی چاہے کبھی مل جائے گی کوئی بیماری لڑکی بالکل میری نہیں لیکن ایک بات شاہ میرا اگر کوئی مجبور اور بے بس لڑائی ملے تو اسے بھی اکیلا نہیں چھوڑتا۔“ وہ اب بھی مذاق کے موڈ میں تھی شاہ میر کوٹھہر کو دسا۔

”بس کر لی بکواس! تم مجھ سے اب پوچھو۔ بہت شوق ہے تمہیں مرنے کا میرا سوچا ہے کبھی میں کیسے جیوں گا۔“ اب وہ تھوڑا ناراض ہوا تھا۔

”غلط..... بے حد غلط مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔ اپنے پیچھے دوسروں کا سوچنا ہوتا ہے اور ہاں زندگی جینے کا ہنر سب کو آ جاتا ہے آپ کبھی آ جائے گا۔“ وہ دم کی آواز میں بات کر رہی تھی شاہ میر اسے بخور دیکھنے لگا وہ غانیہ کو ہمیشہ لالہ لالی اور بے پروا سمجھتا تھا لیکن آج

کھڑا ہا پھر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ دوسرے دن صبح وہ جلدی بیدار ہوئی تھی آج اٹھارہ نومبر تھی دل و دماغ بالکل خالی ایسا لگتا تھا جیسے ہوا میں معلق ہو۔ ڈانٹنگ ٹیبل پر ناشتے کے لیے سب ہی موجود تھے وہ بھی جلدی جلدی فریض ہو کر وہیں آ گئی۔ چیئر سنبھالتے ہوئے پہلی نگاہ شاہ میر کے ناراض چہرے پر پڑی ایک پل کو لب مسکرائے مگر شاہ میر کی بے گامگی دیکھ کر دل میں درد کی ایک ٹپ سیٹھی تھی۔ افضل صاحب اخبار ہاتھ میں لیے ورق گردانی کر رہے تھے۔ ناشتے کی ٹیبل بجی ہوئی تھی کمرے سے ذرا جو ایک چیز میں بھی ڈانٹہ محسوس ہوا ہو۔ چیئر آ لیٹ تھپتھپ کے پراٹھے دیئے اجارے بریڈ اور سب سے بڑھ کر اورنگ جوس۔

”بیٹا..... کہیں جانا ہے کیا؟“ اسے بار بار گھڑی کی طرف دیکھتے پھر افضل صاحب نے پیار سے پوچھا وہ ہلکا سا مسکرا دی۔

”جی پاپا وہ آپ کو بتاتا تھا ناں ایک دوست کی پہلیپ کرنے۔“ اس نے آدھا چائ اور آدھا جھوٹ کہا افضل صاحب نے مطمئن ہو کر دوبارہ اخبار کی جانب نگاہ مبذول کر لی۔

امی اور پھوپھو بھی ناشتا کر رہی تھیں انہوں نے غانیہ سے کوئی سوال نہیں کیا تھا البتہ شاہ میر کی آنکھوں میں واضح ناراضگی دیکھی جاسکتی تھی۔ زار یہ ناشتا ختم کر کے اٹھ چکی تھ وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی اس نے امی پھوپھو اپنے پاپا کو صرف یہ بتایا تھا کہ ایک دوست کو مدد کی ضرورت تھی تو وہ دونوں مل کر مدد کر رہی ہیں۔ گھر میں ان دونوں کے اس طرح بھلائی کے کام کرنے پر سب بہت خوش تھے وہ خود کو بھی نہیں بتاتی شاہ میر اور زار یہ کبھی اپنی قسم دے کر گھر میں بتانے سے منع کر دیا تھا۔ وہ دونوں اب تک خاموش تھے۔ کپڑے چھینچ کرنے اور ضروری پیپر ز لینے میں انہیں مزید چندہ منٹ لگ گئے کار زار یہ ڈرائیو کر رہی تھی پہلے ان کا ارادہ عائشہ کی وکیل جواس کا کیس لڑ رہی تھی ان کے گھر جانے کا تھا مگر راستے میں کچھ

جلتے ہی رہتے ہیں خواہشوں کی آگ میں آگ سے کب پھول نکلتے ہیں راکھی بن جاتے ہیں بس جانتے ہوئے بھی انجان ہیں یہ خاک کے پتلے کتنے نادان ہیں حاکم..... میا نوالی

لوگوں نے ان کی کار کا پیچھا کرنا شروع کر دیا تھا اس لیے وہ عدالت پہنچ گئیں عائشہ اور اس کی وکیل نمرہ آفندی بھی وہیں موجود تھیں۔

اس وقت گیارہ بج رہے تھے اور اتنے دن کی مسافت کے ٹھیک کچھ گھنٹے بعد ہی عائشہ زاری بڑی خوش، مطمئن اور سرشاری عدالت سے باہر آئی تھیں۔

اس کے ساتھ غانیہ زار یہ اور ایڈووکیٹ نمرہ آفندی بھی موجود تھ وہ چاروں بہت خوش تھیں کیونکہ کیس غانیہ کی توقع کے مطابق وہیں جیتی تھیں۔ ویڈیو والا شہوت اس نے صرف جج صاحب کو دیکھنے کو کہا تھا۔ نمرہ آفندی بھی آج بہت خوش تھی۔ اسی خوشی کے سلسلے میں اس نے واپسی پر گاڑی برگر کارز پر روکی تھی اور سب کو ساتھ گھسیٹ کر اندر لے گئی۔

چاروں ایک ایک چیئر پر بیٹھ گئیں زار یہ عائشہ اور نمرہ آفندی باتوں میں مصروف تھیں اسے شاہ میر کا خیال آیا تو شرارت کے طور پر اسے ایک ساتھ دو نظمیں سینڈ کیں۔

سنو جاناں.....

مرنے سے ذرا پہلے اک مری خواہش ہے میری قبر پر چلے نا دوا نسو بہانے کو مگر پھر سوچتی ہوں ان آنسوؤں کا کیا فائدہ

جنہیں میں صاف نہ کر سکوں
جن سے تمہیں تکلیف ہو

تو پھر تم اک کام کرنا
میری قبر پر آنا ضرور

مجھے یاد ضرور کرنا
کہ جب تم مجھے یاد کرو گے تو مجھے احساس ہوگا
کہ.....

میری محبت میں تم بھی
پل پل جیتے ہو

سنو جانا.....
مجھے یاد ضرور کرنا

بس.....

مرنے سے پہلے میری اتنی سی خواہش ہے

نظم سینڈ کیے ابھی کچھ ہی پل گزرے تھے کہ اس
کے موبائل پر شاہ میر کی کال آ گئی۔ غانیہ نے ایک نظر
ساتھ بیٹھی اپنی دوستوں کو دیکھا اور اٹھ کر ایک سائیڈ پر
چلی آئی۔

”کیا بکواس ہے یہ؟“ ابھی اس نے کال اٹینڈ
ہی کی تھی جب دوسری طرف شاہ میر غرایا تھا وہ دھیمہ
سامسکرا دی۔

”آپ بات کیوں نہیں کر رہے تھے مج سے؟“
وہ تھوڑا سنجیدہ ہوئی۔

”تمہیں کون سی پروا ہے میری؟“ دوسری طرف سے
اسی کے لہجے میں جواب لوٹا یا گیا تھا۔

”ٹھیک ہے پھر مت کریں مجھ سے بات۔“ اس کا
گلا رندہ سا گیا۔

”غانیہ!.....“ شاہ میر نے پکارا وہ چپ رہی۔
”تم کب تک آ رہی ہو..... کیا میں لینے آ جاؤں؟“

اس کی خاموشی پر شاہ میر کو احساس ہوا کہ وہ کچھ زیادہ ہی
روڈی ہیو کر گیا جب ہی لہجے کو نارمل کیا تھا۔

”آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں؟“
”نہیں جانی..... میں بھلا تم سے ناراض ہو سکتا
کچڑا دیا۔“

ہوں۔“ شاہ میر کے کہنے پر اس کے چہرے کی مسکراہٹ
پھر سے لوٹ آئی۔

”ہم تھوڑی دیر میں آ رہے ہیں آپ کہاں ہیں؟“
”میں آفس میں ہوں مینٹگ کے لیے جا رہا

ہوں ٹھیک ہے پھر بات کریں گے۔ اللہ حافظ۔“ یہ
کہتے ہی زوردار تھقبہ کے ساتھ شاہ میر نے کال
ڈسکنکٹ کر دی تھی۔

”غانیہ ان سے طویہ ہیں میرے شوہر غازان.....“
عائشہ کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر عائشہ کو اس

کے چہرے پر کچی خوشی کے سارے رنگ ہو دیا تھے۔
”السلام علیکم سر!“ اس نے باادب سلام کیا۔

”وعلیکم سلام۔“ غازان جواب دے کر عائشہ کی
طرف متوجہ ہو چکا تھا وہ زاریہ اور نمرہ آفندی کے پاس

چلی آئی۔
”چلو زاریہ گھر چلیں۔“

”ہاں چلو۔“ زاریہ بیک دم اٹھ کھڑی ہوئی، نمرہ بھی
ساتھ ہی اٹھ گئی جبکہ غانیہ کی سوچ میں گم تھی۔

”او میڈم آپ کہاں کھو گئیں؟“ نمرہ کے ہلکے پھلکے
انداز پر وہ نفی میں سر ہل گئی۔

”کوئی بات ہے؟“ نمرہ نے پھر پوچھا۔
”اس پاس کے دوسرے بیٹے کا کچھ پتا ہے وہ ملک

سے باہر بھاگ گیا تھا اگر کچھ گڑبڑ کر دی تو۔“ وہ بے حد
سنجیدہ تھی۔

”دیکھا جائے گا“ تم پریشان مت ہو۔“ نمرہ نے
اسے رساں سے سمجھایا اور کئی دے لگی۔

”غانیہ میں نے کہا تھا ناں تمہیں مجھے یقین ہے
غازان ضرور آئیں گے۔“ عائشہ اور غازان ساتھ ہی

کھڑے تھے وہ خوش شکل انسان واقعی بہت اچھا تھا
غانیہ زاریہ اور نمرہ آفندی کا بے حد مشکور بھی وہ بالکل

اپنے والد سے برعکس تھا۔
”آپ سب نے بہت اچھا کیا جو اس گینگ کو

”یہ تو فرض تھا اور فرض ہمیشہ پورے ہی کرنے
چاہیں۔“ زاریہ کے انداز پر سب ہنسنے لگے تھے پھر

تھوڑی دیر میں وہ دونوں باہر نکل آئیں۔
”تم گاڑی میں بیٹھو میں ابھی آتی ہوں۔“

ساتنے شاپنگ سینٹر کی اونچی عمارت دیکھ کر وہ رک کر
زاریہ سے بولی۔

”چلو میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔“ زاریہ کے کہنے
پر اس نے کچھ پل کھڑے رہ کر سوچا پھر اثبات میں

سر ہلادیا۔
ابھی وہ تھوڑی دور ہی پہنچی تھی کہ فضا میں فائرنگ کی

آوازیں گونجنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ان عجیب و
غریب شکل والے لڑکوں نے انہیں بھی اپنی گولیوں کی

لیٹ میں لے لیا تھا۔ زاریہ کے بائیں بازو پر ایک گولی
لگی تھی جبکہ غانیہ کے ایک سر پر درد دینے میں لگیں۔ ایسا

لگتا تھا جیسے وہ صرف غانیہ کو ہی مارنے کا ارادہ باندھ کر
آئے تھے جو کہ مکمل ہو چکا تھا۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا

تھا کہ کسی کو بھی سنہلنے کا موقع نہیں ملا تھا۔
زاریہ اپنی تکلیف بھول کر سامنے چت لیٹی غانیہ جو

خون میں لت پت تھی کو دیکھ رہی تھی ایک زوردار چیخ فضا
میں گونجی تھی پھر ہر طرف سناٹا چھا گیا۔

اسپتال میں اس وقت سب موجود تھے شاہ میر اس
وقت ایک اہم ڈیپلی کیشن کے ساتھ مینٹگ میں بڑی تھا

جب اس کے فون پر افضل صاحب کی کال آئی تھی۔
”جی ماموں۔“

”بیٹا ابھی ہسپتال آ جاؤ۔“ ان کی آواز بتا رہی تھی کہ
وہ بہت مشکل سے یہ بات کر رہے ہیں شاہ میر کا دل

ایک پل کے لیے زور سے دھڑکا تھا۔ دماغ میں عجیب و
غریب دوسو سے س آنے لگے تھے۔ اس نے سر جھٹک

کر کال کی جانب سماعت مبذول کی۔
”خیریت ماموں..... کیا ہوا؟ کون ہے ہسپتال

میں؟“ اسے تشویش نے اپنے گھبرے میں لے لیا تھا۔
”بس بیٹا تم آ جاؤ۔“ افضل صاحب کا آرزو

ممکین غزل

ہم کو نشے میں سیدھا بھی الٹا دکھائی دے
عالم تمام اک تماشا دکھائی دے

وحشت میں کیا بتائیں کیا کیا دکھائی دے
وحشت میں ہم کو جمنوں بھی لگتی دکھائی دے

شاید کہ انتخابات کا سیزن قریب ہے
لیڈر جو ہم پر جان چھڑکتا دکھائی دے

جب سے سنا ہے جیب میں اک پائی بھی نہیں
ہر دوست اپنا رنگ بدلتا دکھائی دے

بھرتی کیے ہیں ہاس نے جس دن سے رشتے دار
دفتر کا سب نظام بگڑتا دکھائی دے

آیا ہوں جب سے بھاگ کر میں ہسپتال سے
پہلے سے میرا حال سنبھلا دکھائی دے

لاکھ پتی ہے سیٹھ مگر اس کے باوجود
سرمایہ اس کو اتنا بھی تھوڑا دکھائی دے

خود چمکے نے لاکر دی مجھے جب کتاب
آسان اب کیوں نہ مجھے پرچہ دکھائی دے

ہم آپ ہی واڈا والوں کی نوازش نہیں نیا
ہر شخص روشنی کو ترستا دکھائی دے

عائشہ حنن بنتی..... ریالی مری
لہجہ بہت کچھ جتا رہا تھا اس کی آنکھیں خود بخود نم

ہونے لگی تھیں۔
”یا اللہ سب ٹھیک ہو۔“ بے اختیار ہی اس کے لب

سے دعا کے لفظ ادا ہوئے تھے مگر قبولیت کا وقت شاید اب
نہیں رہا تھا۔ رابطہ منقطع ہو چکا تھا وہ بہت ریش

ڈرائیو کر کے ہسپتال پہنچا تھا اور نظر سامنے بیڈ پر بے
جان خون میں لت پت وجود پر پڑی تھی زمین کھسک گئی

تھی اس کے پیروں تلے سے۔ سامنے ہی ایک لیڈی
ڈاکٹر کھڑی تھیں۔

”ڈاکٹر!.....“ وہ تھیر سا ڈاکٹر کی جانب بڑھا تھا۔
آنچل نومبر ۲۰۱۷ء 241

”شی از نومور.....“ ڈاکٹر کے الفاظ تھے یا ایٹم بم وہ ایک تک ڈاکٹر کو دیکھتا رہا پھر بیٹھ پر بے جان وجود کی طرف آیا تھا آنکھوں سے قطرہ قطرہ آنسو بہنے لگے تھے۔

”غانیہ..... غانیہ اٹھو..... اٹھو ناں.....“ وہ اسے دھیرے دھیرے ہلارہا تھا۔ خون میں ترچرہ ہاتھوں کے پیالے میں لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”یہ فاول ہے تم مجھ سے ناراض نہیں تھیں پلیزیو یوں نہیں کرو اٹھو غانیہ..... ایسا نہیں کرو۔ میں..... میں ہر جاؤں گا تمہارے بغیر..... اٹھو نہ غانی“ شدت غم سے وہ چیخ رہا تھا۔

”اٹھو غانی..... اپنے شاہ میر کو مت تکلیف دو۔“ وہ بری طرح اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ رہا تھا۔ کمرے میں سب ہی بے تحاشہ درورہ تھے۔

افضل صاحب نے آگے بڑھ کر روتے شاہ میر کو اپنے کمزور بازوؤں میں بھینچ لیا تھا وہ اٹھائیس سالہ مرد بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا وہ بھرچکا تھا ٹوٹ چکا تھا۔

”غانیہ کو مارنے والے کوئی اور نہیں اس باس کا دوسرا بیٹا تھا جسے وہ بیرون ملک مقیم بھی تھی اسی نے مارا تھا اس نے بچ کا ساتھ دینے کے لیے اپنی جان کی بازی لگادی تھی۔“ اس نے آنسو صاف کر کے ساتھ کھڑی عازنہ کو دیکھا وہ بھی رو رہی تھی۔ اپنے ماضی کو آج پہلی بار اس نے عازنہ کے سامنے بیان کیا تھا۔

”آپ نے اتنا غم اپنے اندر چھپائے رکھا کبھی کسی سے شیئر کیوں نہیں کیا؟“

”کس کو بتاتا سب برابر کے شریک ہیں اس غم میں اور پھر میری ذات کا حصہ تھی غانیہ میں کیسے اپنے ہی آنسوؤں کا اشتہار لگاتا۔“ شاہ میر نے آہستہ سے جواب دیا۔

”غانیہ کو گئے تین سال ہو گئے اور آپ نے اس کا اپنی جی ادھی بند کروادیا تھا۔ اسے کھلوائیں اسے تکلیف

چکے تھے اس وقت وہ اپنے روم میں بیٹھا تھا عازنہ صوفے پر بیٹھی تھی اس کے دونوں بھائی عمر، عمیر بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔

”آپ آپ دہن بن کر بہت اچھی لگ رہی تھیں۔“ یہ عمر تھا۔

”نہیں جی زیادہ اچھے شاہ میر بھائی لگ رہے تھے۔“ عمیر نے فوراً مداخلت کی۔

”جی نہیں دونوں بہت اچھے لگ رہے تھے ہے ناں شاہ میر بھائی۔“ عمر کی بات پر وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا پھر مسکرا کر سر ہلا دیا۔

زار یہ جو غانیہ کی ڈیٹھ کے بعد بہت خاموش رہنے لگی تھی عرفان سے شادی ہو کر وہ ایبٹ آباد چلی گئی تھی اور اب تین سال بعد ہی واپس آئی تھی جب شاہ میر نے خود شادی کی رضامندی دی تھی۔

”شاہ میر آپ کے لیے چائے لاؤں؟“ عازنہ کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا وہ غانیہ کی تصویر لیے اسے صاف گردہا تھا عازنہ مسکرا دی۔

”ہاں لے آؤ۔“ وہ نرم اور دھیمے لہجے میں کہہ کر خاموش ہو گیا تھا عازنہ اسے تصویر کو لیے کھڑا دیکھتی رہی۔

”آپ اسے واپس اپنی جگہ لگا دیں۔“

”نہیں میں اسے کور میں لپیٹ کر رکھ رہا ہوں۔ میں غانیہ کے لیے رونا نہیں چاہتا اسے صرف اچھی یاد کی طرح اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔“ یہ تصویر کسی فنکشن کی تھی غانیہ منہ پر ہاتھ رکھے اپنی مسکراہٹ روک لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے ایک نظر کور میں لپٹی تصویر کو دیکھا پھر عازنہ کو جس کا منہ پھول گیا تھا بالکل غانیہ کی طرح وہ ہلکا سا مسکرایا۔

”مجھے میرے اللہ اور غانیہ کے سامنے سرخرو ہونے دو عازنہ میں نہیں چاہتا جب میں غانیہ سے ملوں تو وہ مجھ سے ناراض ہو کہ میں نے انہیں تمہارا حق کیوں نہیں دیا۔ بے شک یہ بہت مشکل ہے۔“ شاہ میر کی آواز بھاری

مغربی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ



لفظ لفظ نگارے سطر سطر سے بھر پور تحریریں
ایسی کہانیاں اس سے قبل آپ نے نہیں سنی ہوں گی

شائع ہو گیا ہے

مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں پلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیب زریں قمر کے قلم سے نکل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم جس کی شایہ کار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
نوٹب نوٹے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں
021-35620771/2
0300-8264242

۱۱۔ لے لگی تھی جب وہ مسکراتی ہوئی اس کے ہاتھ سے وہ لے کر واپس اس کی جگہ لگا کر بولی۔
 ”میں نہیں چاہتی کہ آپ غانیہ کو بھلائیں وہ یہی نہ کی ہم سب کے ساتھ۔“ اس نے مسکراتی غانیہ کی طرف ہاتھ پھیرا اور پھر خود بھی مسکراتے ہوئے وہاں چلی گئی۔

اس وقت وہ قبرستان میں غانیہ کی قبر پر گلاب کے ترو ۱۲۔ پھول ڈال رہا تھا غانیہ کی دوسری لظم جو اس نے اس نام پر ہی تو تھی لیکن غصہ میں مفہوم نہیں سمجھ پایا تھا آج وہ لظم اس کے ذہن کے پردے پر ابھر رہی تھی۔
 جب میری موت کی خبر پہنچے تم تک تو بس اتنا کرتا

میرا نام فقط ایک بار اپنے لبوں سے ادا کرتا تم میری جدائی کا فقط چند لمحے افسوس کرتا اپنی ہستی آنکھوں سے میرے نام کا آکٹا سو گراتا ہو میری تڑپتی ہلکتی محبت کو میرا ب کرے گا
 اب روانہ ہو میری ڈولی شہر خوشنشاں کی طرف اس چند قدم اسے اپنے کندھے کا سہارا دینا لہ تمہارے وجود کی خوشبو کو

میں اپنے اندر جذب کر سکوں لہ میں اتاریں جب لوگ مجھے تو اپنے لمس سے جھکتی مٹی کو مجھ پر ایک آخری احسان کی صورت ڈال دینا اور اگر کبھی تمہیں کسی موڑ پر

نہری یاد آ جائے تو بس آنکھیں بند کر کے مجھے یاد کرتا میں چاند کی کرنوں میں تمہیں نظر آؤں گی پھولوں پر گرے اوس کے قطروں میں تمہیں ملوں گی بھی خود سے بغاوت کر کے چپکے سے میرے شہر آنا تمہارے قدموں سے مٹی کی صورت لپٹ کر انہیں

پل دو پل جو میری مغفرت کے لیے ہاتھ اٹھاؤ گے

میری قبر پر تو بارش بن کر تمہاری ہتھیلیوں پر گر کے جذب ہو جاؤں گی تمہیں نہ کبھی ستاؤں گی نہ کبھی رلاؤں گی

بن کر ایک انجان لمحہ تمہاری زندگی کے سپنوں میں کہیں گم ہو جاؤں گی چند لمحوں جو بھگیں گی تمہاری پلکیں آنسوؤں سے اس پل میں تمہاری آنکھ سے ہمیشہ کے لیے اسون بن کر بہہ جاؤں گی دعا مانگ کر اس نے ہاتھ چہرے پر پھیرے پھر دھیرے دھیرے غانیہ سے باتیں کرنے لگا
 ”دیکھو غانیہ بہت خوش ہوں میں بالکل تمہاری طرح ہے عازنہ بالکل تمہاری طرح ہی مجھ سے لڑتی ہے زندگی میں ہر خوشیاں ہی خوشیاں ہیں۔ عازنہ سے بندھے ہر شے کو بہت ایمان داری سے بھرا ہوں کہ تم ناراض نہ ہو جاؤ۔ شوہر ہونے کے ناطے عازنہ سے بہت محبت بھی ہے مگر دل کا ایک گوشہ آج بھی تمہاری محبت سے آباد ہے جہاں کوئی اپنے قدم نہیں جھاسکتا۔“ وہ اس کی قبر پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرتا کہہ رہا تھا پھر مسکرا کر اس کی قبر پر الوداعی نظر ڈالتے اٹھ کر قبرستان سے باہر نکل آیا۔



ہومیوڈاکٹر طلعت نظامی

ہائوسٹریا (Hystreia)

ہسٹریا (Hystreia) یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی بچہ دانی (Uterus) یہ ایک ایسا اعصابی مرض ہے جس کی وجہ نفسیاتی ہوتی ہے۔ اس بیماری سے یہ ضروری نہیں کہ نظام جسم میں بذات خود کوئی تکلیف پیدا ہو۔ ہسٹریا کا آلات تولید کے نظام عصبی سے گہرا تعلق ہے اس مرض میں نوے فی صد عورتیں اور دس فی صد مرد مبتلا ہوتے ہیں۔

یہ مرض عصبی ہے اور نظام عصبی کے افعال میں فوراً واقع ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ مرض صرف عورتوں تک ہی نہیں کیونکہ یہ محض رحم کی خرابی سے پیدا نہیں ہوتا ہے بلکہ مردوں میں بھی یہ مرض دیکھنے کو آتا ہے۔ اسے باؤ گولہ کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ جب اس مرض کا دورہ شروع ہوتا ہے تو مریض کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے پیٹ سے ایک گولہ اٹھ کر اوپر کو جا کر اس کے حلق میں اٹک گیا ہے۔

پرانے طبیب اس مرض کو صرف عورتوں کی بیماری سمجھا کرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ مرض رحم کی خرابی سے پیدا ہوتا ہے لیکن اب جدید تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ مرض ان عورتوں کو بھی ہوتا ہے جن کے رحم میں کوئی خرابی نہیں ہوتی۔ عصبی مزاج کے مردوں کو بھی یہ مرض دیکھنے میں آتا ہے اس مرض میں کسی عضو میں کوئی خاص نقص نہیں ہوا کرتا بلکہ نظام عصبی کے فعل میں عارضی نقص واقع ہو کر اس مرض کا دورہ ہوا کرتا ہے۔

جو خواتین اس مرض میں مبتلا ہو جائیں اپنے آپ

کو مختلف امراض میں گھرا محسوس کرتی ہیں کوئی اپنے آپ کو فالج میں مبتلا سمجھتی ہیں کوئی عام جسمانی تکلیف بیان کرتی ہیں کوئی لنگڑا کر کوئی پاؤں محسوس کرتی ہیں۔ کوئی نچلے دھڑکے فالج میں خود کو مبتلا سمجھتی ہے لیکن جب کھڑا کیا جائے تو کھڑی ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ وہی طور پر بیمار ہوتی ہیں بعض کو گرانی سر کی شکایت ہوتی ہے بعض کو اختلاج قلب۔

بعض عورتیں حواس غصہ ظاہری کی حس کو بہت تیز پاتی ہیں یعنی معمولی تیز روشنی کو آنکھ سے نہیں دیکھ سکتیں معمولی آواز کو تیز ہلکی کو بہت زیادہ محسوس کرتی ہیں بعض خواتین پیٹ کے درد کی شکایت کرتی ہیں بعض گلے میں درم بتاتی ہیں کچھ امراض سل میں خود کو مبتلا پاتی ہیں۔

لیکن چونکہ وہ واقعی طور پر ان امراض میں اپنے آپ کو مبتلا سمجھتی ہیں اس لیے بالآخر رفتہ رفتہ فکروخیل کے زیادہ اثر کر لینے کی وجہ سے وہ واقعی ان امراض میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔

علامات کے لحاظ سے ہسٹریا کی دو قسمیں ہیں
 ☆ خفیف ہسٹریا
 ☆ شدید ہسٹریا

خفیف ہسٹریا مریض کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیٹ سے ایک گولہ اٹھ کر اوپر کو جاتا ہے اور گلے میں اٹک گیا ہو وہ اس کو نگلنے کی کوشش کرتی ہے اور اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ یہ تکالیف جلد ہی دور ہو جاتی ہیں مریض کو تھوڑا سر اور گردن میں سختی محسوس ہوتی ہے ڈکار آتے ہیں شکم پھول جاتا ہے دل دھڑکتا ہے پیٹ بڑھتا ہے اور بکثرت خارج ہوتا ہے چہرے پر سرخی نمایاں ہوتی ہے۔

شدید ہسٹریا

ایک مریض سچ مار کر رونے لگتی ہے یا زور سے ہنسنے لگتی ہے۔ سر میں تکلیف محسوس کرتی ہے پیٹ سے

کو لائے اور پر کو جاتا محسوس ہوتا ہے اور وہ آہستہ آہستہ زمین پر گر پڑتی ہے بظاہر وہ بے ہوش ہوتی ہے۔ لیکن آس پاس کی آوازوں کو بخوبی سنتی ہے ہاتھ اور پیروں میں سچ ہوتا ہے۔ مرض کا دورہ لوگوں کی موجودگی میں پڑتا ہے یہ دورہ چند منٹ سے چند گھنٹوں یا دنوں میں محیط ہوتا ہے۔ ایک دورے کے بعد دوسرا دورہ فوراً پڑ سکتا ہے سوتے میں دورہ نہیں پڑتا جب مرض کا حملہ دورہ ہو جاتا ہے تو مریض کو بہت طاقت محسوس ہوتی ہے۔

ہسٹریا کی یہ نمود آگے بڑھ کر ارادی اور غیر ارادی عضلات (Voluntary and Involuntary) کو متاثر کرتی ہے تو شدید قسم کے تشنجی دورے پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ دورے محض لرزہ کی کیفیت سے لے کر شدید تشنجی بد وضع دوروں تک ہو سکتے ہیں ایک ڈاکٹر لکھتے ہیں کہ ہسٹریا کے دوروں میں دانتوں کا بجنا، منہ کا نیڑھا ہونا، آنکھوں کا اوپر کی طرف چڑھ جانا، مسلسل ڈھیلوں کا آنکھوں کے حلقوں میں گھومتے رہنا۔ ہاتھوں اور پیروں میں کھنچاؤ کا پیدا ہو جانا، مٹھیلوں کا بند ہو جانا، جسم کا اکڑ جانا دیکھا جاتا ہے۔ یہ کیفیت چند منٹ سے کئی گھنٹوں تک رہ سکتی ہے اور اس کے بعد پکا ایک آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور یہ بھی کیفیت اپنے آپ رخ ہو کر دورہ ختم ہو جاتا ہے۔

کھنٹ و عشقیہ خیالات۔ مقامی اور طبعی اثرات ہسٹریا کے پیدا کرنے میں کافی مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ ادویات ہسٹریا کے دورے کے دوران کپڑے ڈھیلے پہنا دینے چاہئیں اور مریض کو جت لٹا دینا چاہیے۔ ٹھنڈے پانی کے زوردار چھینٹے چہرے پر دینے سے اکثر یہ دورہ رک جاتا ہے مریض کے جذبات کا پورا پورا خیال رکھتے ہوئے معالج کو برداشت اور ہمت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

مندرجہ ذیل ادویات ہسٹریا کی تمام علامات کو سامنے رکھ کر منتخب کی گئی ہیں۔

چڑچڑاہٹ اور بے صبری
جلسی میم پلسا ٹیلا، پسا، ٹکس و امیکا، کوکولس، سائی پریڈیم۔
بے حد اعصابی کمزوری
پلا ٹیٹا، فاسفورک ایسڈ، الٹس فاری نو سا، مسلسل ایک ہی خیال کے تار یک پہلو کو سوچے۔
اکٹیا، ٹکس و امیکا، جلسی میم۔
حد سے زیادہ خوف
اکو ٹیٹ، پلا ٹیٹا، پلسا ٹیلا۔
توہمات:- بے خوابی
کئی سی فیکو، ویلیر یا نہ سائی پریڈیم، ہیڈ اوما۔
دل میں کمزوری
ہائیڈو سیانک ایسڈ، فاسفورس۔

اسباب مرض
یہ مرض موروثی ہوتا ہے جن والدین کو مرگی یا ہسٹریا کا عارضہ ہو ان کے بچوں کو یہ مرض ہو جاتا ہے۔ اس مرض میں عموماً بارہ سے چالیس سال تک کی عمر کی عورتیں مبتلا ہوتی ہیں۔ عورتوں میں حیض کی خرابی یا حیض کا بند ہونا، شہوانی خیالات کا غلبہ، عیش و عشرت کی زندگی گزارنا، رنج و فکر، غصہ و خوف، عشق میں ناکامی و بدنامی، دائمی نفی، مردوں میں بکثرت دماغی

میں میں

میمونہ رومان

مدیر نورین مہک..... کجرات

وہ ملا تو صدیوں بعد بھی میرے لب پر کوئی گلا نہ تھا اسے میری چپ نے رلا دیا جسے گفتگو میں کمال تھا روشی وفا..... ماچھیوال

فرصت قلیل کہانی طویل ہے
شکوے تو ہزار ہیں مگر جانے دیجیے
طیبہ خاور سلطان..... عزیز چک ڈیر آباد

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے
شاہ قریشی..... ساہیوال

شب وصال ہے گل کردوان چرخوں کو
خوشی کی بزم میں کیا کام چلنے والوں کا
نجم انجم اعوان..... کراچی

نظروں سے پلا کے جام مدھوش کر دیا
سنائی جو داستان ہجر تو خاموش کر دیا
نقضا تھا کہ اک بار نقاب رخ سے ہٹا دو

درشن کر کے اس نے بے ہوش کر دیا
مدیر کرن..... وزیر آباد

بیٹھ جاتا ہوں خاک پہ اکثر
اپنی اوقات اچھی لگتی ہے
غزالہ پیر..... مری ڈنڈ

ہم طالب شہرت ہیں ہمیں تنگ سے کیا کام
بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا
رقیب ناز..... وہاڑی

لکھ کر ہمارا نام زمیں پر مٹا دیا
ان کا تھا کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا
حاتا نورین..... والدین

عشق دریا ہے جو تیرے وہ تہی دست رہے

وہ جو ڈوبے تھے کسی اور کنارے نکلے
ارم کمال..... فیصل آباد

جو مسکرائیں تو ہنس ہنس پڑیں کئی موسم
وہ گنگنائے تو باد صبا ٹھہر جائے

وہ ہونٹ ہونٹوں پر رکھ دے دم آخر
مجھے گماں ہے کہ آتی قضا ٹھہر جائے
پردین افضل شاہین..... بہاولنگر

شام کی دلہیز سے شمعیں اٹھا کر لے گیا
کون ہے جو شہر کی رسمیں چرا کر لے گیا
لوگ پاگل ہو رہے تھے پارشوں کی چاہ میں
اور جھونکا بادلوں کو ہی اڑا کر لے گیا

یا سہین کنول..... پسرور

موسم گل میں اپنی شاخوں سے
زرد پتے ہی بس جھڑے ہوں گے
خود کو تنہا ہی پاؤ گے ہر پل
شہر میں لوگ تو بڑے ہوں گے

سیدہ لوباجاد..... کھرورڈکا

تسکین نہ ہو جس میں وہ راز بدل ڈالو
جو راز نہ رکھ پائے ہم راز بدل ڈالو
تم نے بھی سنی ہوگی کیا خوب حکایت ہے
انجام کا ہو ڈر تو آغاز بدل ڈالو

سمیع غزل..... بی ایم

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے
فریدہ جالید فری..... لاہور

آہ وہ یاد جس نے دل کو بھلا رکھا ہے
ہائے وہ درد کہ جس کا کوئی احساس نہیں
آج اس دل کا ترنہ نہیں دیکھا جاتا
یہ بھی اچھا ہے کوئی آس پاس نہیں

نورین انجم اعوان..... کراچی

بارش ہوئی تو پھولوں کے تن جاک ہو گئے
موسم کے ہاتھ بھیگ کر سفاک ہو گئے

بادل کو کیا خبر ہے کہ بارش کی چاہ میں
کیسے بلند و بالا شجر خاک ہو گئے
رویہ کوثر..... بستی ملوک
ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کت بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے
اسما گل مغل..... کوٹ مبارک
بات کب عشق کی ہونٹوں سے بیاں ہوتی ہے
عشق ہوتا ہے تو آنکھوں میں زبان ہوتی ہے
گل مینا خان اینڈ حسینا چائیں..... ہنسہ
ترے ہوتے ہوئے خالق
مجھ پر ہر شخص نے خدائی کی
سیدہ نادیہ حسن.....
حسین گنتی ہے کس قدر یہ برقی بارش
زار و قطار روتی ہوئی جیسے کوئی دوشیزہ
جاذبہ عباسی..... مری
یہ جو رقص ہے میرا فرش پر
یہ ہی لے اڑا مجھے عرش پر
میری ذات میں جو دھال ہے
تیرے عشق کا یہ کمال ہے
انم زہرہ..... ملتان
میری راہ گزر میری منزلیں میری محفلیں تیری ذات تک
میری خواہش میری جستجو میری ہر خوشی تیرے نام تک
ہو تیری سوچ میری یاد تک..... تیری گفتگو میری بات تک
ہو چہیں میرے ساتھ کی آرزو میری زندگی کے بعد تک
تسلیہ محمداؤ..... اسلام آباد
خواب عدم سے چونکے تھے ہم تیرے واسطے
آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے
طیبہ حنا..... تونسہ شریف
یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے
ہمیدہ خالق..... برٹلی
جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مر گئے

اکثر ہمارے ساتھ کے پیار مر گئے
سیراگل ناز..... کراچی
غموں سے الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے ناکامیوں پر اشک بہانا نہیں آتا
فہمیدہ غوری..... کراچی
میرے ساتھ چلنے والے تجھے کیا ملا سفر میں
وہی دکھ بھری زمیں ہے وہی غزدہ آسمان ہے
انہی راستوں نے جن پر بھی تم تھے ساتھ میرے
مجھے روک روک پوچھا تیرا ہم سفر کہاں ہے
انیلا طالب..... لاہور
چین سے سو رہا ہے جہاں
میری نیند جانے کھوئی ہے کہاں؟
نورین مسکان..... سیالکوٹ، ڈسکے
مرتا نہیں کوئی کسی کے بغیر یہ حقیقت ہے زندگی کی
لیکن صرف سانس آنے کو جینا بھی نہیں کہتے
دفا آرزو..... ہنسہ
ہر چند کہ حالات موافق نہیں پھر بھی
دل تیری طرفداری میں سفاک بہت ہے
عائشہ مسکان..... رحیم یار خان
یہ سنگریزے عداوتوں کے وہ آجینے ستادوں کے
دل مسافر قبول کر لے ملا جو کچھ جہاں جہاں ہے
تو ہم نفس ہے نہ ہم سفر ہے کسے خبر ہے کہ ٹوکدھر ہے
میں وکیل جسے کے پوچھا بیٹا کیس میں مکمل مکالمہ سے
انم نصیر..... ملتان
ہوائیں نوید دے رہی ہیں کسی کے لوٹ آنے کی
مگر آنے والے بن لے ہم تجھ سے روٹھ گئے ہیں
خواب دیکھے تھے بھی تیری قربت کے کنول نے
انتظار طویل میں وہ خواب سارے ٹوٹ گئے ہیں



biazdill@aanchal.com.pk

دشمنستان

طلعت آغاز

خشخاش کا حلوہ

ضروری اشیاء:-

خشخاش

ایک پیالی

بادام

چینی

دودھ

چھوٹی لاپٹھی

چاندی کے ورق

ترکیب:-

خشخاش اور بادام کو علیحدہ علیحدہ ٹھنڈے پانی میں بھگو کے
رکھ دیں پھر دس تین مرتبہ پانی میں دھو لیں۔ خشخاش کو پانی
سے چھان لیں ٹرے میں اخبار بچھا کر اس پر پھیلا کر خشک
کرنے رکھ دیں بادام کو پھیل لیں پھر بادام اور خشخاش ملا کر
باریک پس لیں۔ دودھ کو ابلانے رکھیں اور اس میں ہسی ہوئی
الاجچی ڈال کر تین سے چار منٹ پکالیں۔ پین میں بھی ڈال کر
تین سے چار منٹ گرم کریں اور اس میں خشخاش اور بادام کا
پیسٹ ڈال کر اتنی دیر بھوئیں کہ خوشبو آئے لگے۔ خوشبو آنے پر
اس پر چینی ڈال کر دس منٹ تک بھوئیں اور آخر میں اس میں
دودھ شامل کریں پھر اتنی دیر بھوئیں کہ طوطہ گاڑھا ہو جائے
اب طوطہ چولہے سے اتار کر ٹرے میں پھیلا کر نکال لیں اور
چاندی کے ورق سے سجاکر گرم گرم پیش کریں۔
روٹی وفا..... ماحیوال

ڈھوکلا

اجزاء:-

چاول کا آٹا

بیکن

دہی کی کھمبھی لسی

کھانے کا سوڈا

نمک

250 گرام

ڈیڑھ کپ

تین کپ

ایک چٹکی

حسب ذائقہ

ہری مرچ اور کپسا ہوا
تیل
بھجارتانے کے لیے اشیاء:-
زیرہ
رائی
کڑی پتہ
چارے پانچ عدد
ترکیب:-

چاول کا آٹا اور مین کو دہی کی لسی کے ساتھ اچھی طرح
مکس کر کے سات آٹھ گھنٹہ کے لیے رکھ دیں۔ پھر اس میں
باقی کے مصالحے ملا لیں ایک برتن میں تیل ڈالیں اور اس پھر
کو ڈال کر ہلکی آگ پر پکائیں۔ جب کنارے چھوڑنے لگے تو
اس کا مطلب ہے پک گیا پھر چوکور ٹکڑے کاٹ لیں زیرہ رائی
اور کڑی پتہ کا بھجارتانے پھر مرے کا ڈھونڈا کھائیں اور
دعاؤں میں یاد رکھیے۔

طیبہ خاور سلطان..... عزیز چک ڈیرا باد

نورگسی کباب

اجزاء:-

قیمہ (مرغی یا بکری کا)

ابلے ہوئے انڈے

کارن فلاور

نمک

سرخ مرچ

کٹنا گرم مصالحہ

پسا ہوا خشک دھنیا

سبز مرچ

انار دانہ

ادریک، لہسن پیسٹ

ترکیب:-

قیمہ میں تمام اجزاء شامل کریں انڈے ابال کر میٹھ کر لیں
اور انہیں بھی قے میں شامل کر لیں اچھی طرح سے ہاتھوں کی
مدد سے قیمہ میں تمام اجزاء مکس کریں پانچ منٹ ڈھانپ کر
رکھ دیں پھر کباب کی شکل دے کر دس منٹ فریزر میں رکھیں
دس منٹ بعد فریئر کر کے کپ کے ساتھ پیش کریں۔
سیدہ لو باسجاد..... کمر ڈپکا
رس ملانی

اشیاء:-

دودھ ایک لیٹر
ملک پاؤڈر ایک کپ
بیکنگ پاؤڈر ایک چائے کاج
انڈا ایک عدد
چینی آٹھ کھانے کے کچ
گھی (جما ہوا) ایک چائے کاج
الائیچہ چار عدد
پستہ (کٹا ہوا) چار سے پانچ عدد
ترکیب:-

دودھ میں چینی اور الائیچہ ڈال کر ابال لیں ملک پاؤڈر ڈالیں اس میں بیکنگ پاؤڈر اور انڈا ڈال کر گھی کے ساتھ گوندھ لیں اب ہاتھ پر ہلکا سا گھی لگا کر اس کی چھوٹی چھوٹی گولیاں بنائیں جب دودھ ابل جائے تو اس میں یہ گولیاں ڈال دیں اب اسے درمیان آٹھ پر رکھ کر آٹھ سے دس منٹ تک پکائیں تھوڑی دیر میں یہ پھول جائیں گی۔ پتلی کو وقفہ وقفہ سے ہلاتے رہیں جب سموڑا سا دودھ گاڑھا ہو جائے تو اتار لیں اور سموڑا کر لیں اس کے بعد پستہ وغیرہ چمڑک کر پیش کریں۔

آخر اجاٹ..... پختہ آباد

ضروری اجزاء:-

نوڈلز آدھا کیکٹ
چینی حسب پسند
جیلی حسب پسند
فلپور ایک بیکٹ
کیوڑہ چند قطرے
پستہ بادام (کٹا ہوا) دو کھانے کے کچ
ناریل (پسا ہوا) دو کھانے کے کچ
سبز الائیچہ بارہ عدد
دودھ پانچ عدد
ترکیب:-

نوڈلز ابال لیں دودھ کو اتار کر گرم کریں کٹا دھارہ جائے اس میں چینی ڈال کر ایک جوش دے لیں اور ساتھ ہی الائیچہ کیوڑہ کشیں اور نوڈلز ڈال دیں مزید تھوڑی دیر پکا میں اور

باؤل میں نکال کر سموڑا کر لیں۔ جیلی تیار کر کے سموڑی کر لیں جیلی کی ڈیزائننگ کر کے سویت نوڈلز پر ڈھک کر دیں اور ساتھ ہی ناریل پستہ بادام بھی چمڑک دیں مزے دار سویت نوڈلز تیار ہیں سموڑا سموڑا کر دیں۔

اجزاء:-

چاول ایک کلو
بند گھی ایک پھول
شملہ مرچ دو عدد
پیاز ایک عدد
ادریک لہسن پیسٹ دو چائے کے کچ
تیمہ (چکن یون لیس) ڈیڑھ کلو گرام
سفید زیرہ ایک کھانے کے کچ
آٹھ کھڑا گرم مصالحہ (چھوٹی

الائیچہ) چار سے پانچ عدد
دارچینی دو سے تین
لوگ پانچ عدد
کالی مرچ چھ عدد
سفید زیرہ تھوڑا سا

پسی کالی مرچ ایک کھانے کے کچ
آلو آدھا کلو کیوب کنگ
ہری مرچ چار سے پانچ عدد
گاڑ دو سے تین عدد
مٹر (ابلی ہوئی لوبیا) ایک کپ
انڈے بوائل تین سے چار عدد
چائیر نمک دو کھانے کے کچ
سادہ نمک حسب ضرورت
سفید زیرہ ڈیڑھ کچ
سرکہ دو کھانے کے کچ
سویا سوس دو کھانے کے کچ
ترکیب:-

چاول صاف کر کے بھگو دیں پیاز سلان کریں۔ ایک پتلی میں آٹھ ڈالیں اور پیاز ڈال دیں پیاز لائٹ براؤن

کریں۔ ادریک اور لہسن کا پیسٹ ڈالیں اور اس میں چکن تیمہ ڈالیں اور آلو بھی ڈال دیں۔ آٹھ سے دس منٹ بھوئیں اور اس میں تمام مصالحے ڈالیں اور مزید پانچ منٹ کے لیے بھوئیں پھر ڈیڑھ کلو پانی ڈالیں آٹھ درمیان کریں۔ اب اس میں چاول شامل کر کے ڈھکن لگا دیں۔ اب دس سے پندرہ منٹ کے بعد چیک کریں چاولوں کا پانی خشک ہو گیا ہے اگر چاول ایک کٹی رہے گئے ہیں تو اخبار کا دم دیں اگر دو کٹی رہ گیا ہے تو کیلا کٹر ڈال کر دم دیں پندرہ سے بیس منٹ کے لیے دیں سبزیوں کو فرانی کرنے کے لیے:-

آٹھ دو کھانے کے کچ
ایک کھانے کے کچ
ایک کھانے کے کچ
ایک کھانے کے کچ
ایک کھانے کے کچ
کالی مرچ (پسی ہوئی) حسب ضرورت
سادہ نمک ایک کھانے کے کچ
چائیر نمک آدھا کپ

ترکیب:-

تمام سبزیوں کو کیوڑ میں کٹ لیں ایک ساس چین میں آٹھ ڈالیں اور گرم کریں۔ گاجر کے علاوہ تمام سبزیوں اور لوبیا شامل کریں اور تمام مصالحے ڈال کر بھوئیں لیں اور اس میں آدھا کپ پختہ شامل کریں اور ڈھکن لگا کے پانچ منٹ کے لیے چھوڑ دیں گاجر کو الگ سے تمام مصالحے ڈال کر فرانی کریں تاکہ تمام سبزیوں میں اس کا کھرنا آئے۔ پانچ منٹ کے بعد چیک کریں پانی خشک ہو گیا ہے تو چھلکا بند کر دیں جب چاولوں کا دم کھولیں اس میں فرانی کی ہوئی سبزیوں اور ابلے ہوئے انڈے شامل کر دیں اور اسٹیشن سی ڈش میں ڈال کر دہی کے راسیہ کے ساتھ سرو کریں۔

نوٹ:-

سبزیوں اگر موسم کی نہ ہوں تو پانچ منٹ کے لیے بوائل کر لیں تاکہ اس کا کچا پن ختم ہو جائے۔ مسز فرحانہ فلک..... ڈی جی خان

فرانی چٹ پی مونگ وال اجزاء:-
مونگ وال ابلی ہوئی آدھا کلو

فٹائر

ہری مرچ ثابت
ہری مرچ باریک کٹی ہوئی
کلوچی
ثابت دھنیا
پیاز باریک کٹی ہوئی
زیرہ
لہسن پسا ہوا
گھی لال مرچ
پسا دھنیا
ہلدی
ثابت لال مرچ
ہرا دھنیا موٹا کٹا ہوا
نمک
آٹھ
ترکیب:-

آٹھ کٹائی میں گرم کر لیں زیرہ ڈال کر لائٹ براؤن کریں اس کے بعد فٹائر ڈال کر فٹائر نرم ہونے تک فرانی کر لیں۔ اب لہسن ثابت، لال مرچ ثابت دھنیا گھی لال مرچ ہلدی پسا دھنیا کلوچی نمک ڈال کر دس منٹ فرانی کریں اب ابلی دال ڈال کر پانچ منٹ فرانی کریں اس کے بعد پانچ منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں پھر کچھ دیر بعد اس میں باریک پیاز کٹی ہوئی ہری مرچ باریک کٹی ہوئی ثابت ہری مرچ ہرا دھنیا موٹا کٹا ہوا چلوے سے اتار کر رکھ دیں پانچ منٹ ڈھکن ڈھکا رہے دیں اس کے بعد مزے سے کھائیں اور ہمیں بھی بھجوائیں؟

سونی علی..... رشم علی مورو



ایک بیوٹی پارلر میں چند لڑکیاں چہرے کی تھریڈنگ اور پلچ کر رہی تھیں ان کی عمریں اٹھارہ سے بائیس سال کے درمیان ہوں گی۔ سب کاج میں زیر تعلیم ہیں۔ یہ ہر ماہ باقاعدگی سے چہرے اور ہاتھوں کی پلچ کرائی ہیں اگر پارلر جانے کا وقت نہیں ملتا تو پھر خود کرتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر لڑکی کو اپنا خیال رکھنا چاہئے تاکہ بڑھاپے میں پلاسٹک سرجری یا دیگر مہنگے طریقے نہ اختیار کرنے پڑیں۔ ہر لڑکی کو بیس سال کے بعد اپنے چہرے گردن اور ہاتھ بیروں پر خصوصی توجہ دینی چاہئے اور میک اپ ضرور کرنا چاہئے۔ یہ وقت کا تقاضا ہے۔ ہمارے ملک میں بانی ہوا تک میں آلودگی ہے۔ دھوپ میں میک اپ کئے بغیر گھر سے نکلنے کا مطلب ہے کہ آپ اپنے حسن کی دشمن ہیں۔ بعض لڑکیاں شادی کے دن میک اپ کرتی ہیں اس وقت وہ حسین تو لگتی ہیں لیکن اس کے بعد ان کا حسن ماند پڑنے لگتا ہے کیونکہ شادی کے بعد جب زندگی تبدیل ہوتی ہے۔ کام کا بوجھ تھکاوٹ ہوتی ہے۔ بچے پیدا ہوتے ہیں تو جو بیس سال کی شادی شدہ لڑکی چالیس سال کی نظر آنے لگتی ہے۔ اس وقت انہیں احساس ہوتا ہے کہ اپنے آپ پر توجہ نہیں دی۔ آج کل تو میٹرک کی طالبہ کو بھی علم ہوتا ہے کہ صبح شام اور رات کے وقت کیسا میک اپ کرنا چاہئے۔ جلد کی حفاظت کیسے ممکن ہے۔ اس میں کوئی برائی نہیں ہے جب ہمیں معلوم ہے کہ میک اپ کرنے سے جلد خراب نہیں ہوتی، حسن بگڑتا ہے تو پھر کیوں نہ کریں۔ البتہ میک اپ زیادہ اور ہر وقت نہیں کرنا چاہئے۔

میک اپ سے بچے یا چہرے کی مالک ایک خاتون کا کہنا ہے کہ میں نے زندگی کے پچاس سالوں میں پہلی اور آخری مرتبہ میک اپ شادی اور ولیمہ کے دن کیا تھا۔ اس

کے بعد سے آج تک سوائے لب اسٹک کے کچھ استعمال نہیں کرتی۔ مجھے عام میک اپ کی چیزوں کے نام تک نہیں معلوم۔ میری دو پیشیاں ہیں انہیں میک اپ کی شہد ہے بلکہ وہ تو اب مجھے بھی مشورے دیتی ہیں کہ آپ اپنے چہرے پر فلاں فاؤنڈیشن استعمال کریں فلاں صابن سے منہ دھوئیں۔ میں ان کی باتیں سن کر خاموش رہتی ہوں۔ کیونکہ جب میری جیب ہی میک اپ کرنے کی اجازت دے تو میں اس کے بارے میں کیوں سوچوں۔ البتہ میں سمجھتی ہوں کہ عورت کو اپنا خیال رکھنا چاہئے اور ہلکا ہلکا میک اپ ضرور کرنا چاہئے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں آج کل خواتین کی شادی ایک مسئلہ بن گئی ہے۔ مثلاً کسی لڑکی کے چہرے پر کوئی پیداگئی نشان ہے تو اس کا رشتہ نہیں آ رہا یا کسی کے چہرے پر درد میں زیادہ ہیں۔ غرض یہ کہ چھوٹے چھوٹے مسائل کی وجہ سے لڑکیاں احساس کمتری کا شکار ہو جاتی ہیں۔ میک اپ سے ان کے چہرے کے نشانات جہاں چھپ جاتے ہیں وہاں مختلف کریموں کے استعمال سے ختم بھی ہو جاتے ہیں۔ ایک گھریلو خاتون کا کہنا ہے کہ بنی سنوری خواتین سب کو اچھی لگتی ہیں ان کی شادیاں بھی ہو جاتی ہیں جب کہ سدھی سادی لڑکیوں کی شادی بھی مسئلہ بن گئی ہے۔ اس لئے اب پہلے کی نسبت خواتین میں میک اپ کرنے کا رجحان زیادہ ہو گیا ہے۔

ایک ماہر آرائش حسن جن کا ایک بیوٹی پارلر ہے جہاں نہ صرف خواتین کا میک اپ کیا جاتا ہے بلکہ لڑکیوں کو میک اپ کرنے کی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ نیز انہیں جلد کی حفاظت کے طریقے بھی بتائے جاتے ہیں ان سے جب ہم نے پوچھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ بیوٹی پارلر کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے خواتین میں میک اپ کرنے کا رجحان زیادہ ہو رہا ہے ایسا کیوں ہے؟ خواتین میک اپ کیوں کرتی ہیں؟ اس بارے میں انہوں نے کہا کہ آرائش حسن کا ہر خاتون کی زندگی میں اہم حصہ ہے۔ اب یہ ایک فن بھی ہے اور ضرورت بھی۔ ماضی کا جائزہ لیں تو پتا چلے گا کہ

پرانے زمانے میں بھی خواتین اپنے حسن کی حفاظت کے لیے مختلف قسم کی جڑی بوٹیوں اور گھریلو نسخے استعمال کرتی تھیں۔ اب حسن کو نکھارنے کے جدید ادارے ہیں جن کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ خواتین میں شعور پیدا کیا جائے کہ جلد کی حفاظت کیسے ممکن ہے۔ حسن کو تو ہر دور میں نکھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جب تک لب اسٹک کا وجود نہیں تھا خواتین مسی وندا سا لگتی تھیں آئی لائنز نا پید تھا تو سرمہ کا جل لگا کر آنکھوں کو پرکشش بنایا جاتا تھا۔ فیشل مساج کا تصور نہیں تھا تو بیسن اینٹن سے رنگ نکھاری جاتی تھی۔ بالوں کی چمک میں اضافہ کرنے اور انہیں سنہری رنگ میں کرنے کے لیے مہندی لگائی جاتی تھی۔ اب مختلف رنگوں سے بالوں کو ایک نہیں دو تین رنگوں میں رنگا (ڈائی) جاتا ہے۔ قدرت کے عطیے مٹی پانی، نمکیات کی صورت میں ہیں۔ ان کو خواتین مختلف طریقوں سے اپنے چہرے پر استعمال کرتی ہیں۔ کچھ عریقات ایسے ہیں جن کے استعمال سے چہرے کی جلد ملائم بلکہ چمک دار ہو جاتی ہے۔ چہرے پر تازگی آ جاتی ہے۔

انہوں نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ انسان کبھی مطمئن نہیں ہوتا۔ مثلاً جن خواتین کے بال چھوٹے ہوتے ہیں وہ انہیں بڑے کرنے کی کوشش کرتی ہیں جن کے بڑے ہوتے ہی وہ انہیں چھوٹا کرتی ہیں۔ سیدھے بالوں والی خواتین ہنسنے والے اور ہنسنے والے بالوں والی خواتین ہال سیدھے کرا لیتی ہیں۔ غرض اپنی خواہشات کو پورا کرنے کی سعی کرتی رہتی ہیں۔ اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ سنوارنا چاہتی ہیں اور اس میں کوئی برائی بھی نہیں ہے۔ ہر خاتون کو خود پر توجہ دینی چاہئے۔ میک اپ کرنا ہر عورت کا حق ہے۔ اگر چنانچہ کہ دور میں عورت گھریلو یا ملازمت پیشہ اس کے پاس وقت کی قلت ہی رہتی ہے مگر اس کے باوجود وہ اپنا خیال زیادہ رکھنے لگی ہے۔ پھر نئی ایجادات کے ساتھ میک اپ کی اشیاء بھی روز بروز نئی نئی متعارف ہو رہی ہیں۔ ان کی تحسین ہوتی ہے اور وہ عورت جو گھر بیٹھے اپنے حسن اور اپنی جلد کے لیے فکر مند

ہوتی ہے۔ مختلف میک اپ کی اشیاء خرید کر اپنے حسن کو نکھارتی رہتی ہے۔

مولے ہونٹوں کو پتلا میک اپ ہی کفر ریعے کیا جاتا ہے۔ کالے رنگ کو گورا میک اپ ہی کرتا ہے۔ ایسے میں کون کالی لڑکی ہوگی جو میک اپ کرنے کی خواہشمند نہیں ہوگی، گوری حسین لڑکیاں اپنے آپ کو مزید خوب صورت بنانے کے لیے میک اپ کرتی ہیں۔ آپ میک اپ کئے ہوئے اور عام چہرے کو دیکھیں فرق صاف نظر آ جائے گا۔ اب تو مرد بھی میک اپ کرنے لگے ہیں۔ ایک دور تھا جب ہم کہتے تھے فلاں لڑکی تو پیدا کئی حسین ہے اسے میک اپ کرنے کی بھی ضرورت نہیں لیکن اب تو مس درلڈ کے حسن کو بھی میک اپ سے مزید نکھارا جاتا ہے۔ میک اپ عورت کی خواہش ہی نہیں اس کی ضرورت بھی ہے۔ پہلے زمانے میں خواتین کی جلد اچھی ہوتی تھی۔ ان پر کام کا بوجھ نہیں تھا۔ اب خواتین پر بہت زیادہ کام کا دباؤ ہوتا ہے۔ خواہ وہ گھریلو ہوں یا ملازمت پیشہ۔ اس لیے بھی میک اپ کرنا ان کے لیے ضروری ہو گیا ہے۔ تھکے ہوئے نڈھال بیمار چہروں پر بھی میک اپ کرنے سے رونق آ جاتی ہے۔ جو خواتین میک اپ نہیں کرتیں اپنی جلد کا خیال نہیں رکھیں ان کو میرا مشورہ ہے کہ وہ ضرور میک اپ کیا کریں لیکن میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ گھر میں بھی میک اپ کریں ہر چیز کی زیادتی بری ہوتی ہے۔ اس لیے تقریبات کی مناسبت سے میک اپ کریں لیکن جلد کی حفاظت ضرور کریں۔ خواہ گھریلو نسخوں سے کریں یا مختلف اوشنر اور کریموں سے۔



سیکھیں

ایمان و قنار

نعت رسول مقبول ﷺ

میرے قدم ہوں تیرا حرم ہو بس کافی ہے
پھر چاہے ہو جائے جاں قضا اے نبی ﷺ
میری بساط جاں یہ حیات نو تو کچھ بھی نہیں
نہ ہوسکا اگر دیدارِ روضہ رسول کا اے نبی ﷺ
میری ہر تمنا کے تصور میں ابھرتا ہے فقط سبز گنبد
کہ اب ہر خواہش و تمنا فنا ہوئی اے نبی ﷺ
تیرا ہی وسیلہ تیرا ہی نظرِ کرم تیرا ہی مدینہ ہو
جو رکھوں جہیں تو خاک ہی ہو جاؤں اے نبی ﷺ
میرے لفظوں میں میرے قلم میں خوشبوی مہک اُگی ہے
جب سے لکھنا سیکھا ہے تیرا نام اے نبی ﷺ
میں ہوں گردشِ زمانہ ہر آرزو گردابِ سفر
تھام لیں ہاتھ تو ہو جاؤں مستجر اے نبی ﷺ
اب تو بس ایک ہی دعا ہے کہ دم آخر
لب پر نام ہو محمد ﷺ اور روح فنا اے نبی ﷺ
راؤ میرا باز..... کراچی

غزل

کیا سیمٹوں گی اب خرابوں سے
کھر تو بل ہی گیا چرخوں سے
آج آکھیں مہک اُٹھیں جیسے
کوئی ہو کے گیا ہے خوابوں سے
کون سے موسموں کی آمد ہے
آج آنے لگی گلابوں سے
پانچوں سے بھری ہوئی بدل
آج گزری ہے پھر سراپوں سے
نیند آتی ہے لوٹ جاتی ہے
ڈر سا لگنے لگا ہے خوابوں سے

سیم غزل..... کراچی

غزل

شام کے اجالوں میں تمہیں ڈھونڈا ہے

میں نے پُر نور ستاروں میں تمہیں ڈھونڈا ہے
شام ہوتے ہی پرندے گھروں کو لوٹے ہیں
میں نے رات کے اندھیاروں میں تمہی کو ڈھونڈا ہے
دل مرجھا سا گیا ہے تمہارے بغیر عالی
میں نے قسمت کے ستاروں میں تمہی کو ڈھونڈا ہے
عالیہ کاظمی..... کھونڈ

غزل

خواب آکھوں میں سجانے کی جسارت کی ہے
ہم نے تو مسمم تم سے ہی محبت کی ہے
حق تجھ کو تو پانے کا جتایا ہی نہیں ہے
جان غزل ہم نے تو محبت میں عبادت کی ہے
تیری آکھوں کی شرارت کو محبت جانا
کم فہم تھے سو ہم نے حماقت کی ہے
سنے ہی نہیں ٹوٹے فقط آکھ سے اپنی
مدت ہوئی نیند بھی رخصت کی ہے
یہ جو محفل میں دیوانے کا گماں ہوتا ہے
تسکس سے کہیں کس نے عنایت کی ہے
سیدہ جیاعباس..... تلہ گنگ

غزل

دن رات انتظار میں رہتی ہیں یہ آکھیں
اکڑتے خیال میں کہتی ہیں یہ آکھیں
آجاؤ کہ مدت ہوئی دیکھے ہوئے تجھ کو
آ دیکھ تیری دید کو ترسی ہیں یہ آکھیں
بن تیرے کوئی صورت چھتی نہیں نگاہ میں
دن رات تیرے خواب بنتی ہیں یہ آکھیں
آخری سانس سے پہلے تیرا دیدار میں کرلوں
بس دعا خدا سے میری کرنی ہیں یہ آکھیں
تحریر اس کی آکھ کی پڑھ لیتی ہے رباب
ہل ہل اسی کی یاد میں بری ہیں یہ آکھیں
کل رباب افضل..... لاہور

غزل

کبھی شام کو شام نہ لکھتا
کبھی زندگی کو ناقام نہ لکھتا
رہ کر زہر کے سمندروں میں

کبھی محبت کو زہر کا جام نہ لکھتا
انتظار کی سولی پر سادوں کے موسم میں
فلکستہ حال چراغ کا انجام نہ لکھتا
ملنے کی تمنا میں خط ضرور نہ لکھتا
لیکن کبھی خط میں اپنا نام نہ لکھتا
راتوں کے سناٹوں میں
کبھی یادوں کے کہرام نہ لکھتا
وقت کی گردش کے ہاتھوں میں
اپنے ارادے کو ناکام نہ لکھتا
دیکھے تھے جو اس کے ساتھ خواب
کبھی خواب کے وہ حسین ابھام نہ لکھتا
بار اور جیت کے نشے میں ڈوب کر
کبھی عشق کے وہ طرزِ کلام نہ لکھتا
ہو جس سے مقصود رسوائی زمانہ
اپنے لیوں پر ایسا پیام نہ لکھتا
ہو جو غلام ابنِ غلام ہو کے آزاد
خود کو بھی وہ سوچ کے غلام نہ لکھتا
جو ملائے آنسو کو شبنم سے جا کے
کبھی ان خوشیوں کو اصول مقام نہ لکھتا
اوپر بچے ہو جائے سر سے جب مجبور یوں کے قصے
کبھی مشہدِ شکست ذات کو نظام نہ لکھتا
فاطمہ مشہد..... فیصل آباد

نظم

میں ایک شاعر ہوں
لوگ سمجھتے ہیں میں
جب چاہوں غزلِ حقیق کر سکتی ہوں
جب چاہوں اپنی سوچوں کو
لفظوں کے موتی میں پرو سکتی ہوں
مگر نہیں.....
میں اکبر چاہوں بیٹھ کر سوچتی ہوں
دباغ بھی خالی رہتا ہے
قلم بھی چپ رہتا ہے
میں کچھ بھی نہیں لکھ پاتی
ہاں مگر

میں جب بھی آپ کو سوچوں تو
ہر لفظ ادب سے جھک جاتا ہے
ہر تصویر میں رنگ بھرا جاتا ہے
ہر نظارے میں جان پڑ جاتی ہے
لفظ خود بخود تہ تیہ پاتے ہیں
قلم بھی چلنے کو بے تاب ہوتا ہے
بے ربط دھڑکتے دل کو
بھی چین ملتا ہے

آپ کی سوچوں کا سا تباہ لے کر
چاہوں گا اک سا تباہ لے کر
میں آپ کی یادوں کے سائے تلے
پھر غزل بھی تخلیق کرتی ہوں
پھر جو چاہوں لفظوں کو
سوچوں کی زبان دے کر
جیسے چاہوں ڈھال لیتی ہوں
ہاں اک آپ کی یاد سے
میرا دماغ بھی چلتا ہے
میرا قلم بھی چلتا ہے
اور پھر غزل بھی تخلیق ہوتی ہے

ایمان علی..... ڈوڈہ گجرات

غزل

بے حد تجھے چاہا ہے حد تجھے بھلایا بھی
تیرے بن جی نہیں سکتے تجھ کو بتایا بھی
کون سی چیز تھی میری جس کو تجھ سے جدا کیا
تجھے اس حسین زندگی کا حق دار بتایا بھی
تیری چاہت کا یہ طریقہ سمجھ نہیں آتا
کبھی تو لگتا اپنا ہے کبھی پرایا بھی
امالِ عندلیب..... گوجرانوالہ

غزل

سنو ناراض نہ ہوتا مگر
کسی پر یوں ستم نہیں ڈھالتے
کوئی مٹانے آئے تو اس پر
اس سے ناراض ہو نہیں جاتے
بات بے بات رکھتے ہو سر پر ہاتھ

جج جو بولیں قسم نہیں کھاتے
بہت اپنے بھی جو چھڑ جائیں
پچھے والے بھی مر نہیں جاتے
پھر بھی یہ بات ندا گئی ہے
جانے والے کبھی نہیں آتے
سیدہ ندا کرم حسین شاہ.....
عشق

وہ عشق تھا
جو ہو گیا
میں پیار تھا
جو کھو گیا
وہ پھول تھا
جو کھل گیا
میں خوشبو تھا
جو کھڑ گیا
میں دن تھا
جو ڈھل گیا
وہ روشنی تھی
جو روشن رہی
میں چراغ تھا
جو بجھ گیا

میمونہ ناز..... وزیر آباد

تیری یاد
تیری یاد تو ہر پہل آتی ہے
بے وجہ تر پانی ہے مگر اے
دوست نہ جانے کیوں؟
دہمیر کی اداس شاموں میں
ٹھہرتی راتوں میں
دھند میں لٹی فضاؤں میں
بے چین ہواؤں میں
میرے دل کی اداس مگر میں
ہر روز ہر لمحہ تیری یاد ہیں
ماتم ہوتا ہے.....
ہوٹوں پر سسکیاں

جسم بے جان ہوتا ہے
میرا ہر اُسو بے دام ہوتا ہے
دہمیر آیا ہے کہ لوٹ آؤ تم بھی
تیری یاد آگ لگی دل میں لگاتی ہے
ماروی تیری یاد میں اشک بہاتی ہے

ماروی یاسمین..... 44 ج

نظم

آج بے ساختہ
زمین پر بیٹھ کر
تیرا نام لکھا
اور تیرے نام کو
دیکھتے دیکھتے
آنکھیں
پانی سے تر ہوئیں
اور
میں صرف
خاموش ہوئوں سے
کچھ نہ کہہ پائی
صرف
دل یہ صدا دے رہا تھا
کہ.....
مجھے کس جرم کی
سزا دے کر
اس زمانے میں
اکیلا
چھوڑ گئے
کیوں
مجھے سے
منہ موڑ گئے؟

عائشہ اے بی..... جھڈ

غزل
تیرا میرا پر کا رشتہ
چاہت کے اقرا کا رشتہ
کون بنے گا جیون ساتھی

مجھ سے ہو اظہار کا رشتہ
کب سے میں منسوب ہوئی ہوں
تم سے در و دیوار کا رشتہ
تیری میری سوچ علیحدہ
جیسے ہو اغیار کا رشتہ
سب سے تھا مضبوط ہمارا
سات سمندر پار کا رشتہ
مجھ کو مت سمجھاؤ فری
کیا سولی کیا دار کا رشتہ

فریدہ فری..... لاہور

آپٹل

تمہارے نام کا آپٹل جب سے اوڑھا ہے

سنو.....

اب اور کوئی اور حسی اچھی نہیں لگتی

شہزادی..... راولپنڈی

نظم

دشت و صحرا ہجر کے کانٹے
اکیلا میں اور رات بھی کالی
آسمان بادل دکھ کے قے
بے نوا آنکھیں دل بھی خالی
ساحل سمندر زیت کے ذرے
اکیلا میں اور قدم بھی نہ بکے
ہاتھ اور قسمت دھند کی چادر
بے رنگ روشنی بھیکے رستے
بھرتا پانی اس کا ساھی
اکیلا میں اور دم کا روگی
تو ہی بتا ہجر کے قے
جان نوری بے نور راتیں
پاگل دل اور خواب تھے اس کے
اکیلا میں اور ساتھی سب کے

ماہ نور جم..... بھکر

نظم

سنو.....

تم نے کبھی

زندہ کی قیدی کو دیکھا ہے
کہ جس کی قید کا اک وقت متعین ہے
اسے معلوم ہے کہ
میری سزا نے ایک دن ختم ہوئی جانا ہے
اسی واسطے وہ کوئی شور نہیں کرتا
کوئی فریاد.....
کوئی احتجاج نہیں کرتا
کہ اس متعین دن سے پہلے
اسے رہائی مل نہیں سکتی
سنو.....

میرا بھی یہی فسانہ ہے
اس دکھ بھری زندگانی کو
میں خاموشی سے گزرا رہی ہوں
مجھے بھی کچھ نہیں کہنا
اتفاق نہ ہی کوئی فریاد
مجھے معلوم ہے کہ
ایک دن میری اس
دکھ بھری زندگانی کا
وہ دن آخری ہوگا

کہ جب میری سانس ٹوٹے گی
اور میری بھی اس سزا سے جان چھوٹے گی

شمرہ عمر..... چچہ وطنی

نظم

سنو.....
کبھی احساس ہو تم کو تو لوٹ آنا
نہیں تو میرے خوابوں میں آ جانا
مجھے اپنا دیدار کرا جانا
یہی اک تمنا ہے دل میں
یہی اک کسک ہے دل میں
یہی اک کسک ہے باقی

سنو.....

کبھی فرصت ملے تو لوٹ آنا
کہ تم بن ہم کتنے اکیلے ہیں

فہد علی عباسی..... کوٹ نجیب اللہ

خواہش

خواہش کو دل میں چمپا کر
رود کو آسو بہا کر
امیدوں کے دیے جلا کر
دھوئی پھرتی ہیں یہ لگاؤ اس رب کو سب کچھ مہلا کر
کبھی آسمانوں میں کبھی کائنات کے رگوں میں
کبھی ہاتھوں کی لکیروں میں.....
محسوس ہوتا ہے وہ آرض و سماں کی ہر شے میں
بس تو احسان مان اپنے پروردگار کا
اے غم دل.....

احسان کر دیا تجھ پر محمد ﷺ کا امتی بنا کر
پھر سو جاتی ہیں یہ آنکھیں.....
اک نئی امید پر اٹھنے کی آس لگا کر
سحرش مصطفیٰ..... میا نوالی
ناداں لڑکیاں

ہم ناداں لڑکیاں
پلکوں پر خواب سجا کر
تخیلوں کے پیچھے دوڑنا
چھوٹی سی بات پر منہ بسور لینا
غم کے سوتھوں پر زور سے فس دینا
زندگی کو سمجھنے سے نا آشنا ٹھہری
سارہ حبیب اوڈ..... عبدالکیم

یہ کامیابیاں عزت یہ نام تم سے ہے
خدا نے جو بھی دیا ہے مقام تم سے ہے
تمہارے دم سے ہیں میرے لبوں میں کھلے گلاب
میرے وجود کا سارا نظام تم سے ہے
کہاں بساط جہاں اور میں کم سن و ناداں
یہ میری حیات کا سب اہتمام تم سے ہے
جہاں جہاں میری دشمنی سب میں ہوں
جہاں جہاں ہے میرا احترام تم سے ہے
شیرالوچ..... جنگ صدر

غزل
آؤ جاناں پیار کے ایسے پھول پھیں

کہ ہر سو خوشبو بکھر جائے
دیں ایک دوسرے کو اتنی خوشیاں
کہ ماپوں چہرے کھر جائیں
باندھ لیں مل کر عہد وفا
ساری عمر اسی موقف پر ٹھہر جائیں
میں اور تم ہم بن کر جاناں
اس بے وفا دنیا سے چھڑ جائیں
عائشہ علی مصطفیٰ ﷺ فیصل آباد
نظم

تمہیں قیامت کی کیا خبر
ہم پر ٹوٹی ہے قیامت
ہم پر زری ہے قیامت
ہم نے دیکھی ہے قیامت
لحوں کی قیامت.....

صدیوں پر محیط
تم نے دیکھا ہے کبھی
تم نے سوچا ہے کبھی
دھماکے سے مرنے لوگوں کو
چینچی باؤں کو
روٹی بکٹی بہنوں کو
بے شناخت لاشوں کو
فضائیں پھیلے چترروں کو
بے گناہ خون سے رنگی زمینوں کو
ہم پر ٹوٹی ہے یہ قیامت.....

تم نے سوچا ہے کبھی
نصے بچوں کا تھ تھامے
نماز پڑھنے گئے تھے وہ
خون میں نہا کٹائے
سفید کپڑے لہو رنگ لائے
تم پر ٹوٹی ہے قیامت.....
تم پر زری ہے قیامت.....
تم نے دیکھی ہے قیامت.....

نہ جانتے ہو تم ابھی
نہ جانو گے تم بھی

یہاں تو ہے بس بے بسی
یہاں تو ہے بس بے حسی

ثوبیہ بلال رحمہ اللہ..... غابرہ رحیمہ

غزل
شب چوہدیس کے چاند کی
تھی بھیجی بھیجی سی چاندنی
بڑی مختصر سی وہ رات تھی
میری عادتوں میں شمار تھی
میرا خواب تھا وہ خیال تھا
میری زندگی کا سوال تھا
میری خوشی اس سے منسوب تھی
میں اس کے قدموں کی دھول تھی
بڑی مختصر سی وہ رات تھی
جس میں اونتیں کمال تھی

راؤ کرن بدر..... ہالانند

میرے حسین
دین کو آن یہ بخشی میرے حسین نے ہے
حسین پہچان یہ بخشی میرے حسین نے ہے
ہمیں اب پیاس کا مطلب سمجھ میں آیا ہے
ہاں تر زبان یہ بخشی میرے حسین نے ہے
ہم لکھ کر حسین کے غم میں ہیں غم زدہ
غم کو بھی شان یہ بخشی میرے حسین نے ہے
لہو حسین کے سب ساتھیوں کا کام آیا
اسے آن بان یہ بخشی میرے حسین نے ہے
ہماری آنکھ کے آنسو بھی مجتہر ٹھہرے
انہیں نئی شان یہ بخشی میرے حسین نے ہے
سر فرات گل پانی بھی رہ گیا پیاسا
عجب پہچان یہ بخشی میرے حسین نے ہے

سہاس گل..... رحیم یار خان

شہادت

شہادت ایسی مراد ہے
برجود نہیں آتی
جان نال اپنا پیار
گر سب قربان

اس وعدہ لا شریک پر
پھر شاید توجیت جائے
عظیم شہادت تجھے نصیب ہو
بس اک شرط ہے
ہر پہل دل میں
بس اس خدا کو
رکھ یاد کر یاد

زمین سر حیو..... حیدر آباد

عمر بھر کا حساب لکھا ہے
ہم نے خط کا جواب لکھا ہے
وہ جو کانٹوں سے بھر گئے دامن
ہم نے ان کو گلاب لکھا ہے
وہ تھے قصہ مختصر چنے
ہم نے ان کو کتاب لکھا ہے
جن کو لکھنا تھا سرگزشتوں میں
ہم نے ان کو خواب لکھا ہے
جن گناہوں پہ پکڑ واجب تھی
ہم نے ان کو آب لکھا ہے
وہ جو عمریاں تھے اک زمانے میں
ہم نے ان کو حجاب لکھا ہے
جن کی تاثیر تھی اک دوا جیسی
ہم نے ان کو شراب لکھا ہے
وہ جو لکھتے ہیں عمر بے
ہم نے ان کو حباب لکھا ہے
بانجھ برگد کے پتھر جیسے وہ
ہم نے ان کو شباب لکھا ہے
وہ جو لکھتے ہیں تم اور تو
ہم نے ان کو جناب لکھا ہے

لطیفہ غفر مغل..... اسلام آباد



السلام علیکم! کیا حال ہے دوستو! کسی ہیں سب اللہ تعالیٰ سے کو شاد و باد رکھے آمین۔ ماہِ ربیع الثانی پلے پلے بتاؤ کہ یہ شاہِ زندگی جو تم تہا رہی ہوگی ہے ناں؟ طیبہ خاں یاد کرنے کا شکر اللہ آپ کو خوش رکھے شادی مبارک، ذیہ رائے زبیر اشرف نازیہ جی سہاس جی کیسی ہیں آپ؟ شیخ مسکان امیر گل کہاں ہیں بھئی؟ فوزیہ سلطانہ مجھے ڈریم گرل بنایا اور خود ڈریم ہوئی آجوا پار میں تو زیت کے نقیب فرما میں کچھ لکھی ابھی کہ سوچ کر دم نہ آؤف ہو جاتا ہے..... کچھ لکھی ہی حالت میری ہے بانی آج کل کی تمام ریڈرز رائٹرز ایڈیٹر سب کو بہت سارا سلام اور دعا میں سدا خوش رہیں۔ سانسوں نے وفا کی اور منظور خدا ہوا تو آپ کے دلوں پر دستک دیے ضرور دے گا آپ کی اپنی دعاؤں کی طالب۔

آنسہ شبیر..... دو گھر گجرات
نجم انجم احوال اور آج کل فریضہ کے نام
السلام علیکم! میری طرف سے تمام آج کل اسلاف ایڈز رائٹرز کو محبتوں بھر اسلام قبول ہو کیسے ہیں آپ سب جناب؟ آپ چنک گئے ہوں گے کہ یہ کن بن ملائے مہمان کی طرح آج کل تو..... فرسٹ ٹائم آج کل میں حاضری دے رہی ہوں لیکن میر اور اس کا ساتھ بہت برانا ہے آج کل میں نجم انجم احوال کی وجہ سے لکھنے پر مجبور ہوئی ہوں۔ نجم انجم احوال کی تو میں بہت عرصے سے فہم ہوں ارے جی دیوانی کہیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ بانی تمام مستقل سلسلے عزیز جاہان ہیں شاعری میں کس کس کی تعریف کر دں مگر سب گل عشا کو سر درازہ فاخرہ گل نجم انجم آپ سب بہت کمال کا لکھتی ہیں۔ بیاض دل میں نورین مہک سعدیہ نواز کھل آپ کے یونس اتر ا لیاقت مدیحہ نورین مہک سعدیہ نواز کھل آپ کے اشعار دل کو چھو گئے۔ نیرنگ خیال میں ارم کمال ہاجرہ ظہور پشاور نجم انجم احوال رشک حنا ٹاپ پر رہیں۔ نورین انجم احوال اتر ا لیاقت معززہ یونس رشک حنا فاخرہ بھئی آپ سب سے دوستی کرنا چاہتی ہوں اب تک کے لیے انتخابی کافی ہے اگر میری حوصلہ افزائی کی گئی تو ان شاء اللہ گلے ماہ پھر اشری دلی کی اللہ حافظ۔
دعا قبول..... حافظہ باد

پیاری منجہ ہاجرہ کے نام

السلام علیکم! سب سے پہلے آپ کو بہت زیادہ مبارک باؤ آپ کو اللہ تعالیٰ نے عمر کی سعادت نصیب فرمائی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو دوبارہ اپنے گھر کی حاضری نصیب فرمائے آمین۔ آپ میرے لیے ایک ایڈیٹر عظیم رہنا اور ہر ہے جس طرح آپ نے میں پر دھایا اور ہماری رہنمائی کی اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کہ ہے کس نے آپ جیسی شیخ منجہ سے علم حاصل کرنے کا موقع دیا جو ہر فن مولا ہے جس طرح آپ نے مدرسہ کا نظام سنبھالا ہوا ہے اللہ سے دعا ہے کہ اس نیک کام کے صدفے آپ کے مصائب دور کرے اور اپنی جنتوں سے ملا مال کرے آمین اپنا خیال رکھیے گا کافی امان اللہ۔

دریشہ حق..... ہری پور
میری کیونٹ سی آبی شاہین اور آج کل فریضہ کے نام
السلام علیکم! میری تمام آج کل فریضہ زوارا بی شاہین سب کو دل کی گھر انہیں سے سلام۔ امید کرتی ہوں آپ سب خیریت سے ہوں گی آئی آئی جانی کی وفات کا سن کر بہت افسوس ہوا میں دل سے ان کی مغفرت کی دعا مانگتی ہوں آبی شاہین میں نے آپنی بولا نہیں مانتی ہوں آپ کو اب آپ شکر ہے ادا کر کے مجھے شرمندہ تو نہ کریں ناں اور آپ کو اتنا تکلف سوئیں کہ اتنا آبی آپ اتنی اداس بھی اچھی نہیں لگتی آبی اپنا بہت سارا خیال رہیں آج کل فریضہ زوارا آپ سب کو بھی سلام جو بھی مجھ سے دوستی کرنا چاہیے دل سے سوئیں ویکم آپ سب بہت ہی اچھی ہیں اگر کسی نے دوستی نہیں کرنی تو ہم پھر بھی زبردستی کر لیں گے چلیں آپ سب اپنا خیال رکھنا ان شاء اللہ پھر ملاقات ہوگی بے مبری سے انتظار رہے گا۔

سیدہ راجہ..... گجرات
انہوں کے نام

پیارے آج کل سے وابستہ تمام دوستوں اور پورے عالم اسلام کو جاز بہ عیسیٰ احترام اور محبتوں بھر اسلام۔ رحیمہ روشن کیسی ہیں آپ؟ بار بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ نے اپنی بہن کا (میرا) نام بتا دیا کیسی ڈریم سے پوچھا سسٹر بلانی بہنوں کا نام پتا کوئی یوں ہر کسی سے تھوڑی پوچھتا ہے میں بالکل بھی کوئی مشہور نہ ہوں کیسی بھی لحاظ سے جو یوں لوگ جانتے ہوں اور پیاری بیٹیا میرا گاکا مری میں ہے یوں میرا آبی گھر ہے مگر ہم تعلیمی سلسلے میں اسلام آباد ہاؤس پڑھیں گاؤں میں یوں ہر کلی

تھوڑی جانتا ہے کہ جاز بہ عیسیٰ کون ہے۔ رحیمہ بے بی آپ نے جو ہمارے نام خطوط لکھے یا ہماری اور بھی بہت ہی بہنوں نے لکھے ہم غافل نہیں ہیں سب پڑھتے ہیں اور جوابات بھی لکھتے ہیں مگر بس شائع کچھ نہیں ہوتا۔ نجم انجم نورین انجم ہار کیسے ہوا پندوں؟ ایک سال پہلے آپ کے بھی پیغامات کا جواب لکھا مگر اسے اشاعت ہی نہ کیا گیا۔ نجم انجم آپ اچھی لگتی ہو میں نے پتہ نہ پزورین کوثر خلد ارم کمال پروین افضل شاہین ماریہ کنول مونا شاہ فریدہ فری سہاس گل طاہرہ منورہ سمیرا شریف طوہیہ ساغرزل صائمہ مشفق مبارز گز زہمت جبین ضیاء طلعت نقاشی نازیہ کنول نازیہ سمیرا سولانی کا جمل شاہہ رخ سیال طیبہ خاں فاخرہ بھئی تمنا بلوچ انیلا طالب کیسے ہوا؟ آپ سب کے لیے ڈھیروں پیارا اور بہت سی دعا میں۔ نازیہ جی کیونٹ سے دوستی آپ کے اف ج میں ہم کو دونوں کے گال چھنے کا بہت دل کرتا ہے اور پھر جب یہ روئیں تو یہاں کرنے کا بھی دل کرتا ہے پلے نازیہ جی آپ یہ کام خود کر کے ہماری دس پوری کر دیں ناں۔ عائشہ رحمن بھئی (ریالی) آپ نے ہم سے ہمارے بارے میں پوچھا تھا تو ہم ضرور تعارف لکھ لکھیں گے اپنا جلد ہی مگر ہمارے بارے میں جان کے کیا کر دے گی آپ؟ ہم نے توبہ یہ سوچا ہے کہ اپنی ذات میں رہیں گے بہت کچھ لیا ہے لوگوں سے ششماں کر کے ہمارا آج کل سے تعلق بہت پرانا ہے پہلے دعویٰ بچپن میں خاموش قاری تھے پھر لکھنا شروع کیا مگر اب ڈرامہ کی کچھ لکھ جاتے ہیں پھر بھی جن جن دوستوں نے جب جب ہماری جن جن نگارشات کو پسند کیا ہم سب کا تہہ دل سے شکر یہ ادا کرتے ہیں اور بخدا سب معزز قاری حضرات کے لیے اپنے دل میں بہت سی محبت اور بہت سارا احترام رکھتے ہیں۔ تمام رائٹرز اور آج کل کی پوری ٹیم کے لیے دعا میں اب ذوالجلال ہم سب کا حامی و ناصر ہوا آمین۔

جاز بہ عیسیٰ..... مری
چاند کی کرنوں کے نام
السلام علیکم! کیسی ہیں سب یقیناً ٹھیک ہوں گی۔ رحیمہ روشن میں بالکل ٹھیک اور شاک ہوں آپ سناؤ آپ کیسی ہو؟ طاہرہ منورہ یاد رکھنے کا بے حد شکر یہ پیاری لڑکی میں ٹھیک ہوں آپ کیسی ہو؟ اسما گل سوئٹ گرل میں تو ہوں ہی آپ کی فریضہ پوچھنے کی کیا بات ہے پٹی ہو جاؤ گی۔ سمیرا سولانی دعاؤں کے لیے شکر یہ آپ بھی خوش رہیں ہمیشہ طیبہ خاں آپ بھی بہت ناں ہیں دعاؤں کا شکر یہ آپ بھی ہمیشہ خوش رہیں خاور بھائی

کے ساتھ ہم..... کوثر آبی کیسی ہیں آپ انا احب کدھر غائب ہو قل ہمارے دعا ہے سحر بھی غائب ہیں۔ نجم انجم احوال سہاس گل پروین آبی کوئی لکھ نہیں بچتی یاد رکھنا۔ انیلا طالب لکھ مریم عزیز مجید اچھی کشش عروسہ شہوار سلامت موڈ کیوں ہے کسی ہو سب؟ شبنم کنول شہزاد بلوچ میری عیدی کدھر ہے؟ چلو آؤ منہ ریاض کیسی ہو پچھڑ ختم ہو گئے بڑھ لو ڈائجسٹ جی بھر کے زہمت جبین ضیاء تو میں اقبال انجی عفت سحر طاہر نازیہ کنول نازیہ انیسہ سعید کھٹ یا کمین پیاری رائٹرز آپ کی دعاؤں کے پیغام بھجھ گئے تھے آپ سے بات کر کے اچھا لگا خوش رہیں اور پیاری سی انجیاں دوست جو بار بار پیغام بھجھتی ہے لاہور سے سلمیٰ گوری خان کدھر ہو اگر پیغام بڑھاؤ تو میں اقبال نوشی سے رابطہ کرنا میں نے ان کو بتایا ہے جو آپ نے ان سے کیا تھا اپنا خیال رکھنا وہ اور ہاں جی اریدہ امجد سوئی کڑی کیسی ہو؟ آپ کو لائی (اے) میں شائد نارکامیابی پر بہت بہت مبارک باؤ اللہ آپ کو زندگی کے تمام امتحانات میں ایسے ہی کامیاب رکھے آمین خوش رہو اتنی سکرینی رہو ہمیشہ اللہ حافظ۔

شاہہ زندگی اور آج کل کی تھکوں کے نام
السلام علیکم! کیسی ہیں آپ سب؟ ایک لیے وقفے کے بعد آج کل کی محفل میں حاضر ہیں ہم شاہہ زندگی ہم میں نہیں رہیں یقین ہی نہیں ہوتا اچانک ان کی وفات ہوئی۔ دو ماہ بعد پتا چلا شاہہ زندگی کے لیے بہت سے الفاظ لکھنا چاہتی ہوں لیکن قلم ساتھ نہیں دے رہا کچھ لوگوں کے ساتھ کوئی رشتہ نہ ہو کر بھی ایک انسیت اور عقیدت ہوتی ہے ان سے۔ شاہہ زندگی بھی ایسے ہی لوگوں میں سے تھیں اگر کسی کو پتا ہو کہ ان کی وفات اچانک کیسے ہوئی تو بتائیے ضرور۔ اللہ شاہہ زندگی کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے شکر یہ ان سب دوستوں کا جنہوں نے یاد رکھا۔ کا جمل شاہہ ہمیشہ ہنسی سکرینی رہیں دعا ہے سحر انا احب نورین شاہد (کہاں تم ہوگی ہیں) جاناں ملک لاڈ ملک اریدہ شاہ سہاس گل لکھ مریم شیخ مسکان گرن شاہہ حیرتی شرم عباس سنجیدہ زگر زبیرہ زگر انجی زگر شاہہ رخ سیال طیبہ خاں نیکو مومن اور تمام آج کل فریضہ زوارا پیار بھر اسلام خوش رہیں آباد رہیں جن کے نام رہ گئے ہیں ان سے معذرت اللہ کہہاں۔
پارس شاہہ..... چکوال
کچھ انہوں کے نام

بیاری صائمہ کیسی ہو بڑی کنجوں ہو کبھی فون ہی کر لیا کرو
بیاری سسر محرش ممتاز تہماری رتھ ڈے 16 اکتوبر کو بے پٹی رتھ
اے نوین طیبہ رانا زلٹ کی بہت مبارک ہو زلٹ میں کامیاب
جو ٹھہری افراتھیں بھی ڈھیر ڈھیر مبارک ہو زلٹ کی کنول
شہزادی فاطمہ شریف معززہ انور کہاں ہو؟ کیا وہ بچا ج کل
ذیر فائزہ بھی شکر یہ مجھے یاد کرے گا۔ بچہ زکے بعد ج کل کیا
لروری ہیں بیاری سسر شمیمہ کبھی بھاگتا تولہ میں آؤ ناں۔ ارم
کمال ہم تو آپ کے بہت بڑے فین ہیں پراپے نے بھی ادھر
نظر پائی تھیں کی۔ صائمہ تہماری سالگرہ 10 نومبر کو بے پٹی رتھ
اے نوین سدا خوش رہو جلدی جلدی بتاؤ کیا گفت لوگی۔ میری
بیاری سسر شمیمہ تہماری سالگرہ یکم نومبر کو بے پٹی رتھ ڈے نوین
اللہ تمہارا سایہ ہمیشہ بچوں پر قائم دائم رکھے آمین۔

میری فیملی ایڈٹا چل فریڈز کے نام
گھبت لو تا میں مدینہ کالونی میں رتی ہوں یا آپ کا دوستی کا
بڑھایا ہوا تھا تمام لیا ہے اس میں ماسٹر کرنے والی تو کوئی بات
نہیں۔ ویلکم آچل میں پہلی دفعہ آنے کے لیے آئندہ بھی آئی
رہنا سدا خوش رہو اور دوسروں کو بھی خوش رکھو۔ ماہ مارچ خیال ایسی
بات نہیں ہم آپ کو یاد کرتے ہیں آفرال ہم سب آچل کے
میلی مبرز جو ہیں بھلا کوئی اپنی شہلی کو بھولتا ہے کیا؟ ایس شہزادی
کھل میرا تہرہ پسند کرنے کا شکر۔ ایلا طالب آئی کوثر خالد
پر دین افضل شاہین ہمارے آچل کی جان کیسی ہیں آپ؟ طیبہ
رانا تیار ہو جاو زلٹ آنے والا ہے۔ 24 نومبر کو میری سالگرہ
تھی زونیرہ ایڈٹا مائے سویت سے میاں جانی آپ سب کو سالگرہ
مبارک ہو۔ افرایکسی ہو ایڈٹا مائے سویت سسر افرایکسی
میری دعا ہے کہ اس دفعہ بھی تمہیں اسکا رشپ ملے آمین۔
بیارے بھائی احسن مشتاق تم تو ہر جا کر بھول ہی گئے ہو یا راکھ
اللہ کال ہی کرو ڈیڈ پرائی اسی کے لیے۔

بہت سے گھر ہیں لیکن دل سا کوئی گھر نہیں
میری زندگی میں ماں تجھ سا کوئی مستتر نہیں
صائمہ مشتاق..... بھاگتا تولہ سسر کو دعا
آچل فریڈز کے نام

السلام علیکم! آچل فریڈز کیسی ہیں سب؟ پر دین افضل
آپ کی اسی کان کر بہت دکھ ہوا اللہ تعالیٰ آپ کو صبر دے دیے
میری اسی کا بھی انتقال ہو چکا ہے پانچ سال ہو گئے ہیں تب میں

بارہ سال کی تھی اور اب میری عمر سترہ سال ہے وقت ایک سانس نہیں
رہتا ہے کیا تھا اور اب کیا ہے میں ان پانچ سال میں بہت سمجھ
ہو گئی ہوں۔ بیاری مدینہ نورین مہک پٹی ہو بچہ زور ہے ہیں
اللہ میاں آپ کو ہر امتحان میں کامیاب کرے آمین۔ کوثر خالد
آئی کیسی ہیں آپ کتاب کی مبارک ہو آپ کو فریدہ فری اللہ
تعالیٰ آپ کو صحت اور تندرستی عطا فرمائے طیبہ خوار آپ کو
مبارک ہو آپ کی بہن کی مٹھنی کی بیاری عظمیٰ عظمیٰ کیسی ہیں جناب
اور نورین کیسی ہیں۔ افسی کشش آپ کیسی ہیں مینا گل ایڈٹا
ایس حسینہ کیا حال ہیں جناب کہاں عاص ہیں آج کل سا فائزہ
بھی آپ کیسی ہیں دلش مریم جینیو والو کیسی حالت بتائی ہے
ایچی (ہلہلہ) ارے مذاق کر رہی ہوں آئی ارم کمال آپ بہت
اچھی ہیں بالکل کوثر خالد کی طرح اب اجازت چاہتی ہوں
سانسوں نے وفا کی تو پھر ملیں گے اللہ حافظ۔

اسما گل مثل..... کوثر مبارک
ای جان کے نام
السلام علیکم! ای جان کیسی ہیں آپ؟ دیے تو ہم آپ کی اور
ایو کی رتھ ڈے سلیمہ بیٹ کرتے ہی ہیں اس دفعہ سوچا کہ آپ کو
آچل کے توسط سے دس کر دوں۔ 21 کاپ کی رتھ ڈے ہے
سو مینی مینی پٹی رتھ ڈے ذیر ای جان! اللہ تعالیٰ آپ کو اچھی
صحت کے ساتھ ہی اور خوشیوں بھری زندگی عطا کرے آمین۔
ہماری دعا ہے کہ ہمیشہ آپ کا اور ابو کا ساتھ ہمارے ساتھ رہے
کیونکہ زندگی میں قدم قدم پر آپ کے ساتھ ادا آپ کی دعاؤں کی
شد ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو حج کی سعادت نصیب
فرمائے (میرے سمیت) آمین۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو ہمیشہ
خوش رکھے اور زندگی میں کوئی بھی غم چھوے بھی نہ کرے آمین
ثم آمین۔ میں ان سے اتنا کہتا چاہتی ہوں ہم آپ سے بہت
پیار کرتے ہیں۔ "یہ روایت مداف دا والد" ہم جانتے ہیں کہ
ہم آپ کا حق ادا نہیں کر سکتے اجازت دیں اللہ حافظ۔

سعدہ بی بی حورین حوری..... بھولنے کی کے
زیست کرم ایڈٹا ایشا شیر کے نام
السلام علیکم! آچل فریڈز کیا حال ہے زیست کرم ایڈٹا ایشا
آخیر ذیر کہاں مصروف ہیں کوئی خبر نہیں ماہ آپ کو بہت مس
کرتی ہے سو پلیز جلد اپنی خیریت سے آگاہ کریں نہیں تو کہیں
میں پاگل نہ ہو جاؤں آپ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے۔ لاریہ
انتقال حیرت ہے خاندان بے کرب ہوئے اور مولانا صاحب

کے لفظوں سے عشق کرنے والی لڑکی یہ بھول گئی کہ اللہ تعالیٰ نے
عورت کو چار دیواری کے اندر کام کرنے کو کہا اور مرد کا کام تو پھر
آپ پولیس افسرین کے ماتم مردوں میں کیسے کام کریں گی
بیارے محبوب کی لاڈلی بیٹی نے بھی کھر کا کام اپنے ہاتھوں سے
کیا اور آپ بل کے پانی بھی نہیں پیتی غور کرنا دعا ہے اللہ تعالیٰ
آپ کو دین کو سمجھنے اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔
ذیر حافظ صائمہ کشف بہت زیادہ خوشی ہوئی کہ آپ شرعی پردہ
کرتی ہیں میرے اور میرے گھر والوں کے لیے بھی دعا کرنا اللہ
تعالیٰ ہمیں نیک ہدایت عطا فرمائے۔ ذیر روٹی وفا کامل آئی
ایڈٹا مسکان ایک طویل عرصے بعد آپ کا چل اور شعاع میں
دیکھ کر خوشی ہوئی آئی رہا کریں کم از کم اپنی خیریت تو بتادیا
کریں۔ آئی کوثر خالد آپ نے ایک نتیجہ اپنی کی پرورش کی ذمہ
داری ادا کی اللہ تعالیٰ آپ کو اس میں سرخرو کرے ذیر نجمہ آئی ایڈٹا
امبر سکندر وسرہ بڑا یاد کیا جا رہا ہے خیر تو ہے ناں نہیں..... خوب
صورت فریڈز نورین شیخ عروسہ پر دین نورین سلطانہ حمیرا نوشین
حمیرا عروش فاخرہ گل، کندہ چٹھوڑی سی شرم ہی کر لیتا ہے کہاں
کم ہیں اوے سر کو دعا والیں۔ سیرا انجیر ثانیہ مثل کشف فاطمہ
ایڈٹا افسی کفرہ کشف فرنگی اداں جانا جی آپ سے یہ امید تو نہیں
تھی۔ نینا خان شادی کیا کر لی آپ تو اب پہچانتی بھی نہیں عزیز
از جان تمنا ایڈٹا عبد اللہ رب العزت آپ کو سدا خوش رکھے
آمین۔ سوئی نورین لطیف پہچانا نہیں پہچانا کوئی گل میں فیر سہی
جمہ چوہدری ایڈٹا مہیاں شاہگ تو بڑی معصوم رہی ہو ذیر حرا
قریشی پر دین آئی نورین انجمل لائبہ میز فاطمہ سیال ایلا طالب
فائزہ بھی گل مینا صائمہ مشتاق ایڈٹا معززہ اللہ تعالیٰ آپ کو نیک
عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ سوئی آمن رحمن
فائزہ رحمن زہرہ ایمان میزاب قصور ایڈٹا میری پالی ہام نور سلام
محبت ردلی ذیر رینا طاہر کا سلام فوراً قبول کر لو فرحت اشرف
لوال افضل سے کیا حلق ہے آپ کا بارس شاہ کیا مصروفیات ہیں
فائزہ پر دین کران شہزادی ایڈٹا تمام زاد کشمیر خصوصاً شہزادی صباح
کوسلام اؤکے دوستو۔

ماہ مارچ خیال..... سر کو دعا
اپنے پیاروں کے نام
السلام علیکم! کیسی ہیں سب آچل گرلز! میں نے پہلی بار
آچل میں شرکت کی ہے۔ میں آچل کی چھ بیاسات سال سے
طافوس قادی ہوں آچل میں خط لکھنے کو بھی بہت چاہتا تھا

مگر لکھنے کو بہت کچھ اور وقت قلیل..... میں یہی کہوں گی کہ.....
کہاں تک سنو گے کہاں تک سناؤں
جب آگست کے شمارہ میں تمنا بلوچ کا خط پڑھا تو ہاتھ نہیں گیا
ان کی بیٹی کی وفات کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا ان کا دکھ مجھے اپنے دل
کے بہت قریب محسوس ہوا اللہ تعالیٰ تسخیری کو جنت الفردوس
میں جگہ عطا فرمائے اور اس کی ماما جانی کو صبر جمیل عطا فرمائے
آمین۔ میری اپنی بڑی آئی اس دکھ سے گزر چکی ہیں ہم اس دکھ
اور کرب کو محسوس کر سکتے ہیں میری آئی اپنی دعا فاطمہ کے لیے
کتنی تڑپتی ہیں میری جان میری بھائی دعا فاطمہ کو دنیا میں آئے
بس چار ماہ نودن ہوئے تھے کہ آفا فائزہ سے پھر گئی بھی سوجانہ
تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ میری بیٹی کو صبر جمیل عطا کرے
اور انہیں بہتر نعم البدل عطا کرے آمین۔ ابھی ہم اس حادثے
سے سنبھل نہیں پائے تھے کہ 19 جنوری 2017ء کی شام میری
عزیز از جان دوست کہکشاں اپنے دونوں بچوں سمیت اس دنیا
سے رخصت ہو گئی وہ صرف نام کی کہکشاں نہیں تھی بلکہ ہم سب
کی زندگیوں میں دائمی روشنی تھی۔ فاخرہ گل اور پر دین افضل
شاہین کی والدہ کی رحلت کا سن کر بہت غصوں ہوا اللہ مرحومین کو
جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے نازیہ کنول نازی آپ کی والدہ
کو اللہ تعالیٰ جلد صحت یابی عطا کرے۔ آچل قاریں سے استعجا
ہے کہ میری والدہ اور والد صاحب کے لیے بھی دعا کریں اللہ
پاک انہیں صحت والی زندگی عطا فرمائے آمین۔ جیلو صائمہ پرنس
مائی لال ہیر و خال کی طرف سے بہت سادیا آپ کاپ کی رتھ
ڈے بہت مبارک ہو۔ ہمیشہ خوش رہو (اب سب میرے
بھانجے اور بھانجیاں مجھے گھور رہی ہوں گے کہ ان کا نام کیوں
نہیں لکھا تو صبر میرے تمام لال کڈنا سب کو آپ آچل کے
ذریعے یہ سراسر خنزیر و درود ملی (زندگی راز تو دوبارہ جلد ملیں گے
دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

مدیحہ کرن..... وزیر آباد
آچل کے مہکتے لوگوں کے نام
بیارے آچل و حجاب اشاف میری کزن زنگل بہار شیدہ رانیہ
راشدہ رحمانہ خدیجہ میری کلاس فیلو جیلو غزل صدیقہ پاکیزہ
سمیرا سولتی، صوفیہ رانیہ، رازیہ ارم ناز کائنات زینب صابو صفا
اسری زمرہ، تہمنہ صائمہ، کرن شہزادی طیبہ یوسف فائزہ زیب
(تہمارا فون سن کر اتنا غصہ آیا جی چاہا آچل اتار کر شو پھین لوں اور
تم سے ملنے جاؤں بھلا اس طرح بھی کوئی کرتا ہے) نازی پری

مریم صبیحہ نوشین اور انجیل فریڈرڈ مونا شاہ فریڈرڈ مونا شاہ کول سرور
نورین سلطانی شہید فیاض شہید نیکل ام شامام مریم حرافرشی صخرہ
ہیں عاشر حرم ہنی عاشر پرویز آفریقاقت آفریقاقت آفریقاقت آفریقاقت
ایلا طالب شہد رسول ہاشمی شہید افشار علی پروین افضل شاپین
فریدہ فریڈرڈ مونا شاہ کول مانی انشال چھڑ طیبہ خاور عجم انجم فیاض
اسحاق کوش خلد شہزاد بلوچ تمنا بلوچ عروسہ شہوار اور عارفہ ہادی
سب کو اور تمام امت مسلمہ کو بہت سلاسل۔

گل بیتا خان ایڈر حسینہ بیچ ایس..... نامہ
بیاری دوست مادر خ سیال کے نام
ہائے دوست مادر خ سیال فرام سرور کو دعا کیسی ہو امید ہے کہ تم
بالکل ٹھیک ہوگی بیاری دوست ہم ایک دفعہ جس سے کبھی دوستی
کر لیں تو ہم ساری عمر اس دوست کو جھٹاتے ہیں تم اس بات کی بالکل
گھر نہ کرو کہ میں تمہیں بھول جاؤں کی یاد میری طویل غیر حاضری کی
وجہ گھریلو مصروفیات ہیں اس لیے میں ہر ماہ حاضری نہیں دے
سکتی تم پیغام میں پورا میرا نام اور ساتھ گاؤں کا نام بھی لکھا کرو یہ یلو
ہمہ مصباح تجھ کو دووں کیسی ہوشیار دیر شازم زاروش تم تینوں
کیسے ہو اور یہ قیام صحت کیسی ہے کبھی میرے بھونٹی ٹھیل کا
خیال رکھا کر ڈاکو کے بھونٹی جی اتھن سے خوش ہونا پائے۔

عروسہ پروین..... کاس
اپنے شوہر فیملی اور انجیل فریڈرڈ کے نام

السلام علیکم دوستو امید ہے سب خیر وعافیت سے ہوں گی؟
سب سے پہلے میرے شوہر کو شادی کی سالگرہ بہت بہت مبارک
ہو 13 نومبر کو ہماری شادی کو دو سال پورے ہو جائیں گے اور اگر ان
دو سال میں مجھ سے کوئی بھی غلطی ہوئی ہو تو آئی ایم ریکٹی سوری
ایڈر آئی لو یو میری اس رب سے یہ دعا ہے کہ زندگی کی آخری
سانس تک آپ کی محبت اور آپ کا ساتھ میرے نام لکھوے آئین
ختم آئین۔ دعا ہے کہ اللہ آپ کو لمبی صحت والی زندگی عطا کرے
آئین آئی لو یو سوچ۔ ماریہ کنول مانی کیسی ہیں اور کہاں عاشر ہیں
عجم ہاشمی اللہ پاک سب کو صحت کاملہ عطا کرے اور نئے ٹھکانے
ڈھیروں مبارک باد عاشر پرویز اور طلالہ سلم شادی کی بہت بہت
مبارک باز طیبہ نیر آپ کی شادی کا احوال حجاب کہ کون سے
شمارے میں لگا تھا ضرور بتائیے گا۔ رشک حنا سویت گرل کیسی
ہیں؟ مونا شاہ دوست کہاں عاشر ہیں؟ نورین مسکان
(ڈسک) گریا کیسی ہیں؟ پرزہ اتوا کہاں عاشر ہیں ہمیشہ خوش
رہو سہا کمال پروین افضل مادی یا کین فریدہ فریڈرڈ عاشر کشما

بنت راجہ بنت (ڈی آئی خان) رقیہ ناظر آجٹ عنایت حیدر
نورین جیک کلف مریم ایس شہزادی نیا حسن خضر ہاشمی شہزادی
رشق وفار رشک حنا اسلام صمد طیبہ نذر ایڈر عجم ہاشمی میرے دکھ
میں شریک ہونے کے لیے شکریہ اللہ پاک آپ سب کو اس کا
اجر عطا فرمائے آمین ہمیشہ خوش رہیں۔ میرا بد دست کیسی ہیں؟
حد خان تمنا کا سلام آپ کے لیے لکھ رہی ہوں عیدہ جیہ حافظہ میرا
غزل جنت کوش خلد کی آسمانی امیر گل دعا ہے عجم میرا سوانی عبا
سعیدنا گل مریم فاطمہ حبیب آپ سب کو تمنا کا پر خلوص سلام اور
ڈھیر ساری دعا میں باقی جن کے نام رہ گئے ہیں اور تمام انجیل
پڑھنے لکھنے والوں اور خاموش قارئین کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ
آئی لو خوش رہیں اور خوشیاں ہائیں زندگی دی اور اللہ نے جلا تو
پھر حاضر ہوں گی جب تک کے لیے اللہ حافظہ ایڈر آئی ریکٹی ریکٹی لو
یو میری بیاری ای جان۔

تمنا بلوچ..... ڈی آئی خان
فیملی اور فریڈرڈ کے نام

السلام علیکم! حیران و پریشان کیوں ہو رہی ہیں میں غیر حاضر
نہیں تھی بس ہمارے قیمتی لفظ ہمارا کو شاید پسند نہ آئے خیر ہم
تو صرف گزارش کر سکتے ہیں ہمارے قیمتی الفاظ کو ردی کی نوکری
میں نہ ڈالا کریں سب سے پہلے مبارک دلوں کی بھائی سلیم کو اللہ
عزوجل نے ان کو بیاری اور جانچدہی رحمت سے نوازا۔ میں
جب بھی امثال کو اٹھاتی ہوں مجھے میری کائنات یاد آ جاتی ہے
کائنات کے سن میری زندگی مجھے اٹھو رہی لگتی ہے۔ پروین آئی
آپ کی والدہ کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا ماں کے گھمڑے کا تم کوئی
بھی نہیں بھلا سکتا آپ کو ادھار آپ کے تمام گھر والوں کو اللہ عزوجل
میر عطا فرمائے آپ کی ای جان کو جنت الفردوس میں اٹلی سے
اٹلی مقام عطا فرمائے۔ طیبہ خاور پروین افضل عاشر کشما
آپ نے مجھے اپنی دوستی کے قابل سمجھا۔ میں آپ کی شکر گزار
ہوں دیسے میں آپ کو اتنا بتاتی ہوں مجھے دوستی راس نہیں آتی
بغیر کسی وجہ کے رشتہ توڑ کر چلے جاتے ہیں کوش خلد میں نے ہم
فتیس لکھی ہیں ان شاء اللہ آپ تک ضرور پہنچ جائے گی کوش خلد
آپ نے مجھے خیر اور عید عطا کی ہے بارے میں لکھا میں نے اس
تین بار پڑھا اب آپ خود اندازہ لگا میں مجھے وہ کتنا پسند آتا
دعا ہے عجم رشق وفای میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ امان
بش آپ کو لھر میں کس جگہ پر رہتی ہیں ضرور بتائیے گا اب
اجازت چاہتی ہوں جاتے ہوئے ایک بات کہوں گی سب

اپنی دعاؤں میں ضرور شامل کر لیا کریں اللہ حافظ۔

روینہ کوش..... بہتی ملک
آنجل کی پریوں اور انجیل کے نام

السلام علیکم! امید ہے سب خیر خیریت سے ہوں گی شکر ہے
پاک ذات کا ہم بھی بالکل ٹھیک ہیں انجیل میں غیر حاضری کی
وجہ زندگی میں بہت سے غیب و فراز اور ابھیں میں اور زندگی
ایسے گزر رہی ہے جیسے کلہ کوئی اور چمکی رہیں لگتا کہ زندگی
ایسے ہی ابھیں اور محو میں گزر جائے گی پھر ہم پر ایسا وقت آیا
کہ ہمارے اللہ نے ہم جیسی ناچنے اور گناہ گار بند کی کوثر بارانی
رحمت کی نظر سے دیکھا اور اپنے رستے کے لیے منتخب کر لیا دعوت
تخلیف کے ساتھ جو ہمارے تین دن گزرے تو ہمیں زندگی کا اصل
مقصد سمجھا آپ سب سے ہماری گزارش ہے کہ پلیز نماز کا خود
کو پابند بنائیں شاید آخرت میں ہماری نجات کا ذریعہ بن جائے
اور ایک نصیحت یہ کہ ہمیشہ اپنی ہر بات اللہ سے شیر کریں پھر
دیکھیں آپ کی زندگی کیسے سنو رہی ہے اور ہاں رو رہی ہر وقت اداس
نہ رہا کریں دیکھیں کسی ایک کے کھو جانے سے کوئی اور دیا نہیں
مگر زندگی کی ایک انسان پر بھی تو ختم نہیں ہوتی ناں اور ہر کام
میں اللہ کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے پر ہم انسان نہیں سمجھتے
سکتے اور بیاری آئی پروین آپ کی عمار کا سن کر بہت افسوس ہوا
ہے شک ماں ہی اس دنیا میں ایک لکھی ہوتی ہے جو سب سے
عظیم ہیں جس کا کوئی نعم البدل نہیں اللہ آپ کی امی کو جنت
الفردوس میں اٹلی مقام عطا فرمائے آمین اور آپ کی ہاتھ اٹھنے سے
پہلے ہی آپ کے لیے دعا لیں پر جاری ہو جائی ہے کہ اللہ آپ کو
اولاد جیسی نعمت عطا کرے اور آپ کو بھی ماں کے رتبے پر فائز
کرنے آمین اور مانی لولی سسر سمعیہ غزل آپ کا آپ کی سالگرہ
بہت بہت مبارک ہو۔ ہماری دعا ہے کہ آپ ہمیشہ خوش رہیں
اور اللہ آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے آمین اور محمد و ان اپنی آئی
کی جان آپ کو بھی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو ہمیشہ ہنسنے
مکراتے رہیں پیارے ان آپ کی آئی جان آپ کو بہت مس
کرتی ہیں ہماری دعا میں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہیں اور آخر میں
ہم پڑھنے والیوں کو ادھار شفی فرحت کو بہت سلاسل اور دعا کریں
ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا انی امان اللہ۔

پری ویش..... بی ایم
آنجل دوستوں کے نام
السلام علیکم! بیاری دوستوں سلام است رہو میں نورین انجم

آپ سب دوستوں کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے یاد رکھا اور
میری نگاہات کو پسند فرمایا میں اپنی پڑھائی کی وجہ سے بے حد
مصرف رہتی ہوں اس لیے آپ کو جواب نہیں دے سکی معذرت
خواہ ہوں۔ امید ہے کہ اس سبھی سی گڑبائی کی معذرت قبول
فرمائیں گی شکریہ آجیز عاشر حرم ہنی لکھی شکلیہ عاشر
کشما لکھی نورین جیک انجیل کشش جیہا میں حافظہ صائمہ
کشف نورین مسکان ثویہ عجم عروسہ یوس فریدہ جاوید فریڈرڈ ارم
کمال تمنا بلوچ کلف مریم آپ سب کو بہت یاد کرتی ہوں۔ زہرہ
فاطمہ ایلا طالب پروین افضل شاپین حد خان سمیرا
سوانی صائمہ سکندر سومرہ بھیرا نیلم روینہ کوش کوش خلد فرحت
اشرف کسمن دعا انمول صدف وقاس (حافظہ بار) حیرا نوشین
گزیاد وقاس ارم شہزادی (طیبہ خاور پھول جاز یہ عبا ماریہ کنول
مانی تمیلہ ناز بیا حسن مودہ ایس شہزادی میزاب حضور چھما مشال
منزہ عطا آپ سب کو نورین کی طرف سے سلام قبول فرمائیں۔
فائزہ بیچ آفریقاقت نسر تو سدا سلام است رہیں آپ سب سہار رخ
سیال آئی آپ کو شکوہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہ نورین بے
چاری چھوٹی سی بچا سب کو شکوہ کرنا جائز نہیں بچوں پر رحم کیا
کریں اللہ اسامیہ عمر مجید کرن شہزادی نورال انشال شہزادی شہزادہ
بلوچ نیلم شہزادی اور جن آ بیچوں کے نام رہ گئے یائیں بھول رہی
ہوں تو ان سب کو سوری کہتی ہوں دوستوں میں بھی آپ آنجل
فریڈرڈ سب کو دل کی گہرائی سے یاد کرتی ہوں جو جو فریڈرڈ کے
نام اشعار یا غزلیات لکھتی ہیں وہ سب میں اپنی ڈائری میں نوٹ
کر لیتی ہوں آپ سے التجا ہے کہ میرے ماں باپ کی سلامتی اور
صحت کے لیے اللہ سے دعا کریں جائے اللہ نگہبان۔

نورین انجم امان..... کراچی
سویت لوگوں کے نام

السلام علیکم! رحمتہ اللہ و برکاتہ فریڈرڈ کیسی ہیں آپ سب؟ حد
نور حرم کی بیاری ماما جان (سکلی مسعود) جنم دن مبارک ہو میری
دعا ہے تو جہاں بھی رہے ہر خوشی حیرے قدموں میں چمکی رہے
زندگی پر سکون رہے مسکرتی رہے آمین۔ ظلم ہمارا بعد ارم سویت
صوفی شادی کی بہت مبارک ہو۔ صائمہ فریڈرڈ حنا اشرف ایڈر ہما
عامر اللہ پاک آپ سب کو عید کا سایہ میں سے نوازے۔ طاہرہ
ملک (جلال پور پیر والا) کہاں کم ہیں آپ؟ دلہنہ کا جین بہت
یاد آتی ہیں آپ (بچی)۔ بھائی عامر شہزادہ شادی آپ کو شادی کی
دوسری سالگرہ مبارک اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔ گل ہما صوفیہ



جوہر سبک

منتخب قرآنی آیات کی تشریح تفہیم القرآن کے مطابق
 جوہر امت میں نبی آیا ہے جب تک اور جہاں تک
 اس نبی کی تعلیم کے اثرات باقی رہے یا نبی نہیں آیا (آیت
 1: سورة فاطر)۔

اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے سب انسانوں
 کے لیے قیامت تک نبی بنا کر ان پر گراہوں اور شرکوں کی
 ہدایت کے لیے قرآن نازل کیا (آیت 28: سورة سبا)۔
 قرآن بنی اسرائیل کو ان باتوں کی حقیقت بتاتا
 ہے جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں (آیت 26: سورة
 النمل)۔

قرآن کو ماننا کافی نہیں قرآن پر عمل بھی کرنا ہوگا
 (آیت 2: سورة السجدة)۔

اللہ کی مشیت آزمائش کی نہ ہوتی تو انسان پیدائش
 فرماں بردار ہوتا (آیت 13: سورة السجدة)۔

اللہ کی مشیت میں اچھے برے لوگوں کے وجود اور
 اچھائیوں اور برائیوں کی یکساں گنجائش ہے (آیت 7
 سورة الزمر)۔

شیطان دل میں وسوسہ ہی ڈال سکتا ہے بیماری یا
 جسمانی تکلیف نہیں دے سکتا (آیت 41: سورة ص)۔

شرک کی بنیاد ہی اللہ کی ذات یا صفات میں کسی
 نقص یا کمزوری کا گمان رکھنا ہے (آیت 36: سورة
 یسین)۔

انکار آخرت سے ہمیشہ اخلاقی بگاڑ پیدا ہوا جس
 کے نتیجے میں گمراہوں پر عذاب آیا (آیت 9: سورة
 الروم)۔

اللہ کی عبادت اور بندگی سے لوگوں کی دنیا اور
 آخرت سنوری ہے اللہ کی کوئی غرض اس سے نہیں انکی ہوئی

(آیت 15: سورة فاطر)۔

کفر کے ساتھ کسی نیکی کا کوئی اجر نہیں نیکی ایمان
 کے ساتھ ہی سودمند ہے (آیت 16: سورة الروم)۔

جس میں ہدایت کی طلب ہو اسے ہی اللہ ہدایت
 کی توفیق دیتا ہے (آیت 56: سورة القصص)۔

جس کی نماز اسے بخش اور برے کاموں سے نہ
 روکے اس کی نماز ہی نہیں (آیت 45: سورة العنکبوت)۔

انسان کو اچھے حالات میں سرکش اور برے حالات
 میں مایوس نہیں ہونا چاہیے اللہ پر توکل رکھے (آیت 43
 سورة ص)۔

ایمان کے ساتھ نیک عمل کرنے والا دنیا کی عارضی
 راحتوں سے محروم بھی رہے تو آخرت میں نعمتیں پائے
 گا (آیت 58: سورة العنکبوت)۔

اللہ کی بندگی میں شہریت رکاوٹ بنے تو ہجرت کر
 جاؤ جہاں ہے اللہ اسے وہیں رزق دے رہا ہے (آیت
 56, 60: سورة العنکبوت)۔

جان تو ایک دن جانی ہے اہمیت ایمان بچانے کی
 ہے جس پر آخرت کی ہمیشہ زندگی کی فلاح منحصر ہے
 (آیت 57: سورة العنکبوت)۔

وہ مومن نہیں جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ماں
 باپ اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہوں (آیت 6
 سورة الاحزاب)۔

جس معاملے میں اللہ اور رسول کا حکم واضح ہو اس
 میں اپنی الگ رائے رکھنا جائز نہیں (آیت 36: سورة
 الاحزاب)۔

علم رکھنے والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں جو جتنا اللہ
 کی صفات سے لاعلم ہے اتنا ہی وہ نافرمان ہے
 (آیت 28: سورة فاطر)۔

دنیا کی تکلیفیں اور آفتیں تنبیہ ہیں کہ سنبھل جاؤ
 اور نیک عمل کرو (آیت 2: سورة السجدة)۔

شعور کی عمر کے بعد سنبھلنے کے جتنے مواقع جو شخص
 ضائع کرے گا اتنا ہی اس کے کفر کا وبال بڑھے گا (آیت

37: سورة فاطر)۔

اللہ انسان کے دل میں آنے والے خیال تک سے
 واقف ہے روز حشر اللہ سب کا حال بتادے گا (آیت 7
 سورة الزمر)۔

روز حشر اللہ کے حضور عدالت میں سب انسانوں کا
 مقدمہ پیش ہوگا اور جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا (آیت 31: سورة
 الزمر)۔

روز حشر کی سختیاں کافروں کے لیے ہوں گی باطل
 ایمن والے بغیر حساب کے یا ملکہ حساب کے بعد داخل
 جنت ہوں گے (آیت 55: سورة یسین)۔

غلام سرور... ناتھ ناظم باؤ کراچی
 میرا پیغام سب بہنوں کے لیے حدیث کی روشنی میں
 عورتوں کو ناخن پر مہندی لگانے کا حکم

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ
 ایک عورت نے پردے کے چھچھے سے نبی کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا اس کے ہاتھ میں خط تھا۔ نبی
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کہ ”میں
 نہیں جانتا کہ یہ مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا۔“ اس نے کہا
 ”عورت کا ہاتھ ہے۔“ فرمایا ”اگر عورت کا ہاتھ ہے تو اپنے
 ہاتھ کے ناخن مہندی سے رنگ لے تاکہ فرق معلوم
 ہو سکے۔“

(مشکوٰۃ شریف باب الترجل) 4269
 طیبہ سعدیہ عطاریہ... کھنیا لہ سیالکوٹ
 باتیں یاد رکھنے کی

انسان کو اچھی سوچ پر وہ انعام ملتا ہے جو اسے اچھے
 اعمال پر بھی نہیں ملتا کیونکہ سوچ میں دکھاوانہ نہیں ہوتا۔
 مسکراتا تو میری شخصیت کا حصہ ہے آپ مجھے
 خاص سمجھ کر دعاؤں میں بھول مت جانا۔

ہمیشہ میٹھے الفاظ بولو تاکہ کبھی واپس لینے پڑیں تو
 کڑوے نہ لگیں۔

ضروری تو نہیں کہ وہ ہماری نگاہ میں رہے بس دعا
 ہے جہاں بھی رہے خدا کی پناہ میں رہے۔

انسان ہو کر انسان سے مت مانگ جو دے تو
 احسان اور نہ دے تو شرمندگی۔

انسان ہو کر انسان سے مت مانگ جو دے تو
 احسان اور نہ دے تو شرمندگی۔

انسان ہو کر انسان سے مت مانگ جو دے تو
 احسان اور نہ دے تو شرمندگی۔

زندگی میں جو چاہو حاصل کر لو بس اتنا خیال رکھنا
 کہ آپ کی منزل کا راستہ بھی لوگوں کے دلوں کو توڑتے
 ہوئے نہ گزرے۔

تم جہاں بھی ہوا پنی آنکھوں کو بند کرو تم مجھے پالو
 پروین افضل شاہین... بہاولنگر

جولہ کی سرانٹھا کر چلتی ہے اس کے
 والدین سر جھکا کر چلتے ہیں

اور... جولہ کی
 سر جھکا کر چلتی ہے

اس کے والدین سرانٹھا کر چلتے ہیں
 اب... سیاب پر منحصر ہے کہ

آپ سرانٹھا کر چلیں
 یا سر جھکا کر

مریم عنصر... شیخو چک (ڈنگلہ)
 بدبو

مہنگا پر فیوم لگانے سے بوسیدہ کردار کی بدبو ختم نہیں
 ہوتی۔

مدیحہ نورین مہک... گجرات
 حیرت زدہ

پیدائش اور اموات کے اعداد و شمار بڑھتے پڑھتے ایک
 حسینہ نے قریب بیٹھے ہوئے نوجوان سے کہا۔

”تمہیں معلوم ہے کہ میری ہر سانس کے ساتھ ایک
 آدمی مر جاتا ہے۔“

”حیرت ہے“ نوجوان بولا۔ ”تم کوئی اچھا سا تو تھ
 پیٹ کیوں نہیں استعمال کرتی۔“

ارم کمال... فیصل آباد
 سنہرے الفاظ

اے انسان اس خدا سے مانگ جو دے تو رحمت اور
 نہ دے تو حکمت۔

انسان ہو کر انسان سے مت مانگ جو دے تو
 احسان اور نہ دے تو شرمندگی۔

ماہی..... گوجرانوالہ
 تین چیزیں
 تین چیزیں ایک جگہ پرورش پاتی ہیں (پھول)
 تین چیزیں پردہ چاہتی ہیں (عورت، کھانا)
 تین چیزیں چھوٹی نہ سمجھیں (قرض، مرض)
 تین چیزیں کو بڑھاؤ (عقل، ہمت، محبت)
 تین چیزیں ہر ایک کی جدا ہوتی ہیں (صورت، برت، قسمت)
 تین چیزیں انسان کو تباہ کرتی ہیں (حرص، حسد، نم)
 تین چیزیں بھائی کو بھائی کا دشمن بنادیتی ہیں (زن، رز، زمین)
 تین چیزیں حافظ کو قوت دیتی ہیں (روزہ، مسواک، تلاوت قرآن پاک)
 تین چیزیں انسان کو زندگی میں ایک بار ملتی ہیں (والدین، حسن، جوانی)
 آنے شبیر..... ڈوکہ گجرات
 مسکرائے
 ایک دفعہ کسی بیرون ملک ایک پاکستانی ایک ہندوستانی اور ایک انگریز کو کسی کوڑے مارنے کی سزا ملی سزا سے پہلے سمران نے کہا کہ آپ تینوں کی سزا سے پہلے ایک ایک بات مانی جائے گی تو انگریز بولا۔
 ”مجھے ایک گدا لاکر باندھو (کمر پر)۔“ تیس کوڑے کدے پر لگے جب وہ ختم ہو گیا تو بانی کہ پچاس اسے لہانے پڑے۔ اسی طرح ہندوستانی نے اپنے پیچھے دو کدے (نوم) باندھنے کا اظہار کیا ساتھ کوڑے کدے پر اور باقی بچے میں وہ اس نے کھالیے اب پاکستانی کی باری آئی تو اس نے کہا کہ ”میرے پیچھے ہندوستانی کو باندھا جائے یہ میری خواہش ہے۔“ سو وہ قتل مند پاکستانی تھا

سارے کہ سارے کوڑے ہندوستان کو کھانے پڑے۔
 زعمیر روشن..... مظفر آباد آزاد کشمیر
 ماڈرن الجبرا
 میٹرک اگر بجویٹ + ڈگری = دھکے۔
 میٹرک اگر بجویٹ + رشوت = اچھی نوکری۔
 میٹرک + اچھی نوکری = شادی۔
 لڑکی + لڑکا + حماقت = عشق۔
 اندھیرا + بل = واپڈا۔
 عورت + عورت = شور شرابا۔
 عورت + خاموشی = ناممکن۔
 بیوی + محبت = مطالبہ تنخواہ۔
 طاہرہ یاسمین..... عارف والا
 سوال.....؟
 اسٹوڈنٹ! استاد جی لوگ انگلش اور اردو میں ہی بات کیوں کرتے ہیں؟ میچ میں کیوں نہیں؟“
 استاد غصے سے۔ ”زیادہ 3.5 نہ کر 11-9-2 ہو جاؤ ورنہ 6 کے 36 نظر آئیں گے اور 32 کے 32 دانت باہر آ جائیں گے۔“
 اسٹوڈنٹ۔ ”سر انگلش اور اردو میں ہی بات کریں میتھ تو سننے میں ہی خوفناک لگتی ہے۔“
 ماریہ کنول ماہی..... گوجرانوالہ
 اقوال زریں
 میں نے زندگی میں صرف ایک بات سیکھی ہے کہ انسان کو کوئی چیز نہیں ہر اسکتی۔ جب تک وہ خود ہار نہ مان جائے۔
 دوسروں کو دکھ دینے والے ہمیشہ خود مسکراہٹ سے محروم رہتے ہیں۔
 آزمائے ہوئے کا زمانا بے وقوفی ہے۔
 بے وقوف دوست سے بہتر عقل مند دشمن ہوتا ہے۔
 غزالہ دلیر..... مری ڈنہ
 نئی سوچ

قدرت کے کرشمات ہر لمحہ ہمیں آنے والی زندگی کے کٹھن امتحانوں کے لیے تیار کرتے رہتے ہیں۔ سمجھ دار اور عقل و فکر رکھنے والے ذی روح ان کرشمات کی کرنوں سے اپنی زندگی کی تار یک راہوں کو روشن کر لیتے ہیں اور بے وقوف لوگ ساری زندگی بد نصیبی کا رونا روتے ہوئے اس دار فانی سے کوچ کر جاتے ہیں۔
 سامعہ ملک پرویز..... خان پور ہزارہ
 زندگی کیا ہے؟
 زندگی کیا ہے..... دھوکہ سرباب یا پھر خوب صورت سا خواب۔
 زندگی حسین لئے، حسین یادیں یا پھر تلخ حقیقت۔
 زندگی تلخ تجربے کا نام ہے اور خوب صورت احساس بھی ہے جسے اگر محسوس کیا جائے تو موم کی طرح نرم اور اگر حالات پر چھوڑ دیا جائے تو تلخ حقیقت۔
 کہنے کو تو خوب صورت تھخہ ہے زندگی ہنسی مسکراتی جس میں اگر کائنات کی تمام تر رنگینیاں اور عنایتیاں ہوں پھر ہر لمحہ باعث مسرت بن جاتا ہے۔
 کہیں زندگی جینے کا نام ہے لیکن جب جینے کی کوئی وجہ نہ ہو تو زندگی بوجھ لگتی ہے ایسا بوجھ جسے انسان چاہ کر بھی اپنے کندھوں سے نہیں اتار سکتا۔ زندگی میں بہت سے واقعات ہوتے ہیں، کچھ تو حسین یادیں دے جاتے ہیں اور کچھ تلخ یادوں کی صورت میں اپنا آپ چھوڑ جاتے ہیں۔ انسان بہت سے حالات سے گزرتا ہے، بھی مشکل کبھی آسانیاں، کبھی لامحدود خواہشیں تو کبھی ناکام حیرتیں کیا ان سب سے تنگ آ کر انسان جینا چھوڑ دے ہرگز نہیں؟ انسان کٹا گے بڑھنے کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے کیونکہ ہر قدم پر ناکامی تو نہیں ہوتی۔
 اقرار شاہ..... ترنگڑی بالا
 غزل
 آئی تھی میری زندگی میں وہ اجنبی کی طرح پھر ہو گئی وہ میرے اقرباء کی طرح رہنے لگی ہے میرے خیالوں میں ہر پل

سمجھ لیا ہو دل کو جیسے گھر کی طرح دل چاہتا ہے اس سے دوستی کر لوں نہ ہو اگر جدا وہ بے وفا کی طرح تھامے رکھوں ہاتھوں کو نہ ہوں جدا کبھی کانٹوں کے بیچ کھلے پھولوں کی طرح دوستی کر لوں تو ایسی کر لوں اس سے بدلے نہ بھی جو فطرت کی طرح احساس کبھی ہو جائے اسے میری محبت کا ”چندا“
 نہ ہو میری دوستی عام دوستوں کی طرح شمر زویمیر..... مرید کے افسانچہ
 میری زندگی بن تیرے کچھ بھی نہیں اگر تو نہیں آتی تو میں پاگل ہو جاتا ہوں۔ میرا سکھ چین سب ختم ہو جاتا ہے ایک بار تو دو دن نہیں آتی تھی تو سر میں درد ہو گیا تھا اور سر درد کی دوائی کھانے کے باوجود ٹھیک نہیں ہوا سب نے مجھے بہت سمجھایا کہ اگر وہ نہیں آتی تو اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے دیے تو وہ آپ کے پاس دن کو بھی آتی ہے اور رات کو بھی گرمیوں میں سچ ہے دو وقت آتی ہے لیکن جب سے سردیاں آئی ہیں مجھے بھی وقت نہیں ملتا دن چھوٹا ہو جاتا ہے اس سے ملنے کا لیکن گرمیوں میں تو میں اس سے خوب لطف اندوز ہوتا ہوں دوپہر کو بھی اور رات کو بھی واہ رے واہ میری پیاری ”نیند“
 بیقہ احمد..... کوٹ سارنگ



شہلا عامر

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! انشعب اعزرت کے پاک نام سے ابتداء کے جو واقعے دو جہاں ارض و آسمان کا لگ ہے۔ یہ سال بھی اسی اختتام کی طرف ہے۔ یہ سال خوشی اور کدکھنوں ہی رہے لیکن پاکستان کی سیاست براہِ گبی رہے۔ یہ سال بھی یہاں تک پہنچے ہیں کہ متعدد سال کی باری آتی ہے اور وہ کتنا ملک سے غلصہ ہوتا ہے۔ اس بار آپ سب جنہوں نے شرکت کی اور صبا ایشل کی تحریر "خوابِ زادی" کو پڑھ کر کیا ہماری جانب سے بھی صبا ایشل کو مبارکبادیں پہنچتے ہیں۔ چل کر محفل آئینہ کی جانب جہاں آپ کے تیسرے ستاروں کی مانند جھلکارا رہے ہیں۔

صائمہ مشتاق..... سرگودھا۔ پیاری دانشور، ریزہ ریزہ اور شہلا آبی کبیر اسلام قبول تو آج کل میں دفعہ 22 کو لاہور اعلیٰ کورٹ میں مسکرائی ہوئی اچھی لگ رہی مگر سب سے پہلے یہ دیکھ لیجئے کہ سرگوشیاں کس شخصیت کے دل کو کنوڑ کیا۔ در جواب آئی میں قیصر آئی میں بنوں کی محفل چائے بھی مسکراتے ہوئے دل میں انڑ گئیں۔ دہائے کدھ میں مشتاق احمد قریشی معلوم میں اضافہ کرتے آج بھی کہنے لگے اسلام میری ہر کسی کے پاس نہیں ہوتا۔ ہمارا آج کل میں کلکلیں کا عشق اشرف روزینہ کوثر سے ملاقات اچھی رہی پھر روڈ لگا کی موٹو فہرٹ ناول قاضی گل ”ذکر اسکرما میرے گشتہ“ آئی جی بی کیا کیا آپ نے اربڑش کے ساتھ اچھا اچھا کرتا آئی میرا دل کرتا ہے کہ شرمن کو ناول سے کیا دنیا سے ہی باہر پھینک دوں۔ آئی جی آپ کی یہ فکرم ”محمد عارف دینے مردے میرے دل میں خود کو لا تاروے“ مجھے اتنی پسند آئی کہ بے ساختہ اپنی ڈائری میں اتاری۔ راسدہ رفعت کا افسانہ ”بندہ بنوں کی بات“ واقعہ جب بچہ چھوٹا ہوتا ہے کہنے کو لا ڈالہ ہوتا ہے لیکن ساتھ ہیڈوں کا عرب بھی تو ہوتا ہے۔ سیرا شریف طور ”بنوں سے عشق تک“ میرا بھی کیا بھول ”آپ کے ناول کے بارے میں میرے پاس الفاظ ہی شاید ختم ہو گئے ہیں آئی۔ دیکھتے ہیں شہریدہ لکھن میں خوشبو سے یا بنیں نشاط کا مکمل ناول بہت اچھا لگا یا بنیں اس بارہ کے بچا کو لایا نہیں کرنا چاہیے تھا دوسرے اسے رشتہ ہی ایسے ہوتے ہیں جن پر اعتبار کر دہی پیڑ پیچھے گھوم کر دیکھتے ہیں بانی ناول اچھی پڑھا نہیں۔ نیرنگ خیال میں اینڈر طالب کی انڈک بھی ”بنی“ بہت پسند آئی۔ فائزہ بھٹی نے دوست کے نام میں یاد کیا اچھا لگا فائزہ کی میری سالگرہ 10 نومبر کو ہے اور میں ہی صائمہ مشتاق ہوں صائمہ ریشل نہیں۔ یادگار لمحے میں انجم، نجم، عروان پیاری، بنی، لکھی آئی آئینہ میں سب نے خوب اچھا تبصرہ کیا، کوثر خالد عسکریہ یاد کرنے کا گلے ماہک کے لیے اجازت چاہوں گی والسلام۔

مریم عنصر..... شیخوچک، ڏنگه

السلام علیکم! سنا تم نے یہ شہلا کیا حال احوال ہے؟ مجھے بھی ایسا کوئی حال احوال پوچھئے تو بتا دیں کہ

چلو ہم ضد نہیں کرتے کہ ہمارا حال پرچھو
تم کو خود کس حال میں ہو اتنا تو بتا دو

سب سے پہلے اس میں اس پر ہندوؤں سے سرگرمیوں میں اب آتے ہیں بھرے ہوئے جا رہے۔
 شکوہ تو بہت ہے مگر شکایت نہیں کر سکتی
 میرے ہونٹوں کو احاطہ نہیں تیرے خلاف بولنے کی

(زیادہ دیکھنے میں امارا حصہ نہ ہم سے چھوٹے نہ بیاض دل دوبارہ ان میں تب حصر صلی کے جب پہچلا
 "میں دوبارہ شہزاد احمد بن ہوئی کہو کی درخون کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہوتا ہے۔" "پھلوں میں خوشبو مانی ہے"
 ان کی رش و درایا کیوں کرتے ہیں کہ ملتا ہے جائیں؟ شاید خوشی اس طرح مجھے بھی یقین نہیں آتا کہ اس طرح
 آتی کہ ہر سب جھوٹ ہے یا نہیں، ہر لڑکیاں اتنی حساس کیوں ہوتی ہیں اس جارحی جاتا ہے کہ ہر رشتے

یہی کی مطلق یادیں ہیں جب یاد کیا ان یادوں کو
یوں ہوئے دل میں ہنگامے کہ حج اُسی تنہائی بھی

ایک روز کو سلام کیا، علیکم السلام ایک نصیحت تمہارے لیے ان کے گھر زیادہ نہ جلا کر فوڈ گرم ہو جائے گی۔ خواب
 رک ہو تمہیں یہ شرف حاصل ہوا۔ دین پر کٹر بھارت کو کھانا اور ان رچنے کا بچے بھی بہت شوق ہے عاتش اشرف

آیا یقین مانو تمہارا تصادف پڑھ کر فحشی رہی لگتا ہے کہانی خوش حوازی ہو۔ دوست کا پیغام سلسلہ کافی دلچسپ ہوتا ہے کیا گیارہ لکھ میں پیاری بیٹی
سندھ یا بانی سب سلسلے ٹھیک تھے یا یہ ضرور بتائیے گا میری لکھائی کیسی ہے؟ ویسے جب خط دیکھا اٹانا تو مسکرا اٹھی اور مجھے لگتا ہے میرے
مسکرانے سے ہوا میں مسکرا اٹتی ہیں۔ میرا اٹھائی نواد جو مجھ سے چھوٹا ہے اور ساتواں تو جماعت میں پڑھتا ہے بڑی مشکل سے ڈاک خانے خط
پوسٹ کروانے کے لیے مانتا ہے اس کے لیے کوئی نصیحت کریں اللہ حافظ نہیں کہوں گی کہ یہ چاند یہ تارے یہ بہار کی کہتی ہیں مجھ کو کسی کسی کو
الوداع نہ کہنا۔

[illegible]

☆ ڈیڑھ تھما افریہ فری کی تحریر واقعی دلا حسین کی حق دار علی لیکن صرف ایک تحریر پر بغیر باقی مصنفین کی حق تلفی کے برابر ہے اس لیے اس منہ سب کا خیال رکھیں۔

طیبہ یاسین..... جھنگ۔ میری طرف سے تمام چل قارئین کو سلام علیکم! آج میں اس چل کی خاموش قادی ہوں لیکن پہلی بار لکھنے کی جرات کر رہی ہوں مجھے شروع ہی سے دوسرے تمام ڈائجسٹوں کی بجائے اس چل زیادہ اچھا لگتا ہے کیونکہ مجھے اس کی بہت زیادہ کمپائیاں سبق آموز ملتی ہیں۔ ”شبِ جبر کی پہلی بارش“ میرا فوٹو ناول ہے آئی ٹی ناز یہ کنول نازی سے ملنے کا بہت شوق ہے۔ ”دورا سکر“ میرے کشمندر، پینر فاخرہ کل صاحب اس کا پی ایچ ڈی کیجیے گا اور پینر اوریش اور اچہ کو لور کوئی دکھ نہ دینے کا۔ مجھے بہت شوق ہے کہ میں آپ لوگوں سے مل سکوں مجھے بہت اچھا لگتا ہے جب میں لڑکیوں کے تعارف دیتی تھی اور پڑھتی ہوں تو اس ناٹم میرا دل بھی کرتا ہے کہ میں بھی ایسا لکھوں تاکہ پھر میری ایسا ہی تعارف اور انٹروڈیو لیا جائے۔ میں اس چل میں کچھ کرنا چاہتی ہوں اور دوسرے طرف اس کی مدد سے ہوگا کہ اگر آپ میری حوصلہ افزائی کریں تو یہ سی ناں مجھے آپ سے ملنے کا بہت شوق ہے وہ شوق بھی میرا اس چل کی دانتی ہے ہی ہوگا۔ امید ہے کہ میرا خط آپ کو پوری لگا ہوگا لیکن اس کو ردی کی نوکری کی نذر نہ کیجیے گا اور میری جوتی پوشی سے وہ بھی بھڑی بہت مجھے تمام دین کیونکہ مجھے گائیڈ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

☆ طیبہ آپ اپنا تعارف لکھ کر بھیج دیں۔

رقیبہ ناز..... مہلسی، وہاڑی۔ السلام علیکم اشکاشوی بڑی مدت بعد آپ کی محفل میں آئے ہیں یہ کسی ہیں اور بانی آجکل سے وابستہ ہیں یا کسی ہیں؟ آجکل میں 26 کلاسز سے پہلے پانچ بلز پر نظر بڑی تول خوش ہو گیا زکوٰۃ کو دیکھ کر کہا کہ انما از میں مسکراٹ سے دل جیتنے کا ہوا۔ سب سے پہلے حرولت سے دل کا نورو کیا اس کے بعد ”ذرا مسکرا میرے گمشدہ“ بڑھا (تاہیں کب مسکرائے گا) جھٹکتا ہے کہ غرضی کہیں ہے چارے بارش کو چھسنا نہ دے اور دوسری طرف شرمیں اے لوگ نہ اپنے گھبراتے ہیں نہ کسی کے گھبرنے دیتے ہیں۔ بارش کے دل میں ماما کے لیے غلط فہمی جلدی دور کر اس کے بعد ”شب بھجری کھلی بارش“ بڑھا، امید ہے کہ مرہ کو جلد ہی ہوش آجائے گا اور سب ٹھیک ہو جائے گا لیکن صیام اور درختوں کا کیا دل پائیں گے۔ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ میں نانی کے بارے میں بڑھ کر ہوا صدمہ لگا اللہ تعالیٰ ایسے رشتوں سے بچائے امید ہے کہ اب کب اچانق جائے گی۔ مامدھے سے اللہ بچائے اور سورہہ بھی لڑکی کے ساتھ پوچھیں ہونا چاہیے صیام ایشیا کا ”خواب زادی“ بڑھا تو ایک عجیب سا احساس ہوا اس کے آخر میں کبھی چند لائسنز لوگ سمجھ جائیں تو ہر جن خوش رہ سکتی ہے مگر اس سماج کو کون درست کرے۔ یا مین نشاط کا ناول ”انہی پھولوں میں خوشبو بانی ہے“ بڑھا دماغی نشاء نے جات کر دیا ہے کہ عبت کی ہوتو ملی جاتی ہے جاسے جس ذریعے سے بھی ملے ساتھ ہی انہوں پر زیادہ دھرم کہنے کا انجام بھی کیا خوب دیا شاید معصوم لڑکی ہی پھول کی بھی کہ.....

اپنے ہی ہوتے ہیں جو کرتے ہیں وار دلوں پر

غیروں کو کیا معلوم کہ دل کس بات پر دکتے ہیں

او کے اللہ حافظ۔

سبحو بھار ایکس..... اےم ایس ایس، ڈنگہ۔ اسلام علیکم پیارے پیارے، چل قیصر آتی شہلا ڈارنگ لولی رائنڈز نسکی شیکی ری ریڈرز کا حال ہے سب ٹھیک؟ اگر نہیں تو ہونا چاہیے طلیس جلدی سے فریٹش ہو جائیں کیونکہ عمر بھاریوں جیسا تیرہ لے کر آئی ہے دینے مجھے معلوم ہے کہ مجھے تیرہ کرنا بالکل نہیں آتا تیرہ پیارے ریڈرز کے لیے کوشش کر سکتی ہوں! کافی انتظار کے بعد آخر 24 کو ملا جیسے ہی ہاتھ میں آیا پاؤں زمین پر ٹک نہیں رہے تھخہ آ کر گرے کر آئے اور اسے پیڈم میں بھاگے، چل تو ہمارا کردہ دیکھ کر پیشان ہو گیا۔

میری گھر کی چوٹ دیکھ کر بولے

چوٹ تو کسی دیوانے کا گلتا ہے

ناٹل پیارا تھا ماڈل کی معصومی مسکراہٹ نے دل کو خوب بھایا۔ قیصر آتی کی سرگوشیاں سنیں! آف پیاری بہنوں کیوں آتی کونک کرتی ہو اس لیے جست ریلیکس! ابھی جو رائنڈز لکھے ہیں انہیں پڑھیں! محدث کی کیا ہی تعریف کی ہے۔ در جواب اس میں کیسے شرکت کرتے ہیں ہمارا آچل عاشق شرف مجھ سے دوستی کرے؟ پلیر جواب دینا اگر کہیں نکلے تو روزہ بڑی.....

تمہارا جب دل چاہے میرے ہو جانا

محبوبوں میں ضروری ابھی نہیں

اس کے بعد ایک نظر پورے سالے پر دوڑائی (بھئی جس کا کچھ اچھا ہوگا وہی پہلے پڑھیں گے رائنڈز کا نام دیکھ کر بڑھنا تو بہتر پرانا ہو گیا ہے) سب سے اچھا کچھ ”محبوبوں میں ابھی خوشبو ہے“ وال پیچہ ایسا دوا میرے موہاں پر بھی ہے۔ یاسین نشاط و دل ڈن ایسے ہی تھی رہیں بہت خوب اس کے بعد دوڑ لگی سلسلہ وار پراس ماڈل کے سے بڑھانے کی کہانی یہ نہ ہو کہ عمر ہماری ناراض ہو جائے۔

کہ تم میں تو میری جان بستی ہے

بخت کا ستارہ اور خوب زادی بہت پسند آئے جبکہ ابلی بیس ابلی ہی تھا پلیر نے یہ ناٹل کی تعداد اور رفرار کرنا افسانے راشدہ رفت کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا لیکن مادی آتی صرف افسانہ؟ عمارہ خان کا انداز بہت مختلف ہے۔

کیسے نہ ہوتے ہم فدا عمارہ

کہ تمہارا انداز محبت ہی مختلف ہے

جبکہ اسیر محبت اور پیشانی بھی خوب رہے مستقل سلسلہ تینہ میں سب کے تیرہ کمال کے تھے اور میرا تو سب سے اچھا تھا (آہم)۔ کوثر نی آپ تیرہ کمال کا کرتی ہوں کیسے بیان کرو؟

ان کا انداز گفتگو ہی کچھ ایسا تھا

اگر دل نہ دیتے تو جان ہی نکل جاتی

مجھ پلیر سے دوستی کریں گی؟ بیاض دل میں اس دفعہ سب نے خوش کر دیا اوسم ڈش مقابلہ میں بھی شرکت کر سکتی ہوں؟ مجھے بہت شوق ہے۔ بیوٹی کا ٹیڈ میں سوال جواب کا سلسلہ دوبارہ شروع کریں تیرنگ خیال میں سب کا انتخاب اچھا تھا۔ دوست کا پیغام آئے ہم بھی ایک عدد پیغام سے مکمل میں بہار میں بھیریں گے یادگار کلمے بہت خوب ہم سے پوچھنے واہ! کی کیا بات ہے عروا گیا کچھ آج آپ کی صحت میں نہیں اپنی ایک نئی کا مسئلہ سچ رہی ہوں پلیر صل کریں۔ جواب کو ساگر مہارک میری طرف سے اور ایک عدد کا ڈیوٹیج رہی ہوں! کام کی باتیں واقعی کام کی نکلیں! اچھا! اللہ حافظ تمھاری دیر پھیلنے کا بہت بہت شکر یہ زندگی رہی تو دوبارہ تنگ کرنے آؤں گی۔

منشی خان..... مانسہرہ۔ السلام علیکم ایشہلا! آتی اور آچل دجبا اسلاف محبتوں اور اجازتوں سے بھر پور سلام قبول ہو۔ کسی ہیں آپ اور سب چل ریڈرز کو سلام اور ضرور دعائیں! اب آتی ہوں تیرے کی طرف سب سے پہلے چل 27 کو طوالتی خوب صورت ماڈل کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا اور ماڈل بھی میری ٹیوٹ بہت اچھا لگا سروسٹ پھر سرگوشیاں محبت سے مستفید ہوتے ہوئے در جواب اس میں پہنچے تو سب کے گلہ شکوے سامنے آئے ابھی میں ہماری دوست سے کون بھی کھڑی نظر آئیں۔ وقت تم تھا مقابلہ سخت تو اس لیے ہم نے ڈائریک جھانک لگائی! اے سوٹ ٹیوٹ ناول ”شب جبر کی پہلی بارش“ نازی آتی دل ڈن اتنا اچھا لگنے کے لیے زوا اور دوری کا لانا پھر دوری کا زوا یا کر کو حاف کہہ دینا اچھا لگا بعد یہ کچھ پند نہیں اب جو خاؤ اور صام کو استعمال کر کے درمکون کو مار چر کے کی پھر ایک اور خوب صورت ناول ”جنوں سے عشق تک“ بڑی ایکسٹنٹ سے پڑھا لیکن تو پھر ناٹل کا لیکن شہری صاحب کے حواں تو سنا تو سنا سن سے باتیں کرتے نظر آئے اللہ خبر کرے۔ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ آخر آتی نے اشعار کے ساتھ بڑی زیادتی کی! بے چاری بنا کسی صورت کے قصور وار وغیرہ ویری سیڈ پرائی تو بڑی ہی حالاک اور درمکون خانوں ہیں۔ ماندہ چند کے ساتھ پھنڈا دہی سیر میں ہوتی ہے سودہ چند کو دیکھ کر بھی پھنڈا کر سکتی۔ زیادہ میاں کا دل سودہ کے لیے نرم ہوا ہے۔ کچھ پھنڈا ہوتا ہے! ان کو پیارے میاں کی باتیں نہ کر سب سے اسٹریج کر دار تو دل بڑا ہی ظالم لگا۔

اشترخ تو کرتے دیکھ کر بھی اچانک ہمارا اور چل دیا! شہریب بھیا اچھا کیا آپ نے زید کو سودہ سے شادی کا مشورہ دیا کہ باقی کہانیاں ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ یادگار کلمے میں سب کی نگارشات اچھی نکلیں بیاض دل میں ارم کمال اور یادگار کلمے میں ارم بیاض ارم کمال! مجھ بھیم اور باقی سب لوگوں کی کاوشیں ابھی لیکن انباجازت دیں اس دعا کے ساتھ کہ آچل ہمیشہ ہمارے سروں پر تاقیامت رہے! آمین۔

حبیبہ قریبشی..... عبد الحکیم۔ السلام علیکم! آتی آپ کی بی بی آپ سے حیرت سے ہوں یہ دعا ہے ہماری رب باری تعالیٰ سے لیز لکھا صرف فریضہ عید کے دوپہرے۔ اسکی اسٹوری ہم کو سمرانز ہو گئے ج میں آتی جی یہ خط صرف اور صرف آپ کے نام میری طرف سے یہ جگہ یہ قول فرما میں شکر یہ قول کرنے کا فخر بھی مل گیا ہے آپ تو آچل کی شہزادی ہوئی اسٹوری ازادابیسٹ کرش پلیر اجیڑ سے حیرت ہونا نازی آتی یہ بی بی تو دل کی گھنٹیں کس کی ہیں آپ کی آتی ڈی بی بی اسٹوری تو بہت بہترین بات ہوئی ہے آخر آتی آپ کی کہانی میں تو بہت زیادہ جیس بنایا جاتا ہے پلیر اس کو لکھتی شہر کریں باقی کہانی تو سب سے پہلے پڑھنے کو دل کرتا ہے۔ زید اور سودہ بہت بہترین جوڑ ہے ”قصہ سٹارز بننے کا“ ایک بہت اچھی ہلکی ہلکی کہانی بہت اچھا لگا کر بڑھ کر۔ رابہ تو بالکل میری جیسی ہوتی ہے! سارہ مدین جیسی ہوتی ہے بے چاری ہر وقت جاتے بناتی رہتی ہے۔ ”کمال“ بی بی بڑھ کر تو اپنے دادا جان یاد آئے جب وفات پائی تو میں بھی جاتے ہی نکلی رہی گی اور ہاتھ کا پڑے تھے اللہ تعالیٰ میرے دادا جان کو جنت میں جگہ دے آمین۔ عمل ناول اچھا تھا ایک دم ہی ڈرامائی مکمل اختتام کر گیا باقی اللہ تعالیٰ ہم سب کو نازی کی توفیق دے آج میں اسے آپ سے باتوں میں یہ قیادی نہیں رہا کہ ماڈل کسی بھی تو سننے جواب ناول کو پڑھنے ہوئی کس کی! مجھے یہ لڑکی بہت زیادہ ہی پیاری لگتی ہے معصوم صورت اور ہنسنے کو اگر میرے کس میں ہوتا تو احوار مانگ لیتی۔ مجھے ایسے ہی جھکے پسند ہیں ذات زیادہ ہو گئی ہے اب اجازت چاہتی ہوں اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو اپنی حفاظت میں رکھے آمین۔ آچل دل دینی رت چوٹی ترقی کرے آمین! پاکستان زندہ باد! پاک فوج پابند باد

شبیم کنول..... پاپا نگری، حافظ آباد۔ السلام علیکم! میری طرف سے سب کو پیار اور اسلام کیسی ہیں آپ سب؟ آچل تمام ڈائجسٹ میں نیا پف دی اسٹ جا رہا ہے دعا ہے کہ یہ ہمیشہ دل دن رات چوٹی ترقی کے منازل طے کرتا رہے۔ آچل نے ہمیشہ اپنے پرانے اور نئے لکھنے والوں کی پذیرائی کرتا ہے آچل میرا کمن ہے اس کی ہر اسٹوری میں کسی نہ کسی کردار کی صورت میں ہیں اپنے ارد گرد کے ماحول کے بارے میں بتا چلتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں لکھنے والی بی بی ان کی قیاسی بات ہے نہ ہو کر ان کی الگ ہی روپ لے کر آتی ہیں چار چاند لگنے آتی ہیں اس لیے ٹیوٹ ناول ”شب جبر کی پہلی بارش“ آخری موڑ پر ہے ہر سے اور چار چاند پلیر نازی آتی یہ درمکون کے ساتھ برامت کر دینے کا بس جلدی جلدی صام اور درمکون کی شادی کر دیں شکر یہ شہزاد اور عبدالمہادی کی شادی ہوئی چاہے ان دونوں کی جوڑی ایک ساتھ اچھی لگتی ہے سیر انکی آپ بھی کچھ اچھا نہیں لگتی بہت ہی زبردست لگتی ہیں! ابھی چار فیس ہیں ہوتی ہیں اور کہانی زبردست موڑ پر آگئی ہے۔ شہرینہ کے دل میں لیکن کی محبت آجائے دینے شہرینہ کے چار کے ساتھ بھی لیکن چار اچھا نہیں کرتا۔ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ واہ! لاجاب لاجاب ماندہ نہ تو محبت کو کچھ کر دھا یا اب چند لیکن کے گایا نہیں جوڑی ابھی لگتی ان دونوں کی۔ اللہ اشترخ کے ساتھ کچھ تو اچھا کر دیں مجھے اشترخ کی نانی بہت خفا تانے تو دل کو بھی ٹھوڑا نرم کرنا چاہیے اشترخ کے چارے کا کیا قصور ہے۔ عروہ لی بی خواب ہی دھکتی رہے کی زید کے سودہ کی زید کی دان ہے کی۔ فخرہ آتی میں آپ سے ناراض آپ نے پھر اچھے کے ساتھ رہا کیا ٹھوڑی ہی خوشی تو دے دیتی غزنی شروع سے ہی مجھے اچھا نہیں لگتا شہرینہ سے بھی کس اللہ ہی بجائے سکندر صاحب کو زید عموور اللہ رحم کرے یہ پیاری اچھے پر۔ باقی سب افسانے ناول اور زبردست ہیں اجازت دیں زندگی نے دی اجازت تو پھر آؤں گی آئینہ میں اللہ حافظ۔

انیلا طالب..... محمود انوالہ۔ السلام علیکم! آتی چل رائنڈز اینڈ ریڈرز اور خاص طور پر بہت ہی پیاری آتی شہلا آپ کو اپنا طالب کا سلام قبول میں کمن کمن کر آؤں 24 آخر کچھ لکھنے ملا وہ بھی سعیدہ خدی کے ہاتھوں جب بھی وہ ہمارے گھر آتی ہیں میں آچل لائے کی فرمائش ضرور کرتی ہوں اور دعا ہے کہ سچ کر کے کہتی ہیں..... ”انیلا! اچھا سا لکھنا ہوتا آتا چل لینا سچو میرا جواب آگے سے ہوتا ہے آخری میں آپ کے لیے دعا کروں گی آچل ضرور لانا۔“ چلیں چھوڑیں کیا باتیں لے کے بیٹھتی ہیں یا ڈول رو کی پیاری تصویر سے حساس روٹی پسند یا سرگوشیاں احمد خدی کے بعد ہمارا آچل پرانے روزینہ کو بڑا اور باقی بہنوں سے مل کر بہت اچھا لگا۔ مکمل ناول میں ”ڈر سکر ماہر کے کشہ“ بڑا زبردست چارہ ہے اچھے کے ساتھ کچھ کر لیں۔ فخرہ آتی میں آپ کے بعد اچھا لگتی ہیں! صاف ستری حریر عروہ جاتا ہے۔ ”شب جبر کی پہلی بارش“ اور ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ دونوں ناول اچھے چارے ہیں۔ ناٹل میں صابن مکمل کا ”خواب اندکی“ پسند آیا ان دونوں بہت معروف ہوں اس لیے باقی آچل ابھی زیر مطالعہ ہے۔ بیاض دل میں ریا اور شاز پانچر حافظ تیرا کے اشعار سن کر مجھے تیرے خیال میں وفا رز و زنیہ و طاہر اور نور زینہ سلطانہ کی شاعری دل پر لگی اپنی دھانی سال پہلے کی نظم دیکھ کے بے حد خوش ہوئی۔ ایمان آتی بہت شکر یہ ہم باقی پیاری حنا کنول آپ نے آخری اپنا بیت سے عید کی مبارک باد دی مجھے ہے پناہ اچھا لگا۔ فخرہ بھی عید کی مبارک باد دینے کا شہر زبردست کا پیغام میں سب نے اچھے اچھے پیغام لکھے آئینہ میں دیکھ روٹن کا تیرہ اور ان کی ارم کمال کا تیرہ اچھا لگا ڈیرہ ہم مجھ احوال پیاری گل بیٹا خان میرے اشعار پسند کرنے پر دل سے مشکور ہوں آتی کوثر خالد پر تو ہیں ہی آخری پیاری تیرہ بھی اشعارے ماترا رہا۔ ہم سے پوچھنے میں ان کی ارم اور نورین انجم کے اچھے اچھے سولات خوب رہے آخر میں اپنا مکمل دل بھی سنائیں پتا ہے آچل کے لیے ان

بیاض دل میں زین الدین شانی، غفقتہ نورین آمنہ غلام نبی شانیر اختر، ام سہیلہ عائشہ رحمن، ہنی آبی ارم کمال کیا کہنے آپ سب کا۔ زبردست انتخاب، نیرنگ خیال میں مدیر گل واہ کیا کہنے ہمارے یادگار لمحے میں مریم ہر نقی، نجمہ، نجمہ عوان آبی ارم زبردست ہوئے۔ مہول کو دعاؤں میں یاد رکھنے کا رب سوچنے والے اللہ حافظ۔

ارم کمال..... فیصل آباد۔ پیاری سی شہلاچی سدا ہنسی اور مسکرتی رہیں آمین۔ السلام علیکم اہمید ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے خیریت سے ہوں گی آپ چل کر شمارہ بروقت موصول ہو، وقت کی پابندی ہمارے چل کا طرہ امتیاز ہے، نائل گرل کی مسکراہ بہت دلنشین تھی۔ سرگشیاں سے حجاب کی سالگرہ نمبر کی خوش خبری جاتے ہوئے حمد و ثناء سے دل کو سکون بخشا۔ میری طرف سے سالگرہ نمبر کی سب کو پیشگی مبارکباد، جو آپ اس سے بہوں کے کدھکے کدھکے گا ہی لی۔ دشاں کدھ سے ذہن خوب متاثر ہوا ہمارا چل مکمل فیصلہ الاسلام اور دینہ کوئٹہ ڈائریٹ دل میں اتر گئیں سب سے پہلے اپنا موصوفت ناول ”ذرا مسکرا میرے گمشدہ“ پڑھا، اجیر اور اربش اپنی زندگی کے نازک دور پر پکڑے ہیں اللہ کرے اربش اور اجیر کے ساتھ کئی کی نظر نہ لگے اور شر میں کا تو من کا لا کر دنا چاہیے اپنی اندھی خواہشات کے لیے اتنا بھی نہیں کرنا چاہیے اور سکندر صاحب کو چوک میں کھڑا کر کے جو تے مارے جائیں۔ راشدہ رفعت کی ”بندہ ہونوں کی بات“ مزہ دے گی۔ ”بخت کا ستارہ“ ہمیں نظیر فاطمہ نے دل خوش کر دیا۔ ”بھگی پھولوں میں خوشبو ہے“ میں یا مینن نشاط نے کہاں کی جلدی جلدی سیٹھا ہے فکری رہ گئی۔ ”قصدا رنٹھے کا“ لیوں پر مسکرا، سمیر گپا (ویل ڈن عمارہ خان)۔ شمارے کی اسے دن ”انسان لی“ رہیں (شباب سیراسر فراز) ”جنون سے عشق تک“ شہرینہ کا رد عمل اس کے لائف اسٹائل اور تربیت کے لحاظ سے نابل ہے یہ شادی ہو گئی تو بیخ و بوم ڈرون حملے ہوا کریں گے۔ ”اسیر محبت میں عنا حسین نے بہت اچھا سبق دیا کہ اسیر محبت کو اسیر رکھنے کے لیے الفت اور محبت کی ڈور سے مسلسل باندھ کر رکھنا پڑتا ہے جب ہی محبت کی کھلیاں آپ کے زندگی کے آسان پر سدا ہوتی رہتی ہے۔ ”خواب زادی“ میں خوابوں نے مجھے بھی خواب دینے پر مجبور کر دیا۔ بیاض دل میں شانہ امین راجپوت نادیدہ شعیب اور سمیر العزیز کے اشعار اسے دن رہے۔ نیرنگ خیال میں مدیر گل واہ کیا کہنے پر مجبور کر دیا۔ بیاض دل میں شانہ امین چھوٹی۔ دوست کا پیغام آئے میں سب بہوں کے کھٹے کھٹے پیغامات نے سال باندھ دیا جن بہوں نے مجھے یاد رکھا ان کا ذکر بھی کیا آئینہ میں سب کے چپکے دیکھتے دیکھتے شہرے خوب بہار دکھا رہے تھے، مے سے پوچھنے میں شامل کے مزے دار اسپانسی جواب شمارے کی جان ہوتے ہیں اچھا اب اجازت دیں بی انان اللہ۔

ابیس این شہزادی کھول..... جڑانوالہ۔ السلام علیکم چل اسٹاف چل قارئین اور شہلاچی آپ کو سلام اس دفعہ چل 24 گول کیا تھا اور میرا خط لکھنے کی وجہ اس دفعہ نائل بہت ہی پسند آیا آپ اس طرح کے ہی نائل ہو کر آئی میں جو ہر دفعہ پہلے سٹ دستخطی ہوں اس دفعہ اپنے نام کی وجہ سے سارا ڈائجسٹ دیکھا لیکن ہمیں اپنا نام نہ ملا اور وہاں سٹ دستخطی تو سٹ دستخطی مکمل تین ناولٹ دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا اور پھر ہمیشہ کی طرح پہلے حدیث پر مبنی سرگوشیوں کے اوپر جو حدیث ہوتی ہے وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔ سرگشیاں میں اور ”شب جبر کی پہلی بارش“ پڑھی، چھٹا رنگ لگا کر ورنڈر نازلی آبی۔ شہزاد ایک جگہ سے نکل کر دوسری جگہ پھنس گئی ہے آبی جی یہ سید کہاں گیا ہے۔ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ دادا لی افران کیا یہ کہنے آبی سیرا شریف اس خط میں تو آپ نے ہر جگہ شہرینہ کا موصوفت آف رکھا، لیون تو ہنسی مسکرائی اچھی لگتی ہے۔ ”ذرا مسکرا میرے گمشدہ“ آپ کی فخر گل اجیر ہے جاری کے ساتھ اب اتنا برا تو نہ کریں وہ تو اچھی ہے اور فکری تیکر گلاب کوما سے ہوا ہے اور شہزاد چاہیے اور شر میں میرا دل کرتا ہے شوٹ کر دوں اتنا برا بھی انسان کو نہیں ہونا چاہیے۔ مستقل سلسلے میں آئینہ خانے میں آبی کوش خالد اور مدیر یورین مہک کے خطوط پسند آئے مدیر یورین مہک باقی سلسلوں سے غائب کیوں تھی؟ وجہ؟ دوست کا پیغام آئے میں لیکن رب تو از کا شہیدوں کو سلام کرنا اور فوجیوں کے لیے دعا کرنا پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کی خوش پوری کرے آمین۔ آبی سیرا بھائی بھی آری میں ہے وہ وہ سال شامی اور یرستان اور وادی تھراں میں فرائض انجام دیتا رہا ہے اس کے بعد ان کی پوسٹنگ انچی اگست 2017ء میں ہوئی ہے ایک میرے ماسوں بھی آری میں ہے وہ دعا چل بھولے آزاد سمیر میں ہوتے ہیں اور میری ماسوں اور چاچا آری میں ہیں اور مجھے خوشی ہوتی ہے ہمارے ابو کی ریٹائرمنٹ ہوئی ہے۔ ہمارے خاندان میں زیادہ تر اسکول ماسٹر اور آری میں ہیں اور اس کے لیے ہمیں فخر ہے۔ باقی ڈائجسٹ اچھی پڑھا نہیں اس لیے ٹھوڑا سا تبصرہ کیا۔ تمام قارئین سے درخواست ہے کہ میرے پیپر کے لیے دعا کریں یہ لاسٹ سمسٹر ہے اور میرے پیپر اچھے سے ہوجائیں آئینہ میں میرے بچے کے لیے دعا کریں اللہ انہیں تندرستی دے اللہ حافظ۔

شائستہ جٹ..... چیچہ وطنی۔ السلام علیکم پیاری شہلاچی اور تمام چل رائٹرز پیرز کو کامیاب کرتی ہوں سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سفت فائز ہوں گے تو جناب ہوتے ہیں اس ماہ کے چل کی جانب سے رونق نائل بس ٹھیک ہی گئی پھر ہوجے ہم مدیر جی کے پاس بھی ان کی باتیں سو فیصد دوست ہیں اور فکری کھلاری باتیں بھی ذرا صبر کا دن تھا میں سمجھی اور صبر کا چل بیٹھا ہوتا ہے اس کی مثال ہم خود کی دیتے ہیں سمجھی اپنی کہانی ہم نے ارسال کر دی مگر اس کے باوجود چل ہے جو ہم نے نگاہ کیا اور اللہ کے فضل و کرم سے اس کا راجحاب میں ہماری تحریر زینت بن گئی اس کے لیے ہم تمام چل اسٹاف کے مشکور ہیں اللہ تعالیٰ دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ چوٹی ترقی عطا کرے آمین۔ حمد و ثناء سے دل کو سنوڑا گیا اور دشاں کدھ پر بار کی طرح سطحوں کا وسیع ذخیرہ لیے ہوئے تھا۔ اب آتے ہیں سلسلہ ناولٹ کی جانب تو جناب ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ افران بھی پلیر کیا تو سٹ لائیں اور یہ ماہہ یقیناً کوئی بڑی غلطی کرنے والی ہے۔ اشرار اور نولٹ کی کہانی کا کردار حمود کا شکار

ہے۔ ”شب جبر کی پہلی بارش“ بس ٹھیک ہی لگا۔ ”ذرا مسکرا میرے گمشدہ“ کو جی نیا کا نامہ شر میں کا بدگمانی کا زہر اجیر کر کے گئی اب دیکھو کیا ہے۔ ”بھگی پھولوں میں خوشبو ہے“ ٹھیک رہا۔ ”جنون سے عشق تک“ کچھ تو آگے بڑھاؤ، انداز ”بخت کا ستارہ“ نائل تھا ویسے ج کل اس نے ذرا لے لگے لگانا ٹھوڑا مشکل ہے جیسا شائق کا کردار دکھایا گیا ہے۔ ”خواب زادی“ خوابوں کا ہی رنگ لگا ”انسان لی“ بس ٹھیک ہی تھا۔ افسانے سارے نابل ہی تھے اس کے بعد ہوجے ہم شامل کی طرف سوالوں کے جوابات پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا اور ہنسی تو ہونوں پر پھر بھی گئی یا گار لکھے میں سب نے زبردست کھانے نگ خیال میں وفا ز ذرا غزل میل راؤ رویشا ملک نے کمال کا لکھا۔ بیاض دل سب کے اشعار اچھے لگے باقی سارے سلسلے میں کمال کے انتخاب اجازت دیں ان شاء اللہ اگلے ماہ پھر حاضر ہوں گی اس دعا کے ساتھ کہ اللہ پاک ہمارے ملک کو بری نظر سے بچائے اور ہمارے ملک کا نام پوری دنیا میں روشن ہو جائے۔

سین ارشاد..... احسان پور۔ السلام علیکم شہلاچی آبی ہیں آپ؟ میری طرف سے تمام اسٹاف کو بہت بھرپور اسلام جی قوتاب بات ہو جائے ہمارے پیارے چل کی بھینٹ آتی، کیا بھینٹیں پیارے چل کا ہر سلسلہ یا جواب ہے۔ نائل پر باؤل کو دیکھ کر بے ساختہ ماشاء اللہ لگا۔ جواب آں میں دلش مریم کے والد کی رحلت کا سن کر بہت غصہ ہوا، چنگ والدین بھی موت کا کوئی نعم البدل نہیں اللہ تعالیٰ آپ کو صبر عظیم عطا فرمائے تعارف میں من کلیل کا تعارف بہت اچھا لگا جناب آپ شہرینہ ہوتی تو ہم شادی شدہ ہوتا بلکہ ایک پیاری بی بی کی ماں بھی ہوں۔ مجھے آپ سے مل کر بہت اچھا لگا ”شب جبر کی پہلی بارش“ بہت خوب نازید آبی آپ ہمیشہ ایسے ہی ہوتی ہیں لیکن پلیر آبی درمکوں کو صیام سے بالکل بھی جدا نہ کرنا اور لی عبدالہادی کی شادی شہزاد سے ہی کرنا۔ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ پلیر افران کی اشعار ج لار پ مجھے غیبت انسان سے جانا اور مدیر عجیب آبی ہے نہ سو وہ کو کی اور کے ساتھ دیکھنا پسند کرتا ہے اور نہ خود اس سے اظہار محبت کرتا ہے اور آبی آپ چل کی ساری کہانیاں ہی لا جواب ہیں۔ ڈش مقابلہ میں نہرت جیس بیاض کی ڈش اچھی لگی کیونکہ کر لے اور جتنے کی دالی بہت پسند ہے اور نیرنگ خیال میں بھی نہ کوئی غزل اچھی لگی اور پیاری طبع کا یاد کیا آپ بھول گئی ہو مجھے لیکن میں نہیں بھولی میں آپ کو یاد کرتی ہوں اور آپ کے لیے دعا میں مانگی ہوں کہ آپ سب خوش رہو اور ہنسی مسکرائی رہو پھولوں کی طرح اب میں اجازت چاہتی ہوں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ آپ چل کا ورڈ بیری ترقی دے اللہ حافظ۔

عاصمہ عبد المالك..... گوچر خان۔ السلام علیکم شہلاچی اینڈ قارئین آپ چل کیسے ہیں آپ لوگ؟ تو جناب چل کے سب سلسلے زبردست ہیں اللہ تعالیٰ آپ چل کو دن دینی اور رات چوٹی ترقی دے آمین۔ باؤل کی دل چھو لینے والی مسکراہٹ نے دل موایا۔ سب سے پہلے تو ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ میں کیا بی بی زیادہ میاں منہ سے بولنے نہیں اچھا ہے پھر سلسلے میں اندری اندر اور سو وہ لے لائیں گے پیارے میاں اور یہ نولٹ میاں کر جذبات کو ٹھوڑا ٹھنڈا کر دیں پلیر اور ”ذرا مسکرا میرے گمشدہ“ کی تو کہانیاں ہے جناب لیکن میرے مہربانی اجیر اور اربش کو مزید زامش میں مت ڈالیں اور شر میں جیسی لڑکیوں سے تو اللہ بچائے۔ ”شب جبر کی پہلی بارش“ بس ٹھیک ہی تھی افسانوں میں ”خواب زادی“ نے متاثر کیا میری دعا ہے کہ اللہ پاک تمام خواب زادیوں کے خواب اس طرح بچ کر دے آمین مگر آہ خواب تو ہوتے ہی تو نونے کے لیے جیے باقی تمام چل اچھی پڑھنا باقی ہے اللہ پاک سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے پاکستان زندہ باد دوبارہ حاضر ہوں گے بشرط تندرستی۔

کائنات خان..... نامعلوم۔ آپ چل 25 کوما مجھے نہیں میری دوست کو ذرا اس کے گھر بھی لائی اور بیٹھ گئی آپ چل کو پڑھئے جب تک پورا آپ چل نہ پڑھ لو جین نہیں آتا ہے۔ نائل بس سو سو تھا ہاں ایئر رنگ اچھے تھے اگلے ماہ حاضر کا برا اینڈ نائل دیں (بھگی تو بات مان لیا کریں) کوپے گانے؟ ایک نظر فرست پڑا اٹلی شکرے کے کناوٹ پڑھائے روز نہ ہو تو ایک ہی نمبر دیکھو کچھ کر دو ہو گئے تھے ابتدا سے ہوتے ہوئے ہمارا آپ چل پڑھا صاب پورنگ مزے کا ایک بھی تعارف نہ تھا۔ سلسلہ ”شب جبر کی پہلی بارش“ پلیر اب اسے ختم کر دیں بہت پور کر دیا ہے ہمیں نے پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ اب مزہ آ رہا ہے ناں آبی۔ ”میرے گمشدہ“ فخرہ آبی کی کہانی اچھی ہے مجھے اربش کا کردار بہت پسند ہے پلیر اس کے ساتھ سب اچھا لگا۔ ”جنون سے عشق تک“ سمیر آبی اب تک مجھے کبھی غلط پسند نہیں آئی۔ ”بھگی پھولوں میں خوشبو ہے“ بی بی، واہ کہاں کا کیا نائل تھا کہ باہر (آپ چل پر) ہوتا تو مزہ آ جاتا ناٹھال مجھے بہت پسند ہے۔ یہ نائل باہر گائیں کہانی بھی بہت اچھی تھی۔ ناولٹ ”انسان لی“ پسند آیا بی بی دو گئی لا جواب تھے۔ افسانے میں راشدہ آبی چھائی رہیں ”اسیر محبت“ ویل ڈن آبی۔ مستقل سلسلے سارے اچھے ہیں آئینہ میں سب کے تبصرے اچھے لگے خاص کر ڈنگ والوں کے (بھگی جان بیچان کے جو ہیں) کو پڑ آتی تھی طول تبصرہ مزہ دے گیا اور ہاں کچھ ہمارے چل ٹیم کا نائل کی طرف بالکل دھیان نہیں ہے خیال کیا کریں جب چیز باہر سے بھائے گی تو ظاہر ہے لوگ ہمیں گے کہ اندر سے بھی اچھی ہی ہوگی کوئی بات بری لگی ہے تو بڑاوالا سواری اللہ حافظ۔

☆ ڈیز کائنات! آپ کی تجویز نوٹ کر لی ہے

فنارسول ہاشمی..... صادق آباد۔ تمام قارئین کو سلام دو تین مرتبہ چپ کیا رہے چل نے تو مجھے ہمیں بھلا دیا خیر اس بار سونچ بہت خوب صورت تھا کیونکہ راکن انھیں سے دیکھتے ہوئے مسکراہٹ کی کہانیاں میں سب سے پہلے فخر علی کی ”ذرا مسکرا میرے گمشدہ“ پڑی۔ اربش تو واقعی گمشدہ ہونے جا رہا تھا شر میں اور غزل کی چال کا مایاب ہو گئی اجیر کی مشکلات کم ہونے کی بجائے

پرستی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اتر اصفیٰ کی "تیری زلف کے سر ہونے تک" ہر قسط پہلی سے بڑھ کر شاندار اور لا جواب ہوتی ہے۔ جہاں آراء کا کردار محل کر اشراق کے سامنے چکا ہے لیکن وہ اپنے لیے چھوٹی نہیں کر پائی۔ یہ زیادہ لوہن کی فطرت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ تمنا اور اسے چاہے کہ اب دوا نمہ کی لڑی عمرانی کرے۔ "بخت کا ستارہ" نظیر فاطمہ کی اچھی تحریر کی لیکن پھر زیادہ متاثر کن نہیں ہے۔ مبادیاض کی "خواب زادی" میں تو ہر لڑکی کو اپنا ہی مس نظر آیا ہوگا کہ ہر لڑکی ہی خواب زادی ہوتی ہے مگر جب سنی دلائل داخل ہوتی ہے تو ان کی خامیوں کو دیکھ دیا جاتا ہے حالانکہ یہ خواب کوئی بہت زیادہ مضبوط بھی نہیں ہوتے۔ "سرِ محبت" تمنا حسین کی ایک بے حد سبق آموز تحریر کی باقی رسالہ بھی زیر مطالعہ ہے۔ السلام۔

فریدہ فری..... لاہور۔ السلام علیکم! اکثر یہ کہاجا چلا ملا سب سے پہلے قیصر راکی سرگیاں میں جو فصاحت و موزون شخص پہلے ماہ تمبرہ شاہ نہیں ہوا پھر بہت شاعری تو کی اب تو بے حد بیانوں بہت مشکل سے بھی ہوں چلے کھڑا آہرہ کرلوں آج کل مرگئی آئی ہوئی ہوں کہ مری آ کر طبیعت ذرا بجلی ہے۔ اپنی شاعری بڑھ کر اچھا لگا تمام افسانے اور ناول بہترین لکھے ڈش مقابلہ میں وائٹ چلی کی کڑی پس پسند کی کیونکہ شہزادہ ہمارے پسندیدہ ڈش ہے مگر ہم وائٹ کی بجائے سرخ مرغ ڈشیں گے۔ دوست کا پیغام ہے میں اپنا خط دیکر کہے بعد خوشی ہوئی نہم کو پروین بھائی نے یاد کیا نہیں ہے بعد محسوس ہوا اور نہ دیکھ خالد نے بہت اداس ہیں۔ افسانوں میں "بخت کا ستارہ" ہونٹوں کی بات قصہ راسخ بننے کا کاماں کی خواب زادی اسیر محبت بہترین تحریریں لکھیں۔ اقبال بانو جو ناولوں کی ملکہ عالیہ ہیں ان کی بے حد محسوس ہوئی اقبال بانو کی آپ کو بے حد سلام اور دعا۔ گلش مریم کے والد کی وفات کا بڑھ کر بے حد محسوس ہوا اللہ تعالیٰ ان کو بخت انفرادیوں میں جگہ دے آمین۔ پروین افضل طیبہ نیز نجمہ گلش مریم اور بی بی علی کشمہ لعلہ لعلہ سلمہ مدیحہ مہک نورین نصیر آصف شاہد ناراض ہیں۔ نگہت غفار زہت نہیں سہاس گل ان سب کو بے حد سلام اور دعا۔

اسماء گل مغل..... کوٹ مہارٹ۔ آہم..... جی شہلا آئی کسی ہیں؟ اس بات چل جلدی ملا وہ جانی کی مہربانی سے نائل اچھا تھا۔ حروف و نثاق کد سے ایمان تازہ کیا فاعظہ کی ایسی شخصیت میری ہانسی سے بہت ملتی ہے جو ایک پکا ناول بہت اچھا رہا ہے۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" آخر آئی آپ کا انداز بہت اچھا ہے۔ "شب بھری پہلی بارش" ایک فیاں مر چکا ہے شہزاد کو پکا سانی ہوئی سمیرا آئی آپ کی کہانی کا نام یاد نہیں آ رہا۔ ان اور شہزادہ کی نوک جھوک اچھی ملتی ہے افسانے انہی بڑھے نہیں وجہ بہت خاص ہے میری ہانسی خالدہ شاہین کی شادی ہو رہی ہے اس لیے بہت سارے کام ہیں سب آچل پڑنے والوں سے ریکوئسٹ ہے میری ہانسی کے لیے کوئی ایسی دعا دیں۔ اچھا اب اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

محسن عزیز حلیم..... کوٹھا کلاں۔ ڈیرہ سر شہلا آچل اشاف اور قارئین کو ہماری طرف سے چاہت میرا سلام۔ آچل اس بار بہت لیت موصول ہوا سرور و رق را کے ساتھ جگہ جگہ ہاتھ و پیر کی کوٹ اینڈ چارنگ نائل تمام سب سے پہلے مدیرہ جی کی سرگیاں پر محسوس اور پھر حروف و نثاق سے مستفید ہوئے۔ در جواب آں میں مدیرہ جی لکھے اچھے جوابات دیتی ہیں ناس۔ ہمارا آچل میں قصیدہ الاسلام میں لکھیں روینہ کوڑا خانہ اشرف کا تعارف بڑھا بہت اچھا لگا۔ سلسلہ وار بناؤ کی بات ہو جائے تو "تیری زلف کے سر ہونے تک" اتر اصفیٰ احمد کمال کا ناول ہے "شب بھری پہلی بارش" دیکھو تو اس کا بھائی مل گیا ہانسی سب اپنا کیا بھٹا رہے ہیں۔ باز یہ آپ واقعی میں ہی ایڈیٹر کے قائل ہیں ویری لکڑ۔ "ذرا سکرامیرے کشمہ" فاعظہ گل کی بات ہے سسرل کرتا ہے کہ شرمین کے منہ پر پھڑپھڑ کی برسات کرلوں اور سکندر ہے ہی کہیں انسان پیٹ میں آنت نہیں اور منہ میں دانت نہیں۔ شرمین جیہا بہت بڑی چیز ہوتی ہے مگر اس جیسے بے غیرت انسان نہیں سمجھتے تین کو اس کی محبت مل گئی ہے یہ اچھی بات ہے مگر اچھے بے چاری کو ایک خوشی ملی تو ساتھ میں ایڈیٹر مگر بھی ڈن ڈن فاعظہ جی۔ "ابھی پھولوں میں خوشبو پائی ہے" یامین نشاط ویری بیٹ ناول آپ کا سابقہ ناول "پاول دل آ نکھیں" ابھی بھی نہیں بھولے ہم اور اس بار بھی آپ نے کمال کر دیا بہت شاندار۔ "جنوں سے عشق تک" یہ کیا شہرہ تو ہوئی کو اپنا دامن مجھ بھی ہے اگر مگر کے بدوں نے یہ فیصلہ کیا ہے تو ج مجھ پر کیا ہے اگر شہزادہ زین شاہ میں انٹر سٹل ہے تو وہ اپنے والدین کو بتا دے خیر یہ قسط پڑھ رہی گڈ سمیرا آئی۔ ناول میں "بخت کا ستارہ" نظیر فاطمہ ویری لکڑ۔ "امان بی" سمیرا سرفراز بہت زبردست ناول دیکھ "خواب زادی" مبادیاض ویری گڈ افسانے بھی ایک سے بڑھ کر ایک تھے آئی فاعظہ بیٹی شکر ہے۔ بیاض دل میں بھی نے بہت اچھا لکھا دیکھ سلسلے بھی بہت اچھے جارہے ہیں۔ اس دعا کے ساتھ اجازت چاہیں گے کہ آچل ہمیشہ سلامت رہے زندگی رسی تو پھر ملاقات ہوئی تب تک کے لیے اللہ تعالیٰ۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت اللہ رب العزت ہم سب پر رحم فرمائے۔ ہماری پریشانیوں کو دور کرے اور پاکستان کا قیام قائم رکھے آمین۔



میرے دوست میرے

شمال کا شرف

پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

س: میری سالگرہ بر میرے میاں جانی پر اس افضل شاہین میرے سامنے بیٹھے تھے مگر اس طرح کہ.....؟

ج: پہلو جو میں لنگور ہے ناں۔

س: درختی کے وقت دن کی سہیلیاں اسے نسوؤں کے ساتھ دوا کرتی ہیں اس وقت لہکا کے دوست کیا کرتے ہیں؟

ج: اس وقت تو بھگتو ڈالتے ہیں لیکن بعد میں اس کے آنسو صاف کرتے ہیں۔

س: دوسروں کے دروازہ کھٹکانے سے کیا ملتا ہے؟

ج: کبھی پیسے ملتے ہیں کبھی جھڑکی اب تم اپنے میاں ایسے کام کی کرواؤ گی کیا۔

زمیمہ روشن..... آزاد کشمیر

س: آنی جی جلدی سے کوئی نوکھتا نہیں سکون کا ج میں کہیں نہیں مل رہا سب کو پتا ہے کیا؟

ج: یہ صرف خیر شادی شدہ اور خوب صورت لوگوں کو میسر ہے جیسے مجھے تم صرف حمل کرکھنا ہو۔

س: آنی جی ہر سوال کا جواب حاضر ہوتا سب آپ کے پاس یہ بتائیں کسیر دیکھا ہے کبھی؟ نہیں دیکھا تو پینکٹ کریں اور آجائیں ہمارے پاس آپ کا تعارف کچھ اس طرح کرواؤں گی

یہ ہماری شمالی آن آئن اشفاق نے ان کو اپنا دماغ ڈھنڈ کر دیا تھا جب ہی تو ہر وقت کہتی ہیں ہم سے پوچھتے تھے کیسا لگا؟

ج: اپنے دماغ کا علاج کروا کر کسیر جاؤں گی تب آؤں گی۔

س: ایک اچھی اور لمبی سی دعا کے ساتھ رخصت کیجیے سدا سہاگن رہو کے علاوہ؟

ج: سدا رومال سے اپنی ناک صاف کرتی رہو خوش رہو۔

س: مجبوریاں ان کی بھی اور تنہا ہم ہو گئے..... کیوں؟

ج: ادھار لے کر وہ مگر جو گئے۔

س: اگر سلسلہ ہوتا کہ "نجم انجم" سے پوچھتے تو آپ مجھ سے

کیا سوال کرتی؟

ج: تمہاری سو محسوس اتنی گہمی کیوں ہیں؟

س: آپ جب مجھے خوب صورت القاب سے نوازتی ہیں تو میرے ملک صاحب بہت خوش ہوتے ہیں آپ کو بڑی دعائیں دیتے ہیں؟

ج: ان کی دعاؤں سے ہی تو آپ نے مجھ جیسی خوب صورت اساتذہ حاصل کی ہے۔

س: آپ کو پتا ہے کہ مجھے سی سے پیار ہو گیا ہے (۱۱۱۱) اظہار کرنے کا کوئی آسان طریقہ بتائیں؟

ج: اپنے میاں کے کان میں اس کا نام بتادیں باقی وہ سب خود سن لیں گے۔

س: بہت کوشش کر لی مگر وہ کم بخت دل سے نکلا ہی نہیں؟

ج: یہ بات ساس کو بتا دو اس کے بعد دل سے تو کیا نکلے گا کبھی نظری نہیں آئے گا۔

دعا موصول..... حافظ آباد

س: کتاب کی چرے کیسے ہوتے ہیں؟

ج: گفت گئی بار تو تم کو اپنا حسین چہرے کا دیدار کر لیا پھر بھی پوچھ رہی ہو۔

س: مت گستاخی کرنا اس سے..... کس سے؟

ج: اپنی ہونے والی ساس سے جب ہو جائے تب کرنا۔

س: سفید جھوٹ کسے کہتے ہیں؟

ج: وہی جسے بول کر ہر جگہ اپنا مطلب نکالتی ہو۔

س: طبیعت زیادہ خراب ہو تو کس سے رجوع کیا جائے؟

ج: تم تو جانوروں کے ڈاکٹر سے کرنا۔

س: شائل آئی کیسی ہیں آپ؟ آپ کی محفل میں پہلی بار

آئی ہوں تمہاری ہی جگہ ملے گی؟

س: بہت مولیٰ ہوا اس لیے کھڑی رہو بس۔

س: شائل آئی اپنے حسن کا راز تو بتائیں؟

ج: ابھی تو آنی ہو اور فری بھی ہو گئیں۔

س: آئی! آپ کے پاس ایسا وظیفہ ہے جس سے آپ محفل میں ہر ماہ مجھے تمہاری جگہ ملا کرے پتا بتادیں؟

ج: اپنا ساز اور وزن کم کر لو۔

عظمیٰ لطیف..... جڑانوالہ

س: اچھا یہ تو بتائیے آئی جب آپ کو قصداً تہ کیا رد عمل

ہوتا ہے؟

ج: رومی کی نوکری میں قصداً تار دیتی ہوں آگے تم خود مجھ دار ہو۔

س: آپ! جب روتے روتے ہنسی آجائے وہ بھی کسی کے سامنے تو؟

ج: اپنے دلداروں کا سوچ لیا کرو پھر رونا آئے گا۔

س: آپ مجھے کس بات سے یاد کریں گی؟

ج: بڑن بہت اچھے صاف کرتی ہو۔

س: مجھے کوئی نصیحت کر دیں؟

ج: ہمیشہ کام اور کام کرو جب اپنے گھر کے کاموں سے فارغ ہو جاؤ تو مہمانوں کے گھر کے کام کرنا۔

حنانورین..... دلہندہ

س: آپ! دوسری بار انٹری دی ہے کیا آپ نے مجھے یاد کیا؟

ج: بہت یاد کیا جو خراب سی چائے پلا کر گئی تھی مجھے زندگی بھر تمہاری صورت کے ساتھ یاد رہے گی۔

س: آپ! آپ نے مجھے عینک کے بغیر دیکھ کر چیخ کیوں ماری تھی؟

ج: تم عینک کے بغیر بھی چڑیل ہی لگ رہی تھیں۔

س: آپ! پروین افضل شاہین کے سوال اتنے کٹھنے ٹٹھے کیوں ہوتے ہیں؟

ج: کیونکہ ان کی ہر بات اپنے میاں سے شروع ہوتی ہے تمہاری طرح وہ فارغ نہیں۔

اتر اکبات..... حافظ آباد

س: آپ! میں جب بھی آتی ہوں آپ مغل سے کوچ کیوں کر جاتی ہیں؟

ج: تم آتے ہی ادھار لگانا شروع ہو جاتی ہو۔

س: آپ! آپ ایک شران لاد دیکھتے نہیں؟ میں سولاجٹ کی آمد ضروری نہیں؟

ج: اس میں تم جو میر وین کارول پلے کر رہی تھیں۔

س: میں کراچی نہیں آتی کیونکہ آپ کو دیکھ لیا تو.....؟

ج: میری خوب صورتی سے محل کر مرید کا سیاہ ہو جاؤں گی۔

کی۔

رحیمہ آرزو روشن..... آزاد کشمیر

س: پیاری آپ! جان پہچانی بار آپ کی مغل میں شرکت کر رہی ہوں کچھ خدمت خاطر تو کریں دیسے تو میں نے سنا ہے

کآپ بڑے مہمان نواز ہیں؟

ج: مہمان نواز تو ہم ہے پر ان کے لیے جو.....

س: آپ! جان آپ نے تو سن رکھا ہوگا کہ ہماری کشمیر کو لوگ جنت کہتے ہیں تو ذرا بتائیے گا کہ اس میں رہنے والوں کو کیا کہتے ہیں؟

ج: جنت میں رہنے والوں کو جنتی کہتے..... کیوں کشمیر۔

س: آپ! جان ایک سال پہلے مجھے یرقان ہو گیا تھا اور آپ جانتی ہیں میرا رنگ بالکل پیلا ہو گیا تھا عجیب سی شکل بن گئی تھی

کاش آپ! آپ وہاں ہو تیں تو.....؟

ج: تمہاری شکل تو ابھی جوابات دیکھ کر چلی ہوئے گی ہے۔

نورین انجم..... کراچی

س: مجھے دیکھ کر آپ کے ہاتھوں کی گرفت ڈنڈے پر مضبوط کیوں ہو جاتی ہے؟

ج: بغیر ڈنڈے کے تم قابو بھی تو نہیں آتی ناں۔

س: کام کرنے والی کو مایہ کیوں کہتے ہیں؟ چاہی مایہ آئی یا ماما جانی بھی تو کہہ سکتے ہیں؟

ج: چاہی مایہ آئی یا مایہ اگر گھر کے کام کرتیں تو پھر مایہ لفظ ہی کیوں ایجاد ہوتا۔

س: سوچ کر تائیں کہ میں آپ کو کسی لگتی ہوں؟

ج: بالکل دیکھی..... سمجھ جاؤ۔

س: آپ ہم سے ملنے کب آ رہی ہیں؟

ج: جب آپ دعوت میں من و سلوٹی کھلائیں گی۔

س: میں جب بھی بارش میں نہاتی ہوں تو میرے کپڑوں کے ساتھ میں بھی میٹک جاتی ہوں۔

ج: تو پھر صوبہ کا انتظار کیا کرو تا کہ کپڑوں کے ساتھ تم بھی سوکھ جاؤ۔

عائش کھمال..... رحیم یار خان

س: اور ہاں میری ساس مندوں کے خلاف کچھ مت بولیں گا کیونکہ ابھی میں خود گی ہوں؟

ج: گی نہیں گی ہو روزہ تمہاری ساتھ کی تو دادی نانی بن گئی ہیں۔

س: اچھا یہ بتائیں کیا آپ میری بھابی بنیں گی؟ کوئی بات نہیں میرے اور میرے گھر والے بے جدا مجھے ہیں کریں گے آپ کے ساتھ گزارا؟

ج: تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے ہی تمہارا بھائی اب تک کنوارہ بنے بے چارہ۔

س: کچھ تو آپ! جان انعام والا سلسلہ کیوں نہیں رکھتیں؟ جب دیکھیں ہر کسی کے پاس آپ کی ادھار ہے؟

ج: اب شاہنشاہ تم ادھار دلا کر کر کے جانا۔

س: اس بار دیکھا آپ تو پانی بھرتے نظر آئیں میرے سامنے جواب بھی نہیں دھونڈے جارہے؟

ج: جواب تو کھرے کھرے دے سکتی ہوں لیکن تمہاری روتی صورت پر ترس گیا۔

راجہ عمران چوہدری..... رحیم یار خان

س: کاش کوئی ہم سے بھی پوچھے ”اتنی دیر تک کیوں جاگتے ہو؟“

ج: اس لیے جاگتی ہو جن کلو پری کو حور پری بتاتی ہو ان کے شوہر کہیں ڈنڈا لے کر نا آجائیں۔

س: نہ جانے کیسے لوگ ہوتے ہیں جن کو سیکھے پر سر رکھ کر ہی نیند آ جاتی ہے؟

ج: ختم جو کیا مصلیٰ میں رکھو گی تو کہاں نیند آئے گی۔

س: زندگی کے بارے میں کیا کہیں گی آپ؟ زندگی کیا ہے؟

ج: تمہارے بغیر بہت خوب صورت اور حسین بھی جگ میں پوچھ لو اپنے شوہر سے۔

شازیہ اینڈ حراجا وید..... نور پور

س: ہم نے ماری انٹریاں دل میں بھی گھنٹیاں بھلا کس کے؟

ج: اسی گدھے کے دل میں جس کے مصلیٰ پر تم نے انٹری ماری تھی۔

س: ارے دو تین ماہ غائب کیا رہی تم تو میری جدائی میں مجھوں بن چکی ہو۔

ج: اور تم کلی..... بالکل حبشی لگی سیہ رات جیسی۔

س: چھ جون کو میری سالگرہ بھی گشت بھی نہیں دیا کچھوں۔

ج: میں نے بھیجی تھی اب اگر تمہارا چھوٹا بھائی لے اڑا تو اس میں شکوہ کیا ممبر کے گھونٹنی لو۔

س: میری جیجی حراجا وید جو جیجی ام اور بہن زیادہ لگتی ہے اس کو بھی آپ کی مغل میں آنے کا شوق ہے کیا جگہ دیں گی؟

ج: یہاں تم کو نکال کر اس کو ضرور جگہ دوں گی اب سوچ لو۔

مدیحہ نورین مہک..... گجرات

س: آپ! جی کوک باپتھی سے دودھ سوڈا کیوں نہیں پیتا؟

ج: پیتا ہے نئی ٹرائی کر کے دیکھو۔

س: لائٹریں کیا مٹی کا تیل بھرا ہوتا ہے؟

ج: خود مٹی کا ارادہ ہے کیا؟

س: لوگ چاند پر جاتے ہیں سورج پر کیوں نہیں جاتے؟

ج: سورج کہتا ہے پہلے تمہاری انٹری ہوں۔

س: لوگ اپنے محبوب کو ستاروں کے نام سے کیوں نہیں پکارتے میرا پلوٹو میرا مشتری وغیرہ؟

ج: چاند نیک ہی ہے ناں محبوب بھی واحد ہی اچھا لگتا ہے یہاں تم اپنے محبوب کو دو۔

س: بندہ جتنا بھی کالا کیوں نہ ہو اس کا منجھاسر بہت چمک رہا ہوتا ہے کیا راز ہے؟

ج: اس کا جواب تو تم دو تمہارا سر کیوں چمک رہا ہے جبکہ عقل بھی نہیں ہے۔

س: دودھ میں مدھانی ڈالیں تو لسی بنتی ہے لسی میں مدھانی ڈالیں تو کیا بنے گا؟

ج: تمہارا قافلو دودھ بھی ساس کے ہاتھوں ڈال کر دیکھنا پھر پتا چلے گا۔

س: یہ منہ اور مسور کی دال کیوں چنے کی دال کیوں نہیں؟

ج: چنے کی دال جیسا تو تمہارا اپنا منہ ہے۔

س: گرم مصالحہ ہوتا ہے خشکا مصالحہ کیوں نہیں ہوتا؟

ج: لگتا ہے کچن سنبھال رہی ہو آج کل اپنے سسرال کا تب ہی ایسے سوال پوچھ رہی ہو۔

س: یہ منہ اور مسور کی دال کیوں چنے کی دال کیوں نہیں؟

ج: چنے کی دال جیسا تو تمہارا اپنا منہ ہے۔

س: گرم مصالحہ ہوتا ہے خشکا مصالحہ کیوں نہیں ہوتا؟

ج: لگتا ہے کچن سنبھال رہی ہو آج کل اپنے سسرال کا تب ہی ایسے سوال پوچھ رہی ہو۔



کپ کی صحت

رخسانہ اقبال، خوشاب سے لکھتی ہیں کہ میرا خط شائع کئے بغیر جواب دیں۔

محترمہ آپ 30 China کے 5 قطرے اور 30 Rush Tox کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

خدیجہ ابراہیم لاہور سے لکھتی ہیں کہ گرمی کی وجہ سے چھینکیں آتی ہیں، ناک سے پتلا پانی جیسا مواد خارج ہوتا ہے، اس کے ساتھ کبھی بخار بھی ہوجاتا ہے، آنکھوں سے بھی پانی آتا ہے۔ پٹوؤں میں جلن ہوتی ہے آنکھیں سرخ بھی ہوجاتی ہیں۔ کوئی دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ 30 Allium Cepa کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

سرخس ملک، ملتان سے لکھتی ہیں کہ میری شادی کو بیس سال ہو گئے ہیں، میرے شوہر کی عمر چالیس سال ہے، انہیں ازدواجی زندگی میں مسائل کا سامنا ہے جس کی وجہ سے ہم کافی پریشان ہیں، کوئی مناسب دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ اپنے شوہر کو 30 Staphisagaria کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں اور ڈاکٹر صاحب کا بتایا ہوا خاص طلاء بذریعہ منی آرڈر منگوا سکتی ہیں جس کی قیمت ۸۰۰ روپے ہے۔ ان شاء اللہ بہت افادہ ہوگا۔

فوزیہ راؤ، فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میری عمر انیس سال ہے میری آنکھوں کے نیچے پٹے ہیں، کوئی دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ 3x China کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

شاہدہ فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ مجھے تسلی اور آٹھی کی شکایت ہے، خاص طور پر چربی والے گوشت اٹھانے اور چھلکی کی بو سے تسلی ہوتی ہے، دوسرے کمرے سے یا باہر جی خانے سے بھی بو آتی ہے تو تسلی ہونے لگتی ہے۔ کوئی دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ 30 Colchicum کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

عبدالستار گجرات سے لکھتے ہیں کہ مجھے کافی عرصے سے بواسیر کی شکایت ہے جو اب ناسور کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ کوئی دوا تجویز کریں کہ اس بیماری سے شفاء مل جائے۔

محترمہ آپ 30 Paeonia کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

امجد خان، سوات سے لکھتے ہیں کہ میں کئی بیماریوں میں مبتلا ہوں، مکمل کیفیت لکھ رہا ہوں میرے لیے کوئی علاج تجویز فرمائیں اور ہمارے علاقے میں ہومیو پیتھک میڈیسن نہیں ملتی، تجویز کردہ دوائی کو منگوانے کا طریقہ بھی بتادیں۔

محترمہ آپ کی ایک ماہ کی دوا ایک ہزار روپے کی ہے، مبلغ ایک ہزار روپے کا منی آرڈر ہمارے کلینک کے نام پرے پر ارسال کریں، آپ کی دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔

محمد عثمان، ہرپور سے لکھتے ہیں کہ میری عمر پچاس سال ہے، میرا مسئلہ یہ ہے کہ پیشاب کے آخر میں تکلیف ہوتی ہے، کبھی پیشاب کم لیسڈ اور اور جھاگ والا آتا ہے۔ مثانے میں بھی اکثر درد ہوتا ہے۔ میرے لیے کوئی دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ 30 Sarseparilla کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

منیبہ سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میری عمر پچاس سال ہے، جوڑوں میں درد رہتا ہے، درد پاؤں کی اٹھیلیوں سے جوڑوں کی طرف بڑھتا ہے، کبھی سوجن بھی ہوجاتی ہے، ٹھنڈی چیز لگانے سے درد میں کمی محسوس ہوتی ہے۔ کوئی دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ 30 Ledum Pal کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔ اس کے علاوہ جوڑوں کے درد کے لیے ہمارے کلینک کے پتے، مبلغ ۷۰۰ روپے کا منی آرڈر بھیج دیں، ایک بوتل Aphrodite Pain Killer آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

نسیم بانو، لاہور سے لکھتی ہیں کہ میرا بچہ جب لکھتا

پڑھتا ہے تب آنکھوں میں درد اور جلن ہوتی ہے۔ پڑھتے وقت آنکھوں سے پانی آتا ہے الفاظ آپس میں گڈ گڈ ہوجاتے ہیں، سر میں درد بھی رہتا ہے، کوئی دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ اپنے بچوں کو 30 Natrum Mure کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں۔

نبیلہ تعظیم، روالپنڈی سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بہت زیادہ بال ہیں، جس کی وجہ سے چہرے کی حرکت بھی سانسولی لگتی ہے، برائے کرم بالوں کو ہمیشہ ختم کرنے کے لیے ایفروڈائنٹ ارسال کریں۔ میں خط میں ۹۰۰ روپے رکھ کر منی آرڈر کر رہی ہوں اور انٹراساڈکٹ کی رپورٹ بھی خط کے ساتھ بھیج رہی ہوں۔

محترمہ ہم نے بار بار لکھا ہے کہ رقم ہمیشہ منی آرڈر کے ذریعے ارسال کریں مگر پھر بھی آپ نے یہ غلطی کی ہے۔ ایفروڈائنٹ ہمیں بھیج کر دوا نہ کر دیا گیا ہے۔ دوبارہ منگوانے کے لیے آئندہ اپنے قریبی ڈاکٹرانے سے معلوم کر لیں کہ منی آرڈر کس طرح ہوتا ہے۔

میمونہ ذریہ غازی خان سے لکھتی ہیں کہ مجھے ہلکی سی سردی لگنے لگے تو زکام ہوجاتا ہے، گلے میں درد ہوتا ہے، کچھ بھی کھانے پینے میں گلے میں تکلیف ہوتی ہے، نکلے میں درد ہوتا ہے، گلے کے نعرہ دوسن جاتے ہیں۔ کوئی دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ 30 Baryta Carb کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔ ٹھنڈی اور چھانکی والی اشیا سے پرہیز کریں۔

انجم، بکھر سے لکھتی ہیں کہ میری عمر اٹھارہ سال ہے، میرے منہ سے ناگوار قسم کی بدبو آتی ہے، ہاضمہ کی کوئی شکایت نہیں ہے، بار بار دانٹ صاف کرنے کے باوجود بو نہیں جاتی، کسی محفل میں شرمندگی کے باعث شرکت نہیں کرتی۔ کوئی دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ 30 Cimicifuga کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

راجہ عمیر، ٹوبہ ٹیک سنگھ سے لکھتی ہیں کہ میرے دو بچے ہیں، میرے بچے کی عمر پندرہ سال ہے اور بیٹی کی عمر اٹھارہ سال ہے، دونوں بہت شرمیلے ہیں، کوئی بھی مہمان گھر پر

آکس تو ان سے نہیں ملتے، اپنے کمروں میں رہتے ہیں، گفتگو کرتا پند نہیں کرتے، معمولی محنت والا کام بھی بہت بڑا معلوم ہوتا ہے، رات کو ڈر لگتا ہے، نیند کی کمی اور سستی کا شکار ہیں۔ حافظہ بھی کمزور ہے۔ کوئی دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ اپنے دونوں بچوں کو 6x Kali Phos کی دو گولیاں دن میں تین مرتبہ کھلائیں۔

ریاض احمد، ایبٹ آباد سے لکھتے ہیں کہ میرے بال بہت کمزور ہیں، گرمی رہے ہیں اور جن پن نمایاں ہوتا جا رہا ہے، اس مسئلے کے حل کے لیے خط میں ایک ہزار روپے رکھ کر ارسال کر رہا ہوں۔ خط میں میرا موبائل نمبر بھی موجود ہے جیسے ہی خط مل جائے کال کر کے مطلع کریں۔

محترمہ ہم نے بار بار لکھا ہے کہ رقم ہمیشہ منی آرڈر کے ذریعے ارسال کریں مگر پھر بھی آپ نے یہ غلطی کی ہے۔ ہمیں گروہ آپ کو روانہ کر دیا گیا ہے۔ دوبارہ منگوانے کے لیے آئندہ مبلغ ۷۰۰ روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں۔ آپ کو ایک بوتل بھیج دی جائے گی۔

نانکھ، بہاولپور سے لکھتی ہیں کہ مجھے تین سالوں سے دانتوں کی بیماری Gingivites ہے، اس بیماری میں مسوڑھے پھولے ہوئے اور دانتوں سے خون آتا ہے اور ہلکا ہلکا خنڈا اور گرم بھی لگتا ہے، دانت ہلکے ہلکے ملتے بھی ہیں اور تین سالوں سے مسلسل علاج کروا رہی ہوں کوئی فائدہ نہیں ہو رہا۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ معدہ خراب رہتا ہے، چہرے پر دانے نکل آتے ہیں، کھانا کھانے کے بعد پیٹ پھول جاتا ہے اور پیٹ سخت ہوجاتا ہے۔ میرے دونوں مسائل کیلئے مناسب دوا تجویز کریں۔ تیسرا مسئلہ میری بہن کا ہے، صبح اٹھتی ہے تو منہ اور بال بکڑا ہوتا ہے اور تین مہینوں سے معدے اور پیٹ کے بائیں طرف درد بھی ہوتا ہے، جب درد زیادہ ہوتا ہے تو پیٹ کے بائیں طرف اور ناف کے اگر گردہ سخت اور کھچاؤ محسوس ہوتا ہے۔

محترمہ آپ دانتوں کیلئے 6x Marc Sol کے 5 قطرے اور معدے کیلئے 6x Carboveg کے 5

قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پئیں۔

شمینہ، رحیم یار خان سے لکھتی ہیں کہ میری عمر تقریباً 30 سال ہے، میرے بالوں کا مسئلہ ہے، جب بھی کچھ کرتی ہوں ڈھیر سارے بال ہاتھ میں آجاتے ہیں اب تو تھوڑے

الٹراساؤنڈ کروا کر رپورٹ بھیجیں، دوسرے مسئلے کے لئے ہمارا تیار کردہ Aphrodite Hair Inhibitor استعمال کرنا ہوگا۔ آپ ہمیں مبلغ 900 روپے بذریعہ منی آرڈر یا ایزی پیسہ (اکاؤنٹ نمبر 03494900800) کریں۔ آپ کو ایک بوتل آپ کے گھر بھیج دی جائے گی۔ اس کے استعمال سے فائدہ ہوگا۔ آپ Nux Vomica 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پیئیں، پانی زیادہ پیئیں، ان شاء اللہ بہتری آئے گی۔

سانول علی خان، ڈیرہ اسماعیل خان سے لکھتے ہیں کہ میرے ساتھ 2 مسئلے ہیں، پہلا مسئلہ یہ ہے کہ میرے سر کے بال بہت زیادہ گرتے ہیں اور دوبارہ اُٹھتے بھی نہیں ہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میری فروری 2018ء میں شادی ہے اور نوجوانی کی غلط کاریوں سے اپنا بہت نقصان کر چکا ہوں اس وجہ سے بہت پریشان ہوں اس مسئلے کا بھی بہتر حل بتادیں اور کیا آپ کی تجویز کردہ دوائی ڈیرہ اسماعیل خان سے مل جائے گی؟ پریسز اور دوائی استعمال کرنے کا عرصہ بھی بتادیں۔

محترم آپ کے تمام مسائل ہیر گرور سے حل ہو جائیں گے۔ گھر پر منگوانے کیلئے مبلغ 700 روپے بذریعہ منی آرڈر یا ایزی پیسہ (اکاؤنٹ نمبر 03494900800) کریں۔ آپ کو ایک بوتل بھیج دی جائے گی اور دوسرے مسئلے کیلئے Acid Phos 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پیئیں اور ڈاکٹر صاحب کا بنایا ہوا خاص طلاء بذریعہ منی آرڈر منگوا سکتے ہیں جس کی قیمت = 800 روپے ہے۔ ان شاء اللہ بہت افادہ ہوگا۔

شمینہ اشرف، ٹنڈی والا سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر مردوں کی طرح سخت بال ہے، ایک بار تھریڈنگ کروائی جس کی وجہ سے بال زیادہ اور سخت ہو گئے ہیں کچھ عرصے بعد میری شادی ہے میں ان بالوں کی وجہ سے بہت پریشان ہوں، جس کی وجہ سے میرا رنگ بھی سناٹا ہو گیا ہے۔ میرا آچھل میں یہ کالم دس سالوں سے پڑھ رہی ہوں میں نے ایفروڈائٹ کے بارے میں پڑھا ہے، کیا اس سے بال ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائیں گے کتنی بوتلیں استعمال کرنے سے بال ختم ہو سکتے پلیز تفصیل سے بتائیں اور مجھے منی آرڈر کے بارے میں معلوم نہیں ہے اس بارے میں بھی تفصیل سے

سے بال رہ گئے ہیں میں نے بہت سارے ٹونکے اور تیل استعمال کئے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں کافی سالوں سے (آچھل ڈائجسٹ) پڑھ رہی ہوں لیکن کبھی غلط نہیں لکھا، پہلی دفعہ خط لکھ رہی ہوں۔ آپ کے ہیر گرور کی بہت تعریف سنی ہے، میں بہت پریشان ہوں کیا میرا مسئلہ حل ہو جائے گا، بال گرتا بند ہو جائے گا اور نئے بال بھی آنا شروع ہو جائیں گے اس کیلئے مجھے کتنی بوتلیں استعمال کرنی پڑیں گی۔ طریقہ استعمال اور یہ بھی بتادیں کہ منی آرڈر کرنے کے کتنے دن بعد آرڈر ملے گا۔

محترمہ آپ کے تمام مسائل ہیر گرور سے حل ہو جائیں گے۔ تین ماہ کے مکمل کورس کیلئے آپ کو 4 بوتلیں استعمال کرنی ہوں گی۔ گھر پر منگوانے کیلئے مبلغ 2800 روپے بذریعہ منی آرڈر کریں۔ آپ کو 4 بوتلیں بھیج دی جائیں گی۔ منی آرڈر وصول ہونے کے بعد 3 سے 4 دن میں آپ کو آرڈر مل جائے گا۔

حنانورین، دہلیندین سے لکھتی ہیں کہ میرا دماغ بہت کمزور ہے۔ کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ دماغ تھک گیا ہے، دماغ پرسکون نہیں ہے سوچاؤں تب بھی صحیح نہیں ہوتا ہے۔ دوسرا مسئلہ میرے والدین کا ہے، ان کے کمرے کولہوں اور ٹھنڈوں میں دردر ہوتا ہے، امی بہت کمزور ہیں۔

محترمہ آپ Kali Phos 6 کی 4 گولیاں دن میں تین بار کھائیں اور اپنے والدین کو Theridian 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں، ان شاء اللہ افادہ ہوگا۔

ایمن اختر، سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میری بہن کا ماہواری کا مسئلہ ہے، ڈیٹ ٹھیک سے نہیں آتی، جب کوئی دوائی لیتی ہے تو اسے ڈیٹ آتی ہے، اگر نہ لیں تو چھ چھینے بھی نہیں آتی۔ کافی دوائیاں استعمال کر چکی ہیں لیکن اسے آرام نہیں آتا۔ اب اس کی شادی ہوئی ہے ابھی بھی یہی حال ہے۔ دوسرا مسئلہ اس کے چہرے پر بال بہت زیادہ ہیں، ٹھوڑی کے نیچے داڑھی کی طرح بال ہیں۔ پلیز کوئی دوائی بتادیں کہ اس کے مسئلے حل ہو جائیں۔ تیسرا مسئلہ میرا ہے مجھے اکثر قبض رہتی ہے، میرے لئے بھی کوئی دوائی بتائیں۔

محترمہ آپ اپنی بہن کے پہلے مسئلے کیلئے Pelvis کا

بتائیں۔

محترمہ آپ کی طرح ہزاروں خواتین ہمارے کلینک کے تیار کردہ Aphrodite Hair Inhibitor سے فیضیاب ہو چکی ہیں، آپ ہمارے کلینک کے پتے پر مبلغ 900/= روپے کا مٹی آرڈر یا ایزی پیسہ (اکاؤنٹ نمبر 03494900800) کریں، Aphrodite Hair Inhibitor آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ آپ کے بال سخت اور موٹے ہیں اس لئے آپ کو اس کے ساتھ Olum jec 3x کی ایک گولی صبح اور شام کھانی ہوگی۔ دونوں دوائیوں کے استعمال سے چہرے کے فالو بال ان شاء اللہ مستقل طور پر ختم ہو جائیں گے۔ مٹی آرڈر کرنے کا طریقہ اپنے قریبی ڈاک خانے سے معلوم کر لیں۔ راجہ رضا، بھکر سے لکھتی ہیں کہ میری والدہ کو قبض کی شکایت ہے، کبھی قبض اور کبھی دست بھی ہوتے ہیں، اجابت کے وقت زور لگانا پڑتا ہے، کوئی دوا تجویز کر دیں۔

محترمہ آپ اپنی والدہ کو Collinsonia 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں۔ آمنہ بی بی، فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا 3 سال کا بچہ ہے جو چوکیٹ اور ٹافٹوں بہت کھاتا ہے جس کی وجہ سے دانت کالے ہو گئے ہیں، دانتوں کے کنارے ٹوٹنے بھی لگے ہیں، کچھ دانت ٹوٹ بھی گئے ہیں، دانتوں میں درد بھی ہوتا ہے، کوئی دوا تجویز کر دیں۔

محترمہ آپ اپنے بچے کو Staphysagria 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں، غیر معیاری ٹوفیاں اور مضمی چیزوں سے پرہیز کروائیں۔

تانیہ، پونچھ، آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 18 سال ہے، میرا مسئلہ نسوانی حسن کی کمی کا ہے جس کی وجہ سے میں کافی پریشان ہوں اور دوسرا مسئلہ ماہانہ نظام بھی ٹھیک نہیں ہے، 2 ماہ بعد ماہواری آتی ہے، 15 سے 20 دن تک رہتی ہے، کوئی دوائی تجویز کر دیں اور یہ بھی بتادیں کہ رنگ گورا کرنے کی میڈیسن Judum 1M ہو یا چھک اسٹور سے مل جاتی ہے اور اس کے کوئی سائیڈ ایفیکٹ تو نہیں ہے۔

محترمہ آپ ماہانہ نظام کیلئے 30 Pulsatilla کے

5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار عین اور نسوانی حسن میں اضافے کیلئے آپ ہمارے کلینک کے ایڈریس پر 600/= روپے کا مٹی آرڈر کر کے بریسٹ پیوٹی منگوا سکتی ہیں۔

حمیدہ بیگم، میر پور خاص سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے اکثر سر میں درد رہتا ہے، درد کی شدت سے چہرہ سرخ ہو جاتا ہے، اور سر گرم بھی ہوتا ہے بلکا بخار محسوس ہوتا ہے، روشنی، شور اور آواز لینے سے درد کی شدت میں اضافہ ہوتا ہے، پیشانی میں دائیں طرف درد زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ کوئی دوا بتا دیں۔

محترمہ آپ Belladonna 6 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔ مسز امل، ڈیرہ اسماعیل خان سے لکھتی ہیں کہ میری شادی کو 6 سال کا عمر ہو چکا ہے، اب تک اولاد سے محروم ہوں۔ شوہر کے ساتھ کوئی مسئلہ نہیں ہے، ان کی رپورٹ ٹھیک ہیں، مجھے بھی کوئی علاج بتائیں تاکہ میں صاحب اولاد ہو سکوں۔

محترمہ آپ اپنے Palvis کا الٹرا سائونڈ کروا کر رپورٹ ہمارے کلینک کے ایڈریس پر روانہ کر دیں، رپورٹ دیکھ کر دوائی تجویز کی جائے گی۔ مٹی آرڈر کرنے کا پتہ:

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک
ایڈریس: دکان نمبر C-5، کے ڈی اے فلیٹس، فیز 4، شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-14، نارتھ کراچی۔
75850 فون نمبر: 021-36997059
صبح 10 بجے، شام 6 بجے۔

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر: 03494900800
خط لکھئے گا پتہ:
آپ کی صحت ماہنامہ آنجل کراچی پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی۔



نگہ بانی

حنانہ احمد

نئی وی کے لیے ”آئی“ کنٹرول

جراثیمی میں ایک ایسا ہی وی متعارف کرایا گیا ہے جسے انسانی آنکھ کے اشاروں سے کنٹرول کیا جاسکتا ہے اس کی وی کو ہارکینی نے سویڈن کے ایک ادارے ٹو بی کی بنائی ہوئی ٹیکنالوجی کی مدد سے تیار کیا ہے۔ ٹو بی کینی پہلے سے ہی کمپیوٹر پر آنکھ کے اشارے سے کام کرنے والی ٹیکنالوجی تیار کرتی ہے اور تو بے کی جاری ہے کہ اس ٹیکنالوجی پر چلنے والی اشیاء جلد صارفین کو دستیاب ہو سکیں گی۔ اس کی وی کی خاص بات یہ ہے کہ اسے چلانے کے لیے آپ کو یہ صورت کنٹرول کی ضرورت نہیں رہے گی بلکہ آپ اپنی نظروں سے ہی یہ صورت کنٹرول کا کام لے سکیں گے۔ چھپیل بدلنے کے لیے ہی وی اسکرین کے اوپر یا نیچے موجود محسوس نشانات پر نظر بھر کر دیکھنا اور پلک جھپکنا ہی کافی ہوگا۔

اداسی کی قیمت

امریکا کے طبی ادارے ہارورڈ یونیورسٹی کے ماہرین کی ایک ٹیم نے اداسی کی حالت میں کیے گئے فیصلوں پر تحقیق کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اداسی کی حالت میں مالیاتی امور سے کیے جانے والے اکثر فیصلے نقصان کا باعث بنتے ہیں اور اداسی کی بھاری قیمت چکانا پڑتی ہے۔

نمک کا استعمال اور کینسر

ورلڈ کینسر ریسرچ فنڈ نے کہا ہے کہ کھانے میں نمک کم کرنے سے معدے کے کینسر کے خطرات کو کم کیا جاسکتا ہے۔ حد سے زیادہ نمک کا استعمال دوران خون میں دباؤ کا باعث ہوتا ہے اور اس سے دل کی بیماری اور کینسر ہونے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔

بے روزگاری سے دل کی بیماریاں

ایک حالیہ تحقیق کے مطابق پچاس اور ساٹھ سال کی عمر کے بے روزگار افراد میں ہارٹ ایکٹ یعنی دل کے دورے کا

خطرہ زیادہ ہوتا ہے تحقیق کے مطابق ہارٹ ایکٹ کے حوالے سے بے روزگاری اور سرگرم فوٹی کے عوامل ایک جیسے ہی ہیں۔ امریکا اور ایسے تیرہ دیگر ممالک پر تحقیق کی گئی جنہیں بے روزگار ہونے ایک سال ہوا تھا۔ نتائج کے مطابق ایسے افراد میں بے روزگاری کے پہلے تین ماہ میں دل کے دورے کا امکان زیادہ ہوتا ہے اور نوکری سے نکالے جانے کی صورت میں اس امکان میں تیزی سے اضافہ ہوتا ہے۔ برٹس ہارٹ فاؤنڈیشن نے تجویز کیا ہے کہ اگرچہ ذہنی دباؤ کا دل کے عارضے سے تعلق ہو سکتا ہے لیکن یہ براہ راست دل کی بیماریوں کا باعث ایسے خواتین اور مردوں کی بیماریوں کا زیادہ خطرہ رہا جو تباہ کن فوٹی کرتے تھے۔ بہت کم یا بالکل وراثت نہیں کرتے تھے۔ حال ہی میں بے روزگار ہونے والے افراد میں سے ستائیس فیصد میں دل کی بیماری کی علامات مشرک تھیں۔

چاکلیٹ سے چالاکی

چاکلیٹ کے بارے میں ایک تازہ تحقیق سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ان ممالک میں نوٹیل انعام حاصل کرنے والے زیادہ افراد پیدا ہوئے جہاں چاکلیٹ زیادہ کھائی جاتی ہے۔ کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر کا کہنا ہے کہ جب سے انہیں یہ پتا چلا کہ کوکا آپ کے لیے فائدہ مند ہے تب سے وہ چاکلیٹ کے فوائد پر حیرت زدہ ہیں۔ واضح رہے کہ چاکلیٹ کوکا سے بننا ہے ایک تحقیق میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ عمر دہاز لوگ جنہیں ذہنی پریشانی ہے یا جنہیں نسیان کا مرض ہونے والا ہو وہ اگر مستقل کوکا استعمال کرتے رہیں تو ان کی ذہنی کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان تحقیقات کے بعد کسی ملک میں نوٹیل انعام جیتنے والے افراد کی تعداد وہاں چاکلیٹ کے استعمال کا موازنہ کیا گیا۔

موٹاپا بھی نعمت ہے

امریکی میڈیکل ایسوسی ایشن کے ایک جریدے میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ سے یہ انکشاف ہوا ہے کہ موٹاپے کے شکار ایسے مریض جن کے خون کے اندر شوگر کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اس مرض کے شکار دبلے مریضوں سے زیادہ عمر پاتے ہیں۔

سام سنگ کا ایک ارب ڈالر جرمانہ امریکی ریاست کیلیفورنیا کی ایک عدالت نے جنوبی کوریاء کے الیکٹرونک ٹیکنالوجی کے اہم ادارے سام سنگ کو حکم دیا ہے کہ وہ اپیل کو ہرجانے کے طور پر پچاس ارب ڈالر ادا کرے کیونکہ اس نے اپیل کی ٹیکنالوجی اور ڈیزائن چوری کر کے اپنا پھیلتا کمپیوٹر بنایا ہے۔

بولتی گاڑیاں حادثات روکیں گی

امریکا میں سینکڑوں گاڑیوں میں ایک ایسا آلہ نصب کیا جا رہا ہے جس کی مدد سے گاڑیاں ایک دوسرے سے باتیں کر سکیں گی۔ امریکی ریاست مسٹی ٹکن میں ہونے والا یہ تجربہ محکمہ ٹرانسپورٹ کی زیر نگرانی ہو رہا ہے اور اس ٹیکنالوجی کا مقصد حادثات کو کم کرنا ہے۔

روبوٹس اولمپکس کا انعقاد

برطانوی شہر برمنگھم میں روبوٹس کے ”اولمپکس مقابلے“ جاری ہیں۔ جس میں دنیا بھر کی چھپیس تیسویں حصہ لے رہی ہیں نفا رومبوورلڈ کپ میں شریک ٹیموں کے روبوٹس باسکٹ بال فٹ بال سمیت مختلف کھیلوں میں حصہ لے رہے ہیں۔ برطانوی پہلی مرتبہ روبوٹس کے عالمی مقابلوں کی میزبانی کر رہا ہے اور مقابلوں میں شرکت کی خواہش کا اظہار کیا تھا ان مقابلوں میں روبوٹس نے انسانی کھلاڑیوں کے کئی ریکارڈ بھی توڑے ہیں۔ ان مقابلوں کے ایک منتظم نے میڈیا کو بتایا کہ ”سپرمنٹ“ کا عالمی ریکارڈ پیالیس سیکنڈ ہے جبکہ سنگاپور کے روبوٹ نے اسے اسیس سیکنڈ میں طے کیا انہوں نے بتایا کہ انسانوں کے برعکس روبوٹس سو میٹر کی دوڑ میں حصہ نہیں لیتے ہیں۔

دنیا کا سستا ترین ٹیبلیٹ

بھارت میں آکاش نامی دنیا کا سستا ترین ٹیبلیٹ کمپیوٹر کا ایک نیا ورژن متعارف کرایا گیا ہے جس میں پچھلے ورژن کے مقابلے میں زیادہ تیز پریسسر اور زیادہ دیرپا بیٹری نصب ہے ٹیبلیٹ ”بمبڈ راؤڈ“ آپریٹنگ سسٹم پر چلتا ہے۔

یو ایس کیسز سے سالانہ چالیس ہزار امداد پاکستان میں طبی ماہرین کا کہنا ہے کہ ملک میں ہر سال

چالیس ہزار خواتین چھاتی کے سرطان کے باعث موت کے منہ میں چلی جاتی ہیں اور ہر لوہ میں سے ایک اس مرض کا شکار ہو سکتی ہے جو انتہائی تشویش کا باعث ہے۔ سرطان سے بچاؤ اور اس مرض کے بارے میں آگاہی پھیلانے والی تنظیم پنک ربن سوسائٹی پاکستان کے مطابق ملک میں مختلف تنظیموں کے اعداد و شمار کے مطابق ہر سال نوے ہزار خواتین چھاتی کے سرطان کا شکار ہوتی ہیں۔ چھاتی کا سرطان کی شرح براعظم ایشیا میں سب سے زیادہ پاکستان میں ہی ہے اور ملک میں کینسر کی مختلف اقسام میں سب سے زیادہ مریض چھاتی کے سرطان ہی کے ہیں اس کے اعداد و شمار بھی بہت چونکا دینے والے ہیں کیونکہ ہر سال چالیس ہزار خواتین پاکستان میں اس بیماری کی وجہ سے موت کی نیند سو جاتی ہیں۔

آلودگی سے خلائی حادثوں کا خطرہ

زمین سے بلندی پر بالائی فضا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کے جمع ہونے سے کھنچاؤ کا اثر یا ڈریگ بمقبت کم ہو جائے گا اور اس سے مدار میں موجود سیٹلائٹس اور وہاں گردش کرتا ہوا خلائی کوڑا کرکٹ نہ صرف زمین کی جانب آئے گا بلکہ ان کے درمیان تصادم بھی بڑھ جائے گا۔ ایک سائنسی جریدے میں شائع شدہ ایک تحقیق کے مطابق زمین پر ایندھن کے جلنے سے درجہ حرارت میں اضافہ ہوا ہے۔ مطالعے کے مطابق اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ زمین سے تقریباً نوے کلو میٹر بلندی کا علاقہ زیادہ سرد اور کم کثیف ہو جائے گا اور وہاں موجود سیٹلائٹس پر فضا کی رگڑ یا کھنچاؤ کم ہوگا اور اس کے اثرات اس خلائی کچرے پر بھی پڑیں گے جو ناکارہ سیٹلائٹس اور راکٹوں کی تباہی سے وجود میں آیا اور پہلے سے ہی غیر مستحکم ہے۔ بالائی فضا میں کم رگڑ کا مطلب ہے کہ سیٹلائٹ اور خلائی طیارے وہاں زیادہ طویل عرصے تک موجود رہے گا اور ان کے باہمی ٹکرائے کے خطرات میں بھی اضافہ ہوتا رہے گا۔

